نقشِ سیرت

www.KitaboSunnat.com

مؤلفہ و مرتبہ :

نثار احمد

ایم۔ اے

ادارہ نقشِ تحریر ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

نقشِ سیرت

مؤلفہ و مرتبہ :

نثار احمد

ایم اے

ادارہ نقشِ تحریر ۔ کراچی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

* نقش سیرت کی تالیف و ترتیب اور اشاعت و طباعت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں *

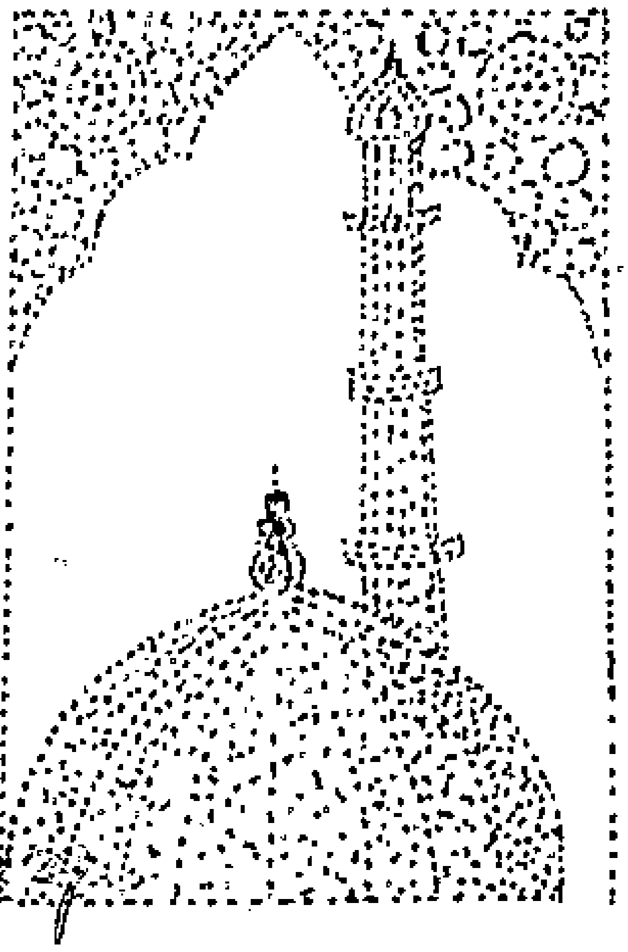

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است
ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست
در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین حکومت آفرید
اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

— اقبال

اشاعت اول: ستمبر ۱۹۶۸ء
ناشر: ادارۂ نقش تحریر
مطبع: انجمن پریس کراچی
قیمت: ۲۱۔ روپے صرف
پتہ: ۵/۳ الف-II ناظم آباد۔ کراچی ۱۸
تعداد: دو ہزار

کتابت، ڈیزائن و سرورق:۔
سلطان احمد
ت ۸ الاعظم چوک۔ کراچی ۱۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ترتیب العنوانات

☆ نقشِ احساس ــــ مقدمہ ــــ ۷

☆ حصہ اوّل ــــ ابتدائیہ ــــ ۱۷

○ نبوت و رسالت کا لغوی مفہوم ــــ ۱۹

○ نبوت کے خصائص و لوازم ــــ ۲۲

○ رسالت اور اس کے احکام ــــ ۲۸

○ ختم نبوت ــــ ۳۴

○ معجزاتِ نبوی ــــ ۴۲

○ سیرت کا تحریری سرمایہ ــــ ۴۹

○ اہم عربی ماخذ ــــ ۴۹

○ اردو میں سیرت نگاری ــــ ۵۸

○ چند مغربی سیرت نگار ــــ ۶۸

☆ حصہ دوم ــــ عکسِ سیرت

☆ قرآن کے آئینے میں ــــ ۹۸

☆ حدیث کے آئینے میں ــــ ۱۳۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

☆ حصۂ سوم ___ سحر سے پہلے ___ ۱۵۱

☼ دُنیا ___ فساد کی آغوش میں ___ ۱۵۳

☼ عرب ___ دورِ جاہلیت میں ___ ۱۸۱

☼ مذہبی دائرے ___ ۱۸۱

☼ معاشی نظام ___ ۲۰۸

☼ سیاسی فضا ___ ۲۲۵

☼ معاشرتی ماحول ___ ۲۳۳

☼ عسکری حالات ___ ۲۴۱

☼ علمی افق ___ ۲۵۶

☆ حصۂ چہارم ___ طلوعِ صبح

☼ نسب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ___ ۲۶۹

☼ آبائے رسولؐ ___ ۲۷۱

☼ شخصیت ایک نظر میں ___ ۲۸۲

☼ غارِ حراء تک! ___ ۲۹۰

☼ اور اجالا پھیلتا گیا! ___ ۳۰۲

☼ ... بلندیوں پر! ___ ۳۱۳

☼ عقبہ کی گھاٹی میں! ___ ۳۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

☆ حصۂ پنجم ــــ الوداع! اے وطن! ــــ ۳۲۹

○ ہجرت کیا ہے؟ ــــ ۳۳۰

○ مکہ سے مدینہ! ــــ ۳۴۶

○ نتائج و ثمرات ــــ ۳۶۱

☆ حصۂ ششم ــــ مدینۂ طیبہ میں! ــــ ۳۷۵

⊠ بساطِ سیاست پر ــــ ۳۷۸

⊠ میدانِ کارزار میں! ــــ ۳۹۵

⊠ عرب اسلام کے سائے میں! ــــ ۵۲۹

⊠ حجتہ الوداع! ــــ ۵۳۹

⊠ آخری لمحات! ــــ ۵۶۰

☆ حصۂ ہفتم ــــ نقوشِ حیات ــــ ۵۶۵

○ پیغمبرانہ زندگی ــــ ۵۶۷

○ معاشرتی زندگی ــــ ۵۹۱

○ ازدواجی زندگی ــــ ۶۲۳

○ سیاسی زندگی ــــ ۶۴۳

○ معاشی زندگی ــــ ۶۵۷

○ عسکری زندگی ــــ ۶۷۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

○ معلمانہ زندگی ـــــ ٦٨٩

○ جامعیت کبریٰ ـــــ ٧١٩

☆ **حصۂ ہشتم ـــــ تعلیماتِ نبوی** ـــــ ٧٢٦

☆ ایمانیات ـــــ ٧٣٠

☆ عبادات ـــــ ٧٣٦

☆ معاملات ـــــ ٧٤٨

☆ معاشرت ـــــ ٧٥٢

☆ سیاست ـــــ ٧٦١

☆ اخلاقیات ـــــ ٧٦٣

☆ دعوت و تبلیغ ـــــ ٧٧١

☆ حدود و تعزیرات ـــــ ٧٧٥

☆ **حصۂ نہم ـــــ لوائے رسول ﷺ** ـــــ ٧٧٩

☆ خطبات ـــــ ٧٨١

☆ دعائیں ـــــ ٨٠٠

☆ اذکار ـــــ ٨٢١

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کیلئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

نقشِ احساس

نثار احمد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

★

کتاب "سحاب رحمت"[1] اشاعت پذیر ہوئی تو استاذ محترم[2] کا حکم ہوا کہ سیرت پر بھی ایک ایسی ہی کتاب مرتب کرو تاکہ اسے ربیع الاول میں جمعیت الفلاح کی طرف سے شائع کر دیا جائے۔ ایک تو یہ حکم، دوسرے سیرت پر کچھ "کام" کرنیکی دیرینہ خواہش۔ مصروفیات کے باوجود، تعمیل حکم پر مجبور ہو گیا۔ ایک ڈیڑھ ماہ بعد خاکہ بنا کر پیش کیا۔ دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر حکم ہوا کہ "بسم اللہ کر دو"! سو وہ کر دی۔ ترتیب و تسوید اور کتابت کی ابتدا، بیک وقت ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد استاذ موصوف نے طباعت کے اخراجات کا اندازہ طلب کیا۔ وہ سامنے رکھا تو "سحاب" کے اخراجات کا تقریبا ڈھائی گنا تھا۔ یہ بات سامنے آئی تو ڈاکٹر صاحب سوچ میں پڑ گئے اور یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ کیا اتنے اخراجات جمعیت الفلاح جیسا فلاحی ادارہ برداشت کر سکتا ہے؟ خیر دو چار دن بعد معلوم ہو گیا کہ ادارۂ مذکور اسکا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اب ہماری آزمائشوں کا آغاز ہوا۔ تسوید و ترتیب، خاکے کا اعلان اور کتابت وغیرہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اور شوق تھا کہ ایک منزل طے کر چکا تھا۔ اس لئے اب یکدم، یک قلم، سب کچھ موقوف کر دینا سخت نا مناسب تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ تمام کام جاری رکھا جائے لیکن اس طرح طباعت و اشاعت کا انتظام بھی ضعیف شانوں پر آن پڑا۔ یہ ان لمحات کا ذکر ہے جب یہ پتہ نہ تھا کہ "محبوب کی منزل" کتنی دور ہے اور "زادِ راہ" بغیر وہاں کس طرح پہنچ سکیں گے؟ بس ایک "جذبۂ اندرون" تھا جو ہر دم کا ساتھی تھا۔ اور جسے ذوق و شوق، عزم بالجزم اور اخلاص کی رفاقت حاصل تھی۔ اور یقین یہ تھا کہ اللہ تعالٰی اپنی راہ میں کام کرنے والوں کو خائب و خاسر نہیں ہونے دیتا، اور نیکو کاروں کے اعمال ضائع نہیں جاتے۔!!

---

[1] چودہ سو سالہ جشنِ نزول قرآن کے موقع پر ادارہ جمعیت الفلاح کی پیشکش: مرتبہ: نثار احمد، قیمت ۶ روپے صفحات ۱۲۰۔ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ (دسمبر ۱۹۶۷ء)

[2] ڈاکٹر امیر حسن صدیقی۔ جنرل سکریٹری جمعیت الفلاح کراچی۔ سابق صدر شعبۂ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی۔ کراچی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

★

دل یہ چاہتا تھا کہ سیرت پر کتاب آئے تو معیاری ہو۔ مواد کے اعتبار سے بھی طباعت کے لحاظ سے بھی۔ اسلئے آرٹ، کاغذ، آفسٹ کی دو رنگی طباعت اور چار سو صفحات کی تجویز ٹھہری لیکن اس دور میں جبکہ کتابت سے لیکر طباعت واشاعت تک کے سارے مراحل جوئے شیر لانے سے یقیناً زیادہ مشکل ہو گئے ہیں اور جہاں قدم قدم پر "مال و زر" کی ضرورت پڑتی ہے، ہماری یہ "چاہت" اور معیاری کتاب کی خواہش سب کو اچنبھے میں ڈالتی تھی۔ لوگ صرف سوچتے ہی نہ تھے برملا کہتے تھے کہ تہی دست ہو کر ایسے منصوبے بنانا اپنے انجام سے بے خبری کی دلیل ہے۔ بہت سوں نے دوستانہ مشورے اور کچھ نے ناصحانہ حکم دیا کہ اب بھی وقت ہے، اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ مگر عزم و حوصلہ چپکے سے ایسی بشارت سنا دیتا تھا کہ دوسروں کی باتیں بچکانہ لگتی تھیں۔ بہرحال پہلا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ اتنی رقم کیسے فراہم کی جائے جو اس کتاب کو منصۂ شہود پر لے آئے۔ یہ دو چار سو کی نہیں ہزاروں کی بات تھی۔ رقم کی فراہمی کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ پیشگی خریداری کا سلسلہ جاری کیا جائے یہ بھی کوئی آسان کام نہ تھا، در در جانا، ایک ایک آدمی کی رضامندی لینا، نرم گرم سہنا۔ ہم اکیلے کے بس میں نہ تھا۔ پھر ایک آدمی پر کتنے لوگ اعتبار کر کے رقم حوالے کر سکتے ہیں؟ کوئی ادارہ ہو تو اس کے نام پر باقاعدہ رسید بھی جاری کی جائے، حساب رکھا جائے اور رقم محفوظ کی جائے۔ اسی ضرورت نے "ادارۂ نقشِ تحریر" کو وجود بخشا اور جن احباب نے دستِ تعاون بڑھایا تھا انھوں نے مؤلف و مرتب کو اس کی نگرانی سونپی پھر نگران نے "نقشِ سیرت کے محرکِ اول[1] کو اس ادارہ کا "سرپرست" تجویز کیا جسے انھوں نے ازراہ نوازش قبول کر لیا۔

یہ مراحل طے ہوئے تو اللہ کا نام لیکر مارچ ١٩٦٨ء میں پیشگی خریداری کا سلسلہ شروع کیا گیا ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ سلسلہ بفضلہ اسقدر مقبول ہوگا کہ چار ماہ کی قلیل مدت میں تقریباً نو سو آدمی کتاب کو آنے سے پہلے ہی خرید لیں گے۔ یہ صرف اس بات کی ہی دلیل نہیں کہ ان تمام حضرات نے ہم پر اعتبار کیا بلکہ اس بات پر بھی کہ:

- توحید کے پرستاروں میں ابھی عشقِ رسول کی گرما ہٹ موجود ہے۔
- شمعِ رسالت سے ہر زمانے میں اکتسابِ نور کیا جاتا رہیگا۔
- زبان و قلم کے میدان میں ہر ایک کے لئے جگہ باقی رہتی ہے۔
- اور یہ بھی کہ ایک ایسی کتاب کی ضرورت ہے جو جدید علمی تقاضوں کی روشنی میں اسناد، حوالوں، حواشی، اور تشریحات وغیرہ سے مزین اور علمی معیار رکھتی ہو۔

★

[1] ڈاکٹر امیر حسن صدیقی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

☆

۲۵ فروری سن ۱۹۶۸ء کو ہم نے اپنے کام کا آغاز کیا تھا۔ جب اس کتاب کا پہلا صفحہ لکھا گیا! اس وقت یہی اندازہ تھا کہ کتاب اپنی مجوزہ ضخامت (چار سو صفحات) کے دائرے میں رہیگی۔ لیکن جوں جوں کام آگے بڑھا مضامین کے دائرے بھی بڑھتے گئے، صفحات پھیلتے چلے گئے اور بالکل وہی معاملہ ہوا کہ: ع ۔ سمٹے تو دلِ عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے!

ہمیں اعتراف ہے کہ اس کتاب کے معاملہ میں ہماری حد بندی اور منصوبہ بندی شکست ہوگئی۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ ۔ لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم ! جو ابتدائی خاکہ بنایا گیا تھا اسمیں خود ہمیں تشنگی محسوس ہوئی۔ چنانچہ پانچ چھ مضامین کا مستقل اضافہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ سیرتِ پاک کا ہر نقش اتنا حسین ہے کہ اسے دامن میں سمیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ چمن سیرت کا ہر پھول تقاضائے نظر کرتا ہے۔ چنانچہ یہ انتخاب بڑا مشکل ہو گیا کہ کس کس موضوع کو شامل کیا جائے اور کس کس کو حذف کیا جائے۔ پہلے سوچا تھا کہ صرف اہم موضوعات کو رکھا جائے اسی وجہ سے بعض عنوانات (مثلاً معجزات اور ازواج مطہرات) خاکے میں موجود نہ تھے کیونکہ ان پر ہمارے ہاں مفصل تصانیف موجود ہیں لیکن اب انتہائی اختصار کے ساتھ انہیں شامل کر لیا ہے۔

غزوات کے سلسلہ میں عجیب اتفاق ہوا۔ خیال تھا کہ چالیس پچاس صفحات میں اہم غزوات کا حال آجائے گا۔ لیکن جب قلم چلا تو منزل دور ہوتی گئی۔ اہم غزوات کے بجائے جی چاہا کہ تمام غزوات کو ایک ہی جگہ مکمل بیان کر دیا جائے۔ یہ خواہش ہی نہیں ضرورت بھی تھی کیونکہ ہماری نظر میں ایک آدھ کتاب کے علاوہ کسی نے سارے غزوات کو بیان نہیں کیا۔ اور جو کچھ ذکر ملتا بھی ہے اس میں اختلافی روایات اور طول طویل مباحث نے التباس پیدا کر دیا ہے جس سے ہر قاری کے لئے واضح طور پر واقعات کا جاننا اور دشوار ہو جاتا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ تمام غزوات صاف ستھرے طریقے اور آسان انداز کے ساتھ اسباب، واقعات اور نتائج کی ترتیب میں جمع کر دیئے جائیں اس میں یہ بات بھی سامنے تھی کہ پہلے ہمارے ہاں جو سیرت کے معنی صرف مغازی کے لئے جاتے تھے اسکی تعمیل بھی ہو جائے۔ اور قدیم و جدید تصور دونوں کے لحاظ سے "نقشِ سیرت" مکمل ہو۔ مگر صاحب! اس اہتمام کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتہائی اختصار کے باوجود پورا مقالہ سوا سو صفحات سے آگے جا نکلا۔ اب دوبارہ کٹنی ممکن نہ تھی اس لئے اسی طرح شامل کر لیا گیا۔

ایک وجہ یہ ہوئی کہ مختلف حضرات سے جو مضامین موصول ہوئے ان میں سے بعض نہ صرف یہ کہ بہت تاخیر سے ملے بلکہ ان کو تقریباً نئے سرے سے لکھنا پڑا یا نئی ترتیب قائم کرنا پڑی۔ اکثر مضامین ایسے تھے جن میں ہمارے نزدیک بحث کے کچھ اہم گوشے بالکل چھوٹ گئے تھے چنانچہ ایک موضوع کو متعدد حصوں میں تقسیم کیا گیا تا کہ ایک عنوان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پر گفتگو بڑی حد تک مکمل ہو جائے۔ کچھ مضامین میں حوالوں اور حواشی کا اضافہ ناگزیر تھا اور سچ پوچھئے تو ان حواشی، حوالوں اور اسناد کی وجہ سے ضخامت پر خاصا اثر پڑا ہے۔ کیونکہ صفحہ پر کئی کئی سطریں اسی کی نذر ہو گئی ہیں اور متن کے لیے گنجائش کم رہ گئی ہے پھر ہر صفحہ پر رنگین حاشیے نے کتاب کا دامن تنگ سے تنگ تر کر دیا۔ بہر حال ان وجوہ سے کتاب کی ضخامت آٹھ سو بتیس ۸۳۲ صفحات تک جا پہنچی ہے[1] اور اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ جس تاریخ کو اس کی اشاعت مجوزہ تھی وہ ممکن نہ رہی۔ اور اب ستمبر کا مہینہ آ پہنچا۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہ غیر معمولی تاخیر بالکل جائز بلکہ ضروری تھی۔ پھر اس بات کو آپ شاید نظر انداز نہ کر سکیں گے کہ اس مدت میں مضامین کی تحصیل و ترتیب، کتابت، کاغذ کی فراہمی، پریس کا انتظام، لاگت، ہر چیز مسئلہ بن کر سامنے آئی۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ایک ایک کر کے تمام مشکلات آسان ہوئیں اور ہم اس قابل ہوئے کہ اس ناچیز تالیف کو آپ کے سامنے پیش کریں۔

البتہ اس تاخیر پر ہمیں کوئی ندامت نہیں ہے، اس لئے نہیں کہ نادم ہونا نہیں جانتے بلکہ اس لئے کہ کم از کم مرتب اس بات پر مطمئن ہے کہ اس نے اپنی صلاحیتوں کو پوری طرح استعمال کیا ہے اور ضروریات کے علاوہ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ اس کام کے لئے وقف کئے رکھا ہے۔ حالانکہ اس دوران بیسیوں مرحلے امتحان بن کر سامنے آئے۔ والدہ صاحبہ کو دو تین بار عارضۂ جنون ہوا، والد صاحب عارضۂ قلب میں گرفتار رہے۔ اہل کے ساتھ "عیال" کی ذمہ داری بڑھی۔ خود متعدد دفعہ بیمار ہوا، لیکن کام ایک دن کے لئے بھی ملتوی نہیں کیا گیا۔ اور دیکھئے "اتفاقات" اسے کہتے ہیں کہ مرتب کے علاوہ ادارہ کے دوسرے اراکین و متعلقین بھی مختلف بیماریوں کا شکار ہوئے۔ کاتب صاحب کے والد پر فالج کا حملہ ہوا، ناظم طباعت کے والد صاحب کو حبس البول کی شکایت ہوئی، خازن صاحب کئی ہفتے علیل رہے۔ لیکن ان مراحل میں بھی سب لوگ بفضلہٖ ثابت قدم رہے۔ اور اپنا اپنا کام نہایت محنت اور مستعدی سے جاری رکھا۔ علاوہ ازیں ہمیں اس بات پر بھی اطمینان ہے کہ کوئی دوسرا مضبوط ادارہ بھی اس اہتمام و انتظام کے ساتھ اس سے کم مدت میں ایسی ضخیم کتاب شائع نہیں کر سکتا۔ الا ما شاء اللہ۔

---

[1] ہمیں افسوس ہے کہ کتاب کی انتہائی ضخامت کے سبب اشاریہ (INDEX) کو شامل اشاعت نہیں کیا جا سکا کیونکہ اشاریہ بجائے خود فل اسکیپ سائز کے تقریباً سوا سو صفحات پر مشتمل ہے! اور ایک مستقل کتاب کا طالب ہے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

☆

سیرتِ رسول اہلِ فکر و نظر کا ہمیشہ سے محبوب موضوعِ کلام رہا ہے۔ نہ اس کا اتمام ہو سکا ہے اور نہ اس سے دل سیر ہو سکتے ہیں۔ اس موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں کی بات تو الگ رہی صرف اردو زبان میں جتنا لکھا جا چکا ہے اور جس جس طرح لکھا گیا ہے اس کا احاطہ کرنا ایک آدمی کے لئے فی الواقع انتہائی مشکل ہے۔ اور تحریر میں ہی نہیں بلکہ تقریر میں بھی سال بھر عموماً اور ربیع الاول کے مہینے میں خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گلہائے عقیدت پیش کرنے میں سبقت کی جاتی ہے اور وعظ، محفل میلاد غرض مختلف عنوان سے سیرت کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں اب یہ اور بات ہے کہ حقِ سیرت جسقدر تحریر و تقریر میں ادا ہو سکا ہے اس سے کہیں کمتر اس کی اطاعت و اتباع میں ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضور رسالتمآب[۱] کو صرف پیغامبر[۲]، محض خراجِ عقیدت وصول کرنے اور صرف موضوعِ سخن بنا کر نہیں بھیجا تھا بلکہ اپنا رسول[۳]، داعی الی اللہ[۴]، شارحِ کتاب[۵]، معلم[۶]، مربی و مزکی[۷]، شارع اور قانون ساز[۸]، قاضی اور حکم[۹]، خاتم النبیین[۱۰]، قائد، پیشوا اور رہنما اور تمام انسانوں اور تمام عالم میں اور رہتی دنیا تک کے لئے ایک مکمل نمونہ[۱۱] بنا کر بھیجا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کی ذات ایک اندھی بہری عقیدت کا مرجع ہرگز قرار نہیں دی جا سکتی۔ ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، آپ کی تعلیمات و ہدایات پر اعتماد و یقین رکھے۔ آپ کی اطاعت کرے۔ اور زندگی کے تمام معاملات میں آپ کے احکام و ہدایت کی بے چون و چرا تعمیل و تتبع سے گریز نہ کرے پھر جس طرح ظاہری اطاعت مطلوب نہیں ہے اسی طرح وہ ایمان و اطاعت بھی معتبر نہیں ہے جس کی بناء "محبتِ رسول" نہ ہو نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اطاعت کی طرح محبت بھی ظاہری نہ ہو بلکہ وہ اس کی روح کی غذا اور سارے عالم کی محبت سے بے نیاز کر دینے والی ہو۔ اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ

لوگ آپ کو خراجِ عقیدت پیش نہ کریں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ آپ کے نام سے وابستگی کا اظہار خلوصِ نیت اور خلوصِ عمل دونوں سے ضروری ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ کہیں اطاعت و اتباع سے عاری اور نافرمانی سے آلودہ عقیدت بارگاہ خداوندی میں

---

[۱] آل عمران ۱۴۴ [۲] احزاب ۴۶ [۳] نحل ۴۴ [۴] آل عمران ۱۶۴ [۵] اعراف ۱۵۷ [۶] نساء ۱۰۵، [۷] احزاب ۴۰ [۸] احزاب ۲۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نا مقبول نہ ٹھہرے[1]

انہی حقائق کے پیشِ نظر ہم نے "نقوشِ سیرت" میں صرف آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے تذکرے پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضورؐ کی سیرت کے وہ نقوش ابھار کر کئے جائیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی سیرت انسانی زندگی کے لئے کیا رہنمائی پیش کرتی ہے، نیز معلوم ہو کہ آپؐ نے جس پس منظر میں پیغمبرانہ کام انجام دیئے ہیں اور سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عسکری دائروں میں زندگی کی جو اصلاح کی ہے اس کی اصل قدر و قیمت کیا ہے اور یہ واضح ہو کہ آپؐ کی تعلیمات کیا ہیں اور آپؐ نے انسانیت کو کیا پیغام عطا کیا ہے۔

نقوشِ سیرت میں سیرت کا مطالعہ طالب علمانہ نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ البتہ ہر جگہ اصل رعایت تاریخ کی رکھی گئی ہے۔ اور زیادہ تر تاریخی مصادر کو ہی استعمال کیا گیا ہے اس میں نہ تو نری عقیدت سے کام لیا گیا ہے اور نہ صرف واقعاتی یا بیانیہ انداز سے جائزہ لیا گیا ہے بلکہ علمی انداز سے گفتگو کی کوشش کی گئی ہے اس میں تنقید و تحقیق بھی ہے اور تشریح و تطبیق بھی۔ اسناد اور حوالے بھی مذکور ہیں اور حواشی و اشارات بھی۔ متعدد نقشے بھی ہیں اور مفصل نکات بھی۔ اس میں آپؐ کو بہت سے موضوعات نئے بھی ملیں گے۔ "نقشہ ارضِ سیرت" ایک بالکل نئی چیز ہے۔ بعض چھوٹے نقشے بھی پہلی دفعہ بنائے گئے ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ کم از کم پیش کش کے اعتبار سے یہ کتاب بالکل نئی ہو۔ ہم اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیاب رہے یہ فیصلہ آپؐ کے ذمہ ہے۔

☆

"نقوشِ سیرت" کی تیاری میں جن حضرات کا تعاون حاصل رہا ہے ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ سب سے پہلے تو مؤلف ان قدیم و جدید اہلِ قلم کا ممنون کرم ہے جن کی تحریروں سے اخذ و تلخیص کر کے بہت سے حصے کتاب میں شامل کئے گئے ہیں اور جو فی الحقیقت اس کتاب کا سرمایہ ہیں ان میں خاص طور پر علامہ ابنِ سعد، ابنِ ہشام، علامہ راغب اصفہانیؒ، مولانا شبلی نعمانی

---

[1] احزاب: ۳۶، نساء: ۶۵، نور: ۶۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا نعیم صدیقی اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی قابلِ ذکر ہیں۔ مولف سب سے زیادہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا زیرِ بارِ احسان ہے جن کی تحریروں سے بیشتر مضامین میں استفادہ کیا گیا ہے۔

جن بزرگوں نے انتہائی شفقت سے تعاون فرمایا اور اپنے رشحاتِ قلم عطا کر کے مولف کی ہمت افزائی فرمائی ان میں میجر جنرل اکبر خان، ڈاکٹر نایر حسن صدیقی، مولانا محمد سلیم عبداللہ، مفتی محمد شفیع، ڈاکٹر بشارت، مولانا ابن حسن جارچوی اور ڈاکٹر محمد سلیم صاحب کے اسمائے گرامی لوحِ ذہن پر نقش ہیں اور مولف ان سب حضرات کا تہِ دل سے سپاس گزار ہے۔

جن اصحاب نے مضامین عطا کرنے کے ساتھ ساتھ دامے درمے قدمے سخنے مدد کی ہے ان میں جناب سید فخر الحسن، جناب محمد تقی عثمانی، جناب سردار احمد، جناب علی محسن صدیقی، جناب جمیل احمد، جناب عبدالجلیل صدیقی (رکن ادارہ) اور جناب عبدالقدیر خان صاحب (مکانِ ادارہ) شامل ہیں۔ مرتب ان سب حضرات کا انتہائی شکر گزار ہے۔

ابھی چند ایسے نام باقی ہیں جنہوں نے اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے میں خاص کردار ادا کیا ہے۔ ایک تو کاتب سلطان احمد صاحب ہیں جن کے دمِ قلم سے یہ کتاب ضبطِ تحریر میں آئی، انہوں نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے دن رات کام کیا اور اپنی قلمکاری سے اس کتاب کی زینت میں اضافہ کیا۔ دوسرے استاذ محترم جناب ثناء الحق صدیقی ہیں، چھوٹے بڑے تمام نقشے جنہوں نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے آپ ہی نے مرتب و منقش کئے ہیں۔ کتابت کی تصحیح کی ہے نیز دو طویل اور فاضلانہ مقالات بھی سپردِ قلم کئے جو اپنی جگہ خاصے کی چیز ہیں یعنی ایک ہجرتِ مدینہ اور دوسرے غزواتِ نبوی اور تیسرے اخی محترم محمد سلیمان انصاری ہیں جن کا مشورہ، ہمت افزائی اور تعاون یاد رہے گا۔ ایک نام اور رہ گیا ہے، وہ نام کیا بتائیں۔ دم دم کا ساتھی! رفیقِ حیات! شریکِ حیات! ان کے لئے شکریہ نہیں لمبی دعائیں ہیں، علم و قلم دونوں سے مدد پہنچائی۔ کتابت کی تصحیح، مضامین کی نقل، ترتیب و تدوین میں مشورے، غرض سب کچھ کیا۔ اور خوب کیا۔ بلکہ راقم الحروف تو ایک دفعہ منصوبہ بنا کر کتاب کا ارادہ ترک کر چکا تھا لیکن روشنی کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسی کرن نے تاریکیوں کا سینہ چیر کر ایک خواب دیکھا اور اسی خواب کی تعبیر یہ کتاب ہے۔

ان سب سے آگے بڑھ کر مرتب اُس خدا کے حضور سرِ نیاز خم کرتا ہے جس کے بے پایاں فضل و کرم اور جس کی بے انتہا عطا و بخشش کی بدولت یہ ذرۂ ناچیز کسی خدمت کے قابل ہو سکا، اب اسی سے یہ دعا کرتا ہے کہ سیرت کے جو نقوش کاغذ پر بنائے گئے ہیں وہ دلوں پر بھی منتقل ہوتے رہیں تو اسکی عین سعادت ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ربّنا تقبّل منّا انک انت السمیع العلیم۔ وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

۲۵ ستمبر سنہ ۱۹۶۸ء
۲ رجب سنہ ۱۳۸۸ھ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ اوّل

ابتدائیہ

اور ہم نے نوحؑ و ابراہیمؑ کو
پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اور انکی اولاد
میں کتاب و نبوت کو جاری کیا۔

(سورہ حدید۔ ۲۶)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- نبوت ورسالت کا لغوی مفہوم
- نبوت کے خصائص ولوازم
- رسالت اور اسکے احکام
- ختم نبوت
- معجزاتِ نبوی
- سیرت کے اہم مآخذ
- اُردو میں سیرت نگاری
- نبی اکرمؐ کے مغربی سیرت نگار

- علامہ راغب اصفہانی
- مولانا شبلی نعمانی
- علامہ سید سلیمان ندوی
- سید ابوالخیر کشفی
- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
- عبدالحمید صدیقی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نبوت و رسالت

(۱)

نبوت و رسالت کا لغوی مفہوم[1]

النباء کے معنی خبرِ مفید کے ہیں۔ جو علم یا غلبۂ ظن کا فائدہ دے۔ اور حقیقی معنی کے لحاظ سے کسی خبر پر نباء کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں تین چیزیں موجود نہ ہوں۔ یعنی نہایت مفید ہونا، اور اس سے علم یا غلبۂ ظن کا حاصل ہونا اور نبا صرف اس خبر کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا احتمال نہ ہو جیسے خبر متواتر، خبر الٰہی اور خبر نبوی اور لفظ نبأ چونکہ معنی خبر کو متضمن ہوتا ہے اس لئے اخبرتہ بکذا کی طرح انبأتہ بکذا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور معنی علم کو متضمن ہونے کی وجہ سے کذا کی طرح انبأتہ کذا بھی کہا جاتا ہے[2] جیسے فرمایا۔ قل ھو نبأ عظیم انتم عنہ معرضون۔ کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے (۲۸-۶۷) اور فرمایا۔ عم یتساءلون عن النبا العظیم۔ یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟ کیا بڑی خبر

---

[1] یہ حصہ علامہ راغب اصفہانی کی کتاب المفردات فی غریب القرآن (ص ۴۸۱، ۴۸۲) مصر ۱۹۶۱ء مصطفی البابی سے ماخوذ و ملخص ہے (مرتب) [2] یعنی انبأ خبر کی طرح انبأ صلہ باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کبھی علم کی طرح بغیر باء کے آتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی نسبت ؟ (۷۸ - ۲۰۱) اور نباتۂ و انبائتہ کے معنی خبر دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيلِهٖ کہ میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا (۱۲-۳۷) اور نبّانتہٗ میں انبأتہٗ کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ تو جب وہ ان کو بتایا تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا؟ انھوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبردار ہے (۶۶-۳) اس آیت میں اس خبر کے متحقق اور من جانب اللہ ہونے پر تنبیہ کرنے کے لیے جواب میں انبأ کی بجائے نبّأ کہا ہے کیونکہ یہ اس سے زیادہ ابلغ ہے۔

پھر جو سفارت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ان سے امور دنیوی اور اخروی میں خرابیوں کو دور کرنے کے لیے جاری ہوتی ہے اسے نبوّت (النُّبُوَّةُ) کہا جاتا ہے۔ اور نبی کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کی خبر دیتا ہے جن پر عقول سلیمہ مطمئن ہوتی ہیں اور نبیٌّ ہو سکتا ہے کہ فعیل بمعنی فاعل سے ہو۔ کیونکہ نبی لوگوں تک خبر پہنچانیوالا ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔ نَبِّئْ عِبَادِيْ (اے پیغمبر! میرے بندوں کو بتا دو۔ ۱۵-۴۹) اور یہ بھی کہ فعیل بمعنی مفعول سے ہو یعنی خبر دیا گیا۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دی جاتی ہے جیسے فرمایا:۔ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (مجھے اس نے بتایا جو جاننے والا خبردار ہے ۶۶-۳)

تَنَبَّاَ فُلَانٌ کے معنی دعوئی نبوت کرنے کے ہیں اور وضع لغوی کے اعتبار سے نبی کے متعلق اس کا استعمال صحیح ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہ باب تفعیل کا مطاوع ہوتا ہے۔ لیکن جھوٹا دعوئی نبوت کرنے والے کے حق میں متعارف ہونے کی وجہ سے سچے نبی کے حق میں اس کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے اور صرف مدعی کاذب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ نبی کو نبی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے اندر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معزز اور بلند اقتدار کا حامل ہونا ہے کیونکہ النبوۃ والنباوۃ کے معنی بلندی کے ہیں[1]

(۳)

رسالت کیا ہے؟[2]

الرسل کے معنی آہستہ اور نرمی کے ساتھ چل پڑنے کے ہیں۔ اور ناقتہ رسلۃ نرم رفتار اونٹنی کو کہتے ہیں۔ اسی سے رسول ہے جس کے معنی ہیں روانہ ہونے والا۔ اور کبھی صرف روانہ ہونے کا معنی لے لیتے ہیں چنانچہ اسی اعتبار سے اس سے رسول مشتق ہے۔ مگر کبھی رسول کا لفظ پیغام پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر[3] نے کہا ہے۔ الا ابلغ ابا حفص رسولا۔ (ابوحفص عمرؓ کو میرا پیغام پہنچا دو) اور کبھی اس شخص پر بولا جاتا ہے جسے پیغام دے کر بھیجا گیا ہو اور واحد جمع دونوں کے لئے آتا ہے جیسے فرمایا لقد جاءکم رسول من انفسکم (لوگو! تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے ہیں ۹-۱۲۸) اور فرمایا:- انا رسول رب العلمین (ہم تمام جہان کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں-۲۶-۱۶) اور شاعر[4] نے کہا ہے: الکنی الیھا وخیر الرسول :: اعلمھم بنواحی الخبر۔ یعنی اسے میرا پیغام پہنچا دو اور بہتر پیغامبر تو وہ ہوتا ہے جو خبر کو اچھی طرح جانتا ہو۔

اور رسول کی جمع رسل آتی ہے۔ اور قرآن میں رسول اور رسل اللہ سے مراد کبھی فرشتے ہوتے ہیں جیسے فرمایا:- ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشری (اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے -۱۱-۶۹) اور کبھی اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں جیسے فرمایا:- وما محمد الا رسول: (اور محمد اس سے بڑھ کر اور کیا کہ ایک رسول ہیں بس! ۳-۱۴۴) اور آیت وما نرسل المرسلین

---

[1] المفردات ص ۴۸۲ [2] یہ حصہ بھی المفردات (ص ۱۹۵) سے ماخوذ و ملخص ہے (مرتب)

[3] یعنی اسعر الجعفی [4] ابو ذویب الھذلی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الاّ مبشّرین و منذرین (اور پیغمبروں کو ہم صرف اس غرض سے بھیجا کرتے ہیں کہ (نیکوں کو خوشنودیٔ خدا کی) خوشخبری سنائیں اور (بُروں کو عذاب سے) ڈرائیں ۶-۴۸) میں ملائکہ اور انسان دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ ارسال (افعال) کے معنی بھیجنے کے ہیں اور اس کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے اور دوسری محبوب یا مکروہ چیزوں کے لیے بھی آتا ہے کبھی یہ تسخیر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی کسی بااختیار و باارادہ شخص کے بھیجنے پر بولا جاتا ہے۔

---

(۲)

نبوت کے خصائص و لوازم

[1] گو یہ صحیح ہے کہ وہ عبادات و ریاضات جو فکر و مراقبہ پر مشتمل اور ریا اور شہرت طلبی سے پاک ہوں نفس میں آثارِ وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں تاہم نبوت کا منصبِ خاص محض اتفاقی نہیں، جو محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل ہو جائے۔ بلکہ جس طرح نوعِ انسانی کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ان کے افراد کی سعی و محنت کا مرہونِ منت نہیں۔ اسی طرح نوعِ انبیاء کا نبی بن جانا ان کے افراد کی کوشش اور محنت سے ممکن نہیں۔ ہر انسان کا بچہ اپنی ذاتی محنت سے نہیں بلکہ فیاضِ عالم کی بخشش سے انسانیت کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، لیکن انسانیت کے ممکن کمالات کو بالفعل حاصل ہو جانے کے لیے اس کو یقیناً کچھ نہ کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے اسی طرح نبوت نوعِ انبیاء کے لیے اکتسابی چیز نہیں لیکن منشائے نبوت کے مطابق ریاضت اور عمل، قبولِ وحی کی استعداد اور تیاری کے لیے البتہ ضروری ہیں۔ چنانچہ اسی اصول کے مطابق اکثر پیغمبروں کے آغازِ وحی کے حالات میں آپ کو یہ ملے

---

[1] یہ حصہ سیرۃ النبی ج ۴، اعظم گڑھ ۱۹۵۱ء) از سید سلیمان ندوی (ص ۵ تا ۷۴) سے ماخوذ و تلخیص ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاکہ انھوں نے ایک زمانہ تک عبادت و ریاضت میں بسر کی، ایک ایک مہینہ، ایک ایک چلہ اس طرح گذارا کہ وہ مادی دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہو گئے۔ توراۃ میں حضرت موسیٰ کی نسبت ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ وہ ایک سنسان جنگل میں چالیس روز تک روزہ رکھ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور وحی سے پہلے آنحضرت صلعم کا غار حرا میں مہینوں عزلت گزیں رہنا اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا سب کو معلوم ہے۔

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ نبوت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے حامل میں حسن صورت، اعتدال مزاج، نشو و نما کی پاکی حسن تربیت، طہارت نسب، کرم اخلاق، نیکی طینت، متانت، سنجیدگی، دوستان الٰہی کے ساتھ نرم خوئی، تواضع اور دشمنان حق کے ساتھ شدت قوت پائی جائے علاوہ بریں وہ راست گفتار، امانت دار، تمام برائیوں سے پاک فضائل و محاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرا ہوتا ہے۔ وہ ظلم کرنے والوں کو معاف اور اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔ قرابت مندوں اور ہمسایوں کیساتھ احسان، مظلوموں کی اعانت فریاد خواہوں کی فریاد رسی۔ اس کی طینت اور نیکی سے اس کی محبت اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی قوتیں اس کی قوت کے سامنے بالآخر طوعاً و کرہاً سرنگوں ہو جاتی ہیں باایں ہمہ وہ مغرور، جابر، جفا پیشہ، بدخو اور درشت مزاج نہیں ہوتا، وہ پیغمبری اور رسالت کے بار عظیم کو اٹھاتا ہے اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے اور تمام عالم میں اپنی رحمت کا فیض جاری کرتا ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اس رہنمائی کے منصب کا مدعی ہو۔ وہ اپنی نسبت یہ بھی ثابت کرے۔ کہ وہ معصوم اور اپنے علم اور تعلیم میں غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے علم اور تعلیم کا ماخذ اور سرچشمہ غلطیوں سے پاک اور محفوظ نہ ہو، اس کو ان امور کا علم اسی طرح وجدانی ہو جس طرح انسان کی بھوک اور پیاس کا وجدان ہوتا ہے، اس طرح

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کو حق و باطل، خیر و شر اور نیک و بد امور کے درمیان فیصلہ اس طرح قطعی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ دلیل کی حاجت ہے اور نہ عقلِ معاش کی ضرورت ہوتی ہے پھر جس طرح حق تعالےٰ نے ہمارے اندر بھوک اور پیاس ہونے کا علم اس طرح رکھ دیا ہے کہ ہمارے سامنے کتنی ہی معاند دلیلیں پیش کی جائیں کہ ہم کو بھوک و پیاس نہیں ہے ہم کبھی اس وجدانی یقین سے (جسکو خدا نے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے) دست بردار نہیں ہوں گے بعینہٖ اسی طرح ان نفوس قدسیہ کے اندر بھی اللہ تعالےٰ نے خاص قسم کا وجدان و ذوق سلیم رکھدیا ہے جس کا عمل ہمیشہ صحیح اور جس کا احساس ہمیشہ درست اور جس کا فیصلہ ہمیشہ ناطق ہوتا ہے۔

ایسا شخص جب لوگوں کے سامنے آتا ہے اور لوگوں کو بار بار کے تجربے سے اس کی صداقت، سچائی اور راست بازی کا یقین ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ سے تصرفات صادر ہوتے ہیں ان سے اس کا مقرب بارگاہ الٰہی ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے، تو ہر طرف سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی محبّت کی راہ میں جان و مال اور اہل و عیال سب کو قربان کر دیتے ہیں۔

انبیا اور ان کے مشابہ اشخاص میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق چار حیثیتوں سے نمایاں ہے (۱) مبدأ اور منبع کا فرق (۲) غرض و غایت کا فرق (۳) طریق دعوت کا فرق (۴) اور علم و عمل کا فرق۔ نبی کے علم کا مبدأ و منبع ماخذ اور سرچشمہ تعلیم ربّانی "شرح صدر" اور وحی و الہام ہوتا ہے جبکہ ایک حکیم کے علم کا ماخذ و منبع تعلیم انسانی گذشتہ تجربہ، استقراء اور قیاس ہوتا ہے یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال اور جدوجہد کا منشاء، اپنی شہرت طلبی، علم کا اظہار، قوم یا ملک کی محبّت کی خاطر اس کی اصلاح ہوتا ہے مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا مندی کے لئے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے طریق دعوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعوت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی عمارت کو تمام تر حکمتوں، مصلحتوں اور علل و اسباب کے ستونوں پر کھڑا کرتا ہے۔ مگر نبی اپنی دعوت کو زیادہ تر خالق کی اطاعت، محبت، اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے حکیم کہتا ہے لیکن اس کا کرنا اس کے لئے ضروری نہیں۔ نبی جو کہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کا کر کے دکھانا اس کے لیے ضروری ہے وہ صرف جلوت کے میز پر آراستہ نہیں ہوتا بلکہ وہ جلوت وخلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنات سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔ دنیا میں سقراط، افلاطون، ارسطو، دیوجانس وغیرہ ایک طرف اور ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور محمدؐ دوسری طرف ہیں اور دونوں کی سوانح اور سیرتیں اور کارنامے ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں کہ ان میں ذرا التباس نہیں ہے۔

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج و لشکرکشی کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں تاکہ فتنہ و فساد رک جائے فلاسفر اپنے دعووں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ ان کی بات تسلیم کر لی جائے لیکن پیغمبر اپنے پیروؤں کے قلب کو اس طرح بدل دینا چاہتا ہے کہ وہ از خود برائی کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں۔ ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروؤں کو خدا کی قدرت اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا محکم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ ان کے حکموں اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ آتی ہیں بے چون و چرا تسلیم کریں۔

غرض ہر شیریں نوا واعظ، ہر مؤثر البیان خطیب، ہر دقیقہ رس مقنن، ہر کشورکشا فاتح اور ہر نکتہ داں حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت و رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اس سے منسوب کیا جائے اس منصب کے ساتھ کچھ ایسے شرائط و لوازم و خصوصیات بھی وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزاء و عناصر ہیں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہو، وہ غیب کی آوازیں سنتا ہو، غیب کی چیزیں دیکھتا ہو۔ غیب سے علم پاتا ہو، عالم ملکوت کی تائید اس کیساتھ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو اور روح القدس جبریلؑ اس کا ہمسفر و ہمنوا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام بندوں میں سے اس لیئے چنا ہو کہ وہ اس بلند منصب پر سرفراز ہو۔

(۳) اس سے خدا کے حکم سے عجیب وغریب اور حیرت انگیز تصرفات صادر ہوں جن سے اس کا مقبول بارگاہ ہونا ثابت ہو۔

(۴) فضائل اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن بھرا ہو اور ہر قسم کے گناہ کے خس و خاشاک سے پاک وصاف ہو کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک وصاف نہیں ہو سکتے۔

(۵) وہ لوگوں کو خدا اور عالم غیب پر یقین کی دعوت اور فضائل اخلاق کی تعلیم دے اور روز الست کا بھولا ہوا عہد ان کو یاد دلائے۔

(۶) نہ صرف تعلیم، بلکہ اس میں یہ قوت ہو کہ شریروں کو نیک اور گمراہوں کو راست رو بنا دے اور جو خدا سے بھاگتے ہوں ان کو پھیر کر اس کے آستانے پر لے آئے۔

(۷) اپنے سے پہلے خدا کی طرف سے آئے ہوئے صحیح اصول کو انسانی تصرفات سے پاک وصاف کر کے پیش کرے۔

(۸) اس کی اس دعوت، جدوجہد، اور تعلیم وتلقین سے مقصود کوئی دنیاوی معاوضہ، شہرت، جاہ طلبی، دولت مندی، قیام سلطنت وغیرہ نہ ہو، بلکہ صرف خدا کے حکم کی بجاآوری اور خلق خدا کی ہدایت ہو۔

یہ نبوت ورسالت کے وہ اوصاف اور لوازم ہیں جو دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں چنانچہ مذاہب عالم کے صحیفوں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت منکشف اور آشکارا ہو جاتی ہے خصوصاً قرآن پاک نے جو دنیا کی نبوت کا سب سے آخری اور سب سے مکمل صحیفہ ہے اور جس نے نبوت ورسالت کی حقیقت اور شرائط ولوازم کی سب سے بہتر تشریح کی ہے۔ سورۂ انعام (آیت ۱۰۔۔) میں اکثر پیغمبروں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا ذکر کر کے ان کے پیغمبرانہ اوصاف گنائے ہیں۔ اگر ہم ان کو یکجا کر دیں تو نبوت و رسالت کے عام اوصاف، خصوصیات اور لوازم واضح ہو جائیں گے۔

۱۔ فرمایا "ہم نے ابراہیمؑ کو دلیل دی" اور "ہم نے ان کو ہدایت بخشی تھی" سے معلوم ہوا کہ ان کے علم و ہدایت کا سرچشمہ عالم ملکوت سے ہوتا ہے۔

۲۔ ارشاد ہوا کہ "ہم نے ان کو سیدھی راہ پر چلایا" اور "یہ سب نیکو کار تھے" اس سے ثابت ہوا کہ وہ معصوم اور گناہوں سے بے داغ ہوتے ہیں۔

۳۔ یہ بھی کہا کہ "ہم نے ان کو چن کر پسند کیا" اور "اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت عطا کریں" جس سے یہ مقصود ہے کہ یہ منصب سعی و محنت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے۔

۴۔ فرمایا کہ "ہم نے ان کو کتاب حق و باطل کے فیصلے کی طاقت (حکم) اور احکام غیب کی تعلیم (نبوت) دی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس منصب والوں کو کیا کیا چیزیں عطا ہوتی ہیں۔

۵۔ حکم ہوا کہ "ان کی رہنمائی کی پیروی کر"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی اور دعوت پر مامور ہوتے ہیں۔ اور لوگ ان کی پیروی سے نیکوکار اور صالح بنتے ہیں۔

۶۔ فرمایا کہ "اے پیغمبر! یہ کہہ دے کہ میں اپنے کام کا کوئی معاوضہ یا بدلہ تم سے نہیں چاہتا، یہ تو اہل دنیا کے لئے نصیحت اور یاد دلانا ہے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ خالق کی خوشنودی اور اس کے ذریعہ سے مخلوق کی خیرخواہی کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوتا۔

دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق و نسبت سے ان حقیقتوں کو قرآن نے کئی دفعہ تصریح بیان کیا ہے جن میں سے چار باتیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۔ اشیائے غیب، امورِ خیر، اور فلاح و سعادت کے اسباب پر اس کا علم خدا کی تعلیم سے کامل ہو۔

۲۔ وہ اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راستباز ہو۔

۳۔ وہ دوسروں کو ان امور کی تعلیم دیتا ہو۔

۴۔ اور ان کو بھی اپنی تعلیم اور صحبت کے فیض سے حسبِ استعداد کامل بناتا ہو۔[1]

---

(۳)

رسالت اور اس کے احکام[2]

اطاعتِ رسول کے مسئلہ میں یہ امر تو متفق علیہ ہے کہ کوئی رسول اپنی ذاتی حیثیت میں مطاع اور متبوع نہیں ہو سکتا۔ نہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اور پیروی اس بنا پر ہے کہ وہ موسیٰ بن عمران ہیں، نہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس وجہ سے لائقِ اطاعت و اتباع ہیں کہ وہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ اور نہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اس حیثیت سے لازم ہے کہ آپؐ محمد بن عبداللہ ہیں۔ اطاعت اور پیروی جو کچھ بھی ہے صرف اس حیثیت سے ہے کہ یہ حضرات اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے ان کو وہ علمِ حق عطا کیا جو عام انسانوں کو عطا نہیں کیا گیا۔ اور ان کو وہ ہدایت بخشی جو عام لوگوں کو نہیں بخشی گئی اور ان کو دنیا میں اپنی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کے وہ صحیح طریقے بتائے جن کو عام لوگ اپنی رائے و عقل یا انبیاء کے سوا دوسرے لوگوں کی رہنمائی سے معلوم نہیں کر سکتے۔ اب اختلاف جس امر میں واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول کی اطاعت اور پیروی کس امر میں ہے اور کس حد تک ہے۔

---

[1] دیکھیے سورۂ بقرہ، جمعہ، اعلیٰ وغیرہ۔

[2] یہ حصہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "تفہیمات" (حصہ اول ص ۲۳۹ تا ۲۶۹ لاہور ۱۹۶۱ء) سے ماخوذ و ملخص ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں ایک گروہ کہتا ہے کہ اطاعت اور پیروی صرف اس کتاب کی ہے جو اللہ کی طرف سے اس کا رسول لے کر آتا ہے۔ تبلیغِ کتاب کے بعد رسول کی حیثیتِ رسالت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے تمام معاملات میں رسول کی حیثیت محض شخصی ہے اب اگر کوئی شخص رسول کی ذاتی صفات کی بناء پر اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ پیروی اختیاری ہوگی واجب نہیں ہوگی کتاب کے علاوہ اس کا کوئی عمل اور قول ہمارے اخلاق، معاشرت، معیشت اور معاملات میں ایسا قانون نہ ہوگا جس کی پیروی ہم پر واجب اور مذہبی فریضہ ہو۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ رسول کے ذمہ صرف کتاب پہنچا دینا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کے احکام پر عمل کر کے دکھا دینا بھی تھا کہ امت اسی نمونہ پر عامل ہو۔ لہذا عبادت و طاعات وغیرہ کے متعلق احکام کتاب کے علاوہ رسول اپنی شخصی حیثیت میں ایک امیر ایک مصلح قوم، ایک حکیم، ایک شہری اور ایک فرد جماعت کی حیثیت سے انجام دے تو ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو دائمی اور عالمگیر ضابطہ و قانون بنانے والی ہو اور جسکی پیروی ہمیشہ کے لئے ایک دینی فرض ہو۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ رسول کی حیثیت رسالت اسکی زندگی کے ایک بہت بڑے حصے پر حاوی ہے۔ اخلاق، معاشرت، معاملات، احکام و قضایا اور بہت سے دوسرے معاملات میں اس کے قول اور فعل کا خدا کی جانب سے ہونا تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ یہ سب چیزیں اُمت کے لئے اسوہ حسنہ ہیں۔ مگر وہ حیثیتِ رسالت اور حیثیت شخصی میں فرق کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ رسول کی زندگی کے کچھ معاملات ایسے ضرور ہیں جو حیثیتِ رسالت سے خارج ہیں اور قابل تقلید نمونہ نہیں اگرچہ وہ کوئی ایسا واضح خط نہیں کھینچ سکتا جو حیثیت رسالت اور حیثیتِ شخصی میں بین امتیاز کر دیتا ہو۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ رسول جس وقت منصب رسالت پر سرفراز ہوتا ہے اس وقت سے مرتے دم تک ہر وقت اور ہر آن مامور (آن ڈیوٹی) ہوتا ہے۔ اسکی زندگی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے معاملات عام اس سے کہ وہ امام کی حیثیت سے ہوں یا امیر کی حیثیت سے قاضی کی حیثیت سے ہوں یا معلم کی حیثیت سے ایک شہری یا سوسائٹی کے ایک فرد کی حیثیت سے ہوں یا ایک شوہر، باپ بھائی۔ رشتہ دار اور دوست کی حیثیت سے رسالت اس طرح حاوی ہوتی ہے کہ اس کی ذمہ داریاں کسی حال میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے منفک نہیں ہوتیں حتیٰ کہ جب وہ اپنی خلوت میں اپنی بیوی کے پاس ہوتا ہے اس وقت بھی وہ اسی طرح اللہ کا رسول ہوتا ہے جس طرح وہ مسجد میں نماز پڑھاتے وقت ہوتا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی ہدایت کے تحت کرتا ہے اس پر ہر آن اللہ کی طرف سے سخت نگرانی رہتی ہے۔ جس کے ماتحت وہ انھیں حدود کے اندر چلنے پر مجبور رہتا ہے۔ جو اللہ نے مقرر کر دی ہیں۔ وہ تمام خدمات اپنی شخصی و خانگی زندگی میں بھی اسی طرح انجام دیتا رہتا ہے جس طرح اپنی سرکاری حیثیت میں غرض نبی کے اقوال و افعال میں فرق مراتب ضرور ہے بعض وجوب اور فرضیت کے درجہ میں ہیں بعض استحباب کے درجہ میں اور بعض ایسے ہیں جن کی حیثیت درجہ استکمال کی ہے۔ لیکن فی الجملہ نبی کی پوری زندگی ایک ایسا نمونہ (ماڈل) ہے جس کو اسی لئے پیش کیا گیا ہے کہ بنی آدمؑ اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

یہی آخری کردہ حق پر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے جو حالات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے سے نبوت کی حقیقت یہ نہیں معلوم ہوتی کہ اللہ تعالیٰ یکایک کسی راہ چلتے کو پکڑ کر اپنی کتاب پہنچانے کے لئے مامور کر دیتا ہو۔ یا کسی شخص کو اس طور پر اپنی پیغام بری کے لئے مقرر کرتا ہو کہ وہ منجملہ اپنے دوسرے کاروبار کے ایک پیغمبری کا کام بھی انجام دے دیا کرے۔ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ نے جب کبھی قوم میں نبی بھیجنا چاہا تو خاص طور پر ایک شخص کو اسی کام کے لئے پیدا کیا۔ اس کے اندر انسانیت کی وہ بلند ترین صفات

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور وہ اعلیٰ درجہ کی ذہنی اور روحانی قوتیں ودیعت کی ہیں جو اہم ترین منصب کو سنبھالنے کے لئے ضروری ہیں۔ ایسے حالات میں اس کی پرورش کی جن میں اس کی استعداد نبوت ترقی کر کے فعلیت کی طرف بڑھتی ہے۔ اور جب وہ اپنے کمال کو پہنچ گیا تو اس کو خاص اپنے پاس سے علم اور قوت فیصلہ اور نور ہدایت عطا کر کے منصب نبوت پر مامور کیا ہے۔ اور اس سے اس طرح یہ کام لیا ہے کہ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد سے آخری سانس تک اس کی پوری زندگی اسی کام کے لئے وقف رہی ہے وہ ہمیشہ ایک ہمہ وقتی ملازم ہے جس کو کبھی رخصت نہیں ملی اور نہ اسکے لئے کبھی اوقاتِ کار مقرر کئے گئے اس پر خدا کی طرف سے شدید نگرانی بھی قائم رہی ہے کہ خطا نہ کرنے پائے اور معاملات کو بالکل اس کی بشری عقل اور اس کے انسانی اجتہاد پر نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ جہاں کہیں اس کی خواہش یا اس کے اجتہاد نے خدا کے مقرر کئے ہوئے خطِ مستقیم سے بال برابر جنبش کی ہے وہیں اس کو ٹوک کر سیدھا کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کی پیدائش اور اس کی بعثت کا مقصد ہی یہ رہا ہے کہ خدا کے بندوں کو سواء السبیل اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اگر وہ اس خط سے یک سرمو بھی ہٹتا تو عام انسان میلوں اس سے دور نکل جاتے۔ ان تمام باتوں پر قرآن کا لفظ لفظ گواہ ہے۔[1]

غرض نبوت کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ ایک انسان جو تمام حیثیات سے دوسرے انسانوں جیسا ایک انسان ہو۔ ایک عمر کو پہنچنے کے بعد یکایک خدا کی طرف سے نزولِ وحی کے لئے چن لیا جائے۔ اور بجز اس کتاب کے جو اس پر نازل کی گئی ہو اور کسی بات میں بھی اسکی رائے، اس کے خیالات، اس کے اعمال، اس کے احکام اور اس کے فیصلے غیر نبی انسانوں سے ممتاز نہ ہوں۔ یا یہ کہ اس میں اور عام انسانوں میں صرف اتنا ہی فرق ہو کہ تنزیل کتاب کے ساتھ ساتھ اس کو احکام کتاب کی عملی تفصیلات بھی بتا دی گئی ہوں۔ اور

---

[1] دیکھئے: صف (۳)، آل عمران (۱)، مریم (۲)، القلم (۱)،

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بقیہ عام امیروں جیسا ایک امیر اور عام لیڈروں جیسا ایک لیڈر ہو نیز نبوت کی حقیقت یہ بھی نہیں ہے کہ نبی کی ذاتِ بشریہ پر نبوت عارض ہوتی ہے اور ہم اس کی زندگی کو دو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے صرف اس شعبہ کو اطاعت و اتباع کے لئے منتخب کر سکیں جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تینوں باتیں قرآن کے خلاف ہیں۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اپنی پیدائش اور پرورش کے مراحل سے گذرنے کے بعد نبوت کے لئے منتخب نہیں کیا جاتا ہے بلکہ وہ کارِ نبوت ہی کے لئے پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ بشر ہی ہوتا ہے اور ان تمام حدود سے محدود ہوا کرتا ہے جو حق تعالیٰ نے فطرتِ بشریہ کے لئے مقرر فرمائی ہیں، لیکن ان حدود کے اندر اسکی بشریت آخری اور انتہا درجہ کی کامل واکمل بشریت ہوتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ صحیح معنوں میں بالفعل خدا کا خلیفہ ہوتا ہے اور یہی چیز ہے جو اپنی پختگی اور اپنے کمال کو پہنچ جانے کے بعد ہدایتِ عام کے منصب پر سرفرازی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے علم کی مزید روشنی پا کر سراجِ منیر بنتی ہے مصالح عامۃ البشریہ کے لئے تعلیمات اور احکام کا مہبط قرار پائی ہے اور اصطلاح میں نبوت و رسالت سے موسوم ہوتی ہے۔ یہ نبوّت دراصل ایک پیدائشی چیز ہے۔ اور نبی کی حیثیتِ ذاتی ہی اس کی حیثیتِ نبوی ہے۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا ہے کہ بعثت سے قبل اس کی حیثیت نبوّت بالقوہ ہوتی ہے اور بعثت کے بعد بالفعل ہو جاتی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے میٹھا پھل، کہ وہ بالذات میٹھا پھل ہی پیدا ہوا ہے، لیکن اس کی مٹھاس پختگی کی ایک خاص حد پر پہنچ کر ہی ظاہر ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول ہی تھے۔ اور یہ شانِ رسالت ہی تھی کہ آپ ہمیشہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے تھے۔ جس کے لئے آپکو بھیجا گیا تھا۔

آپ کی بعثت کا مقصد یہ تو نہ تھا کہ لوگوں سے رائے اور عمل کی آزادی قطعاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلب کر لیں اور ان کی عقل و فکر کو معطل کر دیں۔ نہ آپؐ دنیا کو زراعت اور صنعت و حرفت سکھانے آئے تھے۔ نہ آپؐ کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ لوگوں کے کاروبار اور ان کے ذاتی معاملات میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ آپؐ کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا اور وہ اسلام کو عقیدہ کی حیثیت سے دلوں میں بٹھانا اور عمل کی حیثیت سے افراد کی سیرت اور سوسائٹی میں نافذ کر دینا تھا۔ اس مقصد کے سوا دوسری کسی چیز کی طرف حضورؐ نے کبھی توجہ نہیں فرمائی۔ اور اگر شاذونادر کسی موقع پر کچھ فرمایا بھی تو صاف کہہ دیا کہ تم اپنی رائے اور عمل میں آزاد ہو، جس طرح چاہو کرو۔ انتم اعلم باموردنیاکم۔ اگرچہ صحابہ کرام آپؐ کے ہر ارشاد کو رسول کا ارشاد سمجھ کر بدل وجان اس کی اطاعت پر آمادہ تھے اور آپؐ کو مطلقاً مطاع و متبوع سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے جب کبھی حضورؐ کسی دنیوی مسئلہ میں بھی کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کو شبہ گذرتا کہ شاید یہ حکم رسالت ہو، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ نے کسی ایسے مسئلہ میں جو آپؐ کے مقصدِ بعثت سے متعلق نہ تھا صحابہ کو کوئی حکم دیا ہو اور انھیں اطاعت پر مجبور کیا ہو۔ ۲۳ سال کی مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے مشن سے غافل نہ ہونا۔ اور ہر آن اس باریک فرق کو ملحوظ رکھنا کہ کون سا معاملہ اس مشن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کون نہیں رکھتا۔ اور اپنے متبعین پر کامل اقتدار رکھنے کے باوجود کبھی ان کو غیر متعلق امر میں حکم نہ دینا۔ خود اس بات پر شاہد ہے کہ شانِ رسالت کسی وقت بھی حضورؐ سے منفک نہ ہوتی تھی۔ مگر یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ دنیوی معاملات میں جو کچھ حضورؐ نے فرمایا وہ خدا کی وحی سے نہ تھا۔ اگرچہ آپؐ کے ایسے ارشادات آپؐ کے احکام نہیں ہیں اور نہ آپؐ نے ان کو حکم کے انداز میں فرمایا، اور نہ کسی نے ان کو حکم سمجھا۔ مگر پھر بھی جو بات آپؐ کی زبان مبارک سے نکلی وہ سراسر حق تھی اور غلطی کا اس میں شائبہ تک نہ تھا۔ مثال کے طور پر طب نبویؐ کے باب میں جو کچھ آپؐ سے ثابت ہے وہ ایسی ایسی حکیمانہ باتوں سے لبریز ہے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ عرب کا ایک اُمّی جو طبیب نہ تھا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس نے کبھی فن طب کی تحقیق نہ کی تھی وہ کس طرح اس فن کی حقیقتوں تک پہنچا، جو صدیوں کے تجربات کے بعد اب منکشف ہو رہی ہیں۔ اس قسم کے سینکڑوں مثالیں ہم کو حضورؐ کے حکیمانہ ارشادات میں ملتی ہیں۔

پس انبیا کے حق میں یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہو گا کہ ان پر صرف وہی امور وحی کئے گئے تھے جو براہ راست تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ درحقیقت ان کی ساری زندگی حق تعالیٰ کی ہدایت کی تابع تھی۔ البتہ اگر فرق ہے تو یہ کہ ان کی زندگی کا ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کے قدم بہ قدم چلنا مسلمان ہونے کے لئے ناگزیر شرط ہے اور ایک شعبہ ایسا ہے جس میں ان کا اتباع ہر مسلمان پر فرض نہیں۔ مگر جو شخص اللہ کا محبوب و مقبول بندہ بننا چاہتا ہو۔ اور بارگاہ حق میں تقرب کا خواستگار ہو اس کے لئے بغیر اس کے چارہ نہیں کہ ٹھیک ٹھیک نبیؐ کی سنت پر چلے۔ حتیٰ کہ ایک سرمو بھی اس خط سے ہٹے گا تو تقرب اور محبوبیت میں اسی انحراف کی حد تک کسر رہ جائے گی۔ اس لئے کہ محبوبیت کے لئے بجز اتباع نبی کے اور کوئی راستہ نہیں۔

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔

---

(۴)

ختم نبوت[1]

عربی لغت اور محاورے کی رو سے "ختم" کے معنی مہر لگانے، بند کرنے آخر تک پہنچ جانے، اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

خَتَمَ الْعَمَلَ کے معنی ہیں فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ۔ "کام سے فارغ ہو گیا"۔

---

[1] یہ مضمون مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" کے ایک حصہ "سورۂ احزاب" (ص ۱۰۸ تا ۱۴۳) سے ماخوذ ہے (شائع کردہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور۔ طبع اول ۱۹۶۲ء) اخذ و تلخیص: محمد کلیم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خَتَمَ الاِنَاءَ کے معنی ہیں "برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگادی تاکہ نہ کوئی چیز اس میں سے نکلے نہ کچھ اس کے اندر داخل ہو۔"

خَتَمَ الکِتَابَ کے معنی ہیں "خط بند کر کے اس پر مہر لگادی تاکہ محفوظ ہو جائے"

خَتَمَ عَلَی القَلبِ "دل پر مہر لگادی کہ نہ کوئی بات اس کی سمجھ میں آئے، نہ پہلے سے جمی ہوئی کوئی بات اس میں سے نکل سکے۔"

خِتَامُ کُلِّ مَشرُوبٍ "وہ مزا جو کسی چیز کو پینے کے بعد آخر میں محسوس ہوتا ہے۔"

خَاتِمَۃُ کُلِّ شَیءٍ، عَاقِبَتُہٗ وَاٰخِرَتُہٗ "ہر چیز کے خاتمہ سے مراد اس کی عاقبت اور آخرت ہے۔"

خَتَمَ الشَّیءِ بَلَغَ آخِرَہٗ "کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے کہ اس کے آخر تک پہنچ جانا۔ اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں۔ اور اسی معنی میں سورتوں کی آخری آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے۔

خَاتِمُ القَومِ آخِرُہُم "خاتم القوم سے مراد ہے قبیلے کا آخری آدمی۔"[1]

اس بناء پر تمام اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالاتفاق خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے لئے ہیں عربی لغت و محاورے کی رو سے خاتم کے معنی ڈاک خانے کی مہر کے نہیں ہیں جسے لگا کر خطوط جاری کئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہے جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ نہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نکلے نہ باہر کی کوئی چیز اندر جائے۔

قرآن کے سیاق و سباق اور لغت کے لحاظ سے اس لفظ کا جو مفہوم ہے

---

[1] لسان العرب، قاموس، اقرب الموارد یہاں ہم نے لغت کی صرف تین کتابوں کا حوالہ دیا لیکن بات انہی تین کتابوں پر منحصر نہیں ہے عربی زبان کی کوئی معتبر لغت اٹھا کر دیکھ لی جائے ہمیں لفظ خاتم کی یہی تشریح ملے گی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر چند صحیح ترین احادیث ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی مر جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے۔" (بخاری، کتاب المناقب، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

(۲) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی۔ مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے۔ مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں۔" (یعنی میرے آنے پر نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی ہے اب کوئی نبی کی جگہ باقی نہیں ہے جسے پر کرنے کے لئے کوئی آئے)[1] (بخاری۔ کتاب المناقب باب خاتم النبیین)

۳ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔" (ترمذی، کتاب الرؤیا، باب د

---

[1] اس مضمون کی چار حدیثیں مسلم (کتاب الفضائل باب خاتم النبیین) میں ہیں اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ فجئت فختمت الانبیاء" پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا یہی حدیث انہی الفاظ میں ترمذی کتاب المناقب باب فضل النبی اور کتاب الاداب باب الامثال میں ہے۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث جابر بن عبداللہؓ کی روایت کردہ احادیث کے سلسلے میں آتی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں "ختم بی الانبیاء۔ میرے ذریعے سے انبیاء کا سلسلہ ختم کیا گیا۔"

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذہاب النبوۃ، مسند احمد، مرویات انس بن مالکؓ)

۴۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو (مگر اُن کے زمانے میں وہ نہ آیا) اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ لامحالہ اب اس کو تمہارے ہی اندر نکلنا ہے" (ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الدجال)

۵۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتے"۔ (ترمذی۔ کتاب المناقب)

۶۔ "عبدالرحمن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یہ کہتے سنا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے نکل کر ہمارے درمیان تشریف لائے اور اس انداز سے کہ گویا آپؐ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "میں محمد نبی امی ہوں" پھر فرمایا! "اور میرے بعد کوئی نبی نہیں" (مسند احمد روایات عبداللہ بن عمرو بن عاص)

۷۔ "ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ اور یہ کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ (ابوداؤد، کتاب الفتن)

۸۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ میری امت کے بعد کوئی امت (یعنی کسی نئے آنے والے نبی کی امت) ہے"۔ (بیہقی، کتاب الرؤیا، طبرانی)

یہ احادیث بکثرت صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور بکثرت محدثین نے بہت سی قوی سندوں سے نقل کیا ہے ان کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے مختلف مواقع پر، مختلف طریقوں سے، مختلف الفاظ میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ آپؐ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ نبوت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہو چکا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور آپؐ کے بعد جو لوگ رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کریں وہ دجّال و کذاب ہیں۔

قرآن و سنّت کے بعد تیسرے درجے میں اہم ترین حیثیت صحابہ کرام کے اجماع کی ہے یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں نے ان کی نبوت تسلیم کی، ان سب کے خلاف صحابہ کرام نے بالاتفاق جنگ کی تھی۔

اس سلسلے میں مُسَیلمہ کذّاب کا معاملہ قابل ذکر ہے۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر نہ تھا بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اسے حضورؐ کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے۔ اس نے حضورؐ کی وفات سے پہلے جو عریضہ آپ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کی طرف۔ آپ پر سلام ہو۔ آپ کو معلوم ہو کہ میں آپ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں۔"[1]

علاوہ بریں مورخ طبری نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ مُسَیلمہ کے ہاں جو اذان دی جاتی تھی اس میں اشہد ان محمداً رسول اللہ کے الفاظ بھی کہے جاتے تھے اس صریح اقرار رسالت محمدی کے باوجود اسے کافر اور خارج از ملت قرار دیا گیا اور اس سے جنگ کی گئی تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے اور انہیں واقعی اس غلط فہمی میں ڈالا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود شریک رسالت کیا ہے۔ نیز قرآن کی آیات کو اُن کے سامنے مُسَیلمہ پر نازل شدہ آیات کی حیثیت سے ایک ایسے شخص نے پیش کیا تھا جو مدینہ طیبہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گیا تھا[2] مگر اس کے باوجود صحابہ کرام نے ان کو مسلمان تسلیم نہیں کیا اور ان پر فوج کشی کی۔ پھر یہ کہنے کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ نے ان کے خلاف ارتداد کی بناء پر نہیں بلکہ بغاوت کے جرم میں جنگ کی تھی اسلامی

---

[1] طبری۔ ج ۲ ص ۳۹۹ طبع مصر [2] البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر۔ ج ۵ ص ۵۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قانون کی رو سے باغی مسلمانوں کے خلاف اگر جنگ کی نوبت آئے تو ان کے اسیرانِ جنگ غلام نہیں بنائے جا سکتے بلکہ مسلمان تو درکنار ذمی بھی اگر باغی ہوں تو ان کو بھی گرفتار ہونے کے بعد ان کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ لیکن مسیلمہ اور اس کے پیروں پر جب چڑھائی کی گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اعلان فرمایا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے گا اور جب وہ لوگ اسیر ہوئے تو فی الواقع ان کو غلام بنایا گیا چنانچہ انہی میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی جس کے بطن سے تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت محمد بن حنفیہؒ[1] نے جنم لیا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ نے جس جرم کی بنا پر ان سے جنگ کی تھی وہ بغاوت کا جرم نہ تھا بلکہ یہ جرم تھا کہ ایک شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے لوگ اس کی نبوت پر ایمان لائے۔ یہ کارروائی حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد ہوئی ہے ابوبکر صدیقؓ کی قیادت میں ہوئی اور صحابہؓ کی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوئی ہے۔ اجماع صحابہ کی اس سے زیادہ صریح مثال شاید ہی کوئی اور ہو۔

اجماع صحابہ کے بعد چوتھے نمبر پر مسائل دین میں جس چیز کو حجت کی حیثیت حاصل ہے وہ دورِ صحابہ کے بعد کے علمائے امت کا اجماع ہے اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے علما اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپؐ کے اس منصب کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے وہ کافر، خارج از ملت اسلام ہے۔ اس سلسلے کے بھی چند شواہد ملاحظہ ہوں:۔

(۱) امام ابوحنیفہ (۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کی علامت پیش کر دوں۔ اس پر امام

---

[1] حنفیہ سے مراد قبیلہ بنو حنفیہ کی عورت ہے۔ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۱۶، ۳۲۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اعظم نے فرمایا کہ جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں " لا نبی بعدی [۱] "

(۲) " علامہ ابن جریر طبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ) اپنی مشہور تفسیر قرآن میں آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبین کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ الذی ختم النبوۃ فطبع علیہا فلا تفتح لاحد بعدہٗ الی قیام الساعۃ "جس نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگا دی اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لئے نہیں کھلے گا [۲] "

(۳) علامہ ابن حزم اندلسی (۳۸۴ھ ۔ ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں " یقیناً وحی کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منقطع ہو چکا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ وحی نہیں ہوتی مگر ایک نبی کی طرف، اور اللہ عز وجل فرما چکا ہے کہ محمدؐ نہیں ہیں تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں [۳] "

(۴) " امام غزالیؒ (۴۵۰ھ ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں "۔ کہ امت نے بالاتفاق اس لفظ (لانبی بعدی) سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے بعد کبھی نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ نیز امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس میں کسی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے [۴]۔

(۵) " علامہ زمخشری (۴۶۷ھ ۔ ۵۳۸ھ) تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں " اگر تم کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کیسے ہوتے جبکہ حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں نازل ہوں گے ؟ تو میں کہوں گا کہ آپ کا آخری نبی ہونا اس معنی میں ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں جب

۱۔ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ لابن احمد المکیؒ۔ ج ۱ ص ۱۶۱، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۔ ۱۳۲۱ھ ۲۔ تفسیر ابن جریر ج ۲۲ ۔ ص ۱۲۔

۳۔ المحلی ۔ ج ۱ ۔ ص ۲۶ ۔ ۴۔ الاقتصاد فی الاعتقاد المطبعۃ الادبیۃ مصر ص ۱۱۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمدیہ کے پیرو اور آپ کے قبلے کی طرف نماز پڑھنے والے کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ گویا وہ آپ ہی کی امت کے ایک فرد ہیں"۔ [1]

(۶) امام رازی (۵۴۳ھ – ۶۰۶ھ) اپنی تفسیر کبیر میں آیت خاتم النبیین کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- "اس سلسلۂ بیان میں وخاتم النبیین اس لئے فرمایا کہ جس نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی ہو وہ اگر نصیحت اور توضیح احکام میں کوئی کسر چھوڑ جائے تو اس کے بعد آنے والا نبی اسے پورا کر سکتا ہے۔ مگر جس کے بعد کوئی آنے والا نبی نہ ہو وہ اپنی امت پر زیادہ شفیق ہوتا ہے اور اس کو زیادہ رہنمائی دیتا ہے کیونکہ اس کی مثال اس باپ کی ہوتی ہے جو جانتا ہے کہ اس کے بیٹے کا کوئی ولی وسرپرست اس کے بعد نہیں ہے"۔ [2]

(۷) علامہ بیضاوی (م ۶۸۵ھ) لکھتے ہیں :"یعنی آپ انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں جس نے ان کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ جس سے انبیا کے سلسلے پر مہر کر دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کا آپؐ کے بعد نازل ہونا اس ختم نبوت میں قادح نہیں ہے کیونکہ جب وہ نازل ہوں گے تو آپ ہی کے دین پر ہوں گے"۔ [3]

(۸) علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : "پس یہ آیت اس باب میں نصِ صریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جب آپؐ کے بعد نبی کوئی نہیں تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں ہے کیونکہ رسالت کا منصب خاص اور نبوت کا منصب عام۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر رسول نبی نہیں ہوتا ۔۔۔ حضورؐ کے بعد جو شخص بھی اس مقام کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری دجّال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ خواہ وہ کیسے ہی خرق عادت اور شعبدے اور جادو و طلسم اور کرشمے بنا کر لے آئے۔ یہی حیثیت ہر اس شخص کی ہے جو قیامت تک اس منصب کا مدعی ہوئے"۔ [4]

---

[1] تفسیر کشاف، جلد ۲ – ص ۲۱۵ – [2] – تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۸۱
[3] انوار التنزیل – ج ۴ ص ۱۶۴ [4] – تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۳، ۴۹۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۹) ملا علی قاری (م ۱۰۱۶ھ) شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے"۔[1]

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری جسے بارہویں صدی ہجری میں اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ہندوستان کے بہت سے اکابر علماء نے مرتب کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے "اگر آدمی یہ نہ سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلم نہیں ہے اور جو کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا میں پیغمبر ہوں تو اس کی تکفیر کی جائے گی"۔[2]

ان تحریروں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ پہلی صدی سے آج تک پوری دنیائے اسلام متفقہ طور پر "خاتم النبین" کے معنی "آخری نبی" ہی سمجھتی رہی۔ حضورؐ کے بعد نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند تسلیم کرنا ہر زمانے میں تمام مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ رہا ہے اور اس امر میں مسلمانوں کے درمیان کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور جو اس کے دعوے کو مانے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

(۵)

معجزاتِ نبویؐ[3]

معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعوے کی صداقت کے لئے دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ اسی لئے انبیاء سے جو فوق العادت کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں انکے لئے معجزہ کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کے لئے آیت (نشانی) اور

---

[1] شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ [2] فتاویٰ عالمگیری ج ۲، ص ۲۶۳۔

[3] یہ مضمون سیرت النبی جلد ۳ از مولانا سید سلیمان ندوی (اعظم گڑھ طبع ۱۹۴۰ء) ص ۴ تا ۸۲ سے ماخوذ و ملخص ہے

اخذ و تلخیص: محمد کلیم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے۔ دیکھنے والوں کے لئے اس کی چشم و ابرو میں اور سننے والوں کے لئے اس کے لہجہ و آواز میں اور سمجھنے والوں کے لئے اس کے پیام دعوت میں اعجاز ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی۔ اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں۔ لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا۔ حضرت ہارونؑ اور یوشعؑ نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں مگر چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ "آپؐ غریبوں کے دست و بازو ہیں قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔"[1] حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپؐ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا۔ انکے لئے آپؐ کا سرتاپا وجود، نفس دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا۔ انھوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی، مگر نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے لیکن بایں ہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ جھائیاں پڑی ہوتی ہیں۔ جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں اس آئینہ پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں۔ اور آمنا برب ھارون و موسیٰ[2] پکار اٹھتے ہیں۔ فرعون کے ساحروں نے حضرت

۱؎ صحیح بخاری۔ باب بدء الوحی   ۲؎ طٰہٰ ع۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ کا معجزہ دیکھا تو موسیٰؑ اور ہارونؑ کے خدا کے آگے سجدے میں گر پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی۔ اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔ یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدرِ استعداد حصہ پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ موئدات یعنی تائید حق کے لئے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے۔ معجزات کے ذریعہ مومنین وصادقین کو مشکلات کے عالم میں اور اضطراب کی گھڑیوں میں تسکین دی جاتی ہے اور رسوخِ ایمان اور ثباتِ قدم مرحمت ہوتا ہے ان کی بے سروسامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولتِ ایمان کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعاتِ زندگی کا خلاصہ ان کی تعلیمات کا عطر اور ان کے حالات ومشاہدات کا برزخ ہے۔ آپؐ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفانِ نوحؑ دفعۃً بہا لے گیا تھا۔ جن کو دریائے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں جن کو نفسِ عیسیٰؑ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر۔ آپؐ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس بنا پر جس چشمہ فیض نے اسباط موسیٰ کو سیراب کیا تھا۔ وہ ان تشنہ کامانِ روحانیت سے کیونکر بے پرواہ ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا جو علی قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ، اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے۔ آپؐ کے اخلاق وعادات معجزہ تھے۔ آپؐ کی شریعت معجزہ تھی آپؐ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کی روحانی طاقت نے جسم وروح دونوں کی کائنات

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں بہت کچھ اثر ڈالا۔ اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لئے بستر لگایا۔ کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی۔ کبھی ما کذب الفواد کے نور سے قلبِ مبارک کو منور کیا اور کبھی مازاغ البصر کے سرمے سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا۔ کبھی نزولِ رحمت الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے۔ کبھی وادیٔ حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے اُبالے۔ کبھی سنگِ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے۔ کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبانِ الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سُنائے اور آئندہ دُنیا کے واقعات غیب بتا کر رہروانِ عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے۔

جہاد کے میدان میں آپ کو جو فتوحات حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ فرشتوں کے پرے، دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کی سپر، اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے۔ اور روئے انور نے، نگاہِ کیمیا اثر نے، تقریرِ دلپذیر نے، اخلاقِ اعجاز نما نے، آیات و دلائل نے بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ غرض آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر منظر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات اسبابِ ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسبابِ حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

محدثین اور اہلِ سیر نے جو بے شمار[1] معجزے آپ سے منسوب کئے ہیں ان تمام معجزات کا تفصیلی بیان تو کجا اجمالی ذکر بھی اس مضمون میں ممکن نہیں۔ اس لئے ہم یہاں صرف آپ کے سب سے اہم معجزہ یعنی قرآن مجید کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ہیں

---

[1] مولانا اشرف علی تھانوی (النشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور ص ۱۹۹) نے ۱۰ ہزار کی تعداد کا ذکر کیا ہے۔

[2] معجزات کی تفصیل کے لئے سیرۃ النبی ج ۳ ملاحظہ ہو۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا:

"اور انھوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں کہہ دے کہ نشانیاں خدا کی قدرت میں ہیں۔ میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر یہ کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے" [۱]

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلے میں اپنی اسی وحیِ آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اُتارا، اسلئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیرؤوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی" [۲]

اس حدیث سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے۔ ہوئے اور ہو کر مٹ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دُنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔ نیز چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے اس لئے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا۔ برخلاف اس کے کہ قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے اسلئے قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

---

[۱] عنکبوت: ۵۰ - ۵۱ [۲] سیرۃ النبی ص: ۵۱۲ بحوالہ صحیح بخاری باب الاعتصام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے۔ اور پھر خود ہی اس کی پیشگوئی بھی کردی ہے کہ دنیا ہمیشہ اسکی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔[1] سورہ ہود[2] میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے۔ اس کے بعد سورہ بقر میں دس سورتوں سے گھٹا کر صرف ایک ہی سورت کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے[3]

قرآن پاک صرف اسی وجہ سے معجزہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت[4] یکسانی اور عدم اختلاف[5]، قوت تاثیر[6] تعلیم و ہدایت[7] حفظ و بقا[8] اور قوت[9] دلائل کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ اس کے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ چودہ سو سال گذرنے پر بھی ایک آواز اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی اور اس وقت بھی جب کہ عرب کے قبیلے قبیلے میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے۔ اس "صوت سرمدی" کے آگے سب کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے۔ اسلام کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انھوں نے جواب دیا "جب خدا نے مجھے بقرہ اور آل عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں"[10]۔ حضرت عمرؓ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھ کر اور سن کر پتھر سے موم ہوگیا[11]

---

[1] بنی اسرائیل ۱۰ [2] ہود: ۲ [3] بقرہ ع: ۳

[4] نحل ۱۴، شعراء ۱۱ [5] نساء۔ ۱۱ [6] قمر۔ ۱۔ احقاف ۱، فصلت: ۴ [7] قصص: ۵ بقرہ ۱، اسراء: ۱۔ ۹ مائدہ: ۳۔ انعام ۲۰ فصلت ۵ [8] نحل ۱، فصلت۔ قیامت ۱ [9] انعام اعراف ۲۴ [10] استیعاب ابن عبد البر ترجمہ لبید [11] ابن سعد ج ۳ حصہ اول ص ۱۹۱ و ابو یعلیٰ و حاکم و بیہقی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عثمان بن مظعون نے چند آیتیں سن لیں تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔[1] حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے کانوں میں اتفاقیہ چند آیتیں پڑ گئیں تو مسلمان ہو گئے۔[2] اور تو اور خود مہبط وحیؐ اور حامل قرآن ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ قرأت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔؟

کلام کی یہ شیرینی، یہ نمکینی، تاثیر، جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے۔ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔

تورات قانون شریعت ہے لیکن اخلاق و موعظت نہیں انجیل اخلاق و موعظت ہے۔ لیکن قانون شریعت نہیں، زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ دیگر صفات سے خالی۔ مسیح کے صحیفے میں خطابت کی ہنگامہ آرائی ہے مگر استدلال و فکر کی دعوت نہیں۔ صحف بنی اسرائیل پیشینگوئیوں سے لبریز مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہیں۔ دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق و موعظت بھی، مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے۔ اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی ہے۔ خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی اظہار غیب اور پیشینگوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت و اسرار ایمان و عمل سے معمور بھی۔ اور ان سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتب الٰہیہ تحریف و تغیر اور تراجم و تعبیر سے اپنی اصلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں اس کی بقاء و حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ چودہ سو سال کے بعد بھی اس کے ایک لفظ، ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ کیا یہ اعجاز نہیں؟[3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۱۸ [2] استیعاب تذکرہ طفیل بن عمروؓ

[3] سیرۃ النبی ص ۵۲۸ ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سیرت کا تحریری سرمایہ

(۱)
اہم عربی ماخذ[1]

سیرت نبویؐ کا سب سے اہم اور سب سے مستند ماخذ قرآن ہے اور سب سے زیادہ صحیح حصہ وہ ہے جس کا بیان اس میں موجود ہے اور جس کی صحت اور سند میں دشمن بھی شک نہ کر سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام ضروری اجزا' ابتدائی زندگی' یتیمی' غربت' تلاش حق' نبوت وحی' اعلان و تبلیغ' معراج' کفار کی عداوت' ہجرت' غزوات' سراپا' اخلاق غرض سبھی باتیں اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر وقائع سیرت دنیا کے پردہ پر موجود نہیں ہیں۔

سیرت کا دوسرا ماخذ احادیث ہیں جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب پہنچتی ہے' ان میں صحیح' قوی' ضعیف' موضوع سب الگ الگ ہیں۔ اس میں صحاح ستہ کا سرمایہ بھی ہے جس کا ایک ایک واقعہ تولا اور پرکھا ہوا ہے۔ مسانید بھی ہیں جن میں سب سے ضخیم امام احمد بن حنبلؒ کا مسند ہے۔ اس ذخیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور تعلیمات دونوں کا حال خاصی تفصیل سے ملتا ہے۔

---

[1] یہ مضمون علامہ شبلی کی سیرت النبی ج اول مولانا عبدالرؤف داناپوری کی اصح السیر اور مولانا سید سلیمان ندوی کی خطبات مدراس کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ اصل مدار شبلی کی سیرت النبی پر ہے (تلخیص و ترتیب: محمد کلیم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سیرت کا تیسرا ماخذ مغازی ہیں یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات لڑائیوں کا حال اور ضمناً دیگر واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اسلام سے قبل عرب میں چونکہ قبائلی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھے جاتے تھے اس لئے قیاس یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق واقعات میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلیں اور سب سے پہلے اسی فن کی بُنیاد پڑی۔ لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا۔ ابتدائی زمانے میں خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ نے زیادہ تر ان احادیث کی جمع و ترتیب پر توجہ صرف کی جن کا تعلق امور شریعت سے تھا۔ اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے۔ بعد میں مغازی اور سیر کی روایتوں کی طرف توجہ کی گئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ دی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے۔ عاصم بن قتادہ انصاری (م ۱۲۱ھ) اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے۔ ان کو حکم دیا تھا کہ جامع دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانے کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں بڑی محنتیں اٹھائیں۔ وہ نسباً قریشی تھے ۵۰ھ میں پیدا ہوئے انھوں نے بہت سے صحابہ کو دیکھا تھا۔ وہ ۸۰ھ میں عبد الملک بن مروان کے دربار میں گئے۔ عبد الملک نے ان کی بہت قدر و منزلت کی ان کی یہ حیثیت بعد کے ادوار میں بھی باقی رہی۔ انھوں نے کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ امام زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زہری کی وجہ سے مغازی اور سیر کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقۂ درس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان میں یعقوب بن ابراہیم محمد بن صالح عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز فن مغازی میں شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا ہے۔

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں بڑا نام پایا اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ ایک موسیٰ بن عقبہ اور دوسرے محمد بن اسحاق موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے مولا تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا۔ فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد اور ان کے نہایت مداح تھے۔ اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو۔ ان کے مغازی کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین کا مذاق یہ تھا کہ واقعات نہایت کثرت سے نقل کرتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں۔ موسیٰ نے احتیاط کی۔ اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت دیگر کتب مغازی کے مختصر ہے۔

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور حدیث سُن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط پیدا ہو جاتا تھا۔ جبکہ موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سکھا تھا۔ ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی۔ اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی مرویات کو سند اعتبار حاصل نہیں۔ اس لئے ان کی شہرت میں بے اعتباری کا بھی پہلو نکلتا ہے مگر محمد بن اسحاق کو عموماً مستند اور قابل اعتبار تسلیم کیا گیا ہے۔ وہ تابعی ہیں انھوں نے ایک صحابی حضرت انسؓ کو دیکھا تھا علم حدیث میں انھیں کمال حاصل تھا۔ امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے۔ لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں۔ ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ ان کے سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں قابل استناد ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی۔ لیکن جزء القراۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات ان ہی سے لئے ہیں۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد ابن اسحاق کی کتاب پر یہ اعتراض تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اس لئے ان پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ابن اسحاق نے ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد ابن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانے میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا۔ اور اس کا قلمی نسخہ الہ آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کتاب کی کثرت سے اشاعت ہوئی اور مشہور محدثین نے اس کی روایت کی مگر اسی کتاب کو ابن ہشام نے سب سے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو "السیرۃ النبویۃ یا سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب تقریباً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مفقود ہے اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے وہ ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ بھی کیا کہ اس میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی تشریح بھی کی۔ ابن ہشام نے ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ الغرض ان دو ائمہ فن کی تصانیف کی وجہ سے سیرت کی طرف لوگوں کو عام رغبت پیدا ہوگئی اور اس فن پر مختلف کتابیں لکھی گئیں۔

ابن ہشام ہی کے معاصر واقدی (م ۲۰۷ھ) ہیں انھوں نے سیر و مغازی پر روایات کا انبار لگا دیا اور واقعات کو اس تفصیل و تسلسل سے بیان کیا کہ خود جو شخص ان واقعات کے وقت موجود ہوتا انھیں اس تفصیل سے یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ واقدی کی ان تفصیلات کی وجہ سے بھی محدثین ان کی روایات کو اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ اور ان کی روایتوں کو متروک قرار دیتے ہیں۔ لیکن متروک ہونے کے باوجود شاید سیر مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو واقدی کی روایتوں سے خالی ہو اصل یہ ہے کہ واقدی گو متروک ہیں مگر حجاز کے مقامات اور غزوات و سرایا اور دوسرے واقعات کے محل وقوع کو جتنا صحت و صفائی سے واقدی بیان کرتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ واقدی کی واقفیت اور تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے تفصیلی بیانات مشتبہ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ محمد بن عمر واقدی کا علم بڑا وسیع تھا مگر وہ متروک ہیں۔

سیرت کا چوتھا ماخذ تاریخ کی عام کتابیں ہیں ہماری کتب تاریخ کا ایک حصہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ معتبر اور مبسوط کتاب ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ ہے۔ ابن سعد موالی بنی ہاشم میں سے تھے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ لیکن بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انہی کے شاگرد ہیں سنہ ۲۳۰ھ میں بعمر ۶۲ برس وفات پائی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن سعد واقدی کے شاگرد اور کاتب (LITERARY SECRETARY) تھے۔ واقدی خود تو قابل اعتبار نہیں لیکن ان کے شاگرد رشید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔ وہ مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو ان کے استاد (واقدی) قابلِ اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ چنانچہ خطیب بغدادی نے صاف الفاظ میں اس کی تصریح کی ہے۔

الطبقات الکبریٰ کی پہلی دو جلدیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ہیں۔ اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی سے تعلق رکھتا ہے۔ باقی جلدیں صحابہ اور تابعین کے حالات میں ہیں۔ چونکہ صحابہ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت صلعم کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کی جا سکتی ہیں۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک ہے۔ طبری اس درجہ کے آدمی ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال و ثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ انھوں نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ بعض محدثین نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے" مگر علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان الفاظ میں اس کی تردید کی ہے:

ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین	یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد علیہ آئمہ میں سے ایک ہیں۔

مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابن خلدون، تاریخ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابوالفدار وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔

یہ قدما کی تصنیفات تھیں۔ مابعد کی تصنیفات کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:

روض الانف:

سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے۔ مصنف کا نام عبدالرحمٰن سہیلی ہے۔ جنھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق انکے خوشہ چیں ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی ہے۔

سیرت دمیاطی:

حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اسکے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام "المختصر فی سیرۃ سید البشر" ہے۔

سیرت خلاطی:

علاء الدین علی بن محمد خلاطی کی تصنیف ہے۔ جنھوں نے ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی:

شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے۔

سیرت مغلطائی:

مصنف کا نام یحیٰی ابن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے۔ یہ کتاب ۳ جلدوں میں ہے۔

سیرت ابن ابی طے:

مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے علامہ عینی نے اس کے ایک حصے کی شرح لکھی ہے۔

شرف المصطفیٰ:

حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ اس کی آٹھ جلدیں ہیں۔ حافظ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں ان میں بعض پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔

شرف المصطفیٰ:

حافظ ابن الجوزی کی تالیف ہے جنھوں نے ۵۹۷ھ میں وفات پائی۔

اکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ:

حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبدالبر:

ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام تھے۔ ان کی اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں۔

عیون الاثر:

ابن سید الناس کی تصنیف ہے جو اندلس کے مشہور عالم ہیں انھوں نے ۷۳۴ھ میں وفات پائی۔ یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے۔ انھوں نے معتبر کتابوں کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔

نور النبراس فی سیرۃ ابن سیّد الناس

عیون الاثر کی شرح ہے۔ مصنف کا نام ابراہیم ہے۔ کتاب نہایت محققانہ ہے اور بے شمار معلومات کا خزانہ ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

المواھب اللدنیہ:

مشہور کتاب ہے عموماً متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے شارح اور اسکے دوسرے شارح حافظ ابن حجر کے ہم مرتبہ ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ بحیثیت مجموعی معتبر ہے تاہم اس میں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سیرت کا پانچواں ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ دفتر ہے۔ جن کو کتب دلائل کہتے ہیں۔ مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ۔ دلائل النبوت ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ۔ دلائل بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ۔ دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ۔

دلائل مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ دلائل ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ اس فن میں سب سے مبسوط کتاب جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۲ھ کی خصائص کبریٰ ہے۔

سیرت کا چھٹا ماخذ کتب شمائل ہیں۔ یعنی وہ کتابیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف عادات و اخلاق اور فضائل و معولات زندگی پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ کی کتاب "الشمائل" ہے جس کی بڑے بڑے علمائے نے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں ان ہی شروح میں شہاب الدین خفاجی کی نسیم الریاض بھی ہے جو نہایت مشہور ہے۔ اس فن کی دوسری کتابیں شمائل النبی ابو العباس مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقری غرناطی المتوفی ۵۵۲ھ اور سفر السعادۃ مجد الدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ کی ہیں۔

سیرت کا ساتواں ماخذ وہ کتابیں ہیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے حالات میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق رہا ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے قدیم کتاب ازرقی المتوفی ۲۲۳ھ کی اخبار مکہ اور عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ کی اخبار مدینہ، فاکہی کی اخبار مکہ ابن زبالہ کی اخبار مکہ وغیرہ ہیں۔

٥

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۴)

اردو میں سیرت نگاری

(سید ابو الخیر کشفی)

"زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا نہ زبانیں انسان کی سماجی ضرورتوں کی پیداوار ہوتی ہیں" یہ قول زبانوں کی پیدائش اور آغاز کے متعلق تو درست ہے، سماجی ضرورتوں کی حد تک بھی اسے تسلیم کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن علمی سطح پر یہ بات نیم صداقت سے زیادہ نہیں۔ زبانیں مخصوص حالات، مذہبی اور سماجی تصورات اور تاریخ کے مخصوص ادوار میں علمی سطح تک پہنچتی ہیں۔ اور اس عمل میں وہ کسی ایک سے زیادہ ادیان کے تصورات وافکار کی آئینہ دار اور ترجمان بن جاتی ہیں۔ آج انگریزی بین الاقوامی زبان ہونے کے باوجود عیسائیت کی روایات کی امین ہے۔ اچھے آدمی کی تصویر اس زبان میں "کرسچین جنٹل مین" کے الفاظ میں ملتی ہے۔ عبرانی صرف اسرائیل کی نام نہاد ریاست کی سرکاری زبان ہی نہیں بلکہ صیہونی تحریک کی علامت بھی ہے۔ سنسکرت اور اس کے عناصر کا پرچار ہندوستان کی "سیکولرازم" کی پردہ دری کرتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان محض عرب ممالک تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے درمیان ایک قوی اور زندہ رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث کے مطالعہ کی ضرورت نے اسے سارے مسلمانوں کی زبان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بنا دیا ہے۔

اردو زبان برصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئی اس کی تعمیر و ترقی میں ہندوؤں اور دوسرے مذہب والوں کا بڑا حصہ ہے۔ ہماری ادب کی کوئی تاریخ رتن ناتھ سرشار، دیا شنکر نسیم، پریم چند، فراق، کرشن چندر اور بیدی وغیرہ جیسے فن کاروں کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ اردو زبان مسلمانوں کے ثقافت و تمدن اور دینی افکار کی امین ہے۔ ان افکار کے اثرات غیر مسلم ادیبوں کے یہاں بھی بہت نمایاں ہیں۔ جنھوں نے فکری اور تمدنی طور پر مسلمانوں کی فوقیت کو تسلیم کر لیا تھا مثال اور ثبوت کے طور پر صرف فسانہ آزاد کو پیش کر دینا کافی ہے۔ اردو شاعری کے مزاج کے تعین میں ہمارے ایک نقاد نے "دھرتی" کو بڑی اہمیت دی ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ اس دھرتی پر اردو کا بیج لگانے والی جس جماعت کو فریق غالب کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اپنے تصورات و افکار کی ایک دنیا لے کر یہاں آئی تھی۔ ہمارے ادب میں گنگا کی موج کی نرم روی بھی ہے، لیکن گیسوئے دجلہ و فرات کی تابداری زیادہ نمایاں ہے۔ بسنت رُت کا روپ ہے مگر بہار کی جادہ سامانی اس پہ غالب ہے۔ "انسانی وجود زبان میں ڈھل جاتا ہے زبان فرد کی ملکیت ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ وہ رشتہ اور سلک بھی ہے جو معاشرہ کو قائم کرتی ہے" [1]

دکن کے دورِ اول سے لے کر عہد حاضر تک اردو ادب کی تاریخ میں اسلامی افکار کی اہمیت و اولیت ہر جگہ نمایاں ہے۔ دکن کے ادیبوں اور شاعروں سے لے کر ہمارے دور تک اسلام سے متعلق بے شمار کتابوں کے ترجمے بھی اردو میں ہوئے

---

[1] جان لوٹز (JHON LOTZ) مضمون مشمولہ در سائیکولنگوئسٹکس (PSYCHOLINGUISTICS) مطبوعہ نیو یارک ۱۹۶۱ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور لاتعداد تخلیقی اور طبع زاد کتابیں بھی لکھی گئیں' ان میں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو صرف مذہبی ادب کے زیرِ عنوان ہی نہیں آتیں بلکہ ہمارے مجموعی ادب کا قیمتی حصہ ہیں۔ سرسید، حالی، شبلی اور نذیر احمد اردو کے اکابر اور معمار ہیں ان کی بیشتر تحریریں مذہبی جذبہ کی تخلیق ہیں۔ شاعری میں حالی و اقبال اور ان کے مقلدوں نے مذہبی احساسات کو شاعرانہ جذبہ کی معراج تک پہنچا دیا اردو میں قرآن حکیم کے تراجم کا جو سلسلہ حضرت شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین صاحبان سے شروع ہوا وہ آج بھی جاری ہے۔ احادیث کے تمام معتبر مجموعوں اور تاریخ اسلام کی قابلِ ذکر کتابوں کو اردو میں منتقل کیا جا چکا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر سے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر جتنا کام اردو زبان میں ہوا ہے اور عہد حاضر کے تقاضوں کو جس طرح اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں پورا کرنے کی کوشش ہمارے اربابِ فکر و قلم نے کی ہے اس پر خود عربی زبان بھی رشک کر سکتی ہے۔

حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور پیغام پر اردو زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا ایک اندازہ قاموس الکتب کی جلد اول (مرتبہ مفتی انتظام اللہ شہابی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان) سے ہو سکتا ہے' اگرچہ یہ فہرست بھی مکمل نہیں ہے۔ اس قاموس کے مطابق ۱۹۶۱ء تک اردو میں سیرت النبی پر ۵۰۴ کتابیں میلاد النبی پر ۲۳۴ کتابیں مبشرات پر ۱۸ کتابیں' حضور کے نسب پر ۹ کتابیں شمائل پر ۳۰ کتابیں' خصائص و فضائل پر ۴۱ کتابیں' اخلاق النبیؐ پر ۱۶ کتابیں' معجزات پر ۴۴ کتابیں اور صلوٰۃ و سلام سے متعلق ۱۳۰ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس فہرست اور تقسیم سے سیرت نگاری کے دائروں اور بدلتے ہوئے رجحانات کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس تقسیم سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ اردو میں سیرت النبیؐ اور رحمۃ للعالمین جیسی مفصل کتابیں بھی ہیں اور کسی ایک موضوع کے متعلق مختصر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کتابچے بھی جیسے "آنحضرت صلعم اور جوانی"۔ ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں سیرت رسول اللہ کے سہارے بنیادی مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ خواہ ان سے مکمل طور پر اتفاق نہ کیا جائے، مثلاً "سراج انسانیت" اور ایسے جائزے بھی جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور حیثیت انسانی کے لئے اسکی اہمیت کے نقوش کو ابھارا گیا ہے۔ "خطبات مدارس" کو اپنی ترتیب، اختصار اور تکمیل کے لحاظ سے ایسے جائزوں کی نمائندگی کے لئے چنا جا سکتا ہے۔ بعض اہل قلم نے افسانوی اور تخلیقی انداز میں حضورؐ کی سیرت کو پیش کیا ہے۔ اس طبقہ میں مولانا عبدالحلیم شرر، احسان بی اے۔ اور ماہر القادری کے نام ممتاز ہیں۔

اس مختصر سے جائزے میں موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ اسکی وجہ صفحات کی تنگ دامانی کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جملہ کتابیں راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری ہیں۔ اس صورت میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہم کتابوں کی فہرست دینے کے بعد اہم تر اور زیادہ مقبول کتابوں کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ عرض کر دیا جائے کتابوں کے سلسلہ میں مصنفین کے دور یا سال اشاعت کی تقدیم و تاخیر کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس فہرست سے یہ اندازہ بھی ہو سکے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مندوں میں ہندو اور سکھ مصنف بھی شریک ہیں۔ اس جائزے کا آغاز ہم نے دور سرسید سے کیا ہے۔ ایک مصنف کی کتابیں ایک ساتھ درج کی گئی ہیں:۔

سرسید احمد خاں: جلاء القلوب بذکر المحبوب ۔ خطبات احمدیہ (۱۸۸۷ء)

مولانا حالی: مولود شریف (۱۸۶۴ء)

عبدالحلیم شرر: جویائے حق اور تاریخ اسلام حصہ اول کا نصف اول

شبلی نعمانی: سیرت النبیؐ جلد اول و دوم ۔ حیات النبیؐ

سید سلیمان ندوی: سیرت النبیؐ جلد سوم تا ششم ۔ رحمت عالم ۔ رسول اکرم ۔ خطبات مدراس۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاضی محمد سلیمان منصور پوری: مہر نبوت۔ سید البشر۔ رحمۃ للعالمین۔

مولانا راشد الخیری: آمنہ کا لال۔

خواجہ حسن نظامی: اسلامی رسول (رسالہ منادی کا سالنامہ ۱۹۲۷ء) سیرت النبیؐ

مولانا اشرف علی تھانوی: نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (حبیب خدا)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی: ذکرِ مبارک۔ ذکر حبیب۔ ذکر جمیل

مولانا ابوالکلام آزاد: ذکری۔ رسول عربی

میرزا حیرت دہلوی: سیرت الرسول۔ سیرت محمدیہ۔ دنیا کا آخری پیغمبر

سیماب اکبر آبادی: زمانہ میلاد۔ سیرت نبویؐ۔

مولانا اسلم جیراج پوری: تاریخ الامت (حصہ اول)

مولانا مناظر احسن گیلانی: النبیؐ الخاتم

مولانا معین الدین احمد ندوی: تاریخ اسلام جلد اول

مولانا عبدالشکور لکھنوی: تحفۂ عنبریہ۔ غزوات النبیؐ

مولانا عبدالعلیم صدیقی: ذکرِ حبیب۔

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی: نبی عربی صلعم

عبدالمجید سالک: رسول پاکؐ

چراغ حسن حسرت: سرکار مدینہ

چودھری افضل حق: محبوبِ خدا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن (جلد چہارم)

مولانا ابوالحسن علی ندوی: سیرتِ محمدی کا پیغام۔

عبدالماجد دریا آبادی: مردوں کی مسیحائی

ڈاکٹر حمید اللہ: آنحضرتؐ اور جوانی۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ عہد نبوی کے میدان جنگ، وغیرہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملا واحدی: حیاتِ سرورِ کائناتؐ

پروفیسر سید نواب علی: ہمارے نبی۔ سیرتِ رسول اللہ۔ تذکرۃ المصطفیٰ رسول رحمت۔

نصیر الدین ہاشمی: ذکر نبی۔

رئیس احمد جعفری: رسالت مآب صلعم

اجمل خاں: سیرت قرآنیہ

غلام احمد پرویز: معراج انسانیت۔

ابراہیم عمادی: خاتم النبیین

محمد طاہر فاروقی: سید البشر۔ سرکار دو عالم

محمد علی لاہوری: زندہ نبی کی زندہ تعلیم

ماہر القادری: درِ یتیم

غیر مسلم ارباب قلم نے سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اردو میں جو کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل ہمارے نزدیک بے تعصبی اور علمی انداز کی مثالیں ہیں۔

پنڈت سندر لال: حضرت محمد اور اسلام

سوامی لکشمی جی: آفتابِ حقانیت

سردار گوردت سنگھ: محمد کی سرکار۔ رسولِ عربی۔

گنج لال: حضرت محمد صلعم اور اسلام

اس منتخب فہرست کے آخر میں یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ بعض رسالوں کے "رسول نمبر" سیرت کے لٹریچر میں مستقل کتابوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسالہ منادی دہلی اور رسالہ مولوی دہلی نے کئی ایسے سیرت نمبر شائع کئے تھے۔ پاکستانی رسالوں میں یہ اعزاز رسالہ فاران اور خاتون پاکستان کو حاصل ہوا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

اردو میں سیرت نگاری کے دور کا حقیقی آغاز سرسیّد اور ان کے رفقاء سے ہوا۔ ان کے دینی افکار سے کسی کو لاکھ اختلاف ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ اسلام ان کے فکر شخصیت اور تحریک کی اساس ہے۔ اس عہد میں جو میلاد نامے ہماری محفلوں میں پڑھے جاتے تھے، ان میں بے حد ضعیف اور کمزور روایتیں جگہ پاچکی تھیں۔ یہ صورت حال بڑی تکلیف دہ تھی۔ سرسیّد احمد خاں اور حالی نے اسے وقت کی اہم ضرورت سمجھا کہ میلاد کی مجلسوں کے لئے سیرت کی ایسی مختصر کتابیں لکھی جائیں جن میں ثابت شدہ روایات ہوں اور موضوعی روایات واحادیث سے دامن بچایا جائے۔ سرسید کی جلاء القلوب بذکر المحبوب اور حالی کے مولود شریف سے اس سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ بعد میں اسی نمونہ پر مولانا راشد الخیری نے آمنہ کالال اور سیماب اکبرآبادی نے زنانہ میلاد لکھا۔ ہم نے اپنی فہرست میں مقبول عام میلاد ناموں کو شامل نہیں کیا ہے جو نثر و نظم دونوں کا مجموعہ ہیں۔ "مولود اکبری" اور "مولود سعیدی" کا موازنہ ان کتابوں سے کیجئے جن کا ابھی ذکر کیا گیا تو ان کتابوں کی تصنیف کی اہمیت اور سبب واضح ہو جائے گا۔

اس عہد کی پہلی اہم کتاب جسے آج بھی سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے سرسیّد احمد خاں کی "الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرت المحمدیہ" ہے جسے خطبات احمدیہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ سیرت نبی اکرمؐ سے متعلق عیسائی مصنفین کی معاندانہ تصنیف کا سلسلہ کافی پہلے شروع ہو چکا تھا لیکن ان کتابوں کا لہجہ ان کے موضوعات اور ماخذ سب ہی علمی معیار سے پست تھے۔ اور ان کا تعصب روشن تھا۔ ان کتابوں کی علمی کمزوریوں کے پیش نظر پادری پی۔ فنڈر نے سر ولیم میور سے چار جلدوں میں "لائف آف محمد" لکھوائی۔ بظاہر سر ولیم میور نے مسلمانوں کے مستند ماخذ پر اپنی کتاب اور اپنے استدلال کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ اور اس شخص کی زہر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو مجروح کر گئی۔ جو عشقِ مصطفیٰ کو اپنے ایمان کی سند سمجھتا تھا سہ

خدا دارم' دل بریاں ز عشقِ مصطفیٰؐ دارم

نہ دارد ہیچ کافر' سازو سامانے کہ من دارم (سرسید)

سرسید نے اس کے جواب کو اپنے اوپر فرض قرار دے لیا حالانکہ کتنی ہی کتابیں جمع کیں' کتنے ہی حوالوں کے ترجمے کرائے اور اپنے قیام لندن میں اپنے آپکو اسی کام کے لئے وقف کر دیا اخراجات کا یہ عالم تھا کہ گھر کے نقرئی برتن تک بک گئے۔ محسن الملک کے نام اپنے خط میں سرسید نے لکھا:

"مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا' کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر' بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔" ؎۲

اس کتاب میں سرسید نے عیسائی پادریوں کی طرح مناظرہ یا مخاصمانہ انداز کی جگہ اس لب و لہجہ کو اختیار کیا جو "قولِ معروف" اور "قولِ سدید" کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس طرح کتاب کا انداز خود ہی سیرت رسولؐ کی دل آویزی کا دیباچہ بن گیا۔ سرسید نے الزامی جوابات سے بھی گریز کیا اور محدثینِ اسلام کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق احادیث کا انتخاب کیا اور انھیں بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا۔

"پس وہی حدیث کی کتابیں ہیں جن سے کم و بیش آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات صحیح صحیح دریافت ہو سکتے ہیں اور جن کو معقول طرح پر ترتیب دینے سے اور صحیح کو غلط سے تمیز کرنے سے ایک مستند تذکرہ آپ کی زندگی کا جمع ہو سکتا ہے۔" ؎۳

؎۲ حالی۔ حیات جاوید۔ ص: ۱۳۹۔ مطبوعہ اکادمی پنجاب لاہور ۱۹۵۷ء

؎۳ سرسید۔ خطبات احمدیہ۔ دیباچہ۔ ص: ۲۴۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خطباتِ احمدیہ میں بارہ خطبات ہیں جن میں جغرافیہ عرب، عرب کی اقوام، "رسومات و عادات، عرب قبل اسلام جیسے موضوعات پر روشنی ڈالنے کے بعد اسلام کی رحمت اور متعلقہ مسائل مثلاً جہاد پر بحث کی گئی ہے۔ کتب احادیث، کتب سیر و تفسیر و فقہ سے متعلق خطبہ (پانچواں خطبہ) ماخذ پر بحث کا درجہ رکھتا ہے۔ گیارھواں خطبہ "شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان میں" ہے۔ معراج کے متعلق سرسید احمد خاں کا نقطۂ نظر یہ ہے:

"معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ مکہ سے بیت المقدس گئے ہیں" [۹]

انھوں نے بخاری، قتادہ اور تفسیر کبیر کے حوالوں سے اس نقطۂ نظر کو مستحکم بنانے کی کوشش کی ہے۔ بارھویں خطبہ میں سرسید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی بارہ برس کی عمر تک پیش کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود ناتمام اور تشنہ ہے۔ سرسید اپنے ارادہ کے باوجود اس کا دوسرا حصہ نہ لکھ سکے۔ اردو میں خطباتِ احمدیہ پہلی بار ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی لیکن اس کا انگریزی خلاصہ ۱۸۷۰ء ہی میں لندن سے ESSAYS ON THE LIFE OF MOHAMMED کے نام سے شائع ہو گیا تھا، کیونکہ اس کا خطاب مغربی دنیا ہی سے تھا اور ؎

حیف بر جانِ سخن گر بسخن داں نہ رسد

سرسید کی نیک نیتی اور عشقِ رسول میں ہمیں مطلق شبہ نہیں لیکن خطباتِ احمدیہ سے اس سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے جسے ہم "اعتذاری ادب" کہہ سکتے ہیں۔ خطباتِ احمدیہ کے بعد شبلی و سلیمان کی سیرت النبیؐ جیسی کتاب ہمارے سامنے آتی ہے جو آج بھی سیرتِ رسول پر بہترین اور جامع ترین کاوشوں میں سے ایک ہے

---

[۹] سرسید: خطباتِ احمدیہ - ص ۴۶۹ ظاہر ہے یہ امر امت مسلمہ کے عام نظریے کے خلاف ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہمارے دور میں دُنیائے عرب کے نئے سیرت نگاروں کی کتابوں کے جو ترجمے شائع ہوئے ہیں ان کی اہمیت مسلّم ہے، مگر یہ تصانیف سیرت النبی کے دامن کمال کے حاشیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی دو جلدیں جو علامہ شبلی نعمانی کی لکھی ہوئی ہیں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ باقی چار جلدیں سید سلیمان ندویؒ نے تحریر فرمائی ہیں۔ سید صاحب کو اقبالؒ جیسے صاحب فکر و نظر نے "علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد" قرار دیا تھا۔ تیسری جلد دلائل و معجزات، چوتھی جلد منصب نبوت، پانچویں جلد عبادات اور چھٹی جلد تعلیماتِ اخلاقی سے متعلق ہے۔ سیرت النبی کی پہلی جلد کے مقدمہ میں فن روایت، فنِ سیرت اور سیرت پر مغربی تصانیف کے موضوعات پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس جلد میں ۹ھ تک کے واقعات ہیں۔ دوسری جلد کے اہم ابواب "اسلام کی امن کی زندگی"، "وفودِ عرب"، "تاسیس حکومت"۔ حجۃ الوداع۔ وفاتِ نبی کریم اور حضورؐ کے شمائل، معمولاتِ مجالس، عبادات، اخلاق، ازواج و اولاد سے متعلق ہیں۔ ان دونوں جلدوں میں سید سلیمان ندوی کے حواشی بھی موجود ہیں۔ سیّد صاحب نے بعض مقامات پر اپنے استاد سے اختلاف کیا ہے۔ کہیں کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل حاشیہ میں دے دی ہے۔ اور بعض مسامحات کو دور کیا ہے یا "فروتر حوالہ" کی جگہ "بالاتر حوالہ" دیا ہے۔

سیرت النبی مباحث کی اہمیت اور عالمانہ طریقِ کار کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی اور فکری موضوعات کی پیش کش کے اسلوب اور زبان کی ایک نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ اس کی نثر میں بڑا ٹھہراؤ، اور ٹھہراؤ کے ساتھ شگفتگی بھی ہے۔ حضورؐ کی پیدائش کا بیان شاعرانہ آہنگ اور آراستگی بزم کا متقاضی تھا۔ "ظہور قدسی" اردو نثر کے بہترین ٹکڑوں میں سے ایک ہے:

"آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن

www.KitaboSunnat.com

کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضاوقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیٔ موسیٰؑ، جاں نوازیٔ مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارزِ شہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے۔" ۵۵

سیرت النبیؐ اور خطبات احمدیہ کے مخاطبین میں فرق ہے، یہ فرق ہمیں مختلف موضوعات اور خاص طور پر معجزات کے باب میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ سرسید کے نزدیک معراج محض ایک واقعہ ہے۔ اور وہ بھی خواب کا۔ سیرت النبی میں معراج کے "اسرار وحقائق، نتائج وعبر اور احکام واعلانات" پر تفصیلی بحث ہے۔ سید صاحب نے واقعۂ معراج پر نہایت سلیس زبان میں ایسی عالمانہ بحث کی ہے جس سے منصب نبوت کا ایک اہم گوشہ واضح ترین صورت میں آجاتا ہے۔ اور وہ گوشہ یہ ہے کہ نبی کے معجزات اپنی کیفیت اور نوعیت میں انفرادی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے نتائج کے اعتبار سے اُمت کے لئے کیا معانی رکھتے ہیں۔ سید صاحب کے نزدیک معراج کا ذکر سورۂ معراج کی صرف ابتدائی تین چار آیات میں نہیں (جیسا کہ عام خیال ہے) بلکہ یہ پوری سورہ اسی واقعہ کے نکات کی وضاحت کرتی ہے۔ معراج اس حقیقت کا اعلان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی القبلتین ہیں اور بیت المقدس سے یہود کی تولیت کی مدت ختم ہوگئی۔ پھر نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی اسی کا

---

۵۵ شبلی۔ سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۰۔ طبع پنجم۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک پہلو ہے۔ رہا معراج کی نوعیت کا مسئلہ سو سید سلیمان ندوی نے اس کی کوئی عقلی اور "سائنٹفک" تاویل نہیں پیش کی۔ بلکہ معراج کے روحانی مناظر کو ایک مومن کی طرح قرآن کی شہادت میں اس طرح قبول کیا ہے کہ:

"سورۂ اسرا کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا ہے لنریہٗ من آیتنا۔ ... یہ نشانیاں کیا تھیں؟ کیا ان کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟۔ ہاں ہیں، مگر ناتمام۔ ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔" [۱]

"سیرت النبیؐ" کی ہم عصر کتاب رحمۃ للعالمین ہے جس کے مصنف قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری مرحوم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کتابوں کے مصنفین کو عشق رسول کا صلہ کتابوں کے قبول عام کی صورت میں اسی دنیا میں عطا کر دیا۔ "رحمۃ للعالمین اور اس کا مصنف مرحوم" کے عنوان سے اس کتاب کی تیسری جلد کے مقدمہ میں سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

"آج سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرت نبویؐ کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں، صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ حکیم انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر وطن کی آواز تھی۔ انھوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان صاحب

[۱] ص ۳۸۱، طبع چہارم ۱۹۵۸ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اس کے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں اس لئے مولانا شبلی کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصنیفوں کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت کی عزت پائی۔ پھر کس کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیرباد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ خدا کے سامنے میں اس کی دی ہوئی اس عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کے متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصے میں رکھی۔" [۱]

خط کشیدہ ٹکڑے سے سیرۃ النبی اور رحمۃ للعالمین کا باہمی معنوی رشتہ ہی اجاگر نہیں ہوتا بلکہ قاضی صاحب مرحوم کی علمی حیثیت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ شبلی اور قاضی صاحب دونوں نے اسلام کا علمی محور ذاتِ رسالت مآب کو قرار دیتے ہوئے اسلام کے نظام کی تشریح کی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی پہلی جلد کا آغاز حضرت ابراہیمؑ کے حالات اور عرب قبل اسلام کے ذکر سے ہوا ہے۔ یہ پس منظر سیرت کو سمجھنے کے لئے لازم ہے۔ اسی جلد میں حضورؐ کی پوری زندگی بیان کی گئی ہے اسی کے ساتھ ساتھ آپ کے خُلق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری جلد سرکارِ دوعالم کے نسب، امہات المومنین، غزوات و سرایا، فضیلت حسب نبی اور سنین و حساب سے متعلق ہے۔ چھٹا باب حضورؐ کی رحمۃ للعالمینی کے باب میں ہے۔ جو اس کتاب کا عنوان ہے۔ یہ باب حضورؐ کی اس نمایاں صفت کی حسین تفسیر ہے۔ آپؐ کی تعلیمات قومی امتیازات

[۱] سید سلیمان ندوی۔ رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۷، بار دہم۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے بلند اور آپؐ کی رحمت اقوام و طبقات کی تقسیم سے بالاتر تھی۔ تیسری جلد کی موضوعات خصائص و خصوصیات نبویہ، خصائص قرآن اور خصائص اسلام کا احاطہ کرتے ہیں۔

مولوی عبدالحلیم شرر نے جامعہ عثمانیہ کے لئے تاریخ اسلام لکھی جس کی پہلی جلد کا ابتدائی حصہ سیرت رسول اکرم سے متعلق ہے۔ شرر اختصار کے ساتھ حضورؐ کی زندگی، اخلاق و شمائل اور کارناموں کو پیش کرنے میں کامیاب رہے ہیں، لیکن سیرت کے میدان میں شرر نے جہاں اپنے فن یعنی ناول نگاری کا سہارا لیا ہے وہ کامیاب تر ہیں۔ سیرت رسولؐ کا موضوع اتنا نازک ہے کہ مؤرخ کے بھی پر اس وادی میں جل اٹھتے ہیں نہ کہ اسے کہانی کے پیرائے میں بیان کرنا۔ شرر کے فنی شعور نے اس وادیٔ بے راہ میں ان کی رہنمائی کی۔ اور انہوں نے "جویائے حق" کا ہیرو ایک ایسے راہب کو بنایا جسے اس کے دور کی عیسائیت کچھ نہ دے سکی تھی۔ اس کے روحانی اور مادی سفر میں بڑا کرب ہے۔ عیسائیوں کے معتقدات، ان کی خانقاہوں کے مرقعے اور بعض افراد کی تلاش حق اور اس حقیقت تک پہنچنے کی کہانی بڑی دل آویز ہے۔

سیرۃ النبی اور رحمۃ للعالمین محض کتابیں ہی نہیں یہ بعد کے لکھنے والوں کے لئے ایک نمونہ بھی بن گئیں۔ ان لکھنے والوں نے انھیں کے پیش نظر نقوش سیرت اپنے اپنے انداز میں ابھارے ہیں اور سیرت نگاری کو مالا مال کیا ہے۔ ملا واحدی صاحب کی کتاب حیات سرور کائنات کے ماخذ میں ان دونوں کتابوں کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ملا واحدی صاحب کے اسلوب تحریر میں جمال ہم نشیں کا عکس بھی نمایاں ہے۔ اس سے میری مراد سیرت رسول پر خواجہ حسن نظامی مرحوم کی کتابیں ہیں۔ خواجہ حسن نظامی اردو کے البیلے انشاء پرداز بھی تھے اور عاشق رسول بھی۔ ان دونوں عناصر کی آمیزش سے ان کے قلم نے جادو جگایا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ملا واحدی صاحب نے خواجہ صاحب کی نسبت زیادہ وسعت کے ساتھ اپنی کتاب لکھی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ کتاب آج کے پڑھنے والوں کے ذوقِ دین اور ذوقِ ادب دونوں کو سیراب کرتی ہے۔ اسی طرح جناب غلام رسول لکچرار گورنمنٹ کالج علی پور کی کتاب "سیرت سید البشر" سیرۃ النبی اور رحمۃ للعالمین کے آثار میں سے ہے۔ کتاب کی پہلی جلد ہماری نظر سے گذری ہے۔ مصنف نے اہم ماخذ سے براہ راست استفادہ کیا ہے۔ ترمذی، الفہرست، بخاری، کتاب المعارف اور طبری وغیرہ کے حوالوں کے ساتھ مغربی مصنفین کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ مگر کتاب کی ترتیب پر انھیں دو کتابوں کا عکس نظر آتا ہے۔ پہلی جلد میں حضورؐ کی زندگی، خصائص، اخلاق اور معجزات کو پیش کیا گیا ہے۔ مصنف نے کتاب لکھنے کی اغراض بتاتے ہوئے بتایا ہے کہ کتاب کے پانچ حصے ہوں گے۔ دوسرا حصہ قرآن مجید سے متعلق ہوگا تیسرا حصہ اسلام کے روحانی نظام پر مشتمل ہوگا۔ جو مخالفین نے رسول کریم صلعم کی ذاتِ بابرکات پر کئے ہیں۔[۸] افسوس اس امر کا ہے کہ کتابوں کے حوالے نامکمل ہیں۔ سالِ اشاعت اور ایڈیشن کا تو ذکر کیا۔ اکثر مقامات پر مصنف، مرتب یا مترجم کا نام بھی نہیں ہے۔ کتاب کی زبان بھی مزید محنت اور توجہ کی طالب ہے۔

سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض کتابیں خاص نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ نقطۂ نظر سے ہماری مراد مصنف کا زاویۂ نگاہ و خیال نہیں بلکہ کتاب کی ترتیب میں بعض حدود کا تعین ہے۔ محمد اجمل خاں صاحب نے سیرت قرآنیہ اور جناب غلام احمد پرویز نے "معراج انسانیت" (معارف القرآن کا ایک حصہ) میں یہ التزام کیا ہے کہ حضورؐ کی سیرت قرآن کریم کی روشنی میں مرتب کی جائے۔[۹]

---

[۸] غلام رسول۔ سیرت سید البشر۔ ص ۲۔ سلطان القلم اکیڈمی۔ لاہور ۱۹۶۲ء

[۹] یہ کتاب جس خاص نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اس سے ہر قاری کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ مباحث کے ضمن میں مصنف نے اسی چیز کا سہارا لیا ہے جس سے انکار ہے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معراج انسانیت کا ابتدائی حصّہ جس میں اسلام سے پہلے دُنیا کے مذاہب و تمدن کو پیش کیا گیا ہے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اور اردو میں تقابل ادیان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسی طرح حضورؐ کی پیدائش (ظہور قدسی) کا تذکرہ اس آہنگ اور ادبی شان سے کیا گیا ہے کہ اس کا مقابلہ صرف سیرۃ النبی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں جو بات کھٹکتی ہے وہ اس کی ترتیب ہے۔ کئی جُداگانہ (اگرچہ بنیادی) مباحث پر بحثیں حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے درمیان آ کر تسلسل کو مجروح کرتی ہیں اسکے علاوہ معراج انسانیت کو محض قرآن کی روشنی میں سیرتِ نبویؐ کا مرقع کہنا درست نہیں کیونکہ مصنف و مرتب نے احادیث نبوی کا سہارا ہر باب میں لیا ہے۔

سیرت کی چند کتابیں اردو میں ایسی لکھی گئی ہیں جن کی بنیاد احادیثِ رسولؐ ہیں۔ مولانا ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری کی تالیف "اصح السیر" اس اعتبار سے حد درجہ قابل قدر ہے۔ حضورؐ کے حالات کے ساتھ ساتھ مولانائے موصوف نے کتاب المغازی، کتاب الاموال کو مکمل طور پر اپنی تالیف میں شامل فرما لیا ہے اس کے علاوہ حضورؐ کے مکاتیب، کتاب الوفود اور امہات المومنین کے تذکرے بھی شامل ہیں۔ مولانا کا اصل کارنامہ کتاب المغازی کی ترتیب ہے اور وہ یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ "جو ترتیب مغازی کی میں نے اس کتاب میں رکھی ہے غالباً وہ اصح ترین ترتیب ہے"[۱]

مولانا دانا پوری علامہ شبلی کی سیرت النبی کو اردو میں سیرت پر "سب سے بہتر کتاب" قرار دیتے ہیں لیکن ان کی رائے میں شبلی نے مغازی پر جو کچھ لکھا ہے اس میں خامیاں ہیں۔ اور غزوہ بدر کے سلسلے میں تو شبلی نے "تمام واقعات کو پلٹ دیا ہے"[۲]

---

[۱] مولانا عبدالرؤف دانا پوری، "اصح السیر" ص ۵، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔ [۲] حوالہ ایضاً ص ۵-۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" بھی بنیادی طور پر احادیث کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے تاریخ کی مستند کتابوں اور قصائد و منظومات کو بھی سامنے رکھا ہے۔ بالخصوص قصیدہ بردہ اور الروض النظیعت کو۔ حضورؐ کی صفات و مکارم، خصائص، عصمت، طرز معاشرت خشیت، مجاہدہ، اور پاکیزگیٔ طبیعت وغیرہ کے بیان میں مولانائے مرحوم نے احادیث و روایات عربی میں درج کی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کا ترجمہ پیش فرمایا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ان کتابوں میں سے ہے جنھوں نے اردو کے قارئین کو اصل متن اور ماخذ سے قریب تر کر دیا ہے۔

اردو میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مستقل تصانیف کے علاوہ مقالات و خطبات کے مجموعے بھی موجود ہیں ہماری مراد یہاں ان مجموعوں سے ہے جو کسی ایک مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور جس کے مقالات و خطبات میں سیرت رسول اللہ کے مختلف پہلو پیش کیے گئے ہیں۔ ان مجموعوں کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ مجموعے ہیں جن کے خطبات و مقالات میں ایسی ترتیب اور وحدت ہے کہ انھیں مستقل تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "خطبات مدراس" اسی قسم کی کتابوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ دوسری قسم ان مجموعوں کی ہے جن کے مقالات اس طرح ایک دوسرے سے منسلک نہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کی کتاب "مردوں کی مسیحائی" ان کتابوں کی نمائندہ مثال ہے۔

خطبات مدراس آٹھ خطبوں کا مجموعہ ہے جو اکتوبر اور نومبر ۱۹۲۵ء میں دیئے گئے۔ یہ خطبات پہلے پہل ۱۹۲۶ء میں کتابی صورت میں شائع کئے گئے۔ پہلے خطبہ میں انسانیت کی تکمیل کے سلسلہ میں انبیاء کرام کی سیرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور دوسرے خطبہ میں سید صاحب نے علمی سطح پر یہ بات ثابت کی ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ "عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے"۔ باقی چھ خطبے سیرت محمدی کے تاریخی پہلو، تکمیلی پہلو، جامعیت، عملیت اور حضورؐ کے پیغام سے متعلق ہیں ہماری رائے میں اپنی حدود میں یہ اردو زبان میں سیرت کی بہترین کتاب ہے۔ حضور کی زندگی کی جامعیت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عجیب تابناک معجزہ ہے جس سے یہ نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ رسولؐ وحی کی روشنی میں افراد ملت کی صلاحیتوں کو کچلتا نہیں بلکہ انہیں ایک بامقصد سمت عطا کر دیتا ہے۔ حضورؐ کے صحابہ مختلف صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جن کی صلاحیتیں نبی اکرمؐ کی عملی تقلید میں انسانیت کی فلاح و بہبود کا وسیلہ بن گئیں۔ حضورؐ کی زندگی کے مختلف پہلو اور آپؐ کے صحابہؓ کے کارنامے سید صاحب کے فکر و نظر کے سامنے اس طرح روشن ہیں جیسے تاریخ نے اپنے صفحات پلٹ دیئے ہوں۔ اور سید صاحب اس نورانی دور کے نقشے خود دیکھ رہے ہوں۔ اور ہمیں دکھا رہے ہوں [۱۲]

عہد حاضر کے تقاضوں نے سیرت نگاری کے اسلوب کو متاثر کیا ہے۔ حضورؐ کی دعوت اور عالم انسانیت کے لئے آپؐ کی سیرت کی اہمیت پر سرسید سے سید سلیمان ندوی تک ہمارے ارباب قلم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ جن بزرگوں کی تصانیف کا ذکر کیا جا چکا ان کے علاوہ پروفیسر سید نواب علی مرحوم کا نام اس باب میں خاص طور پر قابل ذکر ہے لیکن ہمارے دور میں قیام نظامِ اسلامی کے لئے جو عملی جد و جہد کی جا رہی ہے اس کی وجہ سے اسلامی تحریکوں کے وابستگانِ دامن کے لئے سیرت رسول ایک تسلی اور ایک تشفی بلکہ ایک بشارت بن گئی ہے۔ اسلامی تحریکوں میں جماعتِ اسلامی کے متعلقین نے لکھنے پڑھنے پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔ سرسید تحریک کے بعد اس اعتبار سے جماعتِ اسلامی کی تحریک ہمارے ادب میں بڑی اہمیت رکھتی ہے

---

[۱۲] اس کتاب کی تخلیقی اور جیتی جاگتی نثر کا اندازہ کرنے کیلئے دیکھئے ص ۹۹۔ ۱۰۰۔ مکتبۃ الشرق کراچی نومبر ۱۹۵۶ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اختلافات کے باوجود سرسید کی تحریک کی جانشین ہے۔ نعیم صدیقی نے اپنی کتاب "محسنِ انسانیت" کی وضاحت ہی ان الفاظ میں کی ہے "سیرتِ پاک کا مطالعہ اسلام کے تحریکی شعور کے ساتھ" نعیم صدیقی جماعتِ اسلامی کے ان لکھنے والوں میں سے ہیں جو تخلیقی مزاج رکھتے ہیں۔ اور اکثر تجزیہ ان کے یہاں جذباتیت کا تابع بن جاتا ہے۔ مگر محسنِ انسانیت میں یہ عیب کہیں نہیں ملتا۔ انھوں نے محسنِ انسانیت کی جلد دوم میں صرف غزوات کا حال ہی نہیں لکھا ہے بلکہ جہاد اور غزوات کی اہمیت کا علمی، اسلامی اور نفسیاتی زاویہ سے تجزیہ بھی کیا ہے۔

"اصلاح و تعمیر کے کام میں قوت بجائے خود ایک اہم ضرورت ہے لیکن اجتماعی دائرے میں کوئی انقلاب آج تک بجز اس صورت کے نہیں آیا کہ اس کے علم بردار اپنے آپ کو مضبوط اور غالب و برتر ثابت کر دیں۔ مجرد مذہب جسے انسانی زندگی کے صرف ایک چھوٹے سے خانے سے واسطہ ہوتا ہے، اسے لے کے چلئے تو وعظ اور فیضانِ نظر سے بڑھ کر کسی سرگرمی کی ضرورت نہیں پڑتی ۔۔۔۔ بدترین تمدن کے اندر چھوٹا سا گوشۂ عافیت نکال لینے والے مذاہب بھی درحقیقت انسان کے ذوقِ فراریت کی تخلیق ہیں ۔۔۔۔ لیکن جو دین غیر الٰہی نظامِ زندگی کے گاڑھے میں یادِ خدا کے مخمل کا ذرا سا پیوند لگا کر مطمئن نہ ہوتا ہو بلکہ جسے پوری زندگی کو اپنے ہی رنگ میں رنگنا ہو اس کا کام نرے لجاجت آمیز وعظوں، خلوت پسندانہ ریاضتوں اور خدمتِ خلق کے محدود جذبوں سے نہیں چل سکتا۔"[۴۳]

۴۳؎ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، حصہ اول جلد ۲ ص: ۵۰-۲۴۹، مکتبہ نعمانیہ سرگودھا، ۱۹۶۱ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد عبدالحیٔ صاحب کی کتاب "حیاتِ طیبہ" اسی نوعیت کی کتاب ہے لیکن ہمیں اسلام کی جگہ ہر مقام پر "تحریکِ اسلامی" کی اصطلاح کے استعمال سے بنیادی طور پر اختلاف ہے۔ اگر اسلام کو محض تحریک بھی قرار دے دیا جائے (ویسے یہ لفظ جس طرح ہماری زبان میں مستعمل ہے اس کے پیشِ نظر اسلام کے جسم کے لئے قبائے مختصر کا درجہ رکھتا ہے) تو بھی اس تحریک کو اسلام اور صرف اسلام ہی کہنا مناسب بلکہ ضروری ہے اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں یہی لفظ عطا فرمایا ہے۔ اور کسی دم چھلے کے اضافہ سے اس میں وسعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ "حیاتِ طیبہ" ہمارے دور کی مصروف زندگی میں گھرے ہوئے انسانوں کے لئے ایک اچھا تحفہ ہے جو اس مختصر سی کتاب میں سیرتِ طیبہ کا اجمالی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ پھر ایسا مطالعہ جس میں "تحریک" اور داعی دونوں کے نقوشِ جمیل واضح اور نمایاں ہیں۔

ان عالمانہ تاریخی اور تحقیقی کتابوں کے علاوہ سیرتِ نبی کریم کو قصّہ کے انداز میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ عبدالحلیم شرر کی جویائے حق کے سلسلہ میں یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ یہ راستہ نہایت نازک اور تلوار کی دھار کی طرح تیز اور باریک ہے۔ قصّہ کے اس پلِ صراط سے شرر مرحوم کے علاوہ جو لوگ ایمان کے ساتھ گذر گئے ان میں احسان بی اے اور ماہر القادری کے نام میرے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہتے ہیں۔ ماہر القادری کی کتاب "دُرِ یتیم" میں تاریخ کے اہم ترین دور کی ایسی تصویر نظر آتی ہے جس کے کردار ہم سے بہت دور ہوتے ہوئے بھی ہماری شہ رگ کے آس پاس ہی موجود ہیں [حبل الورید سے قریب تر تو صرف ذاتِ باری ہے]۔

اردو میں سیرت نگاری کا یہ اجمالی مطالعہ اس حقیقت کے اثبات کے لئے کافی ہے کہ اردو اس صنعت خاص میں کسی اور زبان سے پیچھے نہیں [ماخذ دینی ضروریات کے لئے عربی سے انکار بھلا کون کرے گا؟]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳)

چند مغربی سیرت نگار

(۱) [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر جو یورپین تصنیفات ہیں ان پر تفصیلی گفتگو تو اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ یہاں ہم صرف ایک اجمالی گفتگو کریں گے جس سے اندازہ ہو سکے کہ یورپ میں سیرت سے متعلق کتنا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا عام انداز کیا ہے؟ ان کے وسائل معلومات کیا ہیں؟ ان کی غلطیاں کیا ہیں؟ وغیرہ۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی

سترہویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے۔ یورپ کی جدوجہد سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے۔ جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئیں۔ عربی زبان کے مدارس علمی و سیاسی اغراض سے جا بجا ملک میں قائم ہوئے اس طرح وہ زمانہ قریب تر آتا گیا کہ یورپ

---

[1] یہ حصہ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النبی۔ ج ۱ (ص ۸۶ تا ۱۰۰ اعظم گڑھ طبع ششم) - اخذ و تلخیص: محمد کلیم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ارپی نیوس (ARPENIUS) مارگولیوس (MARGOLIOUTH) ایڈورڈ پوکاک (POCOCHE) اور ہاٹنجر (HATTINGER) ذکر کے قابل ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداً جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے یعنی سعید بن بطریق اڈیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹر یارک تھا۔ اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول۔

ابن العمید المکین کی تاریخ طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے۔ ارپی نیوس نے جو ہالینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا جو ابتدائے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں کثرت سے آتے ہیں۔

اخیر اٹھارہویں صدی

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنا شروع ہوئی اور جس نے "مستشرقین" (ORIENTALISTS) کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی۔ جنھوں نے حکومت کے اشارے سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے۔ مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے۔ اور نیٹل تصنیفات کا ترجمہ کیا۔

مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت و مغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں وہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک ایک کر کے باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں۔ اور ان میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کو وان کریمر (KREMER) نے کوٹنگن (GOTTINGEN) سے شائع کیا۔ ڈاکٹر ویل (G. WEIL) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا۔ ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر مانیارڈ نے شائع کی۔ ولہاوزن (WELLHAUSEN) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بہ مدینہ" برلن سے شائع کی۔ ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاؤٹسما (HOUTSMA) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی۔ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ (BARTH) اور نولدیکی (NOLDEKE) وغیرہ نے شائع کی اور سب سے آخر میں جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (SACHUU) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں تقریباً ۱۹۰۰ء سے گزشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شائع ہوتی رہی۔ ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا۔

آکسفورڈ کا ایک طالب علم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔"[1]

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں جو

[1] مارگولیتھ۔ محمدؐ۔ دیباچہ ص: ۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہ تخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں، یا اسلام کے اصول وعقائد پر لکھی گئیں

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی۔ بی (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۸۱۵ء
۲	ڈاکٹر وائٹ (White) واعظ آکسفورڈ	"	جیفلٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام	۱۸۰۰ء اوائل
۳	گارڈ فری ہگنس ایم آر اے ایس (Godfrey Higgins)	"	اپالوجی	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر (Muller)	جرمن	اسلامزم	۱۸۳۰ء
۵	گارسن دتاسی (Garcin de Yassy)	فرانس	اسلام و قرآن	۱۸۳۱ء تا ۱۸۷۴ء
۶	ایڈورڈ لین (Edward Lane)	انگلستان	انتخابات القرآن	۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل (Weil)	جرمن	ترجمہ تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	۱۸۴۵ء ۱۸۴۶ء
۸	کارلائل (Carlyle)	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی برسیوال (Caussin de Pergul)	فرانس	تاریخ ادب	۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن اروِنگ (Irving)	انگلستان	سیرتِ محمد	۱۸۵۱ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
١١	ڈاکٹر اسپرنگر (SPRINGER)	جرمنی	سیرت محمد	سنہ ١٨٤٩ء
١٢	وان کریمر (VON KREMER)	جرمنی	ترجمہ و تحشیہ واقدی	سنہ ١٨٥٦ء
١٣	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ١٨٥٨ء
١٤	ڈوزی (DOZY)	ہالینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ١٨٦١ء
١٥	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	سنہ ١٨٦١ء
١٦	ڈی لین (DE LANE)		سیرت محمد	"
١٧	میور (MUIR)	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ١٨٦١ء
١٨	برسھاملی سینٹ ہلیر (HILAIRE)	فرانس	محمد و قرآن	سنہ ١٨٦٥ء
١٩	نولدیکی (NOLDE KY)	جرمنی	مضامین قرآن و اسلام	سنہ ١٨٦٩ء
٢٠	دوشیف مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	"
٢١	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی "	"	محمد	سنہ ١٨٧٢ء
٢٢	جولیس چارلس (JULIAUS CHARLES)	فرانس	تاریخ بانیٔ اسلام	سنہ ١٨٧٤ء
٢٣	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمد اور اسلام	سنہ ١٨٧٥ء
٢٤	باسورتھ اسمتھ (BASWORTH SMITH)	"	"	"
٢٥	سیدلو (SEDILLOT)	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ١٨٧٧ء
٢٦	ولہازن	جرمنی	تبصرہ بر واقدی	سنہ ١٨٨٢ء
٢٧	کراھل (KREHL)	"	سیرت محمد	سنہ ١٨٨٤ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۲۸	گولڈزھیر (GOLDZIHER)	جرمنی	مطالعہ اسلام	سنہ ۱۸۹۰ء
۲۹	رینان (RENAN)	فرانس	تاریخ مذاہب	سنہ ۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ گریم (GRIMME)	ہالینڈ	سیرت محمد	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری (HENRI DE CASTRI)	فرانس	اسلام پر خیالات	سنہ ۱۸۹۶ء
۳۲	الیف بوہل (BUHL)	ہالینڈ	سیرت محمد	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۳	والسٹن (WALLASTON)	انگلستان	آدھ گھنٹہ محمد کے ساتھ	سنہ ۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیتھ (MARGOLIOUTH)	//	محمد	//
۳۵	کوئل (KOELLE)	//	محمد اور اسلام	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کائتانی (CAETANI)	اطالیہ	تاریخ کبیر اسلام و سلاطین اسلام	
۳۷[1]	میجر لیونارڈ (LEONARD)	انگلستان	اسلام کا اخلاقی و روحانی پایہ	سنہ ۱۹۰۹ء

مصنفین یورپ تین قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں :

۱۔ جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا سرمایۂ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ مشتبہ اور ناکارہ مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں کہ راکھ کے ڈھیر میں سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں لیکن قلیل ماہم۔

---

[1] مولانا شبلی نے صرف اپنے زمانہ تک کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اب کچھ اور کتابیں بھی منظر عام پر آگئی ہیں جو مغربی علماء اور مستشرقین کے قلم سے ہیں۔ مثلاً منٹگمری واٹ کی کتاب دو جلدوں میں محمد ایٹ مکہ اور محمد ایٹ مدینہ (مترجم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۔ عربی زبان اور علم و ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے نا آشنا ہیں۔ ان لوگوں نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارع اسلام کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ ڈالتے ہیں مثلاً جرمن کا مشہور فاضل سخاؤ جس نے طبقات ابن سعد شائع کی اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بیرونی کی کتاب "الہند" کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہے جس کو ہم نے ابھی دیکھا تھا۔ نولدیکی (جرمن)، نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۶ میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

۳۔ وہ مستشرقین جنھوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا ناکافی مطالعہ کیا ہے مثلاً پامر صاحب یا مارگولیس صاحب، ان سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے۔ لیکن باوجود عربی دانی، کثرت مطالعہ تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے۔ اور ہم دعوی سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعوی نہیں ہو سکتا۔ لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہیں کر سکتی۔ اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلو پیدا نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے یہ منظر بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی داں ہیں کئی سال مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے لکھنؤ میں آ کر شاہی کتب خانے کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابۃ فی احوال الصحابۃ اول اول ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ سے چھپوائی لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب تین جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں۔

۱۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت کی کتابیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص آنحضرت کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو۔ سیرت کی روایتیں زیادہ تر ان لوگوں سے مروی ہیں مثلاً سیف سُرَی، ابن سلمہ، ابن نجیح وغیرہ عموماً ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس لئے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر اہم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے ان کے لئے یہ سرمایہ بیکار ہے۔

آنحضرتؐ کی سوانحعمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایاتِ صحیحہ منقول ہیں۔ یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مارگولیس) تو اوّلاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔

۲۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیح شہادت اور ہمارے اصول

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب؟ اس کے اخلاق و عادات کیسے ہیں؟ اس کا حافظہ کیسا ہے؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود قرآئن و واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔

بخلاف اس کے مسلمان مؤرخ خصوصاً محدثین اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے بلکہ سب سے پہلے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ "اسمائے رجال" کے دفتر تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہے۔ بخلاف اسکے اگر کسی ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا۔ تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔

اس اختلاف اصول نے یورپین مصنفین کو بہت متاثر کیا مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مربوط اور مسلسل ہوتا ہے' جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں' واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں۔ سب موجود ہوتی ہیں۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں ثقات۔ بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہیں اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں انکی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

یورپین تصنیفات کے مشترکہ اصول

مغربی مصنفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عادات کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں یا ان کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل میں پیدا ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن مدینہ جاکر زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتہً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ کثرت ازدواج اور میل الی النساء

۳۔ مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے

۴۔ لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل

۵۔ دنیا داروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی

(۲)[1]

مغرب کے بارے میں ایک بدیہی حقیقت جسے کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں پچھلے دو سو سال سے اس کا ذہن شدید تعصب میں گرفتار ہے وہاں کے رہنے والوں نے غلطی سے یہ فرض کر لیا ہے کہ مذہب سے متعلق جو چیز بھی ہوگی وہ سراپا جہالت ہوگی۔ اس لئے خدا، وحی، حشر و نشر سب اوہام ہیں جنھیں دنیا کی "جاہل اقوام" ابھی تک اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر انھوں نے مذہب کے کسی پیشوا کا مطالعہ بھی کیا تو اس نقطۂ نظر سے نہیں کہ اس پاک ذات نے انسانوں کے اندر کس حد تک فکرِ آخرت پیدا کی ان کے اندر فسق و فجور کو ختم کیا اور انھیں صحیح معنوں میں معرفت الٰہی عطا کی۔ ان کا مطالعہ ان نفوس قدسی کے متعلق بھی صرف انہی مسائل تک محدود رہا کہ انھوں نے کتنے ممالک فتح کئے، اپنی قوم کے لئے

[1] یہ مضمون فاران سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۵ء ص ۱۰۵ تا ۱۱۴ سے ماخوذ ہے اور جناب عبد الحمید صدیقی کا تحریر کردہ ہے (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کس قدر دُنیاوی ساز و سامان اکٹھا کیا۔ ابنائے وطن کو کن مادی منفعتوں سے مالا مال کیا پھر ان میں سے جن مفکرین نے بھی شہرت حاصل کی۔ وہ وہی تھے جنھوں نے انسانی زندگی کو زیادہ سے زیادہ محسوس لذائذ سے فائدہ اُٹھانے کا سبق دیا۔ اس لئے یہ لوگ نبوت کے صحیح مقام کو کوشش کے باوجود سمجھنے سے قاصر رہے ہے۔

اس کے علاوہ دوسری چیز جو قاری کو اس سلسلہ میں ذہن نشین رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اہل مغرب اگر کسی مذہب سے روشناس بھی ہیں تو وہ صرف عیسائیت ہے مگر بدقسمتی سے اس کے متعلق بھی ان کا تصور غلط ہے۔ ان کے نزدیک مذہب انسان اور خدا کے درمیان ایک پرائیوٹ رشتہ ہے اور اس کا دائرہ صرف پوجا پاٹ تک محدود ہے اس کا کوئی تعلق بھی انسان کی مادی زندگی سے نہیں اس لئے ان کے ہاں کوئی ایسی ذات صحیح معنوں میں مقدس نہیں سمجھی جاتی جو مُلک و دین کی دوئی کو ختم کر کے انسانیت کو ایک فطری وحدت کا سبق دے۔

ان کے ذہین سے ذہین افراد بھی اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انسان اپنے ہر دُنیاوی معاملہ میں بھی ایک روحانی اور معنوی نقطۂ نظر رکھتا ہے جو دراصل اس کے عقائد کا عکس ہوتا ہے۔ اگر نیت کا روحانی سرچشمہ گدلا ہو جائے تو جو اعمال بھی صادر ہوں گے وہ خلوص و حقانیت سے معرا ہونے کی وجہ سے نہایت گھناؤنے ہوں گے لہذا جب ان کے سامنے کوئی ایسی ذات آتی ہے جس نے درِ دنیا کو کلید دین سے کھولنے کی کامیاب کوشش کی جس نے سیاست اور معیشت کو اخلاق کے تابع کیا جس نے قوت و جبروت اور فقر و انکسار کو ہم کاب کیا تو وہ نہیں سوچ سکتے کہ آخر اس کی شخصیت کو کس طرح پیش کریں۔ اور اس کا تاریخ میں کیا مقام تعین کریں۔

تیسرے بعض سیاسی وجوہ سے بھی اہل مغرب کا رویہ اسلام سے شروع ہی سے معاندانہ چلا آ رہا ہے صلیبی جنگوں کی تلخ یاد ابھی تک ان کے ذہن سے محو نہیں ہوئی ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر بدقسمتی سے یہ لوگ استعماری عزائم کے ساتھ مسلمان ممالک پر پچھلی صدی میں قابض ہوئے مسلمانوں پر ایک مُدّت دراز تک حکمرانی کرنے کے بعد ابھی تک وہ مسلم قوم کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ ان کے یہاں جو طبقہ مذہبی کہلاتا ہے وہ دُنیا اور اسکے سارے کاروبار سے منہ موڑ کر جنگلوں اور ویرانوں کا رُخ کرتا ہے۔ اور ظلم کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے ایسی فضا مہیا کرتا ہے جس میں وہ بلا روک ٹوک پروان چڑھے۔

مگر اس کے برعکس یہاں جو طبقہ مذہب کا پرستار ہے وہ حرّیت پسند ہے۔ وہ نہ تو غیر ملکی سامراج کو پسند کرتا ہے اور نہ ملکی جبر و استبداد کو گوارا کرتا ہے وہ استعماری عزائم کا مخالف ہے۔ اس کشمکش میں جس میں سارا قصور غیر ملکی استعمار کا تھا بیچارے اسلام کو خواہ مخواہ ہدفِ ملامت بنایا گیا۔ اہلِ فرنگ اس "انوکھے مذہب" کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ آخر دین کی یہ کونسی قسم ہے جو اس قوم کو آزادی کے حصول کے لئے ابھارتی ہے جو قرآن اس کے اندر یہ احساس بیدار کرتی ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی اسوقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ اپنی سیاست اور معیشت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایات کے مطابق ڈھال لیں۔ چونکہ مسلم قوم دینی جذبہ سے سرشار ہوکر ہی غیر ملکی اقتدار کا جُوا اپنے کندھے سے اتار پھینکنے کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے۔ اس لئے حاکم قوم کو سب سے زیادہ نفرت اسی قوم سے پیدا ہوئی۔

پھر اہلِ مغرب مذہب و سیاست کی تفریق کو تسلیم کر لینے کے بعد اس عقیدے کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی شخصیت خواہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو۔ کسی فرد یا جماعت کی اس معنیٰ میں مطاع ہوسکتی ہے کہ اُس کا ہر فعل اور ہر حکم قیامت تک کے لئے واجب الاطاعت اور واجب العمل ہو۔ اس کی حکم عدولی سے نہ صرف دُنیا برباد ہو بلکہ آخرت بھی ضائع ہوجائے۔ اس کی بے چوُن وچرا اطاعت و فرمانبرداری سے ہی اس کی نجات وابستہ ہو۔ وہ ذات ہر عیب سے پاک ہر خطا سے منزہ۔ ہر دُنیاوی خواہش

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے بالا ہو۔ اُس کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو جن جن طریقوں کو اس نے پسند کیا ہے انھیں اختیار کیا جائے اور جن جن راستوں پر چلنے سے اس نے منع فرما دیا ہے ان سے برضا و رغبت اپنے آپ کو ہٹا لیا جائے۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو نوع انسانی تک پہنچانے والا آخری پیغمبر تسلیم کیا جائے اور پھر اس بات کو بھی دل میں اتارا جائے کہ جس طرح اس نے پیغام الٰہی کو سمجھا ہے وہی اس کی صحیح ترین صورت ہے جو اس سے ہٹ کر کوئی کام کرتا ہے وہ گمراہ ہے جو اس پیغام کی کوئی ایسی تعبیر کرتا ہے جو اس کی پیش کی ہوئی تعبیر کے خلاف ہے تو وہ دُنیا اور آخرت میں سخت گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ اس کے احکام زندگی کے کسی ایک شعبہ سے متعلق نہیں بلکہ زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہیں۔

ان چند ابتدائی گذارشوں کے بعد اب ہم حضورؐ کے چند مغربی سیرت نگاروں کی آراء پیش کرتے ہیں ان سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حضرات اپنی نیک نیتی کے باوجود حضورؐ کی شخصیت کا صحیح طور پر مطالعہ نہ کر سکے۔

حضورؐ کے مغربی سوانح نگاروں کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علماء اسلام کی وہ سعی اور جدوجہد ہے جس سے انھوں نے اپنے ہادی برحق کی زندگی کو محفوظ کرنے کی کوشش کی چنانچہ مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر نے جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے انھوں نے "الاصابۃ فی احوال الصحابۃ" (حافظ ابن حجرؒ) کے انگریزی مقدمہ میں بالکل صاف صاف فن اسماء الرجال کی عظمت واہمیت کا اعتراف کیا ہے بہرحال اس فن کی بدولت حضورؐ کی ساری زندگی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس حقیقت کو باسورتھ نے اپنی کتاب "محمدؐ اور محمدؐ ازم" میں تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایک مثالی زندگی جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی ممکن بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اور نا ممکن بھی لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جسے ہم جانتے ہی نہیں۔
ہم مسیحؑ کی ماں مسیحؑ کی خانگی زندگی ان کے ابتدائی احباب ، ان کے ساتھ تعلقات ان کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کے بارے میں کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ بقیا لوجی فرضی فسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین کے یہاں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخ سے الگ کئے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے۔"

اسی طور پر حضورؐ کا ایک اور وقائع نگار JHON DEVENPORT اپنی مشہور تصنیف APOLOGY FOR MUHAMMAD میں اس حقیقت کا نہایت واضح الفاظ میں اعتراف کرتا ہے :

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی زندگی کے واقعات محمدؐ کے وقائع حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

دوسری چیز جس نے حضورؐ کے مغربی سیرت نگاروں کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص ہے۔ ان کی عقل یہ سمجھنے میں کافی دقت محسوس کرتی ہے کہ کوئی شخص اپنی خارجی اور داخلی زندگی میں ایک ہی طرح کا کردار پیش کرے اسکی پرائیویٹ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لاالٰف پبلک لاالٰف سے مختلف نہ ہو۔ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے مایۂ حیرت ہے۔ انسان کے اخلاق وعادات، اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا تو اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ ۱۵ برس آپ کی معیت میں رہ چکی تھیں اور یہ مُدّت اتنی بڑی ہے کہ جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات اور خصائل کو اچھی طرح جان سکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوّت کی خبر نکلتی ہے اور اُدھر حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

مشہور مؤرخ اسٹینلے لین پول نے بھی اسی چیز کو حضور سرورِ کائنات کے اخلاص کی سب سے بڑی شہادت خیال کیا ہے:۔

"سب سے پہلے انھوں نے اپنے قریب کے رشتہ داروں اور احباب کو دعوت دی اور اس حقیقت کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے سب سے گہرے دوست اور وہ افراد جو ان کے ساتھ رہتے تھے وہی سب سے پہلے ایمان لائے۔ کسی نبیؐ پر اس کے گھر والوں کا ایمان لے آنا اس کے اخلاص کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔"

اسی مصنّف نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودیوں کے بارے میں طرزِ عمل کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہودیوں نے .... نہایت ہی شرمناک طریقوں سے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور وہ ہر وقت ملتِ اسلامیہ کے خلاف بغاوت پھیلانے میں مشغول رہتے تھے پروفیسر لین پول کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بعض کو سخت سزا دی گئی مگر ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اُن کا جرم محاصرہ کے وقت ریاست کے خلاف بغاوت تھا۔ یہ چیز ان لوگوں کے لئے کوئی حیرت انگیز نہیں جنھوں نے ان ساری تفصیلات کا مطالعہ کیا ہے کہ کس طرح ولنگٹن نے فتح کے بعد مغلوب ہونے والوں پر ظلم وستم کیا۔ ان کی لاشوں کو درخت پر لٹکا دیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اس طرح انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔"

ان مغربی مصنفین میں سے اکثر کو جس چیز نے متاثر کیا ہے وہ مکہ میں حضورؐ اور ان کے ساتھیوں کا داخلہ ہے۔ ان میں سے ایک نے اس سارے واقعہ کے تاثرات کو یوں قلمبند کیا ہے۔

"مگر اس شرافت کی انتہا وہ تھی جب انھوں نے ۶۳۰ء میں دس ہزار سپاہ کے ساتھ مکہ فتح کیا۔ یہ وہ موقع تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا انتقام لے سکتے تھے۔ اُن کے پُرانے دشمن جنھوں نے ان پر طرح طرح کے ظلم کیے تھے وہ اب اُن کے قدموں میں تھے۔ کیا وہ اب اُن کو روند ڈالیں گے۔ کیا وہ اُن کو دُکھ دیں گے۔ کیا اب وہ اپنا بدلہ لیں گے؟ یہ وقت تھا جس میں حضورؐ کی اصل سیرت بے نقاب تھی۔ ہم اُس کے تصور سے کانپ اُٹھتے ہیں مگر در اصل ہُوا کیا۔ گلیوں میں خون کا کوئی قطرہ بھی نہیں گرا۔ حقائق در اصل حقائق ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنوں پر فتح کا دن در حقیقت حضور سرورِ عالم کا اپنے نفس پر سب سے زیادہ قدرت کا دن تھا۔ انھوں نے نہایت ہی فراخ دلی سے قریش کے سارے مظالم کو معاف کر دیا۔ انھوں نے مکّہ کی ساری آبادی کو پناہ دی۔ صرف چار آدمی جو انتہائی خبیث تھے زیرِ عتاب آئے۔ محمد عربیؐ کی فوج نے بھی انھی کی پیروی کی۔ اور بڑے اطمینان اور امن کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوئی۔ نہ تو کوئی گھر لُوٹا گیا۔ اور نہ کسی عورت کی بے حُرمتی کی گئی۔ صرف ایک چیز تباہ کی گئی یعنی کعبہ کے اندر جا کر محمدؐ تین سو ساٹھ بُتوں کے سامنے کھڑے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے اور اپنے عصا سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جاء الحق

وزحق الباطل" یہ الفاظ ان کے رفقاء کار نے بھی دہرائے اور ان

سب بتوں کو توڑ دیا گیا۔"

یہ ہے وہ انداز جس میں سارے جہان کا نرالا سپہ سالار فتح مندی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ پوری انسانی تاریخ میں کوئی فتح بھی اس کی نظیر نہیں رکھتی۔

— پروفیسر لین پول سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت پر لکھتے لکھتے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور بڑے والہانہ انداز میں کہتا ہے:

"اس صحرا نشین کی سیرت و کردار کا صحیح صحیح اور متوازن جائزہ لینا بہت مشکل ہے۔ اُن کے اخلاق میں شرافت، متانت اور حیاء، جرأت اور عزم کے ساتھ اس انداز سے ملے جُلے ہیں کہ انسان کے لیے بجز ان کا احترام کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ وہ مقدس ذات جس نے کئی سالوں تک اکیلے لوگوں کی نفرت و استبداد کا مقابلہ کیا۔ وہ وہی شخص تھا جس نے کسی سے مصافحہ کرتے ہوئے کبھی بھی اپنے ہاتھ کو پہلے کھینچنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بچوں کا محبوب اور منظور رہتا۔ وہ کبھی مسکراہٹوں سے نوازے بغیر ان کے پاس سے نہیں گذرا وہ ہمیشہ انھیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا اور مشفقانہ انداز سے انھیں خطاب کرتا وہ بے تکلفی اخلاص اور ہمت کا ایک نہایت ہی حسین امتزاج تھا۔" —

یہی مصنف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"حضور ﷺ پر اکثر ظلم، شہوت رانی، دھوکہ بازی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ان پر ظالم ہونے کا الزام اس قابل ہی نہیں کہ کوئی معقول آدمی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اُس پر توجہ کرے۔ میں نے اس سے پیشتر یہودیوں کی سزا کا ذکر کر دیا ہے جو دراصل اس الزام کی وجہ بتائی جاتی ہے مگر میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم حضورؐ کا جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک کا بھی تو مطالعہ کریں۔ مدینہ میں دشمنوں کے ساتھ رعایت اور برداشت کو بھی تو ذہن میں رکھیں، ان کی بچوں سے محبت، ان کا مکے میں داخلہ اور اُن سب لوگوں کو معاف کر دینا جو مسلسل اٹھارہ سال سے اُن پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ کیا یہ سب واقعات یونہی ہیں کیا ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیا یہ اس حقیقت کے شاہد نہیں کہ ظلم حضورؐ کی فطرت کا جزو نہ تھا۔"

"پھر ان پر یہ الزام کہ وہ (معاذ اللہ) شہوت پسند تھے یہ بھی بے بنیاد ہے۔ ان کا راہبانہ اور زاہدانہ اندازِ زیست' ان کا سخت بستر پر سونا' ان کا سخت مشقت کا کام کرنا۔ وہ تو انھیں ایک نہایت متقی اور پاکباز ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں بے شک دو چیزوں سے محبت تھی۔ خوشبو اور عورت۔ ان میں سے پہلی چیز تو بالکل بے ضرر ہے۔ حضورؐ کی ازواج مطہرات کا معاملہ بھی بالکل دوسرا ہے۔ اس کے متعلق مغربی سوانح نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے اور اور یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ یہ لوگ حضورؐ کے خانگی معاملات کو بھی اس انداز میں پیش کرتے ہیں جس طرح کہ Sunday journals کے ادیب بے تکی باتیں لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض ازواج وہ تھیں جن کے خاوند جنگ میں شہید ہوئے اور جنھیں حضور سرورِ دوعالم کی کرم نوازی سے توقع تھی کہ وہ ان کی مدد فرمائیں گے۔ بعض شادیاں حکمت عملی کے طور پر کی گئیں تاکہ مختلف قبائل میں مودت اور یکانگت پیدا ہو۔ ان سب دلائل میں سے سب سے قوی دلیل حضورؐ کی اپنی پہلی بیوی سے انتہائی محبت ہے۔ جب وہ ابھی جوان ہی تھے تو انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی جوان سے پندرہ سال بڑی تھیں اور اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ مشرق میں عمر کا یہ تفاوت بہت زیادہ تھا۔ پورے پچیس سال حضورؐ کے حرم میں اکیلی رہیں۔ جبکہ ان کی عمر ۶۵ برس ہو چکی تھی اس ساری مدت میں کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جو کسی حیثیت سے بھی مشتبہ ہو۔ پھر خدیجہؓ وفات پا گئیں مگر انھوں نے اس خاتون کو کبھی نہیں بھلایا۔ اور ان کی یاد آخر دم تک ان کے دل میں محفوظ رہی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی حق وانصاف کی ایک روشن دلیل ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں میں سے ایک ہی بات کرتے تھے "میں بھی تم جیسا ایک بشر ہوں" ایک دفعہ حضرت عائشہ نے پوچھا "کیا خدا کے رحم وکرم کے بغیر کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا" حضورؐ نے فرمایا "نہیں" پھر اپنے بارے میں ارشاد ہوا "میں بھی اس وقت تک فردوس میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے" حضورؐ کی سیرت کا یقیناً لوگوں نے غلط اندازہ لگایا ہے وہ (معاذ اللہ) ہوس پسند اور دھوکہ باز قطعاً نہ تھے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے ان پر الزام لگایا ہے وہ ان معنوں میں مخلص اور پرجوش تھے۔ جن معنوں میں کہ یہ دونوں صفات زمین کا نمک بنتی ہیں اور یہ وہ دو چیزیں ایسی ہیں جو انسانی قوتوں کو بیکار ہونے سے بچاتی ہیں جوش کو بعض لوگ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اسے غلط راستوں پر استعمال کیا جاتا ہے اور یہ زمین پر بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ مگر محمد عربی کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا وہ جوشیلے تھے اور دنیا کو اس وقت اسی چیز کی ضرورت تھی۔ ان کا یہ جوش ایک نیک مقصد کے لئے صرف ہو رہا تھا وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سچائی کو مشعل راہ بنایا۔ اسی سرچشمہ سے انھوں نے زندگی کی قوت حاصل کی۔ وہ خدا کے پیغمبر تھے اور حیات کے آخری لمحوں تک ہر چیز ان کے سامنے رہی۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جسے اپنے مقصد اور مشن سے اس قدر محبت ہو جتنی کہ حضورؐ کو تھی۔ پھر صرف محبت ہی نہ تھی بلکہ اُسے عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لئے بھی انھوں نے بڑی بے جگری اور جرأت کے ساتھ جدوجہد کی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصۂ دوم

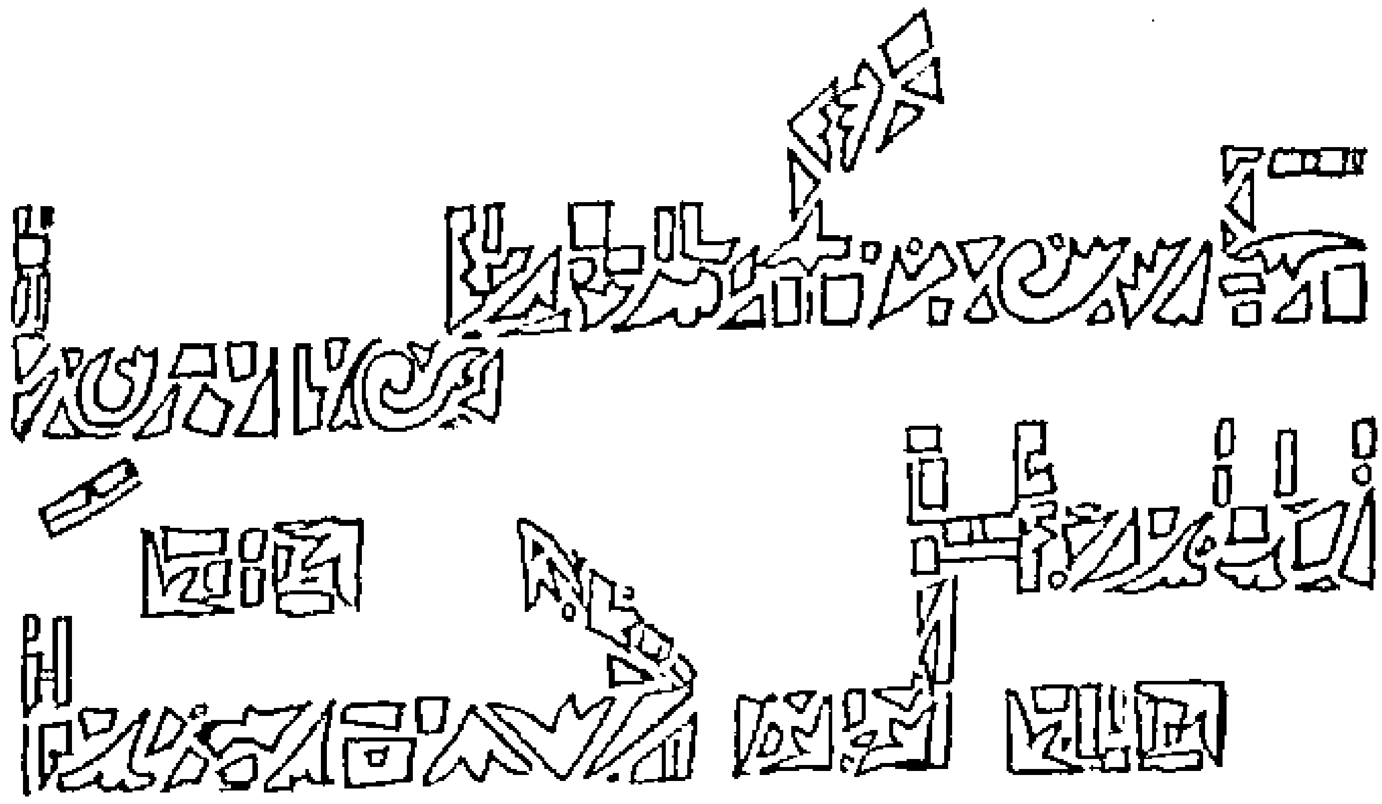

○ قرآن کے آئینے میں!

○ حدیث کے آئینے میں!

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن کے آئینے میں!

○ مولانا محمد سلیم عبداللہ ○

۱۔ دعائے خلیلؑ

﴿ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم﴾ (البقرہ۔۱۲۹)

اے پروردگار! ان (آل اسماعیل) میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کران کو سنائے اور کتاب اور حکمت ان کو سکھائے اور (ان کے دلوں کو شرک سے) پاک کردے بیشک تو غالب صاحب حکمت ہے

اشارات:

(۱) حضرت ابراہیم علیہم السلام کی یہ دعا خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ یہی وہ دعا ہے جس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ "میں اپنے جد امجد ابراہیمؑ کی دعا ہوں"! [1]

۲۔ نوید مسیحا

﴿انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد﴾ (صف۔۶)

(اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل) میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور مجھ سے پہلے جو کتاب یعنی توریت آچکی ہے اسکی تصدیق کرتا ہوں اور ایک

[1] تفسیر طبری ذیل آیت۔ بقرہ: ۱۲۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیغمبر کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد
آئیں گے۔ ان کا نام احمد ہوگا۔

اشارات:

(۱) یوں تو دوسرے انبیاء سابقین بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ برابر سناتے آئے ہیں لیکن جس صراحت سے اور وضاحت و اہتمام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی خبر دی ہے وہ کسی اور سے منقول نہیں ہے۔ شاید قرب عہد کی بناء پر یہ خصوصیت ان کے حصے میں آئی ہو۔

(۲) ایک حدیث میں ہے[1]۔ میں اپنے جد امجد ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت[2]

۳۔ اسم گرامی

محمد رسول اللہ (فتح ۲۹) | محمد اللہ کے رسول ہیں

اشارات:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم گرامی قرآن میں چار مقامات پر آیا ہے ایک تو اسی آیت میں ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ آل عمران (۱۴۴)، سورۂ احزاب (۴۰) اور سورۂ محمد (۲) میں بھی وارد ہوا ہے۔

(۲) کلمۂ محمد کی اصل حمد ہے اور حمد کے معنی بہترین تعریف کے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

(۳) حمد کے دوسرے معنی شکر اور رضا کے بھی ہیں۔ قرآن کریم کا آغاز الحمد للہ سے ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم ہر حال میں اس کی حمد کرتے رہیں چنانچہ

---

[1] یہ روایت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ سے منقول ہے (تفسیر طبری ذیل آیت ۱۲۹ بقرہ)

[2] عنوان ۱ و ۲ کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پانچ وقتوں کی نمازمیں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی پھر مختلف حالات میں مومن کی زبان سے حمد و شکر کے الفاظ نکلتے ہیں۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے۔ صبح خواب سے بیدار ہوتے تو حمد کرتے، سوتے تو حمد کرتے، رات کو اٹھتے تو حمد کرتے غرض آپؐ کا سینۂ مبارک حمد سے لبریز تھا اور زبان کے ذریعہ کلمۂ حمد ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ حمد کی کثرت میں آپ تمام انبیاء سے ممتاز ہیں چنانچہ اسی سبب سے آپؐ کا نام گرامی احمد بھی ہوا۔ جو افضل التفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں "سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا"

(۵) حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آپؐ کے ظہور کی خوش خبری دی تو احمدؐ ہی کے نام سے دی تھی۔[1]

(۶) کلمۂ محمدؐ کی اصل بھی حمد ہی ہے۔ یہ مصدر تحمید سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں "بہت ہی تعریف کے لائق" یا وہ شخص جس میں قابل تعریف خصلتیں بکثرت ہوں یا وہ شخص جس کی بار بار تعریف کی جاتی ہو۔ تینوں مفہوم کے اعتبار سے حضور کا نام "سیرت پاک" کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ قصیدے کا یہ شعر کتنا بلیغ ہے:

وَشَقَّ لَہٗ مِنِ اسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا مُحَمَّدٌ [2]

اور اللہ تعالیٰ نے آپکی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اپنے نام میں سے ایک حصہ عطا فرمایا

---

[1] سورۂ صف، آیت ۶

[2] دیوان حسان بن ثابتؓ۔ ص ۴۷ بیروت ۱۹۶۶ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ مالک عرش محمود (یعنی لائق حمد) ہے اور یہ نبی محمدؐ ہے یعنی بہت تعریف کیا گیا]

۴۔ ابتدائی زندگی[۱]

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۔ وَ	بھلا اس نے تمھیں یتیم پاکر جگہ نہیں دی
وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ وَ	(بیشک دی !) اور رستے سے ناواقف
وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى	دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا! اور تنگدست
(ضحیٰ ۶ تا ۸)	پایا تو غنی کر دیا۔

اشارات :

(۱) آیت میں نبوت سے قبل آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے چند واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مشہور روایات کے مطابق :-

(ا) آپ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔[۲]

(ب) رضاعت کا شرف حلیمہ سعدیہ کے حصے میں آیا۔[۳]

(ج) چھ سال کی عمر میں والدہ آمنہ بنتِ وہب کا انتقال ابواء کے مقام پر ہوا۔[۴]

(د) والدہ کے انتقال کے بعد دادا عبدالمطلب نے آغوشِ شفقت میں لے لیا۔[۵]

(ھ) عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابو طالب نے پرورش کی۔[۶]

(و) نبوت سے پہلے پچیس برس کی عمر میں حضرت خدیجہؓ (جو اس وقت تمام قریش میں سب سے معزز اور مالدار خاتون تھیں، اور چالیس سال کی عمر تھی) سے نکاح فرمایا۔[۷]

---

[۱] اضافہ از مرتب [۲] الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد ج۔ ۱۔ بیروت ۱۹۶۰ء ص ۱۰۰ [۳] حلیمہ سے پہلے ثوبیہ (ابولہب کی لونڈی) نے بھی دودھ پلایا تھا۔ دیکھئے۔ ابن سعد ص ۱۰۸ [۴] ایضاً ص ۱۱۷ [۵] ایضاً ص ۱۱۹ [۶] ایضاً ص ۱۳۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۵۔ بعثتِ مبارکہ

لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولًا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین

(آل عمران ۱۶۴)

خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں سے ہی ان کے درمیان ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور پاک کرتا ہے اور خدا کی کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

اشارات:

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے اور آپؐ کے منصب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؐ کے تین اہم کاموں کا اصولی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے یعنی:

(۱) وہ اللہ کی آیات سنا کر مومنوں کو پاک کرتا ہے یعنی ایمان و یقین والے جب آیاتِ قرآنی سنتے ہیں تو ان کی تاثیر سے ان کے دلوں سے طاغوتی و شیطانی وساوس دور ہوتے ہیں، اور وہ شرک کی نجاستوں اور رذائلِ اخلاق کی آلودگیوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب رسول کا منصب دوسروں کو آیاتِ قرآنی کے ذریعہ پاک کرنا ہو تو اسے خود ہر قسم کے عیب سے پاک و مزکّی ہونا چاہیے چنانچہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ رسول ایسا ہی ہے اور اس پر اس کی پاکیزہ زندگی شاہد ہے۔[۱]

---

[۱] کہہ دیجئے، اگر اللہ چاہتا تو میں تمہارے سامنے قرآن نہ پڑھتا۔ اور وہ تمہیں اس قرآن سے آگاہ نہ کرتا، اس سے قبل تو میں تمہارے درمیان ایک مدت بسر کر چکا ہوں۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (یونس ۱۶)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) پھر فرمایا، وہ الکتاب (یعنی قرآن) کی تعلیم دیتا ہے تعلیم ظاہری بھی اور معنوی بھی۔

(۳) پھر فرمایا، وہ حکمت و دانائی سکھاتا ہے۔ یہاں الکتاب کے ساتھ ہی حکمت بھی سکھلانے سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں جو ہدایات و احکام ہیں ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی اپنے عمل سے واضح کرتا ہے۔ کیونکہ "حکمت" میں دانش کے ساتھ عمل کا بھی مفہوم شامل ہے۔

۶۔ رسول ساری انسانیت کیلئے!

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ (اعراف۔۱۵۸)	(اے محمدؐ) کہدو کہ اے انسانو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں۔ (وہ اللہ) جو آسمانوں و زمین کا بادشاہ ہے!

اشارات:

(۱) ابتدائے آفرینش سے دنیا میں نبی اور ہادی آتے رہے ہیں سب اپنی قوم کی اصلاح و ہدایت کا کام کرتے رہے۔ بعد میں قومی تفریق پیدا ہوئی۔ ہر قوم دوسری قوم سے بے تعلق، بلکہ بعض قومیں ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں اس لئے سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نبی مبعوث فرمایا جو اقوام عالم کو توحید (یا اسلام) کے ایک جھنڈے تلے جمع کردے۔ نوع انسان کو انسانی وحدت کے مرکز پر لے آئے اور سب صرف اللہ کے فرماں بردار بن جائیں۔

(۲) "خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ وہ خدا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے"! یعنی جب تمام کائنات میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی

سلہ اضافہ از مرتب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام بھی ایک ہی ہو، اور سب کے لئے ہو۔

(۳) ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے سارے مذاہب قومی تھے اور سارے انبیاء قومی انبیاء، مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کل نوع انسانی کے لئے مبعوث ہوئے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں صاف اور واضح اعلان ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (السبا: ۲۸)	اور ہم نے تجھے سارے ہی لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۷۔ رسالت کا ایک بیّن ثبوت

مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥ (العنکبوت: ۴۸)	(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک کر سکتے تھے۔

حضور کی رسالت پر قرآن کے کئی مقامات پر بدیہی دلیلیں موجود ہیں چنانچہ اس آیت شریفہ میں بھی ایک روشن دلیل پیش کی گئی ہے کہ یہ رسول پڑھنا لکھنا نہیں جانتا، اہل مکہ خوب جانتے تھے کہ اس نے اپنی عمر میں کسی سے نوشت و خواند کی تعلیم نہیں پائی۔ ایسا اُمّی اب قرآن پڑھ کر انبیاء کے حالات، قدیم اقوام کے تاریخی واقعات، تمدن، اخلاق، معاشرت اور معیشت کے اہم قوانین و مسائل بیان کرتا ہے تو انھیں یقین کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے کہ ضرور یہ شخص خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے، اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ پڑھا لکھا ہوتا تو باطل پرستوں کو شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ اور کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ کتابیں پڑھ پڑھ کر قرآن لکھ لیا گیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پس خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا ایک معجزہ ہے:

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد (حافظ شیرازی)

۸۔ حضور کی مختلف حیثیتیں

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب: ۴۵)	اے نبی، ہم نے تجھے بھیجا گواہ بنا کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور روشن آفتاب۔

اشارات:

اس آیت عظیمہ میں نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات حمیدہ کا بیان ہے:

(۱) آپؐ شاہد ہیں یعنی قرآنی تعلیمات کے عملی گواہ۔ آپؐ کا ہر عمل اور ہر قول قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔

(۲) آپؐ مبشر ہیں۔ یعنی اہل حق اور نیکوکاروں کو جنت ابدی و راحت سرمدی کی بشارت دینے والے۔

(۳) آپؐ نذیر ہیں یعنی اہل باطل اور بدکاروں کو ان کی بداعمالیوں کے بُرے انجام سے خبردار کرنے اور ڈرانے والے۔

(۴) آپ داعی الی اللہ ہیں یعنی اللہ کی طرف لوگوں کو اسی کے حکم سے دعوت دینے والے ہیں کہ توحید کی تعلیم دیتے ہیں اور خدائے واحد کی عبادت اور صرف اسی کی اطاعت میں جینا اور مرنا سکھاتے ہیں۔

(۵) آپؐ روشن آفتاب ہیں۔ جس طرح آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تاریکی دور ہو جاتی ہے اسی طرح آپؐ کی بعثت سے کفر و جہالت کی ظلمت کافور ہو گئی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تمام انبیاء اپنی اپنی قوم میں مثل چراغ تھے۔ ان کی روشنی محدود اور مہنگامی تھی مگر حضور کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب بن کر چمکا اور ع

عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

۹۔ رسول بحیثیت شارع

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(الاعراف ۱۵۷)

جو لوگ پیروی کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جسے لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں جو ان کے پاس ہے۔ جو انھیں حکم دیتا ہے نیک کاموں کا اور منع کرتا ہے ناپسندیدہ چیزوں سے، حلال کرتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر گندی چیزوں کو اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور طوق جو ان پر تھے تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور مدد دی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اشارات:

اللہ تعالیٰ نے یہاں رسول کے چند اوصاف کی توضیح فرمائی ہے:

(۱) یہ رسول اُمّی ہے۔ اس کے باوجود یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ علوم و معارف اور حقائق غامضہ ظاہر کرتا ہے۔ یہی معجزہ اس پر ایمان لانے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

(۲) تم یہود و نصاریٰ تورات اور انجیل میں اس کا واضح ذکر پڑھتے ہو اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کی نشانیاں جانتے ہو۔ اور یہ حقیقت ہے کہ توریت وانجیل وغیرہ آج گو اصلی نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ استثنا کے کئی مقامات میں مثلاً اس کے باب ۱۸: ۱۸۔۱۹ میں یہ عبارت ہے:

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔"

ظاہر ہے بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں گویا یہ بتادیا کہ وہ رسول عربی ہوگا۔

دوسری جگہ باب ۳۳: ۱۔۲ میں وارد ہے:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔"

انجیل میں بھی کئی مقامات پر بشارتیں وارد ہوئی ہیں مثلاً یوحنا باب ۱۴: ۲۹ میں ہے: ......"اگر تم مجھے پیار کرتے تو میرے اس کہنے سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے، کیونکہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے اور اب میں نے تمھیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم ایمان لاؤ۔ آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا، کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔"

پھر اسی "یوحنا کی انجیل" کے باب ۱۵ کے آخر میں آتا ہے:

"جب تسلی دینے والا جسے میں تمھارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے آوے تو وہ مجھ پر گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خط کشیدہ الفاظ توجہ طلب ہیں۔ اس پُر آشوب دُنیا میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد انسان کو تسلی دینے والا نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہوا ہے؟ قرآن نے آپ ہی کی ایک صفت "بشیر" قرار دی ہے، یعنی آپ ہی نے ایمان و عمل صالح کے نتیجے میں ابدی راحت کی بشارت دی ہے جو باعثِ تسلی ہے۔

پھر "سچائی کی روح" استعارہ بالکنایہ۔ حضورِ اقدس ہی کے لئے صحیح ہے علم و عقل والے جانتے اور مانتے ہیں کہ حضورؐ نے وحی کے ذریعہ جو پیغام نوعِ انسان کو دیا وہ زندہ جاوید صداقت ہے۔

(۳) اس نبی امی میں یہ صفت ہے کہ نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُری باتوں سے منع کرتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو تم پر حلال ٹھہراتا ہے، جو پہلی شریعت میں یہود پر محض ان کی سرکشی و شرارت کی بناء پر بطورِ سزا حرام قرار دے دی گئی تھیں۔ یہ صرف انھی چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے جو گندی ہیں، جن سے جسمانی و روحانی امراض کے خطرات ہیں۔

(۴) پھر اس نبی امی کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ تمھارے بوجھ اتارتا اور قیود اور بندشوں کو کھولتا ہے۔ ناقابلِ فہم عقیدوں، وہم پرستیوں اور پیشواؤں کی غلامی سے تمھیں آزاد کرتا ہے۔

ان توضیحات کے بعد فرمایا کہ وہی لوگ فلاح پائیں گے جن میں تین باتیں جمع ہوں گی:

(۱) اس نبی اُمی کو سچے دل سے اللہ کا پیغام لانے والا مانیں گے۔

(۲) جس عظیم مقصد و منشا کے تحت اس نبی کو مبعوث کیا گیا ہے اس میں اس کی مدد کریں گے اور نوعِ انسانی کو توحید کے واحد مرکز پر لا کر امن و سلامتی پھیلائیں گے۔

(۳) عبادات، معاشرت، معیشت، تمدنی امور غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس رسول کی نقل اور پیروی کو اپنا نصب العین بنائیں گے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ رسالت کے تقاضے

(۱) اتباع

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

(آل عمران : ۳۰)

کہہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور رحم والا ہے کہہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

اشارات :

(۱) یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب خدا سے محبت سکھاتا ہے مگر یہ سب اپنے نبیوں کی اطاعت سے منحرف ہیں، خود حضرت عیسیٰؑ ہدایت دے گئے ہیں کہ تمہاری خدا سے محبت اسی صورت میں معتبر ہو سکتی ہے کہ تم میرے بعد آنے والے نبی کو مانو۔ اور اس کا اتباع کرو جیسا کہ کتاب یوحنا میں مذکور ہے :۔

"اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا، وہ تمھیں دوسرا شفیع بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔[1]

دوسری جگہ ارشاد ہے :

"مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کو برداشت

---

[1] یوحنا باب ۱۴: ۱۵ پنجاب بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۹۰۳ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں کر سکتے جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔"[1]

ان اشارات کی روشنی میں "شفیع" اور "سچائی کی روح" حضرت عیسیٰؑ کے بعد خاتم النبیینؐ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟

(۲) یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ نرے زبانی دعوے یا اپنے "مجوزہ طریقوں" سے خدا کے محبوب نہیں بن سکتے اسکے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔ اس اطاعت کی برکت سے بخشش ہوگی اور رحم کیا جائے گا۔

(۳) دوسری آیت میں اللہ نے اپنی اطاعت کی تفسیر خود ہی فرما دی کہ رسول اللہ کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہے۔ کیونکہ وہ جو کبھی حکم دیتا ہے اور جو کبھی عمل کرتا ہے اپنی خواہش سے نہیں بلکہ وحیٔ الٰہی کی تعمیل میں کرتا ہے

مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (النجم۔ ۳)	وہ اپنی خواہش سے نہیں کہتا۔ جو کچھ بھی کہتا ہے وحی کی بناء پر کہتا ہے۔

(ب) ادب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (حجرات۔ ۲)	اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

---

[1] یوحنا، ۱۶ : ۱۳-۱۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اشارات :

(۱) اس آیت عظیمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب سے بات کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اونچی آواز سے بات کرنے پر عمل کے بیکار ہونے سے خبردار کیا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ نبیؐ کی مجلس میں بیٹھ کر اگر ادب سے بات نہ کی توفیق سے محروم ہو گئے۔ یہی محرومی عمل کا ضائع ہونا ہے۔

(۲) بعض لوگ قدرتی طور پر بلند آواز ہوتے ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ایک صحابی ثابت بن قیس کا واقعہ ہے۔ وہ بلند آواز تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو گھر میں بیٹھ رہے۔ روتے تھے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو انھیں بلوایا اور از راہِ شفقت فرمایا: "تو تو جنتی ہے۔"

(۳) دوسری جگہ سورۂ الفتح میں ہے :

تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (آیت ۔ ۹)	تم اس (رسول) کی مدد کرتے رہو اور اس کی تعظیم کرتے رہو۔

(ج) محبّت

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ (الاحزاب : ٦)	نبی زیادہ حق رکھتا ہے مومنوں پر ان کی جانوں سے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

اشارات :

(۱) اس آیت شریفہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے درمیان ایک خاص رشتہ بتایا ہے۔ جو تمام مادی رشتوں سے ارفع

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اعلیٰ ہے اور جس پر تمام دنیا کے مومنوں کو بجا طور پر فخر حاصل ہے۔

پہلے یہ فرمایا کہ نبی مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کی زیادہ حق رکھتا ہے کیونکہ نبی ان کے ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے۔ ماں باپ اور بیوی بچے سب نقصان پہنچا سکتے ہیں، غرض مند ہو سکتے ہیں مگر نبیؐ ان کی حقیقی فلاح و مسرت و خوشحالی کا خواہاں رہتا ہے۔

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِهٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"۔ فَاَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عُصْبَتُهٗ مَنْ كَانُوْا۔ فَاِنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَلْيَاْتِنِىْ وَاَنَا مَوْلَاهُ [1]

[یعنی میں دنیا اور آخرت میں ہر مومن کا حق دار سب لوگوں سے بڑھ کر ہوں۔ اگر چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو (اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى ...) تو جو مومن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے رشتہ دار اس کے وارث ہوں اور اگر وہ قرض چھوڑے یا نادار بال بچے چھوڑ مرے تو چاہیئے کہ میرے پاس آئیں میں ان کا مولا ہوں۔ (میں قرض ادا کروں گا اور سب کا کفیل ہوں گا)]

(۲) جب اہل ایمان پر آپؐ کی یہ شفقت ہو تو مومنوں کو بھی آپ سے ایسی محبت ہونی چاہیئے جس کی نظیر دنیوی و مادی رشتے میں نہ ہو اسی لئے یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ [2]	تم میں کوئی اسوقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسکے والدین و اولاد سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ مطبوعہ مصر۔ [2] بخاری: کتاب الایمان ج ۱ ص ۷ مطبوعہ مصر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی سبب ہے کہ قرون اولیٰ کے مومنین جذبۂ محبت میں خطاب کے وقت کہا کرتے: فداک ابی و امی (میرے ماں باپ آپ پر قربان) یا بنفسی روحی فداک (آپ پر میری جان قربان) - اور بعد میں آج تک اسی عشق و محبت میں مومن کہتا ہے

فداہ ابی و امی یا روحی فداہ

نظامی گنجوی کا یہ شعر اسی جذبہ کا مظہر ہے:

ای تن تو پاک تر از جان پاک
روح تو پروردۂ روحی فداک

(نظامی گنجوی)

(د) صلوٰۃ و تسلیم

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

(الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اس پر صلوٰۃ بھیجو اور سلامتی کی دعا کرتے ہوئے اس کے فرماں بردار ہو۔

اشارات:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو انتہائی بلند مقام عطا فرمایا ہے اور آپ کے لئے صلوٰۃ اور تسلیم کا حکم فرمایا ہے۔

صلوٰۃ کے معنی و مفہوم کے لئے اردو میں کوئی لفظ نہیں۔ اس کا ترجمہ رحمت سے کیا جاتا ہے مگر اس سے پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ درود فارسی کا لفظ ہے۔ یہ بھی اس کی وسعت معنوی کو محیط نہیں۔ دنیا کی کسی زبان میں اس کا صحیح لفظی ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح میں اس لفظ کے معنی نماز کے ہیں جب یہ لفظ علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں "کسی کی تحسین کرنا" "اس کی طرف محبت سے مائل ہونا" یا "کسی کے لئے دعا کرنا"

جب صلوٰۃ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا مطلب اس کی رحمت و محبت اور تحسین سمجھا جائے اور جب فرشتوں اور انسان کی طرف سے ہو تو میلانِ محبت و تحسین کے ساتھ ساتھ دعا کا بھی شمول ہوتا ہے۔

پس اس معنوی جامعیت کے اعتبار سے آیتِ شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ از روئے محبت و رحمت اپنے نبی کی تحسین فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اس کے حق میں دعائے رحمت کرتے ہیں ایمان والوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اس سے دلی محبت کریں اس کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان رہیں۔ اور اس کے لئے دعا کرتے رہیں۔ دعا اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ آپکو مقام محمود عطا فرمائے جو بلند ترین درجہ ہوگا جہاں سے آپؐ امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ نیز یہ دعا کہ آپؐ کی شریعت اور آپکا اسوۂ حسنہ قیامت تک باقی و جاری رہے۔ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم ہر طرح کی سلامتی کی دعا کرو۔ اور دوسرے یہ کہ تم اس کے فرمان بردار بنے رہو کیونکہ عربی میں "تسلیم" کے معنی "سلام کرنا" اور "حکم پر سر جھکانا" دونوں ہیں۔

حضور ختم رسالتؐ کے احسانات بے شمار ہیں آپؐ ہر مومن پر اس کے ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان اور سچے خیر خواہ ہیں۔ آپؐ ہی نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ دنیا و آخرت کی فلاح کی راہ دکھائی۔ ان عظیم احسانات کا بدلہ اور شکریہ ساری دنیائے انسانیت مل کر بھی کسی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم آپؐ کے اخلاق فاضلہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور احسانات عظیمہ کا ذکر کر کے دلوں میں روحانی سرور اور ایمانی نور پیدا کرتے ہیں اور اسوۂ حسنہ کی بقدر استطاعت پیروی کرتے رہیں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ آپ کو حسب وعدہ مقام محمود عطا فرمائے۔ اور قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے۔

مشہور ہے کہ صحابہ نے حضورؐ سے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ پوچھا تو حضورؐ نے یہ دعا سکھائی[1]:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

۱۱۔ نزولِ وحی[2]

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ: ۱۸۵)	(یہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا۔

اشارات:

(۱) حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالتِ مبارکہ کا آغاز نزولِ وحی سے ہوا۔

(۲) وحی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی وساطت سے آپؐ پر نازل فرمائی جسے قرآن کہتے ہیں۔ اس کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں اس وقت ہوا جبکہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات آپؐ پر غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔ وہ آیات یہ تھیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝	(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر

[1] بخاری جلد ۲ ص: ۱۴۸۰ مصر۔ [2] اس عنوان ۱۱ سے عنوان ۲۰ تک کا حصہ مرتب کا تحریر کردہ ہے۔ طوالت کے خوف سے اشارات اور حوالے کم سے کم دیئے گئے ہیں (ن ۱۰)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (آیت ۱ تا ۵)	پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

۱۲۔ دعوت و تبلیغ اور اسکے لوازم

(۱) یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ (مدثر ۱، ۲)	(اے محمدؐ) جو کپڑا لپیٹے ہوئے ہو اٹھو اور ہدایت کرو۔
(۲) وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء۔ ۲۱۴)	اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سُنا دو۔
(۳) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ (حجر: ۹۴)	پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سُنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔
(۴) یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ (مائدہ: ۶۷)	اے پیغمبرؐ! جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔

(۱) علم و حکمت:

(۱) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا۔ (نساء۔ ۱۱۳)	(اے رسول!) اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمھیں معلوم نہ تھا۔ اور اس کا فضل تم پر بہت سا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۴)	اور کہو کہ میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

(ب) اخلاص:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (کہف - ٦)	اچھا، تو اے محمدؐ، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔

اشارات:

یہ اشارہ ہے اس حالت کی طرف جس میں اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبتلا تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو رنج ان تکلیفوں کا نہ تھا جو آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دی جا رہی تھیں بلکہ جو چیز آپؐ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی وہ یہ تھی کہ آپؐ اپنی قوم کو گمراہی اور اخلاقی پستی سے نکالنا چاہتے تھے اور وہ کسی طرح نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی اپنی اس کیفیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک حدیث میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "میری اور تم لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جس نے آگ جلائی روشنی کے لئے مگر پروانے ہیں کہ اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں جل جانے کے لئے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ کسی طرح آگ سے بچیں مگر پروانے اس کی ایک نہیں چلنے دیتے۔ ایسا ہی حال میرا ہے کہ میں تمھیں دامن پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑتے ہو۔" (بخاری و مسلم)[1]

(ج) نرم مزاجی، نرم خوئی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ	(اے پیغمبر!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج

[1] تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۱۰ مطبوعہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند، دہلی ۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران : ۱۵۹)	واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے

(۵) صبر و استقامت :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ (احقاف : ۳۵)	پس اے نبی صبر کرو! جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔

اشارات :

(۱) یہ سورۂ احقاف (مکیہ) کی آخری آیت کا ایک حصہ ہے یہ سورہ تاریخی روایات کی روشنی میں سنہ نبوی میں آخر یا ۱۱ سنہ نبوی کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی.

(۲) سنہ نبوی حضورؐ کی حیاتِ طیبہ میں انتہائی سختی کا سال تھا۔ شعب ابی طالب کا محاصرہ فوراً ہی ختم ہوا تھا جس نے مسلمانوں اور بنی ہاشم کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اسی سال ابوطالب وفات پا گئے۔ اس پر ایک مہینہ بھی نہ گذرا تھا کہ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ انتقال فرما گئیں۔ ان پے در پے صدموں اور تکلیفوں کی وجہ سے حضورؐ اس سال کو عام الحزن (رنج و غم کا سال) فرمایا کرتے تھے[1]

(۳) آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارے پیش رو انبیا، اپنی قوم کی بے رخی، مخالفت، مزاحمت اور طرح طرح کی ایذا رسانیوں کا مقابلہ سالہا سال تک صبر اور انتھک جدوجہد کے ساتھ کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی کرو۔ اور یہ خیال دل میں نہ لاؤ کہ یا تو یہ لوگ جلدی سے ایمان لے آئیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر دے[2]

---

[1] تفہیم القرآن ج ۴۔ مولانا مودودی۔ ص: ۵۹۴ طبع اوّل سنہ ۱۹۶۶ء۔ لاہور۔ [2] ایضاً ص ۶۲۱

www.KitaboSunnat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۴) اس آیت میں آپؐ کو حرفِ تسلی بھی ہے اور صبر کی تلقین بھی۔

(۲) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۚ (شوریٰ: ۱۵)	تو (اے محمدؐ) اب اسی دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو

(۵) توکل واعتماد:

قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ (رعد: ۳۰)	کہہ دیجئے وہی تو میرا پروردگار ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۶) عفو و درگذر:

(۱) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران: ۱۵۹)	پس ان کے قصور معاف کردو اور انکے حق میں دعائے مغفرت کرو۔
(۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (مائدہ: ۱۳)	پس انھیں معاف کردو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔
(۳) خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِينَ (اعراف: ۱۹۹)	اے نبیؐ! نرمی و درگذر کا طریقہ اختیار کرو معروف کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

(۷) دعا و استغفار:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِينَ (مومنون: ۱۱۸)	(اے محمدؐ) کہو "میرے رب درگذر فرما اور رحم کر اور تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ معراج و اسراء

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

(بنی اسرائیل آیت: ۱)

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے دور کی اس مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جسکے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔

۱۴۔ ہجرت اور سفر ہجرت

(۱) وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَؕ

(الانفال: ۳۰)

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرینِ حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں[۱]

(۲) اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَاۚ

(توبہ۔ ۴۰)

(اللہ نبیؐ کی مدد اس وقت کر چکا ہے) جب کافروں نے اسے (مکّہ سے) نکال دیا تھا جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے"![۲]

---

[۱] اشارہ ہے اس سازشی کانفرنس کی طرف جس میں کفارِ مکّہ نے آپکو قتل کرنیکا فیصلہ کیا تھا (ن ا)

[۲] یہ اس موقع کا ذکر ہے جب کفار مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا تہیہ کر لیا تھا اور آپ عین اس رات جو قتل کیلئے مقرر کی گئی تھی مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ رفیقِ سفر (باقی آئندہ صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا (بنی اسرائیل: ۸۰)	اور دعا کر کہ پروردگار مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

۱۵۔ مسجدِ قبا

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ[1] مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ (توبہ: ۱۰۸)	(البتہ) وہ مسجد[1] جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔

۱۶۔ تحویلِ قبلہ

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ	یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بقرہ: ۱۴۴)	لو ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو، مسجدِ حرام کی طرف رُخ پھیر دو۔[2]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ):

حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اہلِ مکّہ کے تعاقب کے خیال سے آپ نے مدینہ کی راہ چھوڑ کر جو شمال کی جانب تھی جنوب کی راہ اختیار کی۔ یہاں تین دن تک غارِ ثور میں چھپے رہے۔ آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ کفارِ مکہ کو بالآخر اپنے سارے مقاصد میں ناکامی ہوئی (ن۔ ا)

[1] بعض مفسرین نے اس کا مصداق مسجدِ نبویؐ کو ٹھہرایا ہے (حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۲۶۴۔ مکتبۂ نورانی۔ لاہور ۱۳۸۳ھ) [2] یہ حکم رجب یا شعبان ۲ھ میں نازل ہوا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن سعد ص: ۲۴۱ ج: ۱ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت ۱۹۶۰ء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۷۔ غزوات

(۱) اذنِ جہاد :

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ

(بقرہ: ۱۹۰ تا ۱۹۳)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں کہیں تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انھیں نکالو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے

اس لئے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انھیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ تم ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) غزوۂ بدر[1]:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران : ۱۲۳)	اور اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمھاری مدد کر چکا ہے حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے۔

(۳) غزوۂ احد[2]:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ (آل عمران : ۱۲۱)	(اے پیغمبر! مسلمانوں کے سامنے اس موقع کا ذکر کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لئے جا بجا مامور کر رہے تھے۔

(۴) غزوۂ احزاب[3]: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ (احزاب : ۹)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے۔ جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تمکو نظر نہ آتی تھیں۔

(۵) صلح حدیبیہ[4]

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (فتح - ۱)	(اے محمدؐ) ہم نے تمکو فتح دی فتح بھی صریح و صاف

[1] یہ غزوہ ۲ھ میں پیش آیا [2] یہ غزوہ ۳ھ میں پیش آیا۔ [4] یہ ۶ھ میں ہوئی
[3] یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا آیت مندرجہ سورۂ احزاب کی آیت ۲۷ تک کی آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی قریظہ سے فارغ ہو چکے تھے ان آیات میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۶) بیعت رضوان :

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح : ۱۸)	(اے پیغمبرؐ) جب مومنین تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا۔

(۷) فتح مکہ[1]

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل : ۸۱)	اور اعلان کردو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے[2]۔

(۸) غزوۂ حنین[3]

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ (توبہ : ۲۵)	اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کر چکا ہے ابھی غزوۂ حنین کے روز (بھی آپکی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو)

۱۸ ا حجۃ الوداع

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ : ۳)	آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمھارے لئے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے[4]۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) : بنی قریظہ دونوں کے واقعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۷۵، ۷۶)

[1] فتح مکہ ۸ھ میں ہوئی۔ [2] بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے دن حضورؐ کعبہ کے بتوں پر ضرب لگا رہے تھے اور آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے : جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا. جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۲۸ مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی ہند) [3] غزوۂ حنین شوال ۸ھ میں ہوا

[4] متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں نازل ہوئی (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۴۰)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۹۔ وصالِ مبارک

اذا جآء نصر اللہ والفتح ۝ ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا ۝ فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا ۝

جب اللہ کی مدد آپہنچی اور فتح (حاصل
ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے
غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں
تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ
تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بیشک
وہ معاف کرنے والا ہے۔

اشارات:

(۱) بیضاوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس سورت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ سورت بتا رہی ہے کہ دعوت پوری ہوگئی اور دین کامل ہوگیا جیسے آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ دین کے کامل ہوجانے کو ظاہر کر رہی ہے۔ مزید یہ کہ استغفار کا حکم بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔[1] شاید اسی لئے اس کا نام سورۃ الوداع بھی ہے۔[2]

(۲) امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اذا جآء

---

[1] بیضاوی کے الفاظ یہ ہیں: والاکثر علی أن السورة نزلت قبل فتح مکة وانه نعی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانه لما قرأها بکی العباس فقال علیه الصلوٰة والسلام ما یبکیك فقال نعیت الیك نفسك فقال انها لکما تقول ولعل ذلك لدلالتها علی تمام الدعوة وکمال أمر الدین فهی کقوله الیوم اکملت لکم دینکم او لان الامر بالاستغفار تنبیه علی دنو الاجل ولهذا سمیت سورة التودیع (بیضاوی۔ ص ۷۵۴ طبع اول سنہ ۱۹۳۹ء مکتبہ و مطبع مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر) صاحبین جلالین نے بھی یہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ایضاً حاشیہ ص ۷۵۴۔

[2] مظہری، ص ۵۷۴، اردو ترجمہ دائم جلالی۔ دہلی ۱۹۶۱ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نصر اللہ والفتح نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے۔[1]

۲۰۔ امتیازات و خصائص

(۱) خلق عظیم:

خلق یا اخلاق انسان کی عملی سیرت کو کہتے ہیں۔ انسان کا درجہ اخلاق ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر اخلاق کو معیار قرار دے کر انسانی تاریخ کی عظیم ہستیوں کی جانچ کی جائے تو حضور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آئے گی جسے "جامع الاخلاق" کہا جا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بہت پُر زور اور معجزانہ انداز میں اس کی شہادت دی ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ○	نٓ۔ اور قلم گواہ ہیں اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔
مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ○	کہ تو اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہے۔
إِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ○	بے شک تیرے لئے نہ ختم ہونیوالا اجر ہے۔
وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○	اور بے شک تو بہت بلند اخلاق پر فائز ہے۔
(سورۃ القلم: ۱۔۴)	

چنانچہ احادیث صحیحہ اور سیرت طیبہ کی بے شمار کتابوں میں حضورؐ کے حیرت انگیز مثالی واقعات، معمولات، معاملات اور کردار پڑھے جا سکتے ہیں۔ جن میں ہر طبقہ انسانی کے لئے اعلیٰ اخلاق کے درس ملتے ہیں۔ خود حضور ہی کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

(میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)[2]

---

[1] مظہری۔ ص ۵۷۴

[2] کتاب الشہاب، مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ صفحہ ۱۳۶۔ اور موطا: امام مالکؒ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مشہور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کے بارے میں ہمیں بتلائیے۔ فرمایا: أمَا قرأتَ القرآن (کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟) عرض کیا: پڑھا ہے۔ فرمایا: کانَ خُلُقُہُ القرآن[1] (آپ کے اخلاق تمام تر قرآن تھے۔)

فاقَ النَّبِیّینَ فی خَلقٍ وفی خُلُقٍ — وَلَم یُدانُوہُ فی عِلمٍ ولا کَرَمٍ
(بوصیری)

(آپؐ خلقت میں اور اخلاق میں سب انبیاء سے فائق ہوئے۔ وہ علم و کرم میں آپ کے قریب نہیں پہنچے)

(ب) رحمۃ للعالمین:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۵)	اور ہم نے تجھے سارے جہان کے لئے (یا ساری قوموں کے لئے) رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اشارات:

(۱) حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کی ساری قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجنا ایک زندہ و روشن حقیقت ہے اس سے نہ صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ کل دُنیا کے لئے مبعوث ہوئے بلکہ یہ بھی کہ آپؐ رحمت کے رنگ میں مبعوث ہوئے اور دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کے حق میں بھی رحم کا سلوک کرنے کے لئے آئے۔ ایک بار دشمنوں کی مسلسل ایذا رسانیوں پر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مشرکوں کے لئے بدعا کیجئے۔ فرمایا: اِنّی لَم اُبعَث لَعّانًا واِنّما بُعِثتُ رَحمَۃً۔ (میں لعنت کرنے کے لئے نہیں مبعوث ہوا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں)

(۲) ان الفاظ میں یہ بھی بتایا کہ رسول کی رحمت عام ہے۔ صرف دوست ہی اس سے

---

[1] ابوداؤد۔ باب الصلوٰۃ فی اللیل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مستفید نہ ہوں گے، بلکہ دشمن بھی لبقدرِ ظرف فائدہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات سے بہت سی قوموں نے فائدہ حاصل کیا ہے اور یہ ان کے حق میں بھی رحمت ثابت ہوا ہے جنھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ خود اقوام یورپ اسی رَحمۃٌ للعالمین سے فائدہ اٹھا رہی ہیں وہ اصولِ سعی و تحقیق پر عمل پیرا ہیں جو انجیل کی نہیں، قرآن کی تعلیم ہے۔ وہ ہر امر میں ایک نظام رکھتی ہیں۔ یہ بھی اسلام کی تعلیم ہے وہ وقت کی قدر کرتی ہیں جو اسلام کی کھلی تعلیم ہے اور بھی متعدد باتیں ان کے نظام تمدن و معاشرت میں ہم دیکھتے ہیں۔ جو اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ اسی بنا پر علامہ اقبال کہہ گئے ہیں:

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

(ج) رؤف رحیم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(التوبہ: ۱۲۸)

البتہ آیا ہے تمھارے پاس ایسا رسول جو تم ہی میں سے ہے، اسے تمھاری تکلیف نہایت گراں گزرتی ہے، وہ تمھارے فائدے کا حریص ہے ایمان والوں پر بڑا شفیق و مہربان ہے۔

اشارات:

(۱) اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نسل انسانی کے ایک بڑے محسن و خیر خواہ کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے کہ جو بھی تکلیفیں، صعوبتیں اور مصیبتیں انسان پر آتی ہیں ہمارے رسول پر شاق گزرتی ہیں وہ چاہتا ہے کہ تم ان سے نجات پاؤ، اور ہلاکت سے بچو۔ وہ تمھاری بھلائی کا خواہشمند ہی نہیں بلکہ حریص

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جو لوگ کفر، شرک، نفاق اور بدعملی اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں انھیں دیکھ کر اس رسول کو غم ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب انسان اس راہ پر آجائیں جس پر چل کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ابدی راحت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) یہ بات تو عام انسانوں سے متعلق ہے ایمان والوں کے ساتھ تو وہ بالخصوص بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

(د) اسوۂ حسنہ

لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة (الاحزاب ۲۱)	البتہ تمھارے لئے رسول اللہ کی سیرت طیبہ میں عمدہ نمونہ ہے۔

اشارات:

(۱) اس آیت مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ بلا تخصیص کسی قوم اور کسی زمانے کی نہیں جس طرح قرآن کریم تمام اقوام عالم کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے، اسی طرح آپ ساری نسل انسانی کے لئے ہر زمانے میں بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن آیات و احکام اور علوم و معارف کا مجموعہ ہے اور حضورؐ کا مبارک وجود اس کی عملی تفسیر۔

(۲) حضور ختم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جملہ طبقات انسانی کے لئے بہترین نمونہ ہیں اس وجہ سے کہ آپؐ خود جملہ حالات انسانی سے گذر چکے ہیں خواہ اس کا تعلق کسی طبقے یا پیشے سے ہو۔ جنگ و صلح، تدبر سیاست، مقدمات کے فیصلے اور دوسرے امور کی سرانجام دہی سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ کام، خندق کھودنا، ٹوکری اٹھانا، جوتے اور کپڑے کی مرمت کرنا، دودھ دوہ لینا، بازار سے سودا سلف لے آنا، پڑوسیوں کے کام کر دینا، بھی حضورؐ کے معمولات میں داخل تھے۔

بعض انبیا ایک حالت کے لئے بطور خاص نمونہ ہوئے اور بعض دوسرے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حالت کے۔ بعض نے ایک خوبی کا نمونہ دکھایا بعض نے دوسری خوبی کا لیکن جملہ کمالات انسانی کسی نبی کی حیات میں جمع نہیں ہوئے۔ کوئی نبی جملہ فضائل اخلاق کا نمونہ نہیں بنا۔ یہ فخر صرف خاتم النبیین ؐ کو حاصل ہوا۔ اسی لئے قرآن نے اس نمونہ کی طرف دعوت دی۔

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حدیث کے آئینے میں!

○ سردار احمد ○

۱ ـــــــ دعائے خلیل اور نوید مسیحا

عن العرباض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ساخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی۔ (تفسیر روح المعانی۔ مطبوعہ مصر جزء اول، صفحہ ۳۸۶، بحوالہ مسند احمد)

حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھیں اپنے ابتدائی امر کے بارے میں بتاؤں گا میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔

عن واثلہؓ بن الاسقع قال سمعت رسول اللہ صلعم ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسمٰعیل واصطفیٰ من ولد اسمٰعیل بنی کنانۃ واصطفیٰ قریشا من بنی کنانۃ واصطفیٰ ھاشماً من قریش واصطفانی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

من بنی ھاشم (ترمذی مطبوعہ رشیدیہ دہلی، ابواب مناقب رسول اللہ ص: ۲۰۱)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا، آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیلؑ کو چنا اور حضرت اسمٰعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔

۲ ——— اسم گرامی

عن جبیر بن مطعم قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان لی اسماءً انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی (مشکوٰۃ شریف۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، باب اسماء النبیؐ)

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ میرے کئی نام ہیں میں محمدؐ ہوں میں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ تمام لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔[1]

۳ ——— حلیۂ مبارک

عن انس بن مالکؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربعۃ ولیس بالطویل ولا بالقصیر وحسن الجسم وکان شعرہ

---

[1] حدیث میں پانچ ناموں میں سے آخری تین کی تشریح آپؐ نے فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ نام صفاتی ہیں جبکہ محمد اور احمد آپؐ کے ذاتی اسماء ہیں۔ (س۔ ا)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیس بجعد ولا سبط اسمر اللون اذا مشی تیکفاء[1] (شمائل ترمذی مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ، دہلی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم درمیانہ قد تھے نہ بہت لمبے نہ بہت چھوٹے نہایت خوبصورت معتدل جسم والے اور آپؐ کے بال نہ بالکل گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ گندمی رنگ تھا۔ چلتے تو آگے کو شانے جھکے ہوئے ہوتے تھے۔

۴ ـــــــ بعثت

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت اوّلُ ما بدیٔ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم فکان لا یری رُؤیا الاجاءت مثل فلق الصبح ثم حُبّب الیہ الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنّث فیہ وھوا التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اھلہ ویتزوّدُ لذالک ثم یرجع الی خدیجۃ فتیزود لمثلھا حتی جاء الحق وھو فی غار حراء فجاءہ الملک فقال اقراء قال ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاریٔ فاخذنی فغطنی الثانیۃ ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقراء باسم ربک الذی خلق (بخاری باب بدء الوحی مطبوعہ نور محمد تجارت کتب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وحی کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع کی گئی وہ سچے خوابوں کا نظر آنا تھا۔ آپ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی مانند نظر آجاتی تھی۔ اس کے بعد آپ کو تنہائی پسند آنے لگی اور آپ غار حرا

---

[1] یہاں تیکفاء کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی عادت ذرا جھک کر چلنے کی تھی متکبرانہ انداز سے یا سینہ نکال کر نہیں چلتے تھے بعض علما نے قوت سے قدم اٹھانے کا ترجمہ کیا ہے اور بعض نے تیز رفتاری کے معنی لئے ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے اندر گوشہ نشین رہنے لگے۔ غارِ حرا میں آپ عبادت فرمایا کرتے تھے۔ اور کئی کئی روز اس میں مشغول رہتے تھے بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے۔ آپؐ کھانا بھی لے جاتے (اور جب وہ ختم ہو جاتا)، تو حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور جتنے دن غارِ حرا میں قیام کا ارادہ ہوتا اتنے دن کا سامان پھر لیجاتے، یہاں تک کہ آپؐ کے پاس حق (وحی) آیا۔ آپ اس وقت غارِ حرا میں تھے۔ فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور کہا پڑھ آپؐ نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ فرشتہ نے مجھے پکڑ لیا اور خوب بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر فرشتہ نے مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس نے پھر مجھ کو پکڑ لیا۔ اور دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا پڑھ۔ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے تیسری مرتبہ سینے سے لگا کر مجھ کو خوب بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ۔ اقراء باسم ربک الذی خلق۔۔۔ [1]

☆ عن ابن عباس قال انزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو ابن اربعین فمکث بمکۃ ثلاث عشرۃ سنۃ ثم امر بالھجرۃ فھاجر الی المدینہ فمکث بھا عشر سنین ثم توفی صلی اللہ علیہ وسلم

(بخاری۔ باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۵۴۳۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر نبوت کے بعد مکہ میں تیرہ برس مقیم رہے پھر ہجرت کا حکم ہوا تو مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں دس سال قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ابتدائی حصہ ہے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۵ ـــــ کوہِ صفا[1] پر!

عن ابن عباس قال لما نزلت وانذر عشیرتك الاقربین خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی صعد الصفا فجعل ینادی یا بنی فہر یا بنی عدی لبطون قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یخرج ارسل رسولا لینظر ما ھو فجاء ابو لھب وقریش فقال ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من صفح ھذا الجبل وفی روایۃ ان خیلا تخرج بالوادی ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی قالوا نعم ما جربنا علیک الا صدقا قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید قال ابو لھب تبا لك الھذا جمعتنا فنزلت تبت یدا ابی لھب وتب (متفق علیہ)[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب یہ آیت وانذر عشیرتك الاقربین (اپنے قریب تر لوگوں کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر پہنچے اور پکارنا شروع کیا اے فہر کی اولاد! اے عدی کی اولاد! اس طرح تمام قبائل قریش کو آپ نے نام لے لے کر پکارا یہاں تک کہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ اگر قبیلہ کا بڑا آدمی کسی وجہ سے خود نہ جا سکتا تھا تو اپنی طرف سے کسی آدمی کو بھیج دیا کرتا تھا۔ غرض ابولہب اور قریش کے تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کی ایک جانب سے اور ایک روایت میں ہے کہ اس وادی (جنگل) سے سوار نکلے ہیں اور تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم اس کو سچ مان لوگے اور مجھ کو سچا سمجھو گے؟ ان لوگوں نے کہا ہمارے تجربہ میں تم ہمیشہ سچے ثابت ہوئے ہو اس لئے ہم تمہاری خبر کو درست سمجھیں گے آپ نے فرمایا! میں تم کو اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ ابولہب نے سنکر کہا تو تباہ و ہلاک ہو گیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی کہ تبت یدا ابی لھب وتب[3] (متفق علیہ)

---

[1] - اضافہ از مرتب [2] مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی ۔ [3] یہ آپ کا پہلا خطاب عام ہے۔ اگرچہ ابولہب کی ناشائستگی کی بنا پر آپ مزید کلام نہ کر سکے تاہم ان دو فقروں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۶ ــــــــ خطابِ عام

حمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ان الرائد لا یکذب اھلہ واللہ لو کذبت الناس جمیعًا ما کذبتکم ولو غررت الناس جمیعًا ما غررتکم واللہ الذی لا الٰہ الا ھو انی لرسول اللہ الیکم خاصۃً والی الناس کافۃً۔ واللہ لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون ولتحاسبن بما تعملون ولتجزون بالاحسان احسانا وبالسوء سوءً وانھا لجنۃ ابدًا اولنار ابدًا (جمہرۃ خطب العرب جلد اول صدہ بحوالہ کامل ابن اثیر) خدا کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا قوم کے لئے چارہ پانی اور جگہ کا تلاش کرنے والا اپنے ساتھیوں کو جھوٹی خبر کبھی نہیں دیتا خدا کی قسم اگر میں سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر آمادہ ہوتا تب بھی تم سے خلاف واقعہ بات نہ کرتا اور اگر سب لوگوں کو دھوکا دینے پر آمادہ بھی ہوتا تو تم کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالتا اس خدا کی قسم جو وحدہٗ لاشریک ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصًا اور باقی سب لوگوں کی طرف عمومًا خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا تم کو ایک دن ضرور مرجانا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ روز سوتے ہو اور پھر بلاشبہ زندہ ہونا ہے جیسا کہ روز خواب سے بیدار ہوتے ہو اور تمہارے اعمال کا ضرور محاسبہ ہوگا۔ نیکی کا بدلہ نیکی اور برائی کا برائی مل کر رہے گا اس وقت ہمیشہ جنت ملے گی یا ابدی جہنم۔

۷ ــــــــ دعوت کیا تھی؟

(ا) قال ماذا یامرکم؟ قلت یقول اعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا واترکوا ما یقول اباؤکم ویامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ (بخاری جلد اول باب

(بقیہ حاشیہ۔ گذشتہ سے پیوستہ) متوجہ کرنے کے لئے یہ پیرایۂ بیان نہایت موثر تھا۔ اور اگر وہ لوگ باپ دادا کی اندھی تقلید میں گرفتار نہ ہوتے تو یہی ایک جملہ ان کو اسلام کے آغوش میں لانے کے لئے کافی تھا کیونکہ انھوں نے اسی جگہ اجتماعی حیثیت سے پہلی مرتبہ پوری صفائی سے آپ کی صداقت کی گواہی دی تھی اور یہ بات قیاس سے بعید ہے کہ جو شخص انسانوں پر جھوٹ نہ بولے وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔ یہ ایک ایسی حدیث کا ٹکڑا ہے جو حدیث ہرقل کے نام سے مشہور ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

كيف كان (يأمركم) السوحى) ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے کیا کہتا (حکم دیتا) ہے ابوسفیان نے جواب دیا یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو دوسرے کو شریک و ساجھی نہ قرار دو اور تمہارے باپ دادا کا جو عقیدہ تھا اور وہ جو کچھ کرتے تھے اسے چھوڑ دو اور یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ نماز پڑھو سچائی اختیار کرو پاکدامنی کی زندگی گذارو اور صلہ رحمی کرو

(ب) عن عمرو بن عبسه قال دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم بمكة يعني في اول النبوة فقلت ما انت؟ قال نبي فقلت وما نبي؟ قال ارسلني الله تعالى فقلت باي شيء ارسلك؟ قال ارسلني بصلة الارحام وكسر الاوثان وان يوحد الله ولا يشرك به شيء (مسلم)

حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلعم کے پاس مکہ میں آپ کی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں گیا میں نے پوچھا کہ آپ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نبی ہوں۔ میں نے کہا نبی کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے کہا اللہ نے آپ کو کیا پیغام دے کر بھیجا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دوں بت پرستی اور بت ختم کر دیئے جائیں اور صرف اللہ کی وحدانیت اختیار کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

۸ ——— حق کی خاطر[1] !

عن عروة بن زبير قال سالت عبد الله بن عمرو بن العاص اخبرني باشد شيء صنعه المشركون بالنبي صلى الله عليه وسلم قال بينما النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في حجر الكعبة اذ اقبل عقبة بن ابي معيط فوضع ثوبه في عنقه فخنقه خنقا شديدا فاقبل ابوبكر حتى اخذ بمنكبيه ودفعه عن النبي صلى الله عليه وسلم وقال اتقتلون رجلا ان يقول ربي الله (بخاری ج ۱ باب ذکر مالقی النبی)

---

[1] عنوان نمبر ۱ تا ۱۴ کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عروۃ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو العاصؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں نے جو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی اس کے بارے میں بتاوٴ۔ انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ آیا اور آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ انہوں نے عقبہ کے شانے پکڑے اور دھکا دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دیا اور کہا کہ کیا تم اس شخص کو محض اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

۹ـــــــ معاشرتی مقاطعہ

لاینا کحوھم ولا یبایعوھم حتی یسلموا الیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم (لغات الحدیث۔ علامہ وحید الزماں۔ ج ۳ ص ۱۴۷ مطبوعہ اصح المطابع۔ کراچی)

(قریش اور بنی کنانہ نے حلفیہ ایک معاہدہ لکھا[1] کہ) وہ ان (بنو ہاشم) سے نہ شادی بیاہ کریں گے نہ ان کے ہاتھ کچھ خرید و فروخت کریں گے جب تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (قتل کے لیے) ان کے سپرد نہ کر دیں۔

۱۰ـــــــ طائف میں!

اخبرنا محمد بن عمر قال: حدثنی عبد الرحمن بن عبد العزیز عن ابی الحویرث عن محمد بن جبیر بن مطعم قال: لما توفی ابوطالب تناولت قریش من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، واجترؤا علیہ فخرج الی الطائف

[1] قریش نے بنو ہاشم کا یہ معاشرتی مقاطعہ محرم ۷ نبوی میں کیا تھا اس کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نامی شخص نے لکھا تھا۔ اور معاہدہ کعبہ کے اندر آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کو دیمک چاٹ گئی صرف اللہ کا نام باقی رہا تھا اس طرح معاہدہ ختم ہو گیا۔ یا بعض ہمدرد وجری اشخاص کی تحریک و تدبیر کی بنا پر ختم ہوا دیکھیے ابن ہشام۔ سیرۃ النبویہ مصر ۱۹۳۶ء ج ۱ ص ۳۷۵، ۳۷۶، ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۹، ۲۱۰ بیروت ۱۹۶۰ء ابن ہشام، ابن سعد اور طبری وغیرہ جملہ مورخین نے بتغیر الفاظ یہ معاہدہ نقل کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ومعہ زید بن حارثہ، و ذالک فی لیال بقین من شوال سنۃ عشر من حین نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال محمد بن عمر بغیر ہذا الاسناد۔ فاقام بالطائف عشرۃ ایام لایدع احدا من اشرافھم الا جاءہ وکلمہ۔ فلم یجیبوہ و خافوا علی احداثھم قالوا:۔ یا محمد اخرج من بلدنا والحق بمحابک من الارض واغروا بہ سفہاءھم، فجعلوا یرمونہ بالحجارۃ حتی ان رجلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتدمیان وزید بن حارثہ یقیہ بنفسہ حتی لقد شج فی راسہ شجاج فانصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الطائف راجعا الی مکۃ وھو محزون لم یستجب لہ رجل واحد ولا امراۃ (ابن سعد۔ ص ۲۱۱، ۲۱۲)

محمد بن جبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ ابوطالب کی وفات ہوگئی تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دست درازی شروع کر دی وہ آپؐ پر جری و گستاخ ہوگئے آپ طائف تشریف لے گئے ہمراہ زید بن حارثہؓ بھی تھے یہ روانگی شوال کے کچھ دن باقی تھے کہ سنہ نبوی میں ہوئی محمد بن عمرؓ نے ایک دوسری سند سے بیان کیا کہ آپ دس دن تک طائف میں رہے اشراف میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس آپؐ نہ جاتے اور گفتگو نہ کرتے مگر ان لوگوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی پھر انہیں اپنے نوجوان پر (قبول دعوت کا) اندیشہ ہوا تو کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے شہر سے چلے جائیں اور وہاں رہیے جہاں آپ کی دعوت قبول کر لی گئی ہو اور احمقوں کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا۔ وہ آپ کو پتھر مارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدموں سے خون بہنے لگا۔ زید بن حارثہ آنحضرتؐ کو بچا کر اپنے اوپر روکتے تھے مگر بے سود ان کے سر میں بھی متعدد زخم آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے رنجیدہ خاطر واپس ہوئے کیونکہ وہاں نہ تو کسی مرد نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا اور نہ کسی عورت نے۔

۱: ——— معراج

عن جابر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن ایاتہ وانا انظر الیہ (متفق علیہ[1])

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب قریش نے (معراج کی بابت) مجھ کو جھوٹا قرار دینا چاہا تو میں ان کے سوالات کا جواب دینے کے لئے مقام حجر (حطیم) میں کھڑا ہوا اور خداوند تعالیٰ نے بیت المقدس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا اور میں نے ان کے سوالات کا جواب دینا شروع کیا۔ میں بیت المقدس کی طرف دیکھ رہا تھا اور ان کو جواب دے رہا تھا۔

۱۲ ــــــــ ہجرت

(۱) عن ابن عباس قال تشاورت قریش لیلۃ بمکۃ فقال بعضھم اذا اصبح فاثبتوہ بالوثاق یریدون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعضھم بل اقتلوہ وقال بعضھم بل اخرجوہ فاطلع اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ذالک فبات علیٌّ علی فراش النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ وخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی لحق بالغار وبات المشرکون یحرسون علیًا یحسبونہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما اصبحوا ثاروا علیہ فلما راوا علیًا رد اللہ مکرھم فقالوا این صاحبک ھذا قال لا ادری فاقتصوا اثرہ فلما بلغوا الجبل اختلط علیھم فصعدوا الجبل فمروا بالغار فراوا علی بابہ نسج العنکبوت فقالوا لو دخل ھھنا لم یکن نسج العنکبوت علی بابہ فمکث فیہ ثلث لیال (مشکوٰۃ باب فی المعجزات رواہ احمد)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رات کے وقت قریش نے مکہ میں مشورہ کیا کہ

---

[1] مشکوٰۃ باب فی المعراج۔ معراج کے بارے میں بہت تفصیلی روایات بخاری، مسلم اور مشکوٰۃ کے علاوہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے ان کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے ہم نے طوالت کے خوف سے انہیں شامل نہیں کیا ہے (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صبح ہوتے ہی اس کو رسی سے مضبوط باندھ لو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض لے یہ رائے دی کہ قتل کر ڈالو بعض نے کہا جلاوطن کر دو، خداوند تعالیٰ نے اپنے نبی کو کفار کے اس مشورہ سے آگاہ کر دیا (وہ) رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پہ علی رضی اللہ عنہ نے گزار دی اور نبی صلی اللہ علیہ مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں جا چھپے (ادھر) کفار رات بھر (رسول خدا صلعم کے خیال میں) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (جو آپ کے بستر پہ تھے) نگہبانی کرتے رہے اور مکان کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو خیال کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر پہنچکر (بخیال خویش) آپ پر حملہ کیا لیکن جب انہوں نے آپ کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو خدا نے ان کے مکر کو انہیں پر لوٹا دیا (اور وہ حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے) پھر انھوں نے پوچھا تمہارا دوست کہاں ہے (یعنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ کو معلوم نہیں۔ یہ سنکر کفار آپ کے نشان قدم پر تلاش میں دوڑ پڑے جب جبل ثور پر پہنچے تو نشان قدم مشتبہ ہو گئے پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور غارِ ثور کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر کہا کہ اگر وہ اس کے اندر داخل ہوتا تو مکڑی کا جالا دروازہ پر نہ ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رات دن اس غار کے اندر رہے۔

(ب) عن انس بن مالک ان ابا بکر الصدیق قال نظرت الی اقدام المشرکین علی رؤسنا ونحن فی الغار فقلت یا رسول اللہ لو ان احدھم نظر الی قدمه ابصرنا فقال یا ابا بکر ما ظنك باثنين الله ثالثھما (متفق علیہ[2])

انس بن مالک کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے غار میں چھپنے کا حال بیان کیا اور کہا) کہ میں نے غار کے اوپر کی جانب دیکھا تو مجھ کو مشرکوں کے قدم نظر آئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان میں سے کسی ایک کی نظر بھی اپنے قدموں پر جھکی تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ! تمہارا خیال ان دو شخصوں کی نسبت

---

[1] اس پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [2] مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے جن کا تیسرا ساتھی خدا ہے۔

۱۳۔۔۔۔۔۔ مدینہ میں استقبال

عن انس شہدت یوم دخول النبی صلعم المدینۃ فلم ار یوما احسن منہ، ولا اضاء من یوم دخل علینا فیہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ۔ وصورت ذوات الخدود علی الاجاجیر عند قدسیہ یقلن تہنیۃ حال دخولہ

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا — جئت بامر المطاع (زرقانی جلد اول صفحہ ۳۵۹)

حضرت انسؓ کہتے ہیں جس دن رسول اللہ صلعم مدینہ میں داخل ہوئے میں حاضر تھا میں نے اس دن سے بہتر کوئی دن نہیں دیکھا اور نہ اس دن سے زیادہ روشن کوئی دن دیکھا جس دن رسول اللہ صلعم مدینہ میں داخل ہوئے اس دن خوش آمدید کہنے کے لئے لڑکیاں چھتوں پر چڑھ گئیں اور گانے لگیں۔ چاند طلوع ہوا ہم پر۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک خدا کی طرف پکارنے والا پکارے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی! آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے

۱۴۔۔۔۔۔۔ غزوات[۱]

۱۔ غزوۂ بدر کے موقع پر | عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وھو فی قبۃ یوم بدر: اللّٰھم انشدک عھدک و وعدک اللھم ان تشاء لا تعبد بعد الیوم تاخذ ابوبکر بیدہ فقال حسبک یا رسول اللہ الححت علی ربک فخرج وھو یثب فی الدرع وھو یقول: سیھزم الجمع ویولون الدبر (بخاری[۲])

---

[۱] غزوات کے پورے حصے کا اضافہ مرتب نے کیا ہے [۲] مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن خیمہ میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے یہ دعا کی۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیری امان اور تیرے وعدہ کا (جو تو نے ہم سے کیا ہے) ایفاء چاہتا ہوں۔ اگر تو اے اللہ، یہ چاہتا ہے (کہ مومن ہلاک ہو جائیں) تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ آپ اتنا ہی فرمانے پائے تھے کہ ابوبکرؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! بس اتنا کافی ہے۔ آپؐ نے دعا میں اپنے پروردگار سے بہت مبالغہ کیا ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیزی کے ساتھ خیمہ سے باہر آئے حالانکہ آپؐ زرہ پہنے ہوئے تھے (اور بلند آواز میں) یہ آیت پڑھی سیھزم الجمع و یولون الدبر (کفار کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے)

۲۔ غزوہ اُحد میں عن انسؓ قال شُجَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد فقال کیف یُفلح قوم شجوا نبیھم فنزلت لیس لک من الامر شئی (بخاری باب المغازی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا تو آپ نے (ترحما) فرمایا: وہ قوم کیونکر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا۔

۳۔ غزوہ احزاب کے بعد عن سلیمان بن صرد قال، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب نغزوھم ولا یغزوننا (بخاری)

سلیمان بن صردؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے دن (کفار جب متفرق ہو کر منتشر ہو گئے تو) فرمایا: اب ہم ہی ان سے جنگ کریں گے لیکن وہ ہم سے جنگ نہ کر سکیں گے۔ (یعنی اب تک تو کفار ہم پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں اور ہم مدافعت کرتے رہے ہیں، آئندہ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے۔ جنگ کی

ل باب المغازی ؂ مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابتداء ہماری طرف سے ہوگی۔

(۴) غزوہ بنو قریظہ کیلئے عن عائشۃ لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبریل وھو ینفض راسہ من الغبار فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعتہ اخرج الیھم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاین فاشار الی بنی قریظۃ فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم (متفق علیہ[1])

عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب سے واپس آکر ہتھیار اتارے اور غسل کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ جبرئیل تشریف لائے اس حال میں کہ وہ (رسول اللہؐ) گردو غبار کو سر سے جھاڑ رہے تھے اور کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار کر رکھ دیئے۔ اور واللہ میں نے ابھی ہتھیار نہیں رکھے۔ چلئے کافروں کی طرف چلئے۔ رسول اللہؐ نے پوچھا کدھر؟ جبرئیل نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ بنو قریظہ کی طرف بڑھے (اور فتح حاصل کی)

(۵) حدیبیہ عن البراء بن عازب قال تعدون انتم الفتح فتح مکۃ وقد کان فتح مکۃ فتحا ونحن نعد الفتح بیعۃ الرضوان یوم الحدیبیۃ کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربع عشرۃ مائۃ والحدیبیۃ بیئر[2] (بخاری۔ کتاب المغازی)

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو اور (در حقیقت) فتح مکہ بھی ضرور فتح مکہ تھی۔ مگر ہم تو بیعت الرضوان کو فتح سمجھتے ہیں جو حدیبیہ کے دن ہوئی اور ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ سو آدمی تھے اور حدیبیہ ایک کنواں ہے

(۶) غزوہ خیبر عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی خیبر لیلا فقتل النبی المقاتلۃ وسبی الذریۃ (بخاری۔ کتاب المغازی)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بوقت شب خیبر پہنچے پھر آپ نے مقابلہ کرنے والوں کو قتل کیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات [2] یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۷۔ سریہ موتہ | عن ابن عمرؓ قال امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ موتہ زید بن حارثۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قتل زید فجعفر وان قتل جعفر فعبداللہ بن رواحۃ قال ابن عمر کنت فیھم فی تلک الغزوۃ فالتمسنا جعفر بن ابی طالب فوجدناہ فی القتلی ووجدنا ما فی جسدہ بضعاً و تسعین من طعنۃ ورمیۃ (بخاری۔ کتاب المغازی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جنگ موتہ میں رسول خدا صلی اللہ نے زید بن حارثہؓ کو امیر بنا کر فرمایا اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ (امیر ہیں) عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں اس لڑائی میں موجود تھا جب ہم نے جعفرؓ بن ابی طالب کو تلاش کیا تو ہم نے انہیں مقتولین میں پایا اور ان کے جسم پر ہم نے کچھ اوپر نوّے نشان نیزے اور تلوار کے دیکھے۔

۸۔ فتح مکہ | عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج فی رمضان من المدینۃ ومعہ عشرۃ آلاف وذلک علی رأس ثمان سنین ونصف من مقدمہ المدینۃ فسار ھو ومن معہ من المسلمین الی مکۃ یصوم ویصومون حتی بلغ الکدید وھو ماء بین عسفان وقدید افطر وافطروا (بخاری۔ کتاب المغازی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے (مکہ کی طرف) روانہ ہوئے اور یہ مدینہ میں آپ کے آنے سے ساڑھے آٹھ برس بعد کا ذکر ہے (اس سفر میں) آپ بھی روزہ رکھتے تھے اور آپ کے ہمراہی بھی۔ حتی کہ جب آپ کدید پہنچے جو عسفان اور قدید کے درمیان ایک چشمہ ہے تو آپ اور آپ کے ہمراہیوں نے روزہ افطار کیا۔

۹۔ غزوہ حنین | عن ابی اسحاق قال قال رجل للبراء یا ابا عمارۃ فررتم یوم حنین قال لا واللہ ما ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن خرج شبان اصحابہ لیس علیھم کثیر سلاح فلقوا قوماً رماۃ لا یکاد یسقط لھم سھم فرشقوھم رشقاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مایکادون یخطیؤن فانبلوا ھناک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بغلتہ البیضاء وابوسفیان بن الحرث یقودہ فنزل واستنصر وقال: انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب ثم صفھم رواہ مسلم وللبخاری معناہ فی روایۃ لھما قال البراء کنا واللہ اذا احمر الباس نتقی بہ وان الشجاع منا للذی یحاذی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

ابواسحاق رضی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے براء بن عازب رضی سے پوچھا اے ابو عمارہ! کیا حنین کے دن تم کافروں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ براء رضی نے کہا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ ص نے پیٹھ نہیں دکھائی۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ صحابہ رضی میں سے چند نوجوان جن کے پاس زیادہ ہتھیار نہ تھے ایسے تیرانداز کافروں سے بھڑ گئے جن کا کوئی نشانہ خطا نہ جاتا تھا۔ یہ نوجوان یہاں سے رسول اللہ ص کے پاس چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ان نوجوانوں کو (دیکھکر) اپنے خچر سے اترے اور خدا سے مدد اور فتح طلب کی اور فرمایا میں نبی ہوں جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو جمع کرکے آپ نے صف بندی کی (مسلم) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ براء بن عازب رضی نے کہا کہ خدا کی قسم جب لڑائی سخت ہوجاتی تو ہم حضور ص کے پاس آکر پناہ ڈھونڈتے تھے اور ہم میں سب سے زیادہ شجاع وبہادر وہ شخص شمار کیا جاتا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کھڑا ہوتا تھا۔

۱۰۔ غزوہ تبوک پر عن سعد بن ابی وقاص ان رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی تبوک واستخلف علیاً فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء فقال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی (بخاری کتاب المغازی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لانے لگے تو آپ نے مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو۔ مگر ہاں (اتنی بات ضرور ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۱۵ ——— حجۃ الوداع

عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حلق راسہ فی حجۃ الوداع واناسٌ من اصحابہٖ وقصر بعضھم (بخاری کتاب المغازی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر مبارک منڈایا اور چند صحابہؓ نے بھی (منڈایا) اور بعض نے بال کتروائے۔

۱۶ ——— وصالِ مبارک

(ا) عن عائشۃؓ قالت کنت اسمع انہٗ لا یموت نبیٌ حتی یخیر بین الدنیا والآخرۃ فسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضہ الذی مات فیہ واخذتہ بحۃٌ یقول مع الذین انعم اللہ علیھم الایۃ۔ فظننت انہٗ خُیّر (بخاری باب مرض النبیؐ ووفاتہ)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ نبی کو اختیار دیا جاتا ہے چاہے دنیا میں رہے چاہے آخرت کو پسند کرے اگر آخرت کو پسند کرتا ہے تو وفات ہوتی ہے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے قریب سنا اور آپؐ کا گلا بیٹھ گیا تھا کہ آپ یہ پڑھتے ہیں۔ مع الذین انعم اللہ ..... تو میں نے سمجھ لیا کہ آپؐ کو اختیار دیا گیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(ب) عن انسؓ قال لما ثقل النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل یتغشاہ فقالت فاطمۃ واکرب اباہ فقال لھا لیس علی ابیک کرب بعد الیوم (ایضاً)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرتؐ پر مرض کی شدت ہوئی تو آپؐ بیہوش ہو گئے۔ حضرت فاطمہؓ رو کر کہنے لگیں۔ وائے میرے باپ کی تکلیف! آپؐ نے فرمایا تیرے باپ کو اس روز کے بعد پھر تکلیف نہ ہوگی۔

(ج) عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی وھو ابن ثلاث و ستین (ایضاً)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

۱۷ ـــــــــ خصوصیات نبویؐ

عن ابی ھریرہؓ ان رسول اللہ صلعم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت بجوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون (مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی۔ اول یہ کہ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی۔ تیسرے اموال غنیمت کو میرے لئے حلال کر دیا گیا۔ چوتھے ساری زمین کو میرے لئے پاک اور مسجد بنایا۔ پانچویں مجھے ساری مخلوق کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اور چھٹے مجھ پر نبیوں کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔

(ب) عن ابی ھریرہ قال، قال رسول اللہ صلعم انا سید ولد آدم یوم القیامۃ واول من ینشق عنہ القبر واول شافع واول مشفع (ایضاً)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار بنوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائیگی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(ج) عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلعم انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامۃ وانا اول من یقرع باب الجنۃ۔ (مشکوٰۃ باب الفضائل صفحہ ۵۱۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے زیادہ میرے پیروکار ہوں گے۔ اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلواؤں گا۔

۱۸ ـــــــ صاحبِ خلقِ عظیم

(د) عن سعد بن ہشام قال قلتُ یا امّ المومنین حدثنی عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت اکستَ تقرؤ القرآن فانّ خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن (ابوداؤد مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت صفحہ ۱۹۰)

سعد بن ہشام سے روایت ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؛ آپ کا اخلاق من وعن قرآن تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سیاسی فضا (صفحہ ۲۳۲ سے آگے)

وغیرہ سے بھی لوگ بحری اور بری رستوں سے آتے تھے۔[1]

ان بازار و مجامع میں سب سے زیادہ اہم بازار عکاظ تھا جس میں حسب تذکرہ امور کے علاوہ یہ بازار گویا اہل عرب کی لیاقت کا امتحان گاہ تھی۔ جو جس قابل ہوتا تسلیم کر لیا جاتا اور تمام ملک میں اسکی شہرت ہو جاتی۔ ہر شاعر، خطیب اور مقرر کا درجہ متعین ہوتا اور وہی سارے عرب میں آناً فاناً مشہور ہو جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ ان میلوں اور بازاروں نے پورے عرب میں نہ صرف ایک معاشی وفاق قائم کر دیا تھا بلکہ اس وفاق کی بدولت آئندہ کے لئے سیاسی وفاق کی راہ بھی ہموار ہو گئی۔

عرب کے یہ وہ حالات تھے جب اسلام کا ظہور ہوا جس نے چند سال کے قلیل عرصہ میں اس سرزمین کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور وہ زمین جو کبھی بغض و عداوت، ظلم و ستم، جور و جفا، خونریزی و سفاکی، بدکاری و بدمعاشی اور گمراہی و ضلالت کا گہوارہ تھی صلح و آشتی، محبت و الفت، رحم و کرم، حلم و وفا، انصاف و عدل، امن و امان، شرافت و نجابت پاکیزگی و صداقت کا مسکن بن گئی۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ سوم

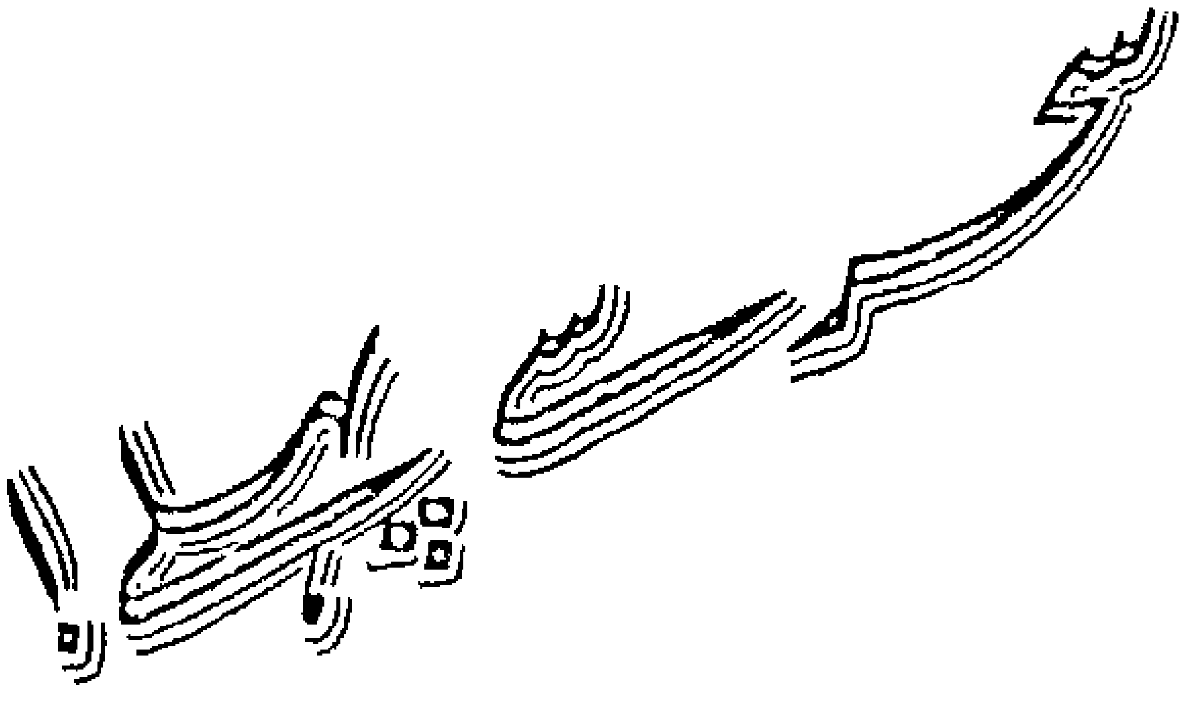

ظہر الفساد فی البر والبحر

(روم - ۴۱)

خشکی اور تری

ہر جگہ فساد ہی فساد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دنیا

- سیاسی حالت
- معاشرتی واخلاقی حالت
- مذہبی حالت

عرب

- مذہبی دائرے
- معاشی نظام
- سیاسی فضا
- معاشرتی ماحول
- عسکری حالات
- علمی افق

○ محمد کلیم ○ نثار احمد
○ علی محسن صدیقی ○ عبدالجلیل
○ ڈاکٹر محمد حمیداللہ ○ جمیل احمد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دنیا۔ فساد کی آغوش میں

محمد کلیم ایم اے

یہ صداقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ بعثت نبویؐ سے ذرا پہلے سیاسی، مذہبی، اخلاق معاشرتی ہر اعتبار سے انسانوں کی بستیاں بحیثیت مجموعی خیر سے محروم ہو چکی تھیں۔ زندگی کے تمام شعبے فساد سے پُر تھے اور جس ہمہ گیر اصلاح کی دنیا محتاج تھی اس کے لئے بقول شخصے "پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی"۔[1] اس اجمال کی تفصیل کے لئے ہمیں ربع مسکون کے سیاسی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔

(۱)

سیاسی حالت

سیاسی اعتبار سے وہ دور (چھٹی ساتویں صدی عیسوی) خالص آمریت کا دور تھا۔ جب مطلق العنانی بالکل عام تھی مخصوص خاندان، سلاطین اور چھوٹے چھوٹے گروہ حکمرانی کی مسند پر فائز تھے۔ آئین سیاست کی بنیاد عدل و انصاف کے بجائے ظلم و جبر، فتنہ و فساد اور کشت و خون پر مبنی تھی حکمرانی کی غرض و غایت رعایا کی خوشحالی اور فلاح و بہبود نہ تھی۔ بلکہ مقصود ستم ڈھانا اور ان کے خون پسینہ کی کمائی سے سامانِ

---

[1] سیرۃ النبی ج ۴ ص ۲۱۰۔ سید سلیمان ندوی۔ اعظم گڑھ۔ ۱۹۵۱ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عیش و تنعم فراہم کرنا تھا۔ سلطنت کا استحکام صرف طاقت کے زور پر تھا اور سیاست کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ مخالفین کو تمام اختیارات سے محروم کر دیا جائے۔

پوری دنیا میں ان ہی "اصولوں" کا دور دورہ تھا اور اس کے نتیجہ میں ایران و روم، چین و ہندوستان اور دوسری حکومتوں کا سیاسی نقشہ بگڑ چکا تھا، ہر طرف نراج کی کیفیت طاری تھی اور خانہ جنگیوں کا سلسلہ روز افزوں تھا، پھر اس سیاسی بگاڑ سے فائدہ اٹھا کر رہی سہی کسر وسط ایشیا کی وحشی اقوام نے پوری کر دی تھی۔

روم | رومتہ الکبریٰ کی سلطنت جو زوالِ یونان کے بعد دنیا کی عظیم الشان سلطنت شمار کی جاتی تھی، ۳۹۵ء میں دو حصوں میں بٹ چکی تھی، ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔ مشرقی حصہ کا تاجدار قسطنطینِ اعظم تھا جس کے مرنے (۳۳۷ء) کے بعد وہاں سیاسی خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اعیانِ سلطنت میں گروہ بندیاں قائم ہو گئیں اور باہمی نفاق اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا۔ بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں میں تقسیم ہو کر مختلف دعویداران سلطنت کے حصہ میں آئی۔ ناقابل فرمانرواؤں کی کمزوری دیکھ کر ایک طرف گوتھ ونڈال وغیرہ بعض وحشی قوموں نے حملے شروع کیے اور دوسری طرف خود دور افتادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روم کا مغربی بازو جو برطانیہ، فرانس وغیرہ پر مشتمل تھا بالکل کٹ گیا اور خود روم کا دارالحکومت دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا[1] بلکہ تقریباً ۴۷۶ء میں سلطنت کے مغربی حصہ پر وحشی اقوام کا مکمل قبضہ ہو گیا جسے جسٹینین جیسا بہادر فرماں روا بھی دوبارہ حاصل نہ کر سکا۔ حالانکہ اس کی بہادری یورپ میں ضرب المثل بن گئی تھی۔[2]

---

[1] سیرت النبی ج ۴ ص ۲۱۹، ۲۲۰ بحوالہ تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم از گبن

[2] تاریخ یورپ حصہ اول ص ۷۸ آلیور تھیچر اور فرڈینڈ شول، ترجمہ عبدالماجد، نواب حیدر یار جنگ، قاضی تلمذ جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۲۲ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پانچویں صدی کے خاتمہ پر مغربی حصہ نکل جانے کے بعد مشرقی صوبوں تک یعنی ڈینوب سے لے کر دجلہ و نیل تک کی سرزمین روم کے ماتحت رہ گئی تھی لیکن اس کی حالت بھی روز بروز نازک سے نازک تر ہوتی جاتی تھی مورخین کا بیان ہے کہ رومن فوج کی مجموعی تعداد جو ایک زمانہ میں ۶۴۵۰۰۰ (چھ لاکھ پینتالیس ہزار) تھی اب شاہ جسٹینین کے زمانے (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) میں گھٹ کر ایک چوتھائی سے بھی کم یعنی کل ۱۵۰۰۰۰ (ایک لاکھ پچاس ہزار) رہ گئی تھی اور وہ بھی نہایت متفرق و ابتر حالت میں، رعایا کی جیبیں خالی تھیں، فوج کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں اور امراء و اعیانِ سلطنت اپنے ذاتی مصارف کے لئے ہر طرح کے جعل و فریب، رشوت ستانی اور لوٹ مار کو جائز رکھتے تھے فوج میں یوں تو بہت سے سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے تھے لیکن میدان جنگ میں جانے کے وقت بہت تھوڑے سے لوگ تیار ہوتے تھے فوجی افسر فنِ جنگ کے بجائے اپنا وقت باہمی حسد و رقابت میں صرف کرتے اور ہر افسر کی یہ کوشش رہتی کہ دوسرے افسر کی بدنامی و ذلت سے فائدہ اٹھا کر خود ترقی و منصب حاصل کرے۔[1]

مزید برآں سلطنت کی عدم مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ خود رعایا حکمرانوں سے اس حد تک نفرت کرتی تھی کہ وحشی اقوام کو رومیوں پر ترجیح دیتی تھی، امراء و زراء اور سلاطین میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ عوام کے نفرت کے جذبات جب بغاوت کی شکل میں رونما ہوں تو ان کا سدِّباب کر سکیں غرض اندرونی بدنظمیوں سے ملک کی یہ نوبت پہنچ گئی کہ گبن کے الفاظ میں:۔

"اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تب بھی ان کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال سے نہیں بچا سکتی تھی۔[2]"

اس سیاسی ابتری اور انتشار کی سب سے اہم وجہ بلکہ سلطنتِ روما کے زوال

---

[1] سیرت النبیؐ ج ۴ ص ۲۲۱ بحوالہ تاریخ زوال و انحطاط روم۔ از گبن۔

[2] سیرت النبیؐ بحوالہ گبن۔ ص۔ ۲۲۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا بنیادی سبب ان کا خود ساختہ نظریہ بادشاہت تھا جس کی رو سے بادشاہت صرف کسی خاص گروہ یا کسی خاص جماعت یا وطن کا حق تھا" وہاں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت کرنا بنیادی قانون کی حیثیت رکھتے تھے جبکہ دوسری قومیں اور ممالک اس قومیت کے غلام تھے سلطنت روما ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظرانداز کر سکتی اور ہر ایک کی عزت و ناموس کو پامال کر سکتی تھی وہ ہر ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی فرد یا قوم رومیوں کے ظلم و ستم سے نہیں بچ سکتا تھا کسی قوم کو حکومت خود اختیاری اور اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے [1]

غرض اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ حکمرانی صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کی ملکیت بن جائے اور پوری انسانیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس طبقہ کی راحت رسانی اور عیش سامانی کے اسباب مہیا کئے جائیں رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) تحریر کرتا ہے۔

"جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں رومی سلطنت... انسانوں (پر ظلم و زیادتی کے ذریعہ) سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انسانوں کی مخصوص جماعت (حکمرانوں) کی راحت رسانی اور عیش و آرام کا سامان فراہم کرتی تھی" [2]

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول گبن کے اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔ اور گبن کی زبان میں "اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت

---

[1] - انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر - سید ابوالحسن علی ندوی - مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ - طبع چہارم ۱۹۶۳ء۔

[2] - دی میکنگ آف ہیومینیٹی - رابرٹ بریفالٹ - لندن ۱۹۲۸ء ص ۱۵۹ -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی ہو گئی تھی جس کے سائے میں ایک وقت تک تمام اقوام عالم آباد تھیں مگر اب ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں اور اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا خود پایۂ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے وہ بازار اور تماشا گاہیں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اب ویران اور سنسان پڑی تھیں۔"[1]

ایران جس طرح بعثت نبویؐ سے قبل سلطنت روم کے اوراق منتشر اور پراگندہ تھے ایران کی قبائے سیاست بھی اس سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی۔ ساسانی جاہ و جلال اب ماند پڑ گیا تھا مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خوں ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں سے نظام حکومت تہہ و بالا ہو چکا تھا۔

رومیوں کی طرح یہاں بھی مطلق العنان بادشاہت قائم تھی جو ایرانی نظام سیاست میں محور کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ وہاں کے حکمرانوں کا دعویٰ تھا کہ "ان کی رگوں میں خدائی خون ہے اور اہل ایران بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ گویا وہ خدا ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سربسجود ہوتے تھے ان کی الوہیت کے ترانے گاتے تھے اور انہیں قانون، تنقید اور بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے۔

ملک و قوم پر حکومت کرنے کے لئے ایک خاص گھرانہ (کیانی خاندان) متعین تھا اہل ایران سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک و سلطنت کے مالک ہو سکتے ہیں چنانچہ لوگ بادشاہ پر ایمان رکھتے تھے اور حکومت کو شاہی خاندان کا موروثی حق سمجھتے تھے اگر اس خاندان میں کوئی سن رسیدہ نہ ملتا تو بچہ ہی کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیتے اگر کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شہنشاہی پہناتے چنانچہ

[1] ۔ سیرۃ النبی ج ۴ ص ۲۲۲ بحوالہ گبن ج ۳ ص ۲۷۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیرویہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچہ اردشیر کو شہنشاہ بنایا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے کو طفلی کی حالت میں حکمراں بنایا گیا۔ اسی طرح پوران اور آزرمی دخت کو بھی تخت حکومت پر جلوہ افروز کیا گیا۔[1]

پانچویں صدی کے اختتام سے ساتویں صدی کے شروع تک کا دور ایرانی تاریخ میں رومی سلطنت سے جنگی آویزش کی ایک طویل داستان ہے بقول ایک مؤرخ کے اگر دونوں سلطنتوں کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو سوائے آپس کی جنگی آویزش کے اور کوئی نمایاں تعلقات نظر نہیں آتے۔ ان مسلسل جنگوں نے ایران کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ حکمراں ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ کس طرح دشمن کو شکست دی جائے ایک طرف توجہ بٹ جانے کی وجہ سے دوسرے دشمنوں خصوصاً سفید ہنوں کو ساسانی سلطنت پر یورش کا موقع ملا چنانچہ ایران پر ان کے حملے کا آغاز چوتھی صدی عیسوی میں ہی ہوگیا تھا اور چھٹی صدی عیسوی تک شمالی علاقے پر باقاعدہ ان کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔[2] مزید برآں ایران کی مرکزی حکومت اس درجہ کمزور ہوگئی تھی کہ خود ساسانی حکمران ان قبائل سے اپنے حریف کو شکست دینے کے لئے امداد مانگتے تھے اور تخت نشینی کی جنگ میں ان ہی قبائل کو خوش کر کے اور ان کی مدد کے ذریعہ فتح حاصل کرتے تھے۔ مثلاً ہرمز سوم (۴۵۷ء ۔ ۴۵۹ء) کے مقابلے پر اس کے بھائی فیروز اول (۴۵۹ء ۔ ۴۸۳ء) نے تاتاریوں سے مدد مانگی تھی۔[3] قباد اول (۴۸۷ء ۔ ۵۳۱ء) نے جب مزدکی مذہب کی سرپرستی قبول کی تو ملک میں ایک ہنگامہ ہوگیا جس کے نتیجہ میں قباد کو تخت سے معزول کر دیا گیا اور اس نے قید سے بھاگ کر تاتاریوں (سفید ہن) کے پاس

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۵۰ ۔ ۵۱ بحوالہ تاریخ طبری و تاریخ ایران از مکاریوس ایرانی۔

[2] دنیا کی مختصر تاریخ (انگریزی) جی ایچ ویلز۔ ص ۱۰۵۔

[3] تاریخ ایران قدیم۔ ج اول ص ۱۴۶ ڈاکٹر غلام سرور مکتبہ خورشید جہاں ۱۹۶۵ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پناہ لی اور آخران ہی کی مدد سے دوبارہ تخت نشین ہوا۔[1]

ایرانی حکمرانوں کی حالت یہ تھی کہ حکمراں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے بر سرِ اقتدار آتے ہی عموماً اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ بعد میں کوئی دعویدار سلطنت نہ کھڑا ہو جائے۔ اس قبیح حرکت میں نوشیروان عادل (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) بھی شامل تھا۔ رعایا اور فوج کے لوگ جب اور جس حکمراں کو چاہتے معزول یا قتل کر دیتے تھے۔ مثلاً بلاش (۴۸۳ء تا ۴۸۷ء) اور قباد کو معزول کیا گیا جبکہ ہرمز چہارم اور خسرو پرویز (۵۹۰ء تا ۶۲۸ء) قتل ہوئے۔[3]

ہندوستان سیاسی اعتبار سے ہندوستان کی حالت بھی روم، ایران سے کچھ کم خراب نہیں تھی۔ پانچویں صدی عیسوی کے اختتام سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز تک کا زمانہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ابتری اور گمنامی کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے[4] ۳۲۰ء میں جس عظیم الشان گپت سلطنت کی بنیاد پڑی تھی وہ پانچویں صدی کے پہلے نصف تک ہندوستان کی مرکزی حکومت کی حیثیت سے قائم رہی لیکن پھر روم اور ایران کی طرح وسط ایشیا کی وحشی اقوام نے گپت سلطنت کو بھی زمانۂ شباب میں زوال سے ہمکنار کر دیا اور اس طرح ہندوستان بھی ان کی اس عظیم الشان سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا جو ایشیا اور یورپ پر پھیلی ہوئی تھی۔[5] گپت سلطنت کے زوال کے بعد سے ہرش وردھن کے تخت نشین ہونے تک کا زمانہ (۵۰۰ء تا ۶۰۶ء) ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک تاریک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ گپت سلطنت کا زوال اور ھن حملہ آوروں کی آمد

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸۔

۲۔ ایضاً۔ ص۔ ۱۴۹۔ ۳۔ ایضاً ص ۱۴۷، ۱۵۵۔

۴۔ ہسٹری آف انڈیا۔ ص ۱۷۷۔ مکرجی۔ کلکتہ۔ ۲۵واں ایڈیشن۔

۵۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ (انگریزی) وی۔ اے۔ اسمتھ۔ آکسفورڈ ۱۹۵۷ء ص ۳۳۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں دراصل ایک نہایت اہم موڑ ہے[1] گپت سلطنت کا زوال بہت سے ناگزیر نتائج کا سبب بنا صوبائی گورنروں اور جاگیردار ریاستوں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ پورا شمالی ہندوستان بہت سی آزاد ریاستوں میں منقسم ہوگیا[2]۔ ہندوستان کی اس سیاسی صورتحال کے متعلق اسمتھ لکھتا ہے۔

"چھٹی صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں ہندوستان کی تاریخ سے متعلق بہت ہی کم معلومات فراہم ہوتی ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہاں کسی کامل اقتدار رکھنے والی طاقت کا وجود نہیں تھا اور وادی گنگا کی تمام ریاستیں ہن قبائل کے حملوں سے تہہ وبالا ہوچکی تھیں[3]"

جو خودمختار ریاستیں گپت سلطنت کے کھنڈرات پر قائم ہوئیں ان میں سے کسی ایک کو بھی مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی صرف وسط ہندوستان میں ۹ خودمختار ریاستیں قائم تھیں۔ بنگال کئی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا اور اسمتھ کے بقول کشمیر، سندھ، آسام اور نیپال میں الگ ریاستیں قائم تھیں۔ ان ریاستوں کی آپس کی کشمکش کے نتیجہ میں بالآخر ہرش وردھن کی تھانیسر کی حکومت نے مخالفین کو مغلوب کرکے اپنے آپ کو مستحکم کیا۔ اس سلطنت کا عروج ہرش وردھن کے زمانے ۶۰۶ء میں ہوا اس دور کو ہم ہندوستان کی سیاسی یکجہتی کا عارضی زمانہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کی وفات کے بعد پھر سابقہ سیاسی صورتحال رونما ہوگئی۔

چین روم وایران اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر ہے اور زمین مادہ اور کائنات کو انہیں دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ

---

[1] - اسمتھ ـ ص ـ ۱۷۶

[2] - قدیم ہند (انگریزی) آر سی مجمدار ـ بنارس ۱۹۵۲ء ـ ص ـ ۲۶۰ ـ

[3] - اسمتھ ـ ص ـ ۱۷۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خشا اول زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔ اسی بنا پر شاہ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کو حق تھا کہ جو چاہے کرے، لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں۔ شہنشاہ لی یان یا نائی تسنگ جب مرا ہے تو اہل چین نے سخت ماتم کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے اور کسی نے جنازہ سے اپنے کان مار مار کر زخمی کر لئے[1] لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتنی سخت شاہ پرستی کے باوجود بعثت نبوی سے قبل چین میں سلطنت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکا۔ خانہ جنگیاں معمول بن چکی تھیں بیرونی حملہ آوروں نے پورے نظام سیاست کو برباد کر دیا تھا اور تقریباً "۴۰۰ سال سے چین سیاسی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔[2] چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی کشمکش نے فتنہ و فساد اور خونریزی کو اتنا بڑھایا کہ یہ سلسلہ تقریباً ۵۵۰ء تک جاری رہا۔ بہر حال پھر اس طویل عرصے کی سیاسی کشیدگی اور انتشار کے بعد چین میں سوئی خاندان کی سلطنت (۵۸۹ء ۔ ۶۱۸ء) قائم ہوئی۔ سوئی سلطنت کے بعد تانگ (Tang) حکومت کا زمانہ (۶۱۸ء سے ۹۰۷ء) شروع ہوتا ہے ان دونوں حکومتوں کے زمانے میں امن و امان کی فضا قائم ہو گئی۔[3]

اسپین دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اسپین کی سیاسی حالت بھی اس زمانے میں ابتر تھی وہ رومی حکومت کے زوال کے بعد سے وحشی اقوام کی گزرگاہ بن گیا تھا۔ یہاں پہلے گاتھ فرمانروا ہوئے، پھر ونڈال آئے اور ونڈالوں کے بعد دوبارہ گاتھ قوم حکمراں ہوئی، گاتھ قوم کا سیاسی نظام شاہی کونسل اور مذہبی کونسل کے اشتراک سے روبہ عمل آیا۔ راہب و پادری ہر وقت اپنے اپنے اقتدار کی فکر میں رہتے تھے۔ اس سیاسی رسہ کشی سے ملک کے استحکام اور اس کی معیشت و معاشرت میں دن بدن خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ مذہبی راہنماؤں کی

---

[1] ۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۔ ۷۶ ۔

[2] ۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (انگریزی) جلد ۵۔ ص۔ ۵۲۲ ۔ لندن ۱۹۵۰ء ۔

[3] ۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۵۲۶ ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

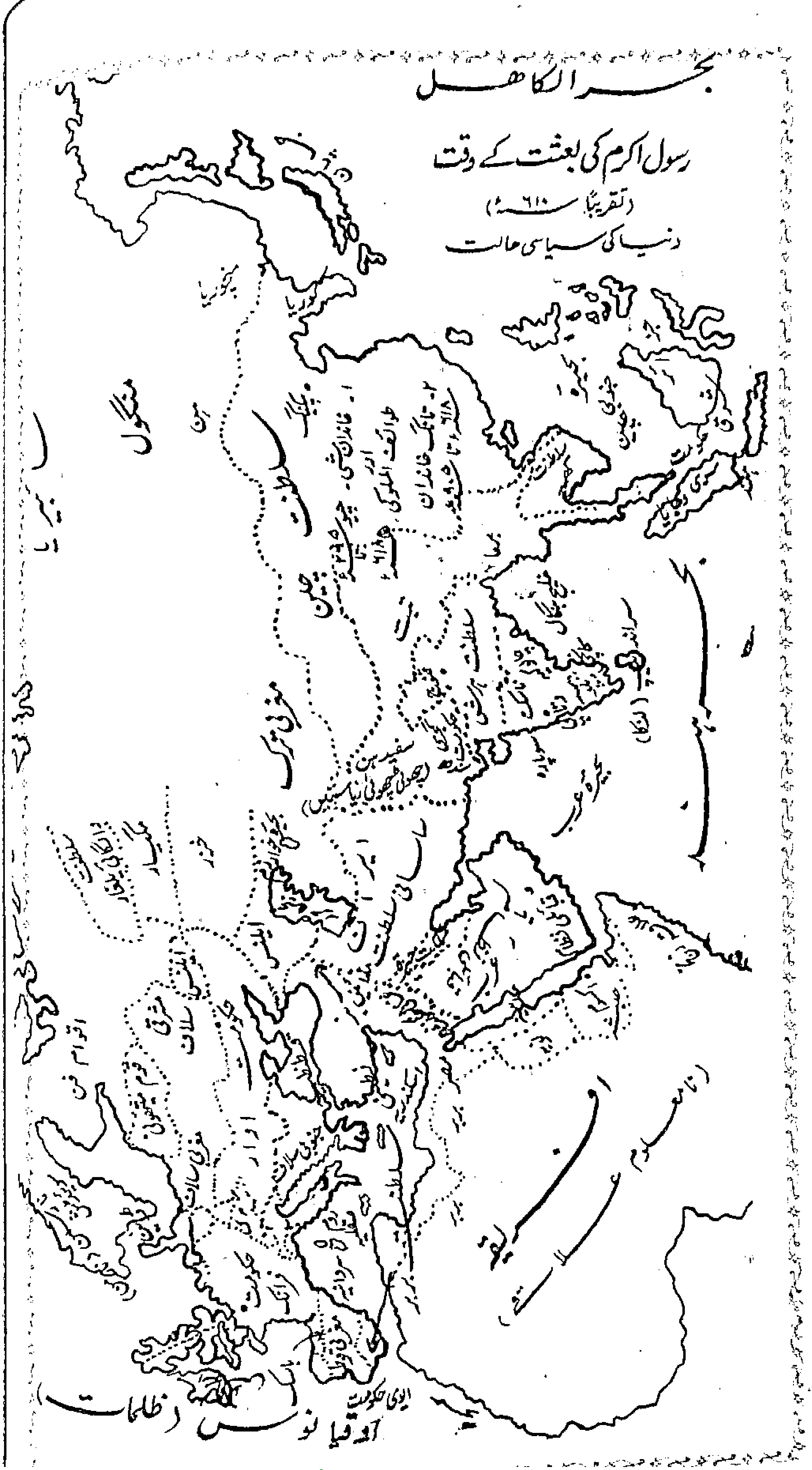

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوشش ہوتی تھی کہ ہر اس چیز کی حمایت کی جائے جو ان کے اقتدار کو بحال کرے خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ ملک کے مفاد کے موافق ہو یا اس کے خلاف یہی حالت حکمرانوں کی بھی تھی۔[1]

مغربی دنیا اسی طرح وہ مغربی قومیں اور حکومتیں جو بالکل شمالی و مغربی یورپ میں آباد تھیں وہاں بھی سیاسی بیداری کا نام نہیں ملتا ہے۔ ایچ جی ویلز کے بیان کے مطابق اس زمانہ میں مغربی یورپ کے اندر یکجہتی اور نظم و ضبط کے کوئی آثار نہ تھے[2] اور چھٹی صدی عیسوی مغربی دنیا کے لئے بالکل تاریک زمانہ تھا۔[3] نیز جزائر برطانیہ آزاد ریاستوں میں تقسیم تھا ڈیڑھ سو سال رومیوں کو روانہ ہوئے ہو چکے تھے جن کی جگہ نارڈک لوگوں نے لے لی تھی خود انگلستان سات مختلف بادشاہوں پر مشتمل تھا۔[4] بہرحال دنیا کے ان مختلف ممالک کے علاوہ دوسرے حصّوں کی حالت بھی کم و بیش یہی تھی۔

(۲)

معاشرتی و اخلاقی حالت

معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے بھی دنیا اس زمانے میں اپنی انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی۔ انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ کر اپنی اجتماعی قوت اور افادیت کو کھو چکا تھا۔ اخلاقی امراض نے انسانی جسم کو بے جان کر دیا تھا۔ اگر ایک طبقہ عیش و عشرت حرص و ہوس اور لذتِ نفس کی تسکین میں مبتلا ہو کر زندگی کے دیگر مشاغل سے غافل ہو چکا تھا۔ تو دوسرا طبقہ محصولات اور حکومت کے بے جا مطالبات کی چکی میں پس رہا تھا اور تیسرا طبقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا درندوں سے بدتر زندگی گذارنے پر مجبور تھا۔ غرض ہر طرف اجتماعی بدنظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال برپا تھا۔

۱۔ تاریخ اندلس ریاست علی ندوی ص ۵۴-۵۵ اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء۔

۲۔ ص ۱۷۵۔ ۳۔ ایضاً ص ۱۷۰۔

۴۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۷۳ بحوالہ "پیغامبر" از بوڈلے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکمراں طبقہ معاشرۂ انسانی کا سب سے اہم طبقہ حکمرانوں، شہزادوں، اہل دربار اور جاگیردار و دولتمندوں پر مشتمل تھا۔ اسی طبقہ سے یہ امید ہو سکتی تھی کہ وہ معاشرتی برائیوں کے سدّباب کے لئے ثروت و اقتدار کو بروئے کار لائے گا لیکن افسوس کہ یہی طبقہ اس زمانے میں تمام معاشرتی اور اخلاقی خرابیوں کا سرچشمہ تھا اور جس سے پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ یہ خود قانون بناتے تھے جو ان کی خواہشات کے تابع ہوتا تھا وہ کسی معاشرتی اخلاقی اور روحانی قانون کے پابند نہیں ہوتے تھے یہی کہ ان کو برائیوں سے روکنے کے لئے خود ان کا ضمیر بھی بیدار نہ تھا۔ عیش و راحت آرام و آسائش ان کے لئے گویا مخصوص ہو گئی تھی۔ سونا چاندی ان کی ملکیت تھی۔ زر و جواہر ریشم و کمخواب پر صرف ان کا ہی حق تھا۔

روم۔ ایران کے حکمراں جو اس زمانے میں انسانی قیادت کے دعویدار تھے ایک پُرفریب اور مصنوعی زندگی گذار رہے تھے۔ ان کے رؤسا، امراء اور وزراء کو لذت اندوزی کے سوا کسی بات کی فکر نہیں تھی۔ عیاشی کی وہ انتہا تھی کہ قیاس کام نہیں کرتا تکلفات زندگی، تعیشات اور سامان آرائش کی وہ بہتات تھی اور اس میں ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے[1] پارسی مؤرخ شاہیں مکارلوس کے مطابق "کسریٰ پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں پچاس ہزار اصیل گھوڑے اور اسی قدر سامان تعیش، محلات، نقد و جواہرات اتنے تھے کہ اندازہ مشکل ہے اس کا محل اپنی شان و شوکت اور عظمت میں جواب نہیں رکھتا تھا"[2]

ٹیکسوں کا بار اعلیٰ طبقہ کی اس مسرفانہ اور عیش پسندانہ زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکسوں اور لگان وغیرہ میں اضافہ کیا گیا جو رعایا کیلئے ناقابل برداشت تھا۔

---

[1] - انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۸۵ - بحوالہ ایران بعہد ساسانیاں۔

[2] - ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر ٹیکسوں کی وصولیابی میں زیادتی، ظلم، سختی اور بددیانتی برتی جاتی تھی جنگی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عوام پر ٹیکسوں کی شرح بھی دو گنی اور چوگنی ہوتی رہتی تھی۔ ایران میں ٹیکسوں کی وصولیابی پر ہی اکتفا نہ کیا گیا۔ باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے[1]

اسی طرح رومی سلطنت میں ٹیکسوں کی کثرت تھی۔ حکمراں اپنے ذاتی مصارف کے لئے رعایا سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ جسٹینین کے عہد میں رعایا پر حکمراں کے ذاتی مصارف اور اہل دربار کے تکلفات کو پورا کرنے کے لئے اس قدر ٹیکس لگایا گیا کہ رعایا کا دیوالیہ نکل گیا[2]

طبقاتی کشمکش حکمراں اور مقتدر طبقہ کی عیش پرستی اور دولت مندی نے پورے انسانی معاشرہ کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا انھوں نے ساری لذتوں اور راحتوں کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے لئے قوانین بنائے ظلم و تشدد کیا۔ لوگوں کو حقوق سے محروم رکھا اور انہیں ذلیل و کمتر سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اونچ نیچ کا فرق طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم انسانی معاشرہ اور نظام زندگی کا اٹل قانون بن گیا مثلاً ایران میں حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقۂ امراء میں سے کسی کی جائیداد کو خرید سکیں سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا ہرگز خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۹۱۔

[2] تاریخ یورپ حصہ اول۔ الیونیچر۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے۔ شاہان ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے سپرد نہ کرتے تھے سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک جگہ معین تھی۔[1]

یہ حال صرف ایران کا ہی نہ تھا بلکہ اس کی ہمسایہ بازنطینی سلطنت کا بھی تھا رومی معاشرہ اپنے انحطاط کے دور میں سخت درجہ کی ظالمانہ طبقہ واریت کے شکنجہ میں گھرا ہوا تھا معاشرہ میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ اپنا پیشہ بدل سکے۔ ہر لڑکے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے باپ ہی کا پیشہ اختیار کرے۔[2] یہی صورت اسپین میں بھی تھی جہاں حکمرانوں، پادریوں، سرفوں، اور غلاموں کے طبقے موجود تھے اور جن کے درمیان یکساں نزاع موجود تھی۔

ہندوستان طبقہ واریت میں تمام اقوام عالم سے بڑھ گیا تھا۔ منوشاستر میں چار ذاتیں بیان کی گئی ہیں (۱) برہمن یعنی مذہبی پیشوا (۲) چھتری لڑنے والے (۳) ویش زراعت و تجارت پیشہ اور (۴) شودر جن کا کوئی خاص پیشہ نہیں تھا جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے پھر تماشہ یہ ہے کہ اس تقسیم کو الہامی سمجھتے تھے۔ منوشاستر میں ہے کہ:۔

"قادر مطلق نے دنیاوی بہبودی کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں اور اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا۔"[3]

مزید برآں ایسے قوانین وضع کئے گئے جس سے علانیہ ذاتوں کی پاسداری وحمایت اور بعض پر جبر و ستم مقصود تھا۔ مثال کے لئے چند قوانین درج ذیل ہیں

"(الف) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب ہو چکا ہو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔

(ب) کسی اونچی ذات کے مرد کا نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا

۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۵۲۔ بحوالہ ارتھر کرسٹن سین۔

۲۔ بریفالٹ ص ۱۸۰۔

۳۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۶۲۔ بحوالہ منوشاستر۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کوئی جرم نہیں۔

(ج) کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ کافی ہے

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے۔

(ہ) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضا قطع کر ڈالنا چاہیئے۔ اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنا چاہیئے اور اگر اس کو تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیئے"[1]

اخلاقی تنزل اور جنسی بحران معاشرتی اور اخلاقی زوال کے اس زمانے میں شہوت و جنسی تحریکات نے جنم لیا اور شہوت پرستی نے مذہب کا چولہ اختیار کیا ایران میں جنسی بے راہ روی عام تھی شہوانی رجحانات کی روک تھام کے لئے ایک غیر فطری تحریک مانی مذہب کی اٹھی جس نے نکاح کو حرام قرار دے دیا۔ پھر معاملہ اس انتہا کو پہنچا کہ جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا میں ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھے جاتے ہیں ایرانیوں کو ان کی حرمت و کراہت تسلیم نہیں تھی۔ یزدگرد دوم جس نے پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی ہے اس نے اپنی لڑکی کو زوجیت میں رکھا پھر قتل کر دیا۔ بہرام چوبیں جو چھٹی صدی عیسوی میں حکمراں تھا اس نے اپنی بہن سے ازدواجی تعلق رکھا۔[2] حیرت اس پر ہے کہ ایرانیوں کے نزدیک اس قسم کے رشتے ثواب اور عبادت کے کام تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک دوسرا مذہب پیدا ہوا جس کا بانی مزدک تھا جس نے کہا کہ مرد عورت کو ایک دوسرے کی ملکیت میں مساوی حقوق حاصل ہیں ہر مرد کے لئے تمام عورتیں حلال ہیں نوجوانوں اور شہوت کے بھوکوں کی مراد بر آئی

---

[1] سیرۃ النبیؐ ج ۴۔ ص ۲۳۱۔ بحوالہ۔ آر۔ سی۔ دت کی ہندوستان قدیم ص ۳۴۲ – ۳۴۳۔

[2] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۴۷۔ [3] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکمران وقت نے اس مذہب کی سرپرستی قبول کر لی۔ پھر کیا تھا "جو چاہتا جس کے گھر میں چاہتا گھس جاتا مال و زن پر قبضہ کر لیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا اور نہ لڑکا اپنے باپ کو"[1]

شہوانی جذبات کے ابھارنے اور ان کو مذہب کا رنگ دینے میں ہندوستان باقی اقوام سے بڑھ گیا تھا۔ لنگم کی پوجا عام تھی جس میں مرد عورت اور بچے سب شامل ہوتے تھے بعض فرقوں کے مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو برہنہ کر کے ان کی پوجا کرتی تھیں[2]۔ مذہبی تہواروں میں شراب پی کر لوگ ایسے بدمست ہوتے تھے کہ پھر انہیں ماں بہن، بیٹی اور اپنی اور پرائی کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی[3]۔ ہندوؤں کے مندر اسی قسم کی علامات سے منقش ہوا کرتے تھے "اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو لنگم خیال کرتے ہیں اور اسطوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں[4]"

عورت کی حیثیت انسانی معاشرے میں عورت کے ساتھ مساوی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کو ایک کمزور اور بے کار شے خیال کیا جاتا تھا یا پھر جنسی تسکین کا ایک ذریعہ۔ دختر کشی کا رواج صرف عرب ہی تک محدود نہ تھا بلکہ ہندوستان میں بھی اس کا خاصا رواج تھا[5]۔ بیواؤں کو زندہ جلانے کی رسم جس کو ستی کہتے ہیں رائج تھی عورتوں کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا بھی حق حاصل نہیں تھا ایران میں ہندوستان سے بدتر حالت تھی۔ مرد جب چاہتا عورت سے شادی کر لیتا اور جتنی عورتوں سے

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۴۹ بحوالہ طبری۔

[2] تمدن ہند ص ۴۴ ترجمہ سید علی بلگرامی۔

[3] سیرۃ النبی ج ۴۔ ص ۲۳۲۔

[4] تمدن ہند۔ ص۔ ۴۴۷۔

[5] اسلام اور مذاہب عالم ص ۲۳۳ مظہر الدین صدیقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چاہتا شادی کرتا اور جب چاہتا اس کو طلاق دے دیتا تھا شادی کے سلسلے میں خونی رشتوں کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا عورتوں پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی جاتی تھیں ایران میں عورتوں کی حفاظت کے لئے مردوں کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ یونان میں عورتوں کو گھروں میں بالکل مقفل رکھا جاتا تھا[1] مندروں میں عورتوں کو دیوداسیوں اور پجارن بننے کے لئے لے جایا جاتا تھا کلیساؤں میں راہبہ بنانے اور زندگی کی آسائش سے کنارہ کشی اختیار کر کے خالص دین کی خدمت کرنے کے لئے وقف کیا جاتا تھا لیکن مندر کے پجاری اور کلیسا کے پادری مذہب کی آڑ میں ان کی عصمت کو باقی نہ رہنے دیتے تھے

غلاموں کی حالت | معاشرہ کا سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا جو دنیا کی تمام لذتوں سے محروم انسانوں کی خدمت کرتا اور خدمت کے صلے میں ظلم سہتا تھا اور جس کے لئے مشہور معلم اخلاق ارسطو کہتا ہے کہ غلاموں کو قدرت نے محض غلامی اور خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اہل روم ان کو وحشی و بربر سمجھتے تھے اور ان کے قانون میں اس بدقسمت مخلوق کے لئے قتل یا غلامی کے سوا کوئی تیسری صورت موجود نہ تھی ان کے نزدیک ان قوموں کو غلام بنانے کے لئے ان سے جنگ کرنا بھی صحیح طریقہ تھا اور ثروت و عزت کے حصول کا بھی بہترین ذریعہ تھا[2]

اسپین میں جس طبقہ کی سب سے زیادہ حالت خراب تھی وہ ان ہی بدقسمت غلاموں کا تھا" یہ مواشی یا خانہ داری کے اسباب کی طرح بلا تکلف فروخت کئے جاتے تھے ان کی تعداد ان کے آقاؤں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھی۔ لوگوں کے پاس تنگدستی کے زمانے میں چار چار ہزار غلام ہوا کرتے تھے۔ غلاموں پر سختیاں بڑی بے رحمی سے کی جاتی تھیں بعض وقت ایک آقا اپنے غلام کو تین سو کوڑے اس قصور

---

[1] - اسلام اور مذاہب عالم - ص ۲۳۲ -

[2] - الجہاد فی الاسلام - ابوالاعلیٰ مودودی - ص - ۱۶۵ - اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پر لگاتا کہ گرم پانی کے لیے اسے انتظار کرنا پڑا۔ آقاؤں کے ہاتھ سے جو ظلم ہوتے تھے وہ تو ہوتے ہی تھے لیکن غلاموں کے کاموں پر ان کے افسر اور نگران ان کا جو بے رحمی کرتے تھے وہ بیان سے باہر ہیں[1]

غرض معاشرہ میں نہ تو ان کے حقوق متعین تھے نہ ان کی جان کی قیمت تھی اور نہ ان کے ناموس کی حفاظت کی جاتی تھی بلکہ " وہ ذلت کے بچپن، مشقت کی جوانی اور بے رحمانہ تغافلی کے بڑھاپے میں پیدائش سے موت تک کے مراحل طے کرتے تھے[2] اور ان کو حقوق تو کیا دیئے جاتے اس کے برعکس ان کی جان کی بے حرمتی اور عزت و ناموس لوٹنے کے انتظامات قانون میں کئے گئے تھے مثلاً رومی قوانین غلاموں کے لیے اس قدر سخت تھے کہ اگر کوئی غلام آقا پر دست درازی کرتا تو اس کو اور بعض اوقات اس کے سارے خاندان کو موت کی سزا دے دی جاتی تھی[3] اور ۶۱۱ء میں جب ہرقل کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد اس کی بیوی لوڈوکسیا کا انتقال ہوا اور اس کا جنازہ قبرستان کی طرف چلا تو اتفاق سے ایک لونڈی نے اس کی مشایعت کرتے ہوئے زمین پر تھوک دیا اس قصور میں وہ فوراً گرفتار کی گئی اور اس کے قتل کا حکم دیدیا گیا[4]

ہندوستان کے بدقسمت شودر بھی اسی طبقہ کے ایک جز تھے۔ ان کو قانونی طور پر اپنے سے تین بڑی ذات والوں کی خدمت کرنا پڑتی تھی ان کی حیثیت شہری اور مذہبی قانون کی رو سے جانوروں سے پست اور کتوں سے زیادہ ذلیل تھی[5]

" شودروں کی قوم ایک ایسی غلامی میں مبتلا تھی کہ تعلیم و تربیت تہذیب و اخلاق اور دین و ایمان ہر چیز سے محروم رہنا اس کا فرض تھا۔ وید کی آواز بھی

---

۱ - عبرت نامہ اندلس۔ ڈوزی۔ ترجمہ مولوی عنایت اللہ ج اول صفحہ ۳۸۷۔

۲ - الجہاد فی الاسلام ص ۱۶۷ - ۳ - ایضاً - ۴ - ایضاً -

۵ - انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۴۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے کان میں پڑجائے تو اس میں سیسہ پگھلا کر ڈال دینے کا حکم تھا۔[1]

(۳)

مذہبی حالت

بعثت نبویؐ سے قبل جو اہم مذاہب موجود تھے ان میں سے مجوسیت، زرتشیت، عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت ——— قابل ذکر ہیں، زرتشتی مذہب ایرانیوں کا تھا جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک محیط تھا۔ عیسائیت رومیوں کا مذہب تھا جو یورپ ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا، ہندومت ہندوستان اور اس کے گردونواح میں پھیلا ہوا تھا بدھ مت بھی ہندوستان چین، تبت اور جنوبی ایشیا کی اقوام کا مذہب تھا۔ یہودیت کا کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ یہودی مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے بکھرے ہوئے تھے۔

ایرانی مذاہب زمانہ قدیم میں ایرانی قوم مظاہر قدرت کی پرستار تھی ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشتی[2] مذہب کا آغاز ہوا جس کے اعتقاد میں آگ اور تمام روشنیوں کی پرستش ضروری تھی۔ آگ کی عبادت اس مذہب میں خدا کی عبادت کے مترادف تھی۔ اس لئے ملک بھر میں بڑے آتشکدے بنے اور لوگوں

---

[1] سیرۃ النبیؐ ج ۔ ۴ ۔ ص ۲۳۲ ۔ ۲۳۳ ۔

[2] ۔ زرتشت اس مذہب کے بانی کا نام تھا۔ ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کے درمیان صوبہ آذربائیجان کے مقام اُرومیہ میں پیدا ہوا۔ زرتشت کو اپنی عمر کے بیسویں سال اس امر کا احساس ہوا کہ اس کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نئے دین کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ شروع میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ مشرقی ایران میں گشتاسپ یا دستاسپ کے دربار میں گیا اور دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اُسے اپنے دین پر لایا۔ گشتاسپ کے زرتشتی مذہب (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

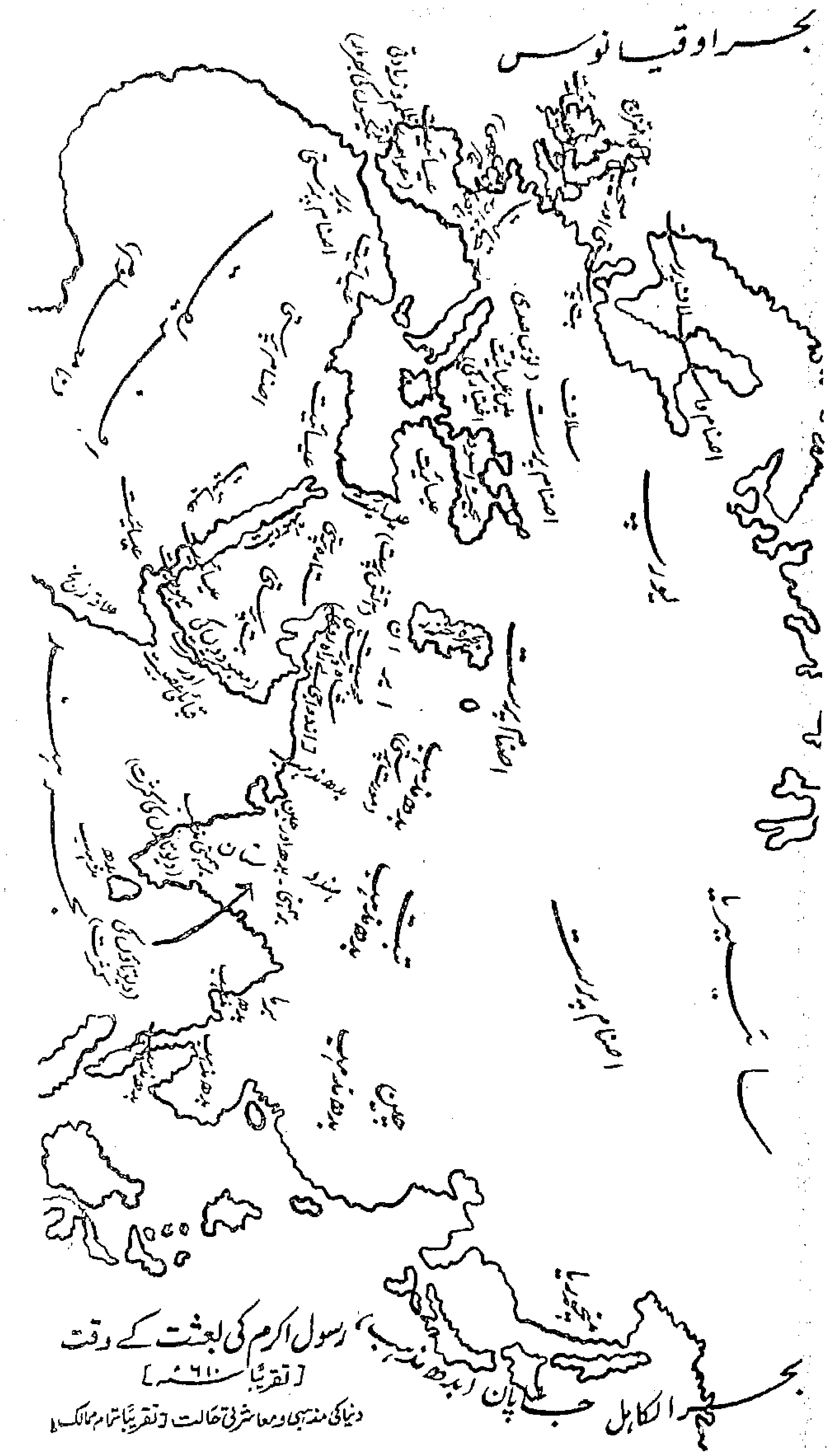

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی خاص عبادت آگ پرستی ہو گئی لیکن چونکہ آگ اپنے پجاریوں کو راہ مستقیم دکھلانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی اور اس کی عبادت سے زندگی کے گوناگوں مسائل حل نہیں ہو سکتے تھے یہ آگ اس اندھیرے اور تاریکی میں روشنی نہیں کر سکتی تھی جب یہ پوری کائنات ڈوبی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مذہب اس وقت تک چند مراسم اور روایات کا نام رہ گیا تھا جنہیں مخصوص اوقات میں اور خاص خاص مقامات پر ادا کیا جاتا تھا۔[۱]

تیسری صدی عیسوی میں مانی[۲] کے مذہب کا آغاز ہوا جو مسیحیت و مجوسیت کی آمیزش کا مرقع تھا جس میں نور و ظلمت کا ایک ایسا گورکھ دھندا تھا جس سے آخیر تک اس قوم کو نکلنا نصیب نہ ہوا[۳] اس مذہب نے تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی اور عورتوں سے نکاح کو حرام ٹھہرایا تاکہ انسان جلد سے جلد فنا ہو جائے اور انسانی نسل کا سلسلہ منقطع ہو کر نور کو ظلمت پر فتح حاصل ہو۔ یہ مذہب بھی سابق مذاہب کی طرح انسانی مسائل کے حل میں ناکام ہوا اور بہرام نے ۲۷۶ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے قتل کر ڈالا کہ تو دنیا کو تباہی کی دعوت دیتا ہے بانی مذہب کے قتل ہونے کے باوجود اس مذہب کے اثرات صدیوں ایران میں قائم رہے اور اسلامی فتح کے

(بقیہ حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ) ایمان لانے کے بعد اس مذہب کے پھیلنے میں آسانیاں پیدا ہو گئیں اور پورے ایران میں پھیل گیا۔ ساسانی حکمرانوں کا بھی یہ سرکاری مذہب تھا۔ (مرتب)

۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص۔ ۵۳۔

۲۔ مانی ۲۱۵ء میں بابل کے قریب پیدا ہوا۔ ۲۴ سال کی عمر میں اس نے پیغمبری کا اعلان کیا۔ مذہب مانی میں بارہ پیشوا۔ بہتر برگزیدگان اور اس کے علاوہ مومنین ہوتے تھے یہ سب اتوار کو جمع ہوتے۔ مذہبی سرود پڑھتے، گوشت کھانے، شراب پینے کا حکم نہ تھا۔ عورتوں سے دور رہنا ثواب تھا۔ مانی زرتشت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائل تھا۔ (مرتب)

۳۔ سیرۃ النبیؐ ج۔ ۴ ص۔ ۲۱۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد تک ان کے اثرات باقی رہے[1]

اس عہد میں ایک اور مذہب پیدا ہوا جو مزدکی[2] مذہب کے نام سے مشہور ہے اس مذہب کی خاص تعلیم یہ تھی کہ دولت اور عورت کسی خاص شخص کی ملک نہیں بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیئے چنانچہ مزدکی عقائد کی رو سے ایک شخص کی بیوی ہر شخص سے ہم بستر ہو سکتی تھی عیش پرست اور ہوس ران دونوں نے اس مذہب کو خوشی سے قبول کیا اور بہت جلد اس مذہب کو حکمراں وقت قباد (۴۸۷ ۔ ۵۳۱ء) کی سرپرستی حاصل ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ پورا ملک جنسی بحران میں ڈوب گیا۔ مگر اہل ایران بہت جلد اس سے پریشان ہو گئے اور نوشیرواں عادل نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد اس مذہب کے تقریباً ایک لاکھ سے زائد پیروں کو قتل کر کے اس کا زور توڑ ڈالا۔

رومی مذہب[3] بعثت نبوی سے قبل اہل روم کی مذہبی حالت بڑی حد تک تباہ ہو چکی تھی حضرت عیسیٰؑ اور مریم اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کے تعین نے بیسیوں فرقے پیدا کر رہے تھے جن میں زبانی مناظروں سے گذر کر جنگ و جدال کی نوبت آگئی تھی یہاں تک کہ ۵۱۲ء میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک زبردست مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۰۰۰,۵ عیسائیوں کو خارج البلد ہونا پڑا اس کے علاوہ ہمہ وقت ایک فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا تھا اور بارہا چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت و خون کی نوبت آجاتی تھی پادریوں نے اپنے تعصب مذہبی کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا اس بنا پر محض حب جاہ کی خاطر ہر طرح کی ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ راھب اور پادریوں میں کشت و خون

---

[1] ۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۔ ص ۴۸۔

[2] ۔ مزدک نیشاپور میں پیدا ہوا تھا۔

[3] ۔ یہ حصہ سیرۃ النبیؐ جلد چہارم سے (ص ۲۱۸ سے ۲۲۹) ماخوذ ہے کہیں کہیں جزوی اضافہ کیا گیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتا تھا۔ ارسٹس نامی پادری ایک روز جب راستہ سے گذر رہا تھا تو ۱۵۰۰ راہبوں کی جماعت نے اس پر حملہ کر دیا اور اپنی سنگ باری سے اس کو خون میں نہلا دیا ارسٹس کی ایک خاتون دوست ہلیشیا نامی تھی وہ ایک روز اپنی درسگاہ سے واپس آرہی تھی کہ راہبوں کے ایک بڑے گروہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ گاڑی سے اتار کر برہنہ کی گئی اور اس حالت میں تمام شہر کی سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے اسے کلیسا میں لائے۔ جہاں پہنچ کر پادری پیٹر نے گرز سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ قتل کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور لاش جسم کو آگ میں ڈال دیا۔ یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں رومیوں کے زیرِ سایہ عیسوی مذہب پھیلا ہوا تھا یعقوبی، نسطوری اور دوسرے فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے وہ دور دراز صوبوں اور ملکوں میں اپنی پناہ ڈھونڈتے تھے۔

بہرحال مؤرخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے وہ اس کے لئے باعث ننگ ہے۔ مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ —— بت پرستانہ عقیدوں نے مسیحی مذہب کا روپ دھار لیا تھا ضعیف الاعتقادی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قبر پرستی عام تھی اور ہر بڑے پادری سے اس کی وفات کے بعد دعا مانگی جاتی تھی۔ ملک شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے ان کے معتقد اُن کو سجدے کرتے تھے مسیح و مریم، روح القدس اور حواریّین اور مسیحیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش اس کثرت سے ہوتی تھی کہ اس کی نظیر زمانہ مابعد کے رومن کیتھولک فرقہ کی بت پرستی میں بھی نہیں ملتی[1] خود قسطنطنیہ کی چار دیواری کے اندر کثرت سے شرک و بت پرستی ہوتی تھی اور کاشتکار تو تقریباً سب کے سب بت پرست تھے[1] اسی زمانے میں ایک گروہ مریمی کے نام سے پیدا ہوا۔ جو حضرت مریم کو بھی

[1] تاریخ یورپ ص ۱۰۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شریک الوہیت کرکے بجائے اقانیم ثلاثہ کے اقانیم اربعہ کا اعتقاد رکھنا تھا۔

یہ تو مسیحی دنیا کے مشرقی حصّہ کا حال تھا، مغربی حصّہ کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ یہاں رومن امپائر کی ماتحتی میں مذہبی مناصب کے لئے کشت وخون ایک عام اور معمولی واقعہ تھا۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد کسی خوں ریز جنگ کے مقتولوں کے مساوی پہنچ جاتی تھی۔ اس سفاکانہ جدوجہد کا باعث صرف یہ تھا کہ اس زمانے کے مذہبی عہدے، اکتساب زر، حصول لذائذ اور کسب جاہ کے بہت بڑے ذرائع تھے۔

پوپوں نے اور ان کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ پر شہنشاہانہ بلکہ خدائی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے قرآن مجید نے ان کی اسی حالت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے اِتَّخَذُوا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا خدا بنا لیا۔

تجرد کی زندگی اور رہبانیت بھی معروف تھی۔ ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کرکے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ کسی نے اپنے کو دلدل میں ڈال دیا تھا کوئی اپنے آپ کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا کسی نے سایہ میں بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا کسی نے اپنے آپ کو اندھیری کوٹھری میں بند کر لیا تھا۔ ماں باپ عزیز واقارب اہل وعیال دینداری و تقویٰ شعاری کی راہ کے کانٹے تھے ان سے پرہیز، بلکہ ان سے نفرت کمالِ تقویٰ سمجھا جاتا تھا اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔"

ہندوستان ایران اور روم کی طرح ہندوستان کی مذہبی حالت نہایت خراب وخستہ تھی۔ یہاں بدھ مت اور ہندو مت کی آویزش کے خون آشام فتنے ہر طرف برپا تھے۔ بدھ مت جو صدیوں سے ہندوستان کا کم وبیش سرکاری مذہب بنا ہوا تھا اب بڑی تیزی سے روبہ زوال تھا، برھمنیت کا دوبارہ مزید خرابیوں کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساتھ احیا ہو رہا تھا۔ جین مت کی مردہ رگوں میں تقریباً سات سو سال کے بعد دوبارہ حیاتِ نو کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ غرض جو سرزمین کسی زمانہ میں علم و تمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز تھا وہ اب نرمہی گورکھ دھندوں کا مخزن اور حیوں جوں کا مرکز بن گیا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ معبودوں کی کثرت کا زمانہ ہے ویدمیں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ تھی لیکن اس زمانے میں ۳۳ کروڑ ہو گئی تھی۔ دنیا کی ہر پسندیدہ شئے، ہر قوت والی چیز اور ہر ناقابل تسخیر طاقت اہل ہندوستان کے نزدیک عبادت اور پرستش کے لائق تھی۔ اسی طرح بتوں، دیوتاؤں، دیویوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اور قابل پرستش اشیا میں معدنیات و جمادات، اشجار و نباتات، پہاڑ، دریا حیوانات، حتیٰ کہ اعضائے مخصوصہ سب ہی شامل تھے۔ اس طرح یہ قدیم مذہب افسانوی روایات اور عقائد و عبادات کا ایک دیومالا بن کر رہ گیا تھا۔[1]

ہندوستانی معاشرہ میں بت پرستی ———— بنیادی حیثیت رکھتی تھی عوام کا مذاق اور مزاج کسی ایسے مذہب کو قبول کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتا تھا جس میں بت پرستی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ روزافزوں بت پرستی سے متاثر ہو کر مجبوراً جین مت اور بودھ مت نے بھی بت پرستی کو اپنے مذہب کا جز قرار دیا۔ اور اپنی ترقی اور استحکام کا ذریعہ سمجھا چنانچہ راجہ ہرش جس کا مذہب بدھ مت تھا اس نے باقاعدہ بت پرستی کو فروغ دیا۔ چینی سیاح جس نے (۶۳۰ء تا ۶۴۴ء) ہندوستان کا سفر کیا تھا اس نے ہندوستان میں بت پرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر شخص آزاد تھا خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو کہ وہ جس چیز کی چاہے پرستش کرے چنانچہ کوئی وشنو کی پوجا کرتا تھا کوئی سورج کی کوئی دیوی دیوتا کی اور جو چاہے سب کی پوجا کرے۔[2]

---

[1] - انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص۔ ۵۷۔

[2] - ایضاً۔ ص۔ ۵۹۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بت پرستی مذہبی فرائض سے جدا ہو کر ایک معاشرتی رسم کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔

اس زمانے میں جنسی خواہشات کو ابھارنے والی اشیا کی پرستش بھی ہندو مذہب کا ایک اہم جزء بن گئی تھی اور مندر کے محافظین و منتظمین مذہبی آڑ لے کر اخلاقی جرائم کیا کرتے تھے۔

بدھ مت جو کبھی اپنی سادگی اور اپنی تعلیمات کی بنا پر دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن گیا تھا، پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر ھن حملہ آوروں نے اس پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ اس کی رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی[1]۔ برہمنیت جو عرصہ سے اس دن کی منتظر تھی اس نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک طرف تو اس کی خانقاہوں اور مدرسوں پر آگ اور خون کی بارش کردی۔ دوسری طرف بنگال کے حاکم نے ان کے ساتھ بڑا ظالمانہ رویہ اختیار کیا اس نے ان کی خانقاہوں، مدرسوں کو مسمار کروا ڈالا اور اپنی سرزمین سے بدھ مت کے نقوش تک مٹا ڈالے[2]۔ ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مت کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور بقول چینی سیاح ہوانگ چوانگ کہ بدھ مت اٹھارہ فرقوں میں منقسم ہو گیا[3]۔

مجبوراً بدھ مت کو اپنی بقا کے لئے دوسرے مذاہب کے سامنے جھکنا پڑا اس نے ہندو مت یا برہمنیت سے لیکر ایسی چیزوں تک کو اپنے مذہب کا جزو قرار دے دیا جس سے اس زمانے کے عوام خوش ہوتے تھے۔ مثلاً اس نے بت پرستی اختیار کی منبط و قاعدہ ختم کر دیا۔ عبادات کے طریقوں میں سحر و وہام داخل کر لیے[4]۔

۱۔ قدیم تاریخ ہند ص ۵۵۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۳۶۰۔

۳۔ قرون وسطی میں ہندوستانی تہذیب ص ۲۸۔ از۔ اودھیا گوری شنکر مترجمہ منشی پریم چند ہندوستانی اکیڈمی ۱۹۳۱ء

۴۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۵۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف برہمنوں نے سوچا کہ صدیوں سے ہندوستان میں بدھ مت رائج ہے اور باوجود زوال پذیر ہونے کے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہندوستان میں لاکھوں انسانوں کا مذہب ہے لہٰذا اپنے مذہب کی احیاء کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ اس کو بجائے مغلوب کرنے کے (جس کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے تھے) اس کے ساتھ اشتراک کیا جائے اور ان کے کچھ اصولوں کو اپنا لیا جائے تاکہ دونوں مذہب سے مل کر ایک ایسا مرکب تیار ہو جائے جو دونوں مذاہب کے لوگوں کے لئے قابل قبول ہو چنانچہ ہندوؤں نے بدھ کو وشنو کا نواں اوتار مان لیا اور بودھ عوام کی نظروں میں مقبولیت حاصل کی۔ دونوں مذاہب میں اس قدر یک رنگی پیدا ہو گی کہ بودھ اور ہندو دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔[1]

ہندوستان میں زوال پذیر ہونے کے باوجود بدھ مذہب چین میں کنفوشس کی مرکزیت کو ختم کر کے ایک مقبول مذہب کی حیثیت اختیار کر گیا تھا[2] لیکن اس کامیابی کے باوجود بدھ مذہب چونکہ اپنی اصلیت کھو چکا تھا اس لئے انسانی مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر تھا۔ اس کے پاس کوئی ایسا پیغام بھی نہیں تھا جو مضطرب انسانیت کے سکون کا سبب بنتا۔

یہود | مذہب کی تاریخ میں سب سے پہلے اسی قوم کا ذکر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو انبیاء کی تعلیمات کا وارث بنایا تھا۔ اس کے پاس دیگر اقوام کے مقابلے میں سب سے زیادہ دینی سرمایہ موجود تھا۔ دین فہمی کی صلاحیت بھی سب سے زیادہ اسی کو حاصل تھی لیکن اس نے اپنی کج روی، سرکشی، غرور و تکبر سے خدا کی اس نعمت کو ہمیشہ ٹھکرایا۔ پیغمبروں کی تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ خدا کی اطاعت سے منہ موڑ کر نفس کی بندگی کی

---

[1] قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب۔ ص - ۶

[2] انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا ص ۳۶ ۵ جلد - ۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے دنیا کی قیادت چھین لی گئی اور در در کی ٹھوکر، غلامی اور ظلم و ستم ان کا مقدر کر دیا گیا۔

چھٹی صدی عیسوی میں ان کا دنیا کے تمدن اور سیاست میں کوئی مقام نہیں تھا! اخلاقی اعتبار سے اتنے گر چکے تھے کہ اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں تھی مذہب کو بالکل مسخ کر ڈالا تھا۔ قرآن میں ان کی اخلاقی اور مذہبی حالت کے ساتھ ساتھ ان کے زوال کے اسباب پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے[1]

"خلاصہ یہ کہ اس ساتویں صدی مسیحی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کبھی کچھ روشنی نظر آ جاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے[2]"

---

[1] ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، سورۂ مائدہ، سورۂ حشر وغیرہ۔

[2] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ ص ۹۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرب — دورِ جاہلیت میں

(۱)

مذہبی دائرے

○ علی محسن صدیقی ○

دُنیا کے ارتقائے مذہبی کے مطالعہ کی غرض سے اگر کسی خاص قوم کے ذہنی ارتقار کا مطالعہ اس نقطۂ نگاہ سے کیا جائے کہ اس کی حیثیت تمام انسانوں کے نمائندہ کی ہے اور اس کے مذہبی تخیلات نوعِ انسانی کے بہت بڑے طبقے کے تخیلات کا آئینہ ہیں تو یقیناً اس مقصد کے لئے سامی اقوام ہی کو منتخب کرنا پڑے گا۔ اور اس لحاظ سے کہ سامی اقوام کا مسکنِ اول جزیرہ نمائے عرب ہے[1] ملک عرب کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ گویا دنیا کے ذہنی و اعتقادی ارتقار کے مطالعہ کے مترادف ہوگا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ادیانِ عالم کی عہد بعہد کی تاریخ کو سمجھنا اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب عرب قبل اسلام کی مذہبی حالت کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ اور یوں اس عہد کا مطالعۂ ادیان مقامی نوعیت اور محدود افادیت کے بجائے بین الاقوامی نوعیت اور وسیع افادیت کا حامل ہے۔

عرب قبل اسلام کو "دورِ جاہلیۃ" کہا جاتا ہے۔ اس دور کے بھی دو حصے ہیں

(۱) سید سلیمان ندوی۔ ارض القرآن۔ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڈھ ۱۹۱۸ء، ج ۱ ص ۱۰۷-۱۱۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"جاہلیۃ اولیٰ" جو عرب بائدہ اور عرب عاربہ و مستعربہ کے حالات پر مشتمل ہے اور ظہور اسلام سے چند صدیاں قبل اس کا اختتام ہوا۔ دوسرا حصہ "جاہلیۃ ثانیہ" کہلاتا ہے جو فتح مکہ پر ختم ہوا۔(۲) جہل، جہالت اور جاہلیت کے لغوی معنی بیوقوفی، سفاہت حماقت، نادانی اور ظلم کے ہیں۔ مشہور جاہلی شاعر عمرو بن کلثوم ثعلبی کہتا ہے:

الا لا یجھلن احد علینا ۔ فنجھل فوق جھل الجاھلینا(۳)

اسی لیے جو لوگ اس لفظ "جاہلیۃ" کے اصطلاحی معنی سے ناواقف ہیں قبل از اسلام کے عرب کو ایک ایسی سرزمین سمجھتے ہیں جہاں تعقل تفکر اور تدبر کا شائبہ بھی نہ تھا اور بقول حالی "عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا"(۴) یہ ملک دنیا کا غیر مہذب ترین ملک اور یہ قوم دنیا کی بدترین اور پست ترین قوم تھی۔ حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایک ایسی قوم کو احمق، نادان اور غیر مہذب سمجھنا یقیناً درست نہیں۔ جس کے تاجروں نے اس عہد کی دنیا کو تمدن و حضارت کے سبق سکھائے، جس کے حکمرانوں نے یمن، تدمر، رقیم، حوران، اور بصریٰ میں متمدن حکومتیں قائم کیں اور جس کے شعراء نے دنیا کے شعری ادب کو ایک ایسا گنجینہ بے بہا عطا کیا جس کے سامنے قدیم یونان کے ادبی خزانے بھی بے قیمت اور بے قدر ہیں(۵)۔ دراصل اصطلاح میں "جاہلیۃ" سے مراد ایک ایسا دور ہے جس میں کسی ملک میں کوئی شریعت، کوئی صاحب وحی نبی اور کوئی الہامی کتاب نہ ہو۔ درحقیقت عرب کا دور "جاہلیۃ" دو نبیوں کا درمیانی زمانہ یا دور فترت ہے۔ یہ زمانہ حضرت اسماعیلؑ کی وفات اور حضرت محمد

---

(۲) جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ مطبوعہ دار الہلال مصر (طبع جدید) ج ۱، ص ۳۲ و محمود شکری آلوسی۔ بلوغ الارب۔ مطبوعہ دار الکتاب العربی مصر ۱۳۴۲ھ ج ۱، ص ۱۵۔ (۳) ابو عبداللہ زوزنی شرح المعلقات السبع۔ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۷۵ھ ص ۱۳۶۔ (۴) الطاف حسین حالی۔ مسدس حالی مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۵۶ء ص ۷ (۵) ہٹی۔ تاریخ عرب (انگریزی) مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء ص ۸۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا درمیانی زمانہ ہے جس میں کوئی شریعت عرب میں باقی نہ رہی تھی۔ حضرات موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی دعوات مقامی نوعیت کی تھیں۔ یہ نبی صرف بنی اسرائیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور ان کی تعلیمات سرزمین عرب کے لئے نہ تھیں۔(۶) عرب ثقافت و تہذیب کے میدان میں دیگر اقوام سے پیچھے نہ تھے۔ وہ زیر نظر عہد "جاہلیۃ" میں اپنے تہذیبی تنوع کے ساتھ ساتھ مذہبی تنوع کے لئے بھی ممتاز تھے۔ تمام جزیرہ نما مذاہب عالم کے حق میں ایک عالم اصغر تھا، جس میں دنیا کے تمام طریقہ ہائے عبادت کی مختلف شکلیں موجود تھیں۔ ہم ذیل میں عربوں کے مختلف مذاہب اور عقائد کا ذکر کریں گے تاکہ ان کا تنوع پوری وضاحت کے ساتھ منظر عام پر آجائے:

۱۔ منکرین خلق۔ بعث اور معاد

عربوں میں دہریہ بھی تھے جو نہ خالق کائنات کو تسلیم کرتے تھے، نہ بعث بعد الموت کے قائل تھے اور نہ ہی معاد پر یقین رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں فطرت نے پیدا کیا اور زمانہ (دہر) ہمیں فنا کر دے گا۔ ان کے خیال میں زندگی عبارت تھی طبائع محسوسہ کے عالم سفلی میں ترکیب پانے سے اور موت عبارت تھی ان طبائع محسوسہ کے انتشار سے۔ یہ ترکیب قانون فطرت کے تحت پیدا ہوتی ہے اور زمانہ اسے درہم برہم کر دیتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی نے انھیں خیالات کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

---

(۶) تاریخ عرب (انگریزی)، ص ۸۷ و بلوغ الارب، ج ۲، ص ۲۸۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انہی دہریوں کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں کیا گیا ہے :

وقالوا ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر۔ (جاثیہ۔۲۴)	یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں صرف زمانہ سے موت آتی ہے۔

۲۔ منکرین بعث ومعاد

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خالق اور ابتدائے خلق کے تو قائل تھے مگر بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے :

وضرب لنا مثلا ونسی خلقهٗ قال من یحی العظام وهی رمیم۔ (یٰسین۔۷۸)	اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مثل بیان کی، اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں، کون زندہ کریگا؟

۳۔ منکرین بعث جسمانی

عرب میں بعث جسمانی کے انکاری بھی موجود تھے۔ قرآن میں ہے :

ءاذا متنا وکنا ترابا وعظاما ءانا لمبعوثون او اٰباؤنا الاولون (صافات۔۱۶۔۱۷)	کفار کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کئے جائیں گے یا ہمارے پہلے باپ دادا۔

عہد جاہلیۃ کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

حیاۃٌ ثم موتٌ ثم نشر   حدیث خرافۃ یا ام عمرو(۷)

(۷) عبدالکریم شہرستانی۔ الملل والنحل۔ مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۳۸۱ھ ج ۲، ص ۲۳۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(زندگی، پھر موت، اسکے بعد حشر • جانِ من! اس گپ کو سچ ماننے گا کون؟)

۴. منکرینِ انبیائے کرام

عربوں میں ایسے افراد کی بھی کمی نہ تھی جو خالق، ابتدائے خلق اور معاد کے مقر تو تھے مگر انبیائے کرام کے منکر تھے۔ قرآن ان لوگوں کے بارے میں خبر دیتا ہے:

وقالوا ما لهذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیه ملک فیکون معه نذیرا ○ (۸)	کفار کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے، جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا، جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا۔

۵. منکرینِ بعثت انبیائے بشری

کچھ عرب بعثتِ انبیاء کے تو قائل تھے مگر یہ چاہتے تھے کہ کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جائے۔ عام انسان کو نبی کی حیثیت سے قبول کرنے کو ان کا ذہن آمادہ نہ تھا۔ اللہ فرماتا ہے:

وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءهم الهدی الا ان قالوا ابعث الله بشرا رسولا۔ (اسراء۔ ۹۴)	اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو انھیں ایمان لانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ انھوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

۶. قائلینِ تناسخ

بعض عرب تناسخ کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب آدمی مرجاتا ہے یا قتل

(۸) الفرقان۔ آیت ۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر دیا جاتا ہے تو اس کے دماغ اور دیگر اعضائے جسم کا خون جمع ہو کر ایک پرندہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کا نام ھامہ ہے۔ اور یہ پرندہ ہر سو سال بعد قبر میں مدفون شخص کے سر کی جانب لوٹ جاتا ہے۔(۹) اگر صاحب قبر مقتول ہے تو یہ پرندہ اس کی قبر پر آواز لگاتا رہے گا۔

۷۔ فرشتوں کے پرستار

عربوں میں یہ عقیدہ بھی تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور الوہیت میں ان کے شریک ہیں۔ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت اسی خیال سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین لا یومنون بالاخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثی (نجم۔۲۷)	وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فرشتوں کو مؤنث کہتے ہیں۔

۸۔ جنات کے پجاری

بعض قبائل عرب جنات کی پرستش کرتے تھے۔ خزاعہ کی ایک شاخ جو بنو ملیح کہلاتی تھی اسی عقیدہ کی حامل تھی۔(۱۰) ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جنات کو وہ دیکھتے ہیں، ان سے باتیں کرتے ہیں۔ ان سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں اور ان سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔(۱۱) جنات کی عورتوں اور چڑیلوں کے ساتھ شادی کے بہت سے واقعات اخبار جاہلیت میں مذکور ہیں۔(۱۲) جن پرستی کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

---

(۹) الملل والنحل۔ ج ۲، ص ۲۳۷۔ و بلوغ الارب، ج ۲، ص ۳۱۱۔

(۱۰) بلوغ الارب، ج ۲، ص ۲۰۷۔

(۱۱) بلوغ الارب، ج ۲، ص ۳۰۴۔

(۱۲) قبیلۂ بنو عمرو بن یربوع کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی ماں ایک چڑیل تھی جس سے ان کے باپ نے شادی کر لی تھی۔ قبیلہ جرہم کے بارے میں یہ داستان تراشی گئی ہے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم وخرقوا لہ بنین وبنات بغیر علم۔

(انعام۔ ۱۰۰)

اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دیا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں۔

۹۔ بت پرست

قدیم دُنیا اور آج کی دنیا کی آبادی کے ایک معتدبہ گروہ کا محبوب ترین مذہب پرستش اصنام رہا ہے۔ انسان کی نظر پیکر محسوس کی خوگر تھی اور بتوں کی مورتوں میں اسکی تشنگی نظر کی سیرابی کے سامان بہم پہنچتے تھے۔ اس نے بُت تراشے، ان کے آگے سربسجود ہوُا۔ اور اپنی ہی مخلوق کو خالق سمجھنے لگا۔ بُت پرستی کی ترویج کا ایک سبب اعاظم پرستی بھی رہا ہے۔ ماضی میں جن لوگوں نے اپنے مُلک وقبیلے کے لئے بڑے بڑے کام انجام دیئے ان کے اخلاف نے ان کے مجسمے تراش کر انھیں کی پوجا شروع کر دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ لات، وَد اور یغوث گزشتہ اقوام کے بڑے لوگ تھے۔ جن کی یادگار کے طور ان کے بُت بنا لئے گئے اور مرورِ زمانہ کے ساتھ ان کی پرستش کی جانے لگی۔(۱۳) جہاں تک عرب کا تعلق ہے

(حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ) ان کا باپ ایک فرشتہ تھا جسے اس کی نافرمانی کی پاداش میں زمین پر پھینک دیا گیا۔ مشہور جاہلی شاعر عبید بن ابرص کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ سفر شام کے دوران ایک مردِ شجاع سے اس کی ملاقات ہوئی جو پیاس سے بے حال تھا اس نے اسے پانی پلایا اور اپنی راہ لی واپسی میں اس کا اونٹ گم ہو گیا وہ سنسان بیابان میں سرگرداں تھا کہ اس مردِ شجاع کی قوت سے جو دراصل جن تھا اس کا اونٹ اسے مل گیا اور وہ اس پر سوار ہو کر چشم زدن میں بیس مرحلے کی طویل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ گیا (بلوغ الارب ج ۲ ص ۳۴۰ تا ۳۴۱، ۳۴۸ و ۳۵۵)

(۱۳) ارض القرآن۔ ج ۲ ص ۲۰۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے متعلق ہمارے مؤرخین کا یہ بیان ہے کہ اہل عرب دین اسمٰعیلی کے پیرو تھے اور بت پرستی سے ان کا دامنِ عقیدت پاک تھا کہ بنو خزاعہ کے ایک سردار عمرو بن لحی نے، جو کعبہ کا مہا پروہت بھی تھا، شام سے بُت لا کر بیت اللہ میں رکھے اور اس وقت سے تمام عرب میں بت پرستی کا چلن ہوا۔(۱۴) ہمیں اس روایت کو تسلیم کرنے میں تامل ہے کیونکہ گو عمرو بن لحی کا زمانہ کتبِ تاریخ میں متعین نہیں کیا گیا ہے مگر قرینِ غالب یہ ہے کہ اس کا دورِ اقتدار ۲۵۰ء ہوگا کیونکہ فہر قریش کا زمانہ ۳۲۵ء متعین کیا گیا ہے۔(۱۵) قریش کا پردادا کنانہ، اس حساب سے کہ ایک شخص کے لئے مؤرخین اوسطاً پچیس سال کا زمانہ فرض کرتے ہیں،(۱۶) ۲۵۰ء میں برسرِ اقتدار ہوگا۔ کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس اور عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس دونوں الیاس بن مضر کے پڑپوتے تھے(۱۷) اور دونوں کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہیئے چونکہ کنانہ کا زمانہ ۲۵۰ء ہے اس لئے یہی زمانہ عمرو کا بھی ہوگا۔ جن علمائے انساب نے خزاعہ کو قحطانی الاصل قرار دیا ہے ان کے بیان کے مطابق عمرو بن لحی اور کہلان کے مابین چودہ پشتیں ہیں۔(۱۸) کہلان نے پہلی صدی قبل مسیح میں سد مارب کے ٹوٹنے اور اہل یمن کی تجارت پر رومیوں کے قبضہ کی وجہ سے جنوب سے ہجرت کی۔(۱۹) کہلان کا عہد پہلی صدی قبل مسیح ہے اس لئے ۲۷۳ء عمرو بن لحی کا زمانہ اس صورت میں بھی ۲۵۰ء کے قریب ہوگا۔ حاصلِ بحث یہ ہے کہ اگر عمرو بن لحی کو عرب میں بُت پرستی کا بانی تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ عرب میں اصنام پرستی کا آغاز

---

(۱۴) عبدالملک بن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۳۵۵ھ۔ ج ۱ ص ۷۹-۸۰

(۱۵) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۱۳۔

(۱۷) السیرۃ النبویہ ج ۱، ص ۷۷ و ۷۸۔

(۱۸) ابو الفداء۔ المختصر فی اخبار البشر۔ مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ۔ ج ۱ ص ۱۰۱۔

(۱۹) ارض القرآن، ج ۱، ص ۱۱۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۵۰ء کے قریب ہوا اور اس سے پہلے سرزمین عرب میں عموماً اور آل عدنان میں خصوصاً دینِ اسمٰعیلی کی اتباع کی جاتی تھی۔ ایسا تسلیم کرنا درست نہ ہوگا۔ عرب کی اقوام میں عرب بائدہ (عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدیس) کا وجود دو ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے اور ان کی عظمت کا دور سترہ سو سال قبل مسیح میں ختم ہو جاتا ہے[20]۔ ان اقوام کا مذہب بت پرستی تھا اور عرب، عراق، شام و مصر جہاں جہاں یہ لوگ گئے اپنے ساتھ اس مذہب کو لے گئے[21]۔ عرب عاربہ (بنو قحطان۔ یعرب، حضرموت سبا اور حمیر) جن کا زمانہ عروج پندرہ سو سال قبل مسیح سے ۵۲۵ء تک ہے۔ بُت پرست اور ستارہ پرست تھے۔ یغوث، یعوق، نسر، عمیانس، مدان، کعیت، جلد اور ذریح ان کے بتوں کے نام تھے اور آخری تابعۂ یمن کے قبولِ یہودیت کے باوجود یمن میں ستاروں کے ہیکل اور بت کی پرستش عام تھی[22]۔ اسی طرح عرب متعربہ (مدین، دوان، بنو ادوم اور آلِ اسمٰعیل) میں بھی مرورِ زمانہ کے ساتھ کواکب پرستی اور بت پرستی عام ہو گئی تھی۔ مدین بعل کو، دوان بھی بعل اور کوش کو بنو ادوم شمس و قمر کو پوجتے تھے۔ آل اسمٰعیل میں بُت پرستی کا آغاز کعبہ کے پتھروں کو تبرکاً اٹھا کر لے جانے اور ان کی پرستش سے ہوا۔ بنو قیدار اور انباط ۶۲۵ ق م اشتار (زہرہ) کو پوجتے تھے ہیرو ڈوٹس تقریباً [illegible] ق م میں اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ عرب "الیلات" اور "رُوتل" کی عبادت کرتے تھے۔ اصحاب الحجر سبا کی تقلید میں آفتاب کی پرستش کرتے تھے[23]۔

مختصر یہ کہ عرب میں بت پرستی کا آغاز عمرو بن لحی سے بہت پہلے ہو چکا تھا جہاں تک اسکے

---

(۲۰) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۳۰۔

(۲۱) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۶۳

(۲۲) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۷۶، و ۱۷۹

(۲۳) ارض القرآن، ج ۲، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شام سے بتوں کے لانے کا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس نے بیت اللہ میں بت لاکر رکھے ہوں گے۔

بہر کیف بُت پرستی عرب کا مقبول ترین مذہب تھا۔ بتوں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، ان کے شاندار منڈپ بنائے گئے تھے اور ان کی خوشنودی کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب کے مختلف قبائل کے بتوں کی تفصیل کچھ یوں تھی :-

۱۔ بنو ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کا بت (سواع) تھا جو ینبوع کے مقام رہاط میں نصب تھا۔

۲۔ قبیلہ کلب بن وبرہ (شاخ قضاعہ) کے بت کا نام (ود) تھا جو دومۃ الجندل میں تھا۔

۳۔ قبیلہ طی کی شاخ انعم اور بنو مذحج کے بت کا نام (یغوث) تھا جو جرش کے مقام میں تھا۔

۴۔ قبیلہ ہمدان کے بطن خیوان کا بت (یعوق) تھا جو یمن کے مقام ہمدان میں نصب کیا گیا تھا۔

۵۔ حمیر کی شاخ قبیلہ ذوالکلاع کے بت کا نام (نسر) تھا جو بلخع میں تھا۔

۶ قضاعہ کی دوسری شاخ بنو خولان کے بت کا نام (عمیانس) تھا جو سرزمین خولان میں نصب تھا۔

۷۔ بنو ملکان بن کنانہ کا بُت (سعد) تھا جو ایک چٹیل میدان میں ایک بڑی چٹان کی صورت میں رکھا تھا۔

۸۔ قریش کا معبودِ اعظم (ہبل) جوف کعبہ میں تھا۔

۹۔ (اساف) اور (نائلہ) جو مرد اور عورت کی شکل کے تھے چاہ زمزم کے پاس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نصب تھے اور یہیں قریش قربانی کرتے تھے۔

۱۰۔ مقام نخلہ میں (عزیٰ) دیوی نصب تھی جس کی پوجا قریش اور بنوکنانہ کرتے تھے۔

۱۱۔ طائف میں بنو ثقیف کا بت (لات) تھا۔

۱۲۔ اوس و خزرج کی دیوی کا نام (مناۃ) تھا جو ساحل سمندر کے قریب قدید کے مقام پر نصب تھی۔

۱۳۔ جبال طی یعنی سلمیٰ و اجا میں آباد قبیلہ طی کا بُت (فلس) تھا۔

۱۴۔ بنو بکر اور تغلب اور ایاد کا بت (ذوالکعبات) مقام سنداد میں تھا جو بعد میں آباد ہونے والے شہر کوفہ کے سواد میں تھا۔(۲۴)

۱۵۔ آل حمیر (سبائے ثانی) شمس دیوی کی پوجا کرتے تھے۔(۲۵)

۱۶۔ عبدالمدان جو یمن کا ایک قبیلہ تھا (مدان) کی پرستش کرتا تھا اور اسی نسبت سے "مدان کے بندے" کہلاتا تھا۔(۲۶)

۱۷۔ اہل صنعاء عیسائیت قبول کرنے سے پہلے (کعیت) کی عبادت کرتے تھے۔ جو لکڑی کا تھا اور ساٹھ ہاتھ لمبا تھا۔(۲۷)

۱۸۔ قبائل حضرموت اور کندہ (جلسد) نامی بت کو پوجتے تھے۔(۲۸)

۱۹۔ اہل نجیر (واقع حضرموت) (ذریح) کی پوجا کرتے تھے۔(۲۹)

۲۰۔ اہل نجران ایک درخت کو پوجتے تھے جس پر وہ ہر سال چڑھاوے چڑھاتے تھے۔(۳۰)

---

(۲۴) السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۸۰ - ۸۹ و ۹۱

(۲۵) ابن جریر طبری۔ تاریخ الرسل والملوک۔ مطبوعہ دارالمعارف مصر ۱۹۶۱ء ج ۲ ص ۱۱۱

(۲۶) یاقوت حموی معجم البلدان مطبعہ سعادت مصر ۱۹۰۶ء ج ۷ ص ۱۲۰۔ (۲۷) معجم البلدان ج ۷ ص ۱۵۶

(۲۸) معجم البلدان ج ۳ ص ۱۲۲۔ (۲۹) معجم البلدان ج ۴ ص ۱۹۵۔

(۳۰) تاریخ الرسل والملوک ج ۲ ص ۱۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرب کے طول و عرض میں متعدد بُت کدے تھے جن میں بڑے بڑے بُت نصب تھے۔ ان کی رکھوالی، پروہتی اور چڑھاوے کے خاصے انتظامات تھے۔ انکی آبادی اور مصارف کی غرض سے لوگ اپنی زرعی پیداوار اور مال تجارت کا ایک حصہ مخصوص کرتے تھے[۳۱]

ان بُت کدوں میں سے مشہور یہ تھے:۔

۱۔ غُمدان

صنعائے یمن کی مشہور عمارت تھی۔ دراصل یہ ستارۂ زہرہ کا ہیکل تھا۔ اس میں تلے اوپر سات منزلیں تھیں جو سات منازلِ فلکی کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اس بتکدے میں شیر کا مجسمہ تھا۔ اسے حضرت عثمان کے عہد خلافت میں منہدم کیا گیا۔[۳۲]

۲۔ رِئام یا ریام

یہ ہیکل بھی یمن میں تھا عرب کی یہ قدیم مذہبی عمارت صنعاء کے شہر میں تھی اور قبیلۂ ہمدان اس کے پروہت اور پجاری کے فرائض انجام دیتا تھا۔[۳۳]

۳۔ ذوالخلصۃ

یہ ہیکل مکہ سے سات منزل کے فاصلے پر یمن میں واقع تھا اور "کعبۂ یمن" کہلاتا تھا۔ اس میں اس ہیکل کے نام کا ایک بُت ایستادہ تھا۔ جو سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ اور اس کے سر پر سپھر تراش کر منقش تاج پہنایا گیا تھا۔ دوس، خثعم اور بجیلہ کے قبائل اس کی پرستش کرتے تھے۔[۳۴]

۴۔ قلیس

یہ لفظ کلیسا کا معرب ہے۔ اسے اہل حبش نے اپنے تسلط یمن کے زمانہ میں

(۳۱) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۸۱

(۳۲) معجم البلدان، ج ۶، ص ۳۰۱

(۳۳) السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۸۹ (۳۴) السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۸۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تعمیر کیا تھا۔ اس میں دو بُت تھے جو میاں بیوی تھے۔ مرد کا نام کعیت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔[۳۵] عام روایت کی رُو سے ابرہہ اکسومی نے قلیس کی تعمیر عیسائیت کی اشاعت کی غرض سے کی تھی معلوم نہیں اس میں بت کب رکھے گئے، ممکن ہے اہل حبشہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد عربوں نے اس کلیسا پر قبضہ کر کے اسے بت کدہ میں تبدیل کر دیا ہو۔

۵۔ رُضا

یہ بنو تمیم کا بت کدہ تھا۔ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنو ربیعہ اس کی پجاری تھی۔[۳۶]

۶۔ کعبہ

اگرچہ کعبہ بیت اللہ تھا۔ اسے حضرت آدمؑ نے اللہ کی عبادت کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر ثانی حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی تاکہ دنیا میں اللہ کا نام لیا جائے۔[۳۷] مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ خدا کا گھر اپنے عہد کا بہت بڑا بت کدہ بن گیا تھا اس کے پروہت بنو جرہم تھے۔ بعد ازاں خزاعہ اس کے کلید بردار ہوئے۔ اسی زمانہ میں اس میں بتوں کو جگہ دی گئی۔ پھر قریش اس کے نگران ہوئے اور ظہور اسلام تک یہی حالت رہی۔[۳۸] یہ دنیا کا پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے لئے روئے زمین پر تعمیر کیا گیا تھا تین سو ساٹھ بتوں کا منڈپ بن گیا تھا۔ یہ بت صرف سنگی یا گلی ہی نہ تھے بلکہ کاغذی بھی اور دیوار پر نقش کی صورت میں بھی تھے۔ قریش نے تمام عرب کے لئے پرستش بنانے کی غرض سے اس میں مسیح و مریم کی تصاویر بھی رکھ چھوڑی تھیں۔ دنیا کے سب سے بڑے موحد ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ کی تصاویر بھی اس مقدس گھر

---

(۳۵) معجم البلدان، ج ۷، ص ۱۵۶

(۳۶) السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۸۰، ۸۹۔

(۳۷) آل عمران آیت ۹۶ والبقرہ آیت ۱۲۷ والملل والنحل، ج ۲، ص ۲۳۲ و ۲۳۳

(۳۸) السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۱۱۷ ۔ ۱۱۹ تا ۱۲۳ ۔ ۱۲۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے دیوار و در کی زینت بنی ہوئی تھیں۔(۳۹) قریش نے کعبہ کی سدانت، حفاظت اور صیانت کے لئے ایک ترقی یافتہ نظام رائج کیا تھا۔ اور یہ نظام مذہبی ان کے نظام اجتماعی کا جزو تھا قصی کے قائم کئے ہوئے مناصب میں سے مندرجہ ذیل عہدے خالص مذہبی تھے:(۴۰)

۱۔ سدانت: کعبہ کی رکھوالی اور پروہت

۲۔ حجابت: کعبہ کی دربانی اور کلید برداری

۳۔ سقایت: حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام کرنا۔ اس غرض سے زم زم کے دوبارہ کھودے جانے سے پہلے قریش مشکیزوں میں پانی لا کر مکہ میں جمع کرتے تھے۔

۴۔ رفادت: حجاج کے کھانے پینے کا انتظام کرنا اس کے لئے قریش اپنے قبیلے سے ایک قسم کا ٹیکس لیتے تھے۔

۵۔ عمارت: حرم کعبہ کا عام انتظام اور دیکھ بھال کہ کوئی شخص حدود حرم میں لڑائی جھگڑا گالم گلوچ یا شور وغل نہ کرے۔

۶۔ اموال محجرہ: کعبہ پر چڑھائے جانے والے اموال کی حفاظت کا بندوبست کرنا

۷۔ نسی: قمری مہینوں کو کبیسہ کر کے شمسی بنانا۔(۴۱)

---

(۳۹) ارض القرآن، ج ۲، ص ۱۹۷

(۴۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن (بار دوم) ج ۱، ص ۴۵-۵۸

(۴۱) عربوں کا قاعدہ تھا کہ ہر تیسرے سال ایک تیرہویں مہینے کا اضافہ کر دیتے تھے۔ جو ذوالحجہ اور محرم کے درمیان ہوتا تھا۔ اس کا اعلان حج کے موقع پر کیا جاتا تھا۔ یہ اضافہ شدہ مہینہ حرام نہ ہوتا تھا اس لئے اس کی وجہ سے تین حرام مہینوں (ذوالعقدہ، ذوالحجہ اور محرم) کا تسلسل ٹوٹ (باقی آئندہ صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ قریش نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ فال یا دیگر امور میں ہبل کے قریب جو ان کا مہا دیوتا تھا بذریعہ (قداحؔ) قرعہ اندازی کرتے تھے۔ اسی طرح انھوں نے یہ شرط بھی عائد کر دی تھی کہ جو شخص کعبہ کا طواف کرے۔ ان سے اس مقصد کے لئے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) جاتا تھا۔ حرام مہینوں کی تعداد پوری کرنے کے لئے آئندہ مہینے یعنی صفر کو حرام قرار دیتے تھے جو عام حالات میں حرام مہینہ نہ تھا نسی کے متعلق ارشاد باری ہے: (انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ فیحلوا ما حرم اللہ) بیشک نسی کفر میں اور ترقی ہے جس سے کفار گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں (الملل والنحل ج ۲، ص ۲۴۸ السیرۃ النبویۃ ج ۱، ص ۴۵، مرزوقی۔ الازمنۃ والامکنۃ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ ج ۱، ص ۸۸-۹۰۔ القرآن سورۂ توبہ آیت ۳۷

(۴۲) قریش کا قاعدہ تھا کہ جنگ، سفر، شادی بیاہ، ختنہ، تیر، دیت، کنوئیں کی کھدائی، دفن واثبات نسب کے امور درپیش ہوتے تو اپنے معبود اعظم ہبل کے پاس سو درم اور ایک قربانی کا جانور لے کر جاتے ان چیزوں کو فال والے شخص کو دیتے اور اس سے فال نکالنے کی استدعا کرتے جس شخص سے متعلق فیصلہ چاہتے اسے بت کے سامنے کرتے اور کہتے اے ہمارے معبود! یہ فلاں ابن فلاں ہے ہم نے اس کے بارے میں ایسا ارادہ کیا ہے اس لئے اس کے متعلق سچ بات ظاہر کر دے۔ پھر فال والے سے کہتے کہ فال نکال۔ وہ جو فال نکالتا اس پر عمل کرتے تھے۔ فال کے مقصد سے ہبل کے پاس سات پیالے تھے جن میں سے ایک پر (دیت) دوسرے پر (ہاں) تیسرے پر (نہیں)، چوتھے پر (تم میں سے) پانچویں پر (مجہول النسب) چھٹے پر (تمہارے غیروں میں سے) اور ساتویں پر (پانی یا چشمہ) تحریر تھا۔ اور اس مضمون کی پرچیاں ان پیالوں میں رکھی ہوتی تھیں۔ حسب ضرورت متعلقہ پیالوں سے فال نکالی جاتی تھی (السیرۃ النبویۃ ج ۱، ص ۱۶۰ و ۱۶۱ و بلوغ الارب ج ۳، ص ۶۶ و ۶۷)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کپڑے حاصل کرے اور جو شخص ایسا نہ کرے تو پھر برہنہ طواف کرے یا اگر اپنے کپڑوں میں طواف کرے تو طواف سے فارغ ہو کر انھیں اُتار کر الگ کردے اور پھر انکو استعمال نہ کرے۔(۴۳)

عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب اپنے بتوں پر قربانی کرتے تو ذبیحہ کو خون میں لت پت کر دیتے کیونکہ ان کے خیال میں اس سے ان کے مال میں اضافہ ہوتا تھا۔(۴۴) وہ اپنے زعم میں اپنے چوپایوں اور کھیتوں کو بتوں اور اللہ کے مابین تقسیم کر لیتے تھے۔ جو بتوں کے حصے ہوتے تھے وہ ان کے لئے مخصوص ہوتے تھے مگر جو حصہ اللہ کے لئے الگ کرتے تھے اس میں ان کے بت بھی حصہ دار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ وما کان للہ فھو یصل الی شرکائھم ساء ما یحکمون (انعام ۱۳۶)

ان کفار نے اپنی کھیتیوں اور چوپایوں میں سے اللہ کے لئے ایک حصہ الگ کر دیا ہے اور اپنے زعم باطل میں کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے شرکاء (بتوں) کا ہے۔ جو حصہ انکے شرکاء کا ہے اس میں سے کچھ اللہ کو نہیں پہنچتا ہے مگر جو حصہ اللہ کا ہے وہ انکے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ وہ بہت بُرا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

جہاں بتوں سے عربوں کی والہانہ شیفتگی کا پتہ چلتا ہے وہیں ایسے واقعات بھی نادر الوقوع نہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اگر متوسلین کی دستیاری اور معتقدین کی مقصد برآری نہ ہو تو یہ لوگ اپنے ان محبوب معبودوں کو ذلیل کرنے سے بھی باز نہیں

(۴۳) السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۲۱۴

(۴۴) الملل والنحل، ج ۲، ص ۲۴۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آتے تھے۔ قدیم کتب سیرت و تاریخ میں ایسے بہت سے واقعے ملیں گے۔ عبدالملک بن ہشام صاحب السیرۃ النبویہ نے ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ ایک عرب اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اپنے معبود (سعد) کی خدمت میں آیا۔ یہ بت ارض بنی ملکان کے ایک چٹیل میدان میں ایک لمبی چٹان کی صورت میں تھا جس پر خون بہایا جاتا تھا۔ اس نے چاہا کہ برکت کی غرض سے اپنے اونٹ کو بت کے پاس ٹھہرائے۔ جب اونٹ نے مہیب خون آلود پتھر کی چٹان کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ اونٹ کا مالک غضبناک ہو گیا اس نے پتھر اٹھا کر بت کو مارا اور بولا کہ خدا تجھ میں برکت نہ دے تو نے میرے اونٹ کو بھگا دیا۔ پھر اونٹ کی تلاش میں چل پڑا۔ بڑی مشکلوں سے اونٹ اسے ملا۔ اس کے بعد اس نے اس بت کی شان میں یہ ہجویہ اشعار کہے ؎

اتینا الی سعدٍ لیجمع شملنا | فشتتنا سعدٌ فلا نحنُ من سعدِ

(ہم سعد کے پاس جمع حال کے لئے آئے | مگر سعد نے ہمیں پراگندہ کر دیا تو ہم سعد سے بےتعلق ہیں)

وھل سعدٌ الا صخرۃ بتنوفۃٍ | من الارض لا تدعو لغیٍ ولا رشدِ (۴۵)

(اور سعد چٹیل میدان کا ایک معمولی پتھر ہے۔ جو نہ تو لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے اور نہ ہی ہدایت دے سکتا ہے)

عربی زبان کے مشہور شاعر اور خاندانِ کندہ کے آخری حکمران امراالقیس بن حجر کندی کا بھی اسی قسم کا ایک واقعہ کتابوں میں مذکور ہے اس نے اپنے باپ حجر بن عمرو کندی کے قتل کا انتقام لینے کی غرض سے (ذوالخلصہ) نامی بت کے منڈپ پر فال نکالی۔ فال میں (کلا) یعنی نہیں نکلا اس نے ناراض ہو کر بت کو گالی دی اسے پتھر سے مارا اور مندرجہ ذیل اشعار کہے ؎

لو کنتَ یا ذا الخلصِ الموتورا | مثلی وکان شیخک المقبورا

(اے ذوالخلصہ اگر تو میری ہی طرح ہوتا کہ اپنے مقتول عزیز کا انتقام نہ لے پاتا اور تیرا سردار (باپ) قتل کر دیا گیا)

---

(۴۵) السیرۃ النبویہ۔ ج ۱، ص ۸۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لم تنہ عن قتل العداۃ زورا (۴۶)

(تو تو مجھے دشمنوں کے قتل سے منع نہ کرتا)

مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بتوں سے بدعقیدگی عام نہ تھی۔ لوگ عموماً ان کی بڑی عزت کرتے تھے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لات کا بت توڑا گیا تو ثقیف کی عورتیں اس پر بین کرتی تھیں (۴۷)۔ عربوں میں عام دستور تھا کہ جب کوئی شخص سفر پر جاتا تو سب سے آخری کام جو کرتا وہ بتوں کے سامنے عقیدت سے جھک کر اسے چومنا ہوتا تھا اور سفر سے واپس آنے پر سب سے پہلا کام جو کرتا وہ یہ ہوتا کہ گھر آنے سے پہلے بت کی خدمت میں حاضری دیتا اور اسے فرط عقیدت سے چوم لیتا۔ (۴۸)

۱۰۔ توہمات عرب

عربوں میں توہمات کی بھی کارفرمائی تھی۔ اگرچہ توہم پرستی انسان کی تاریخ سے کم قدیم نہیں ہے مگر عربوں کو اس وصف خاص میں بھی دیگر اقوام عالم پر تفوق حاصل تھا۔ ان کی توہم پرستی کے واقعات سے عرب قبل الاسلام کی تاریخ بھری پڑی ہے ہم ان توہمات میں سے کچھ ذیل میں درج کرتے ہیں:

(۱) عرب یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد اگر میت کی قبر پر ان کا اونٹ نہ باندھا گیا تو قیامت میں وہ پیادہ اٹھیں گے اور سفر آخرت طے کرنے میں انھیں سخت زحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لئے وہ اپنے ورثاء کو یہ وصیت کرتے تھے کہ ان کی قبر کے ساتھ ان کی سواری کا جانور باندھ دیا جائے۔ یہ اونٹ اپنے مالک کی قبر پر سرنگوں باندھ دیا جاتا تھا تاآنکہ مرجاتا تھا۔ (۴۹)

---

(۴۶) السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۸۸ و ۸۹۔ و بلوغ الارب، ج ۲، ص ۲۰۷ و ج ۳، ص ۶۷

(۴۷) تاریخ الرسل والملوک ج ۳، ص ۱۰۰۔ (۴۸) السیرۃ النبویہ ج ۱، ص ۸۵

(۴۹) الملل والنحل ج ۲، ص ۲۴۴۔ ایسے اونٹ یا اونٹنی کو بلیہ کہتے تھے۔ مرجانے کے بعد کبھی کبھی اسے جلا بھی دیتے تھے۔ بلوغ الارب ج ۲، ص ۳۰۷)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) ان کا یہ بھی خیال تھا کہ شیطان بیلوں کی سینگوں پر سواری کرتا ہے۔[۵۰]

(۳) اگر کسی کو سانپ ڈس لے اور اسے سونے کے زیور پہنا دیئے جائیں تو وہ اچھا ہو جائے گا اور اگر سیسے کے زیور پہنا دیئے جائیں تو مر جائے گا۔[۵۱]

(۴) اظہار کبر و عجب کی غرض سے قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے۔[۵۲]

(۵) عربوں کا یہ بھی وہم تھا کہ آدمی کے پیٹ میں سانپ ہوتا ہے۔ جب آدمی بھوکا ہوتا ہے تو یہ سانپ اس کی پسلی اور جگر کو ڈس لیتا ہے جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔[۵۳]

(۶) جب کوئی شخص کسی بستی میں داخل ہوتا تو وہاں کی وبا یا جن کے خوف سے اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر گدھے کی آواز نکال کر چلاتا تھا تاکہ وبا یا جن بھاگ جائے۔[۵۴]

(۷) اگر کسی مریض کے متعلق یہ شبہ ہوتا کہ اس پر بری ارواح کا سایہ ہے یا اس پر جنون کا اثر ہو گیا ہے تو اسے گندا کر دیتے اور مُردوں کی ہڈیاں اس کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔[۵۵]

(۸) کوے کو نہایت منحوس خیال کرتے تھے۔[۵۶]

(۹) مرغ، کوے، کبوتری، خرگوش، شتر مرغ، سانپ اور چوہے کو جنات یا ان کی سواری سمجھتے تھے۔[۵۷]

(۱۰) اگر بادشاہ یا سردار بیمار پڑتا تو اسے کاندھوں پر بٹھا کر لئے لئے پھرتے اور یہ خیال کرتے کہ اس طرح سے وہ اچھا ہو جائے گا۔[۵۸]

(۱۱) اگر کسی پر عشق کا دورہ پڑتا تو اسے پلیٹھ پر سوار کر کے اس کے

(۵۰ تا ۵۷) بلوغ الارب ج ۲، ص ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۹، ۳۴۴، ۳۴۰ و ۳۶۰ (بالترتیب)

(۵۸) بلوغ الارب، ج ۲، ص ۲۰۹۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جسم کو لوہے سے داغ دیتے اور یوں عشق کا بھوت بھاگ جاتا۔(۵۹)

(۱۲) اگر کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا، تو اس کے کان پھاڑ کر اسے چھوڑ دیتے پھر نہ تو وہ ذبح کی جاتی، نہ اس پر سواری کی جاتی، نہ کسی چشمے سے پانی پینے سے اور کسی چراگاہ میں چرنے سے روکی جاتی تھی۔ ایسی اونٹنی کو (بحیرہ) کہا جاتا تھا۔(۶۰)

(۱۳) اسی طرح اگر کسی اونٹنی کے دس مادہ بچے پیدا ہو جاتے تو اسے آزاد کر دیتے تھے، اس پر سواری نہ کرتے تھے، اس کے بال نہ کاٹتے تھے اور اس کا دودھ صرف مہمانوں کے پینے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ اسے (سائبہ) کہتے تھے۔(۶۱)

(۱۴) وہ بکری جو سات بار صرف مادہ جوڑے جنتی اور آٹھویں بار نر و مادہ جنتی تو ایسی بکری کا دودھ پینا عورتوں پر حرام تھا۔ اس بکری کو (وصیلہ) کہا جاتا تھا۔(۶۲)

(۱۵) جب کسی اونٹ کے بچے کا بچہ جوان ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور وہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہتا چرتا پھرتا۔ ایسے اونٹ کو (حامی) کہتے تھے۔(۶۳)

۱۱۔ کاہن اور لال بجھکڑ

عربوں کے مذہبی معتقدات میں کاہن، قائف، عائف، زاجر، عارف، اور رائف کو بھی بڑا دخل تھا۔ اس لیے ان لوگوں کا مجملاً ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

---

(۵۹) بلوغ الارب، ج ۲، ص ۳۲۱

(۶۰) بحیرہ وغیرہ کی تعریف میں شدید اختلافات ہیں مگر تمام تعریفوں کا ماحصل یہی ہے کہ کثرتِ اولاد کی بنا پر اونٹنی کو کچھ مراعات دی جاتی تھیں اور اسکے علاوہ ان جانوروں کی حیثیت بتوں کے چڑھاوے کی ہوتی تھی۔ اور ان کو احتراماً آزاد کر دیا جاتا تھا (بلوغ الارب، ج ۳، ص ۳۶،

(۶۱) سائبہ کی تعریف میں بھی اختلافات ہیں یہ اونٹ یا اونٹنی بتوں کے پروہتوں کو بطور نذر دے دیے جاتے تھے (بلوغ الارب ج ۳، ص ۳۷)

(۶۲) وصیلہ کی بھی مختلف تعبیریں ہیں (بلوغ الارب ج ۳، ص ۳۷) (۶۳) بلوغ الارب ج ۳، ص ۳۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۔ کاہن

کہانت کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عربوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بعض کاہنوں کو جن آسمان کی باتیں بتاتے تھے، بعض کو جن دنیا کے وہ حالات آکر بتا جاتے تھے۔ جو عموماً لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بعض کاہن محض گمان اور قیاس سے باتیں بتلاتے تھے کبھی کبھی یہ کاہن اپنے تجربہ اور ہوشیاری سے بات کی تہہ تک پہنچ کر سائل کو اس کے سوال کا تشفی بخش جواب دیتے تھے۔ یہ بھی عقیدہ تھا کہ کاہن کے پاس ایک جن بطور موکل ہوتا ہے۔ اور وہ اسے غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ یہ کاہن علم نجوم کے بھی ماہر ہوتے تھے اور اس کی مدد سے بھی لوگوں کو غیب کی باتیں بتلانے کا دعویٰ کرتے تھے۔ کاہنوں میں مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی ہوتی تھیں چنانچہ طریفہ اور زبراء عرب جاہلیت کی مشہور کاہنہ ہو گذری ہیں۔ کاہنوں نے سوالات کے جوابات دینے کے لئے عجیب و غریب طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔ مثلاً کنکریاں اٹھا لیتے انھیں گنتے پھر گراتے اور انھیں بجا کر بات کی تہہ تک پہنچتے، اسی طرح ریت یا زمین پر تیزی کیساتھ لکیریں کھینچتے پھر انھیں ایک ایک کر کے مٹاتے اور یوں سوال کا جواب معلوم کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ دانوں سے بھی مدد لیتے تھے۔ غرض عوام کو دھوکہ دینے کے متعدد ہتھکنڈے ان کاہنوں نے گڑھ رکھے تھے۔(۶۴)

۲۔ قائف

قیافہ شناسی عربوں میں نہایت قدیم زمانہ سے رائج تھی۔ ایسے شخص کو (قائف) کہتے تھے۔ یہ انسان کے چہرے بشرے سے حالات کا پتہ چلاتے عموماً قیافہ شناس اور کاہن ایک ہی شخص ہوتا تھا۔(۶۵)

---

(۶۴) بلوغ الارب، ج ۳، ص ۲۶۹، ۲۷۰/۳، ۲۸۳، ۲۸۸،

(۶۵) بلوغ الارب، ج ۳، ص ۲۶۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳۔ عائف

عیافہ شناس یا عائف اسے کہتے تھے جو نشانات قدم اور ایسے ہی دیگر آثار سے باتوں کی تہہ تک پہنچکر ان کے جوابات دیتا تھا۔(۶۶)

۴۔ زاجر

جانوروں کی آوازوں، ان کی حرکات، سکنات اور دیگر احوال سے حادثات کا پتہ لگانے اور غیب کی خبر دینے والوں کو (زاجر) کہتے تھے۔(۶۷)

۵۔ عراف

عرافت بھی غیب دانی کے اداروں میں شمار ہوتی تھی۔ عراف امور مستفسرہ میں اسباب و مقدمات سے استدلال کرتا تھا۔ عرافت اور کہانت میں یہ فرق تھا کہ اس کا تعلق ماضی کی باتوں سے تھا اور کہانت کا مستقبل کی باتوں سے۔ عرافت کی یہ بھی تعریف کی گئی ہے کہ حوادثِ گزشتہ اور واقعاتِ آئندہ کے مابین اگر کوئی مناسبت، مشابہت اختلاط یا ارتباط خفی ہو تو اس کے استدلال کی بناء پر فیصلہ صادر کیا جائے۔(۶۸)

۶۔ ہاتف

کبھی کبھی اہم امور کا فیصلہ ایسی آواز بھی کر دیتی تھی جس کے بولنے والے کی صورت غیر مرئی ہو۔ عموماً یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہاتف جن، یا مردوں کی روح ہیں۔(۶۹)

۱۲۔ مشرک

عرب کا سب سے وسیع الاثر مذہب شرک تھا۔ شرک کے معنی ہیں ایک اللہ کو

---

(۶۶) بلوغ الارب۔ ج ۳، ص ۲۶۱

(۶۷) بلوغ الارب۔ ج ۳، ص ۳۰۷

(۶۸) بلوغ الارب ج ۲، ص ۲۷۴، ۲۷۵

(۶۹) مرتضیٰ زبیدی۔ تاج العروس من جواہر القاموس۔ مطبوعہ مطبع خیریہ، مصر ۱۳۰۶ھ ج ۶، ص ۲۷۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مان کر صفات میں اوروں کو اس کا شریک گردانتا۔ عرب میں زیادہ تر اسی عقیدہ کے لوگ تھے جو اللہ کے ساتھ ساتھ اصنام، جنات، فرشتوں یا کواکب کو الوہیت کی صفات سے متصف کرتے تھے۔ قرآن میں ہے:

اذا دعی اللہ وحدہ کفرتم وان یشرک بہ تؤمنوا۔ (مومن - ۱۲)

جب اللہ کا تنہا ذکر کیا جاتا ہے تو تم اس کا انکار کر دیتے ہو اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کو لیا جاتا ہے تو تم اس پر ایمان لے آتے ہو۔

۱۳۔ مجوس

مجوسیت ایران کا سرکاری مذہب تھا۔ اہل ایران کے سیاسی اثرات سرزمین عرب پر کافی گہرے تھے۔ یمن، حضرموت، بحرین اور حیرہ ان کی حکومت کے براہ راست یا بالواسطہ زیر اثر رہے مگر مذہبی اثرات ایران کے عربوں پر بہت کم پڑے۔ صرف قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ مجوسی ہو گئے تھے۔(۷۰)

۱۴۔ صابئی

ستارہ پرستی قدیم اہلِ بابل کا مذہب تھا۔ بابل کے یہ قدیم باشندے بھی سامی الاصل ہی تھے۔ عربوں میں بالعموم اور یمن کے قحطانیوں میں بالخصوص ستارہ پرستی کا رواج تھا بہت سے ہیکل مختلف ستاروں کے نام پر قائم تھے۔ عربوں نے تمام طبعی کاروبار ان ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ کر رکھے تھے۔(۷۱) ان کا خیال تھا کہ منازل قمر کے ۲۸ ستاروں میں سے جب ایک ڈوبتا ہے تو جب تک دوسرا ستارہ اس کے مقابل میں طلوع نہ ہو اس کا عمل قائم رہتا ہے۔ یہ عمل نہ صرف تقسیم زمانہ میں اثر انداز ہوتا ہے بلکہ سرسبزی، قحط سالی، حادثات اور دیگر انسانی اعمال میں بھی ان کے اثرات

---

(۷۰) بلوغ الارب ج ۲، ص ۲۳۵ - (۷۱) الازمنہ والامکنہ ج ۱، ص ۱۷۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہوتے ہیں۔(۷۲) قرآن کی یہ آیت (فلا اقسم بمواقع النجوم) اس عقیدے کی تردید کرتی ہے(۷۳) اگرچہ صابئی عرب میں موجود نہ تھے مگر انکے معتقدات کا عربوں پر گہرا اثر تھا۔ چنانچہ یمن کے حمیری آفتاب پرست تھے۔ شمال کے بنو کنانہ قمر پرست تھے۔(۷۴) قبائل لخم، خزاعہ قریش اور قیس شعریٰ کی پرستش کرتے تھے(۷۵)۔ بتکدہ غمدان ستارۂ زہرہ کا ہیکل تھا جسے منازل فلکی کے لحاظ سے سات طبقوں میں بنایا گیا تھا۔

۱۵۔ حنیفیت

عربوں کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا۔ اس لئے دین ابراہیمی کو حنیف کا انھوں نے نام دیا تھا مرور زمانہ کے ساتھ عربوں نے ابراہیم خلیل اللہ کی تعلیمات کو طاق نسیاں کی نذر کر دیا اور بت پرستی و ستارہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے باوجود عرب میں بعض ایسے نیک دل افراد موجود تھے جو تلاشِ حق میں بیتاب اور ملتِ ابراہیمی کے عقائد حقہ کی جستجو میں سرگرداں رہتے تھے(۷۶)۔ آغاز اسلام کے وقت عرب میں قس بن ساعدہ ایادی، ورقہ بن نوفل قرشی اور زید بن عمرو بن نفیل قرشی تلاش حق میں نکلے تو انھیں ملتِ حنیفی ہی کے دامن میں پناہ ملی۔ مگر ملت حنیفی کے عقائد سے واقف کوئی نہ تھا۔ باوجود تلاش بسیار کے اس دین ابراہیمی کے عقائد واصول عربوں کو صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکے تھے(۷۷)۔

---

(۷۲) الازمنہ والامکنہ، ج ۱، ص ۴۸ (۷۳) الواقعہ۔ آیت ۷۵

(۷۴) ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۰۳ (۷۵) بلوغ الارب، ج، ص ۲۳۹۔

(۷۶) ارض القرآن، ج ۲، ۲۲۷

(۷۷) زید بن عمرو حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد اور مشہور صحابی حضرت سعیدؓ بن زید کے والد تھے۔ انھوں نے بت پرستی سے توبہ کی رسوم جاہلیت سے قطع تعلق کر لیا۔ دین ابراہیمی کی تلاش میں مکہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

www.KitaboSunnat.com

۱۶۔ یہود

اگرچہ یہود کا مذہب نسل اسرائیل کا مذہب ہے اور اس کا موطن اصلی ارض کنعان ہے مگر عرب میں بھی یہود کی آبادی تھی۔ یمن کے تبابعہ نے یہودیت اختیار کرلی تھی بنوکنانہ، بنی حارث بن کعب اور کندہ کے قبائل میں بھی یہودی موجود تھے۔ یثرب سے شام تک یہود کے قلعے اور منظم آبادیاں تھیں۔ حجاز و تہامہ میں ان کے مضبوط قلعے اور تجارتی گودام تھے۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ وغیرہ ان کی مشہور بستیاں تھیں۔ عربوں کے مذہبی عقائد سے یہود بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے بھی عربوں کو اپنے عقائد سے متاثر کیا۔(۷۸) عرب میں یہود کا ایک فرقہ صدوقی تھا جو عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔(۷۹) قرآن نے اسی عقیدہ کا ذکر اس آیت میں کیا ہے (وقالت الیہود عزیز ابن اللّٰہ)(۸۰)

۱۷۔ عیسائی

سلطنت روم وحبشہ کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا۔ شام کی سرحدات پر آباد عرب قبائل نے بالعموم عیسائیت قبول کرلی تھی غسان، لخم، جذام اور مذحج عیسائی تھے۔ عراق میں تنوخ اور تغلب کے قبائل نے بھی عیسائیت قبول کرلی تھی۔ حیرہ

(حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ) سے نکل کر عرب، جزیرہ، عراق و شام کے چکر کاٹے۔ راہبوں اور احبار سے اس کے حصول دریافت کئے مگر کچھ پتہ نہ چلا آخر کار دمشق کے قریب مقام بلقا کے راہب نے نبی آخر الزماں کی بعثت کی بشارت دی۔ زید بسرعت مکہ لوٹے مگر راہ میں سرحدات شام میں بنولخم نے انھیں قتل کردیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ زید قیامت میں تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے (السیرۃ النبویۃ ج ۱، ص ۲۳۹۔ ۲۴۷)

(۷۸) بلوغ الارب، ج ۲، ۲۴۱

(۷۹) ابن حزم ظاہری۔ الفصل فی الملل والاہواء النحل۔ مطبوعہ مصر۔ ج ۱، ص ۹۹

(۸۰) التوبۃ آیت ۳۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

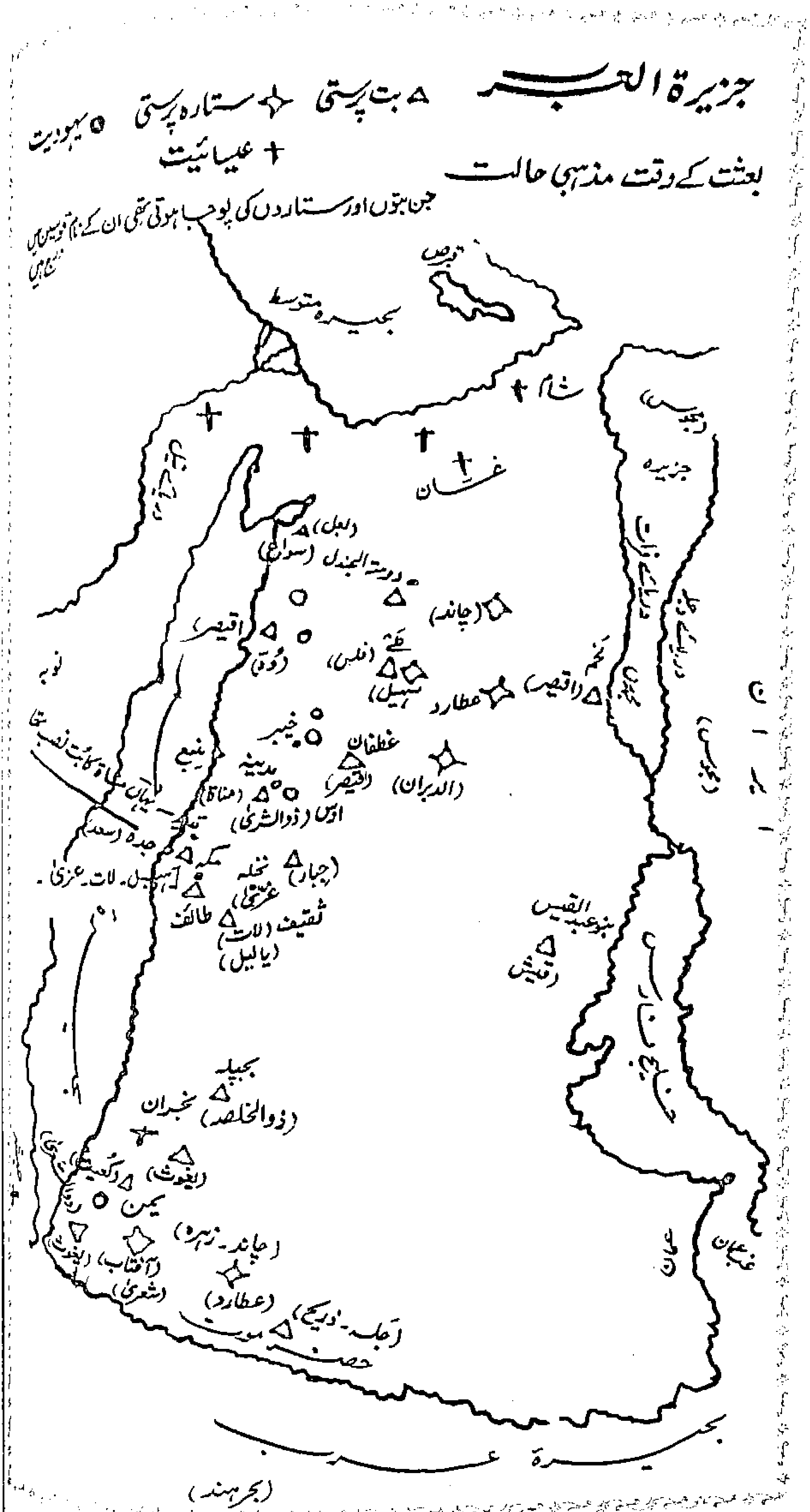

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے آل منذر میں بھی بعض فرماں روا عیسائی تھے۔ یہاں عیسائیوں کے گرجا تھے اور ان کی خاصی آبادی تھی۔ یہ عیسائی عبادی کہلاتے تھے۔ طے کا قبیلہ جو نجد میں آباد تھا عیسائی تھا۔ یمن میں نجران ان عیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ خود قریش میں بنو اسد کے بعض افراد عیسائی تھے۔ عیسائیوں کو کعبہ کی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے قریش نے خانہ کعبہ میں مریم و مسیح کی تصاویر بھی رکھ چھوڑی تھیں۔ عرب میں نسطوری، یعقوبی، مارونی اور ملکانی (کیتھولک) فرقے کے عیسائی موجود تھے[۸۱]۔ ان میں سے مارونی فرقے کا یہ عقیدہ تھا کہ مریم بھی الوہیت میں شریک ہیں۔ قرآن اسی عقیدہ کی یوں تردید کرتا ہے:

یٰعیسی بن مریم أ أنت قلت للناس اتخذونی و امی الٰهین من دون الله[۸۲]۔	(اللہ پوچھے گا) اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بناؤ۔

قرآن میں ہے فرقہ یعقوبی کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح ہی خدا ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح بن مریم (مائدہ ۷۲)	ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ صرف مسیح بن مریم ہے۔

ملکانی اور نسطوری یہ کہتے تھے کہ خدا تین میں تیسرا ہے قرآن میں ان کے عقیدہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

لقد کفر الذین قالوا ان الله ثالث ثلاثة وما من اله الا اله واحد (مائدہ ۷۳)	وہ لوگ کافر ہو گئے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے۔

---

(۸۱) ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۰۷، ۲۰۸ (۸۲) المائدہ۔ آیت ۱۱۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

معاشی نظام[1]

٥ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ٥

(۱)

عرب کا ملک حدود طبعی کے لحاظ سے ایک جزیرہ نما ہے۔ اپنی وسعت کے باوجود زیادہ تر بے آب وگیاہ، خشک، شور اور ریگستان ہے۔ تمام ملک میں پہاڑوں کا جال ہے۔ جابجا بے آب وگیاہ صحرا ہیں۔ حقیقی دریا کا وجود نہیں، عموماً پہاڑوں کے چشموں، وادیوں کے تالابوں اور میدانوں کے کنوؤں پر گذر ہے۔ آب وہوا کے لحاظ سے یہ نہایت گرم ہے۔ میدانوں میں باد سموم جب چلتی ہے تو کوسوں تک زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔

---

[1] یہ مضمون دراصل ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" (ج ۱، ص ۲۴۲ تا ۲۷۱، مطبوعہ مکتبۂ ابراہیمیہ۔ دکن۔ بار دوم) سے ماخوذ ہے۔ لیکن بعض جدید اضافہ جات اور حواشی مرتب نے دو ذرائع سے اخذ کر کے شامل کئے ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن (ج ۲، مطبوعہ اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء) اور دوسرے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا ایک تازہ اور غیر مطبوعہ اردو مضمون "ایلاف" (پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہو چکا ہے) جو لغرض اشاعت ماہنامہ البلاغ کراچی کو بھیجا گیا اور مدیر محترم کی وساطت سے ہمیں موصول ہوا۔ ارض القرآن کے لئے علامت (ا۔ق) اور متذکرہ مضمون کے لئے علامت (ح) ہے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس ملک کا سب سے بڑا صحرا شمالی حد میں شام و عرب کے درمیان ریگستانی میدان ہے۔ دوسرا ریگستان جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک ناقابلِ آبادی بے آب و گیاہ وسیع صحرا ہے۔ جس کو دھنا، صحرائے اعظم اور ربع خالی کہتے ہیں۔

اس ملک میں سب سے بڑا اور طویل سلسلۂ کوہ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی ۸ ہزار فٹ بلند ہے۔ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں۔ جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں۔ پھر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ شاہانِ عرب نے انھیں چشموں کو روکنے کے لئے بند بنائے تھے۔ عرب کے وہ مقامات اور صوبے جو سواحلِ بحر پر واقع ہیں عموماً سرسبز و شاداب ہیں خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے نہایت زرخیز ہے۔ عمان، حضر موت، اور نجد تمام تر اور حجاز میں طائف عرب کے بہترین حصے ہیں۔

عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور، سیب اور ہر قسم کے بہترین نوع کے پھل ہیں زراعت بھی ہوتی ہے اقوام قدیمہ میں عرب ... کی شہرت اس کے طلائی و نقرئی معادن اور بخورات اور خوشبودار اشیا کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے تھی۔ عمان اور بحرین کے سواحل موتیوں کی کانیں ہیں۔

حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے۔ عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور رہوار رفتاری میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اونٹ عرب کی خاص چیز اور ایک عرب کی زندگی کا حقیقی رفیق ہے۔ ان کے علاوہ ہرن، شیر اور دیگر حیوانات بھی عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں[1]

---

[1] (ا۔ق) ج ۲ ص ۸۵، ۸۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

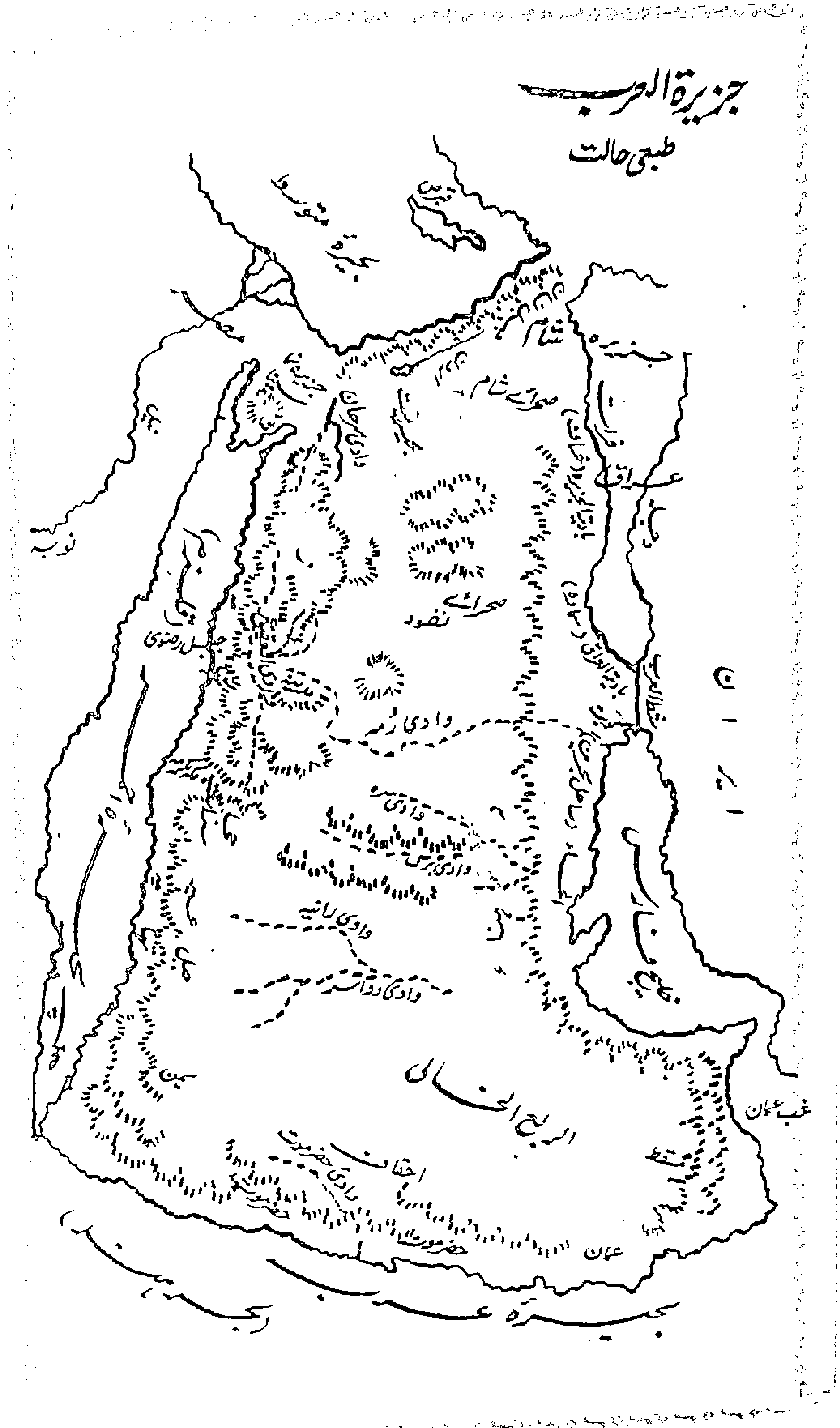

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

آغاز اسلام پر کوئی مرکزی مملکت عربی قوم یا ملکِ عرب میں نہ تھی۔ سینکڑوں قبیلے تھے جو نیم حضری اور بدوی زندگی گذارتے ہوئے مکمل خود مختارانہ طور سے رہتے تھے۔ ان قبائل کے علاوہ بیسیوں شہر بھی تھے مکہ، مدینہ، طائف، ینبوع (حجاز)، جُرش، صنعا، عدن (یمن میں) دومۃ الجندل، خیبر، فدک، وادی القریٰ (شمالی عرب میں) یمامہ، فید (نجد میں) اور صحرائے سینا کے مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں آباد تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جا سکتی ہیں۔ یمن۔ یمامہ وغیرہ بعض علاقوں میں غلے کی کاشت ہوتی تھی۔ آس پاس کے عربی علاقوں میں برآمد بھی ہوتی تھی لیکن اتنی نہیں کہ پورے ملک کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ کھجور اور اونٹ بکریاں ایک حد تک بدویوں کی غذائی ضرورتیں پوری کر دیتی تھیں۔ لیکن لباس، برتن ہتھیار[1] زیور اور دیگر ضرورتوں کا سوال پھر بھی باقی رہتا ہے۔ قدرت نے عرب میں کچھ ایسے زیادہ خام مواد بھی مہیا نہیں کئے ہیں اور نہ آب و ہوا کی عمدگی ایسی وجہ ہے کہ بیرون والے یہاں آئیں اور غلہ وغیرہ پہنچائیں۔ مجبوراً بیچارے عربوں ہی کو باہر جانا اور اپنی پونجی کے عوض ضروریات زندگی کا لانا ضروری تھا۔ بحرین و عمان کا بلوچستان اور سندھ سے اتنا قریبی تعلق ہے کہ یہ لوگ ہندوستان اور ایران کے سوا کہیں اور نہ جا سکے۔ حجازی عربوں کے متعلق قرآن مجید کی شہادت رحلۃ الشتاء والصیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ہر سال دو مرتبہ جاڑوں اور گرمیوں میں کئی کئی ماہ سفر کے لئے مجبور تھے۔ جاڑوں میں یمن جاتے اور گرمیوں میں شام و مصر[2] اونٹ بکریاں، اونٹوں اور بکریوں کی کھالیں اور اُون، گھوڑے، گوند، لوبان

---

[1] مشرفی یعنی شارفِ شام کی تلواریں عربی ادبیات میں ضرب المثل ہیں۔ [2] یہ تجارتی شاہراہ جو حجاز ہو کر یمن سے شام جاتی تھی۔ قرآن مجید نے اسی راستہ کو "امام مبین" (سورۂ حجر) بھی کہا ہے (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

روغن، بلسان، عقیق وغیرہ کچھ قیمتی پتھر اور اسی طرح کی کچھ چیزیں برآمد کر سکتے تھے، اور تبادلے میں غلے، برتن اور ہتھیار اور کپڑوں کی درآمد ہو سکتی تھی۔[1]

عربوں کے دو بڑے حصے تھے اور بعض وقت ایک ہی قبیلے میں بھی یہ تقسیم نظر آتی تھی کہ کچھ لوگ خانہ بدوش بدویانہ زندگی بسر کرتے ہیں تو کچھ بستیوں میں مستقل حضری زندگی گذارتے ہیں۔ بدویوں کی غذا کچھ تو شکار سے، کچھ ان کے اونٹ بکریوں سے اور کچھ شہروں میں لگنے والے میلوں میں تبادلۂ اشیاء کرنے کے ذریعہ مہیا ہوتی تھی۔ مزید برآں یہ کرائے پر نقل وحمل کا کام کرتے تھے۔ لوٹ مار کی مہیں بھی اختیار کی جاتی تھیں۔ دل جلے ابن خلدون نے ان میں سے بعض کی حالت یوں بیان کی ہے کہ اگر انھیں چولہے کیلئے پتھر درکار ہوتا تو کسی مکان کا پایہ کھود ڈالتے اور جلانے کے لئے لکڑی درکار ہوتی تو مکان کی چھت توڑ ڈالتے۔[2]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

اور عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اسی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔ (ا۔ ق) ج ۲، ص ۱۱۲۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے خارجی تعلقات ہندوستان، حبش، ایران، بابل (عراق، شام)، مصر اور یونان سے تھے۔ یہ تمام ممالک عرب کے چاروں طرف اس طرح واقع ہیں کہ عرب اس دائرہ کا نقطہ بن گیا ہے۔ ان کے علاوہ اندرون ملک میں جو شہر اور مقامات تجارت کے مرکز تھے ان میں سے قریہ یعنی بحرین یا یمامہ، حضر موت، شبوہ، حضرموت کا پایۂ تخت قانہ، حضرموت کی بندرگاہ مآرب، سبا کا پایہ تخت معین، عدن، اوزال، اور فسنہ مدین، ایلہ (عقبہ) وغیرہ ہیں (ص: ۱۱۴۔ ۱۱۵) اسرائیلی اور یونانی روایات کے مطابق عرب تاجر دو ہزار برس قبل مسیح سے برابر ان خدمات کو ادا کر رہے ہیں اور مشرق و مغرب کے تجارتی تعلقات میں بیچ کی کڑی بنے رہے ہیں۔ (ا۔ ق) ج ۲، ص ۱۱۱

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے (ا۔ ق) ج ۲ ص ۱۱۵ تا ۱۲۰۔ مولانا نے درآمد و برآمد کے سلسلے میں کافی تفصیلات اور دلائل دیئے ہیں۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے پروفیسر مارسے کا افتتاحی مقالہ فرنچ اکاڈیمی میں "اسلام اور حضری زندگی" (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہی شہری زندگی تو اس میں بڑی حد تک تمام عرب میں یکسانی نظر آتی ہے نخلستان چوطرف تھے۔ طائف وغیرہ میں انگور، انجیر، انار، شفتالو وغیرہ کے کثرت باغ تھے۔ چشموں کے ساتھ ترکاری، تربوز اور ککڑی وغیرہ کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ کہیں کہیں غلہ، جو، وغیرہ بھی بویا جاتا تھا۔ مرغیاں پالی جاتی تھیں۔

ان مقامی وسائل کے بعد کبھی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تو مختلف میلوں منڈیوں میں جاکر تبادلۂ اشیاء کرنا پڑتا۔ یہ کام سب ہی عربی شہر اور قبیلے کرتے لیکن مکے کے قریشیوں نے اُسے ایک فن سے بھی گذار کر ایک علم بنا دیا تھا۔ قدیم زمانے میں مکہ مشرق و مغرب کی بین الممالک تجارت کی شاہراہ پر واقع تھا۔ یمن بلکہ خود ہندوستان کی پیداوار شام اور قسطنطنیہ جانے کے لئے مکہ سے گذرتی تھی۔ اس عبور و مرور کے لئے ہر مقام (بشمول مکہ) کے لوگوں کی اجازت ناگزیر تھی۔ اسی طرح عرب بھی (بشمول اہل مکہ) تجارت کے لئے بیرونی ممالک کا سفر کیا کرتے تھے۔ اور سر برآوردہ لوگ جہاں بھی جاتے وہاں کے اعلیٰ افسروں سے ضرور ملتے تھے۔ خاص کر شاعر بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتے اور مدح و ستائش کے قصیدے گاتے۔ نیز مکہ کے سربرآوردہ لوگ حبش کے نجاشی، فارس کے کسریٰ، مصر کے گورنر، یمن، غسان (شام) اور حیرہ (عراق) کے بادشاہوں کے ہاں حاضر ہوتے نظر آتے ہیں۔

(۳)

عرب میں ہر جگہ بستیاں اور قریے تھے۔ لیکن مکہ ام القریٰ (یعنی قریوں کی ماں) کہلاتا تھا عرب کی ہر بستی میں معابد اور بت خانے تھے لیکن کعبے کے حج کے لئے جو لوگ آتے تھے ان میں ہر جگہ کے لوگ ہوتے تھے۔ یمن کے لوگ عمان کے لوگ، بحرین

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ):

کا ترجمہ (مطبوعہ روزنامہ "رہبر" حیدرآباد دکن ۱۹ تا ۲۲ رجب ۱۳۵۵ھ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

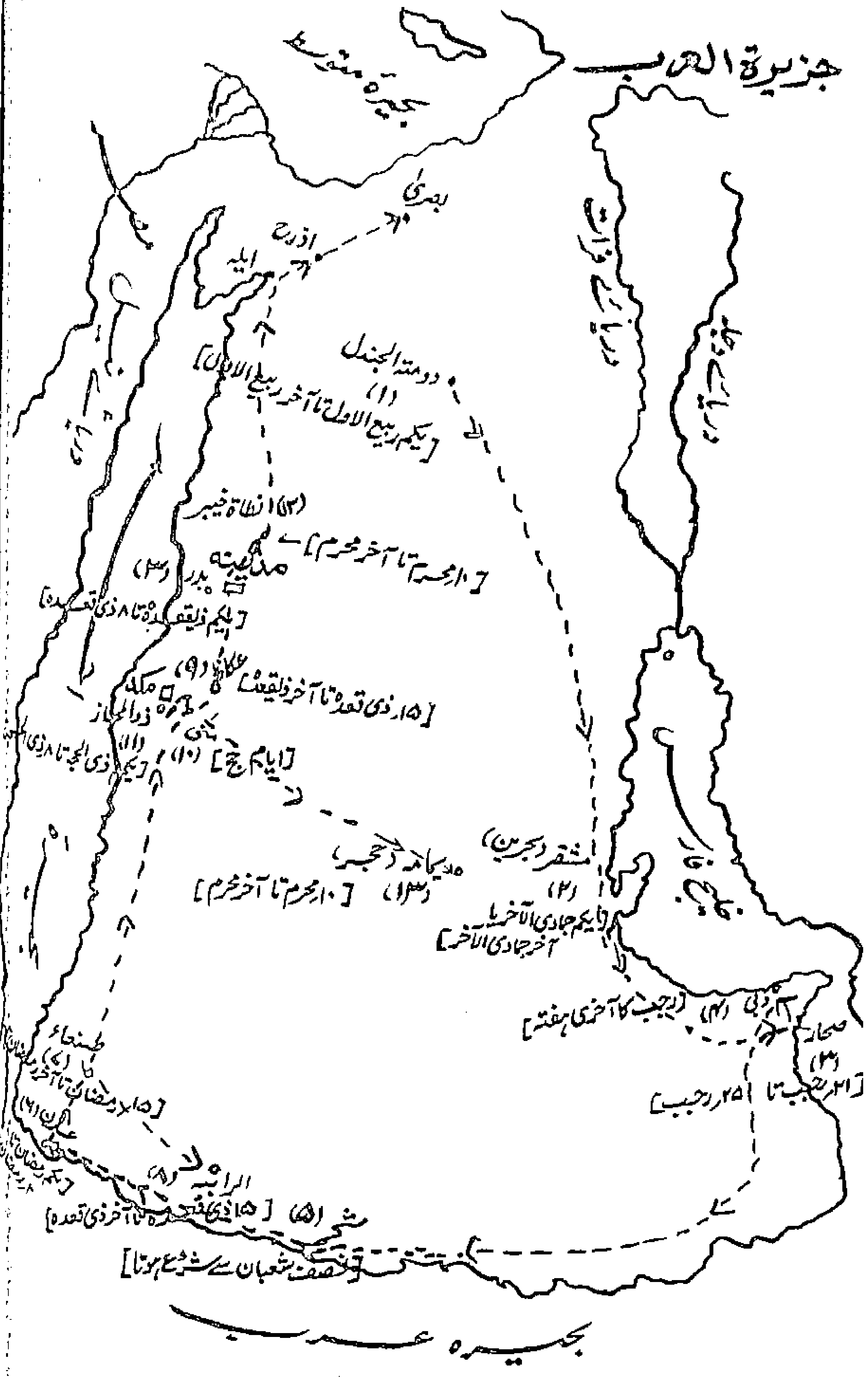

اسواق العرب (زمانۂ جاہلیت کے میلے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طائف، نجد، طئی اور کلب جیسے شمالی عرب کے لوگ بھی۔ عرب کی ہر بستی میں میلے لگتے تھے۔[1] کہیں مقامی اور کہیں بین المقاماتی۔ چھوٹے ہاٹ ہفتہ وار لگتے۔ بڑی بین القبائل اور بین المقاماتی میلے سالانہ مقررہ ایام میں لگتے تھے۔ لیکن جو اہمیت مکہ کے عکاظ[2] اور منیٰ کے میلوں کو حاصل تھی وہ کسی اور میلے میں نظر نہیں آتی۔ عرب کی ہر بستی والے اپنے کاروانوں کو باہر بھیجا کرتے تھے۔ لیکن لایلاف قریش کا مفہوم محمد بن حبیب یعقوبی وغیرہ کسی پرانے اور واقف کار شخص کی تالیف[3] میں دیکھو تو

---

[1] عرب کے ۱۳ مقامات میں بڑے بڑے میلے لگتے تھے۔ دومۃ الجندل، مشقر، صحار، دبا، شحر، عدن صنعاء، حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز، منیٰ، خیبر، یمامہ، سال میں سب سے پہلے دومۃ الجندل میں میلہ لگتا تھا۔ بازار کا حاکم بھی ہوتا تھا عرب کے علاوہ عراق اور شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے اپنے بازار لگاتے تھے۔ رئیس خود بھی تجارت کرتا تھا۔ اور جب تک اس کا مال نہ بک جاتا کسی اور کو خرید و فروخت کی اجازت نہ تھی۔ یہاں خرید و فروخت اس طرح ہوتی تھی کہ جس کو جو مال پسند آتا اس پر ایک کنکر ڈال دیتا جہاں بائع و مشتری دونوں اجنبی ہوتے اور ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہوتے تو دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی تھی۔ (ا۔ق) ج ۲ ص ۱۲۲

[2] عکاظ ایام جاہلیت کا سب سے بڑا بازار تھا۔ یہاں قریش، ہوازن، غطفان، خزاعہ، حارث، ابن عبد مناف، عقل، مصطلق وغیرہ جمع ہوتے تھے۔ شعراء یہاں اپنے قصائد سناتے تھے۔ خطباء تقریریں کرتے تھے۔ حکام اپنے فیصلے سناتے تھے۔ شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے۔ (ا۔ق) ج ۲، ص ۱۲۴)

[3] ابن حبیب اپنی کتاب المحبر ص ۱۶۲) میں لکھتا ہے کہ ایلاف العہود (یعنی ایلاف کے معنی معاہدوں کے ہیں) سہیلی نے روض الانف میں اسکی تائید کی ہے۔ لغت نویسوں کو بھی اس سے انکار نہیں۔ ایلاف کا مادہ "الف" الفت اور دوستی کے معنی رکھتا ہے۔ اور اس کا فعل متعدی یعنی ایلاف دوستی کرانے اور الفت پیدا کرانے کے معنی رکھتا ہے۔ لسان العرب، تاج العروس وغیرہ (لغات) میں مادہ الف کے (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے ایلاف یعنی معاہدات قیصر روم سے کسرائے ایران سے، نجاشئ حبش سے اور اقیال یمن سے تھے۔ اور ان حکمرانوں نے رسول کریم کے پردادا ہاشم کو منشور اور اجازت نامے عطا کر رکھے تھے کہ ان کے علاقوں میں وہ آزادانہ کارواں لایا کریں^{لہ}۔ ابن حبیب نے اپنی کتاب اَلمُنَمَّق (صفحہ ۳۱ تا ۴۴ باب "حدیث الایلاف") میں بھی اس کی مزید تفصیلیں دی ہیں۔ اور الکلبی کے حوالے سے ہاشم اور قیصر کی گفتگو نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہاشم نے قیصر سے کہا کہ اگر حجازی پیداوار وہ خود لا کر بیچیں تو (درمیانی واسطہ نہ ہونے کی وجہ سے) "وہ تمہیں سستی پڑے گی"۔ (فھو ارخص علیکم) قیصر کی اجازت ملنے پر ہاشم مکہ واپس آیا۔ ایک بڑا تجارتی کارواں تیار کیا اور شام لے گیا۔ ابن حبیب لکھتا ہے کہ اس دوسرے سفر کی اثنا میں ہاشم نے شہر غزّہ میں (جو عرب کے انتہائی شمال میں علاقہ فلسطین میں بحر متوسط پر واقع ہے) وفات پائی اور اسے وہیں دفن بھی کر دیا گیا۔ ایک مماثل مقصد کے لئے ہاشم کے بھائی المطلب نے یمن کا سفر کیا اور روہان (یمن) میں وفات پائی۔ تیسرا بھائی نوفل کارواں لے کر عراق گیا کیونکہ کسرائے ایران نے اسے اس کی اجازت دی تھی نوفل کی وفات سلمان (عراق) میں ہوئی۔ صرف چوتھا بھائی عبد شمس حبش کے کاروانی سفروں کے باوجود اپنے گھر میں فوت ہوا اور مکے میں دفن کیا گیا۔

طبقات ابن سعد (طبع یورپ، جلد اول، حصہ اول صفحہ ۴۳ تا ۴۶) میں کئی ماخذوں کی مدد سے تفصیل دی گئی ہے۔ چنانچہ الکلبی کے مطابق سب سے بڑے بھائی المطلب نے نجاشئ حبش سے ہاشم نے شام کے ہرقل سے ۔[گویا ہرقل دی

(بقیہ حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ)۔ تحت یہ صراحت کی ہے کہ قرآن میں آئے ہوئے لفظ ایلاف کے معنی معاہدوں اور سمجھوتوں کے ہیں لیکن بطور اسم علم ایلاف کا اطلاق ان معاہدوں پر ہوتا ہے جو چند سربرآوردہ اہل مکہ نے ہمسایہ حکمرانوں سے طے کیا تھا (ح) لہ تجارت اور سوداگری عربی (دہاتی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہنشاہوں کا لقب ہوا]۔ نوفل نے کسرائے عراق سے اجازت حاصل کی کہ ان کے علاقوں میں تجارتی کارواں لایا کریں۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق سردیوں میں کارواں یمن جاتے اور گرمیوں میں غزہ بلکہ انقرہ تک چلے جاتے۔ آگے چل کر ابن سعد نے لکھا ہے کہ قیصر نے نہ صرف ہاشم کو رومی علاقے میں کارواں لانے کی اجازت دی بلکہ ایک سفارشی خط نجاشی کے نام بھی دیا جس میں حبش کے بادشاہ سے سفارش کی تھی کہ وہ بھی مکی تاجروں کو مماثل اجازت دے۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ کہ ہاشم نے راستے میں پڑنے والے قبیلوں سے بھی معاہدے کئے جن میں یہ قرار داد تھی کہ ان قبیلوں کا سامان قریش رومی منڈیوں تک خود مفت لیجائیں گے اور جو قیمت وصول ہو وہ کمیشن لئے بغیر ان کو ادا کریں گے [معاوضہ میں قبیلہ کارواں کی سلامتی کا ذمہ دار ہوگا] ابن سعد نے مزید برآں یہ بھی صراحت کی ہے کہ قیصر سے اجازت ملنے کے بعد ہاشم نے جب مکرر (آخری مرتبہ) شام کے سفر پر روانہ ہو کر یکایک غزہ میں وفات پائی تو چند ماہ بعد سوگوار بیوی کے ہاں عبدالمطلب نامی لڑکا پیدا ہوا۔

نظام الدین القمی نے اپنی تفسیر میں سورہ ایلاف کی بحث میں ان معلومات کا اضافہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا بحری تاجر حبشی تھے اور یہ کہ مکہ والے جدہ تک اپنے گدھے لیجاتے تاکہ کشتیوں سے اتارا ہوا مال مکہ تک لائیں۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ): قدیم پیشہ ہے (بلکہ زراعت اور کاشتکاری ان کے نزدیک ذلیل ترین پیشہ تھا) لیکن چونکہ اسلام سے سو سو برس پہلے سے یمن اور شام کے ملک میں سیاسی انقلابات پے در پے ہو رہے تھے۔ اس لئے قریش کے خاندان میں جب قصی اور ہاشم پیدا ہوئے تو انھوں نے قریش کے کاروان تجارت کو منظم کیا۔ اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے اشام بہت پہلے سے رومیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ہاشم نے نجاشی اور قیصر سے فرمان حاصل کئے کہ ان ملکوں میں بے روک ٹوک آمد و رفت کی اجازت رہے۔ (ا۔ق، ج ۲، ص ۱۲۴)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

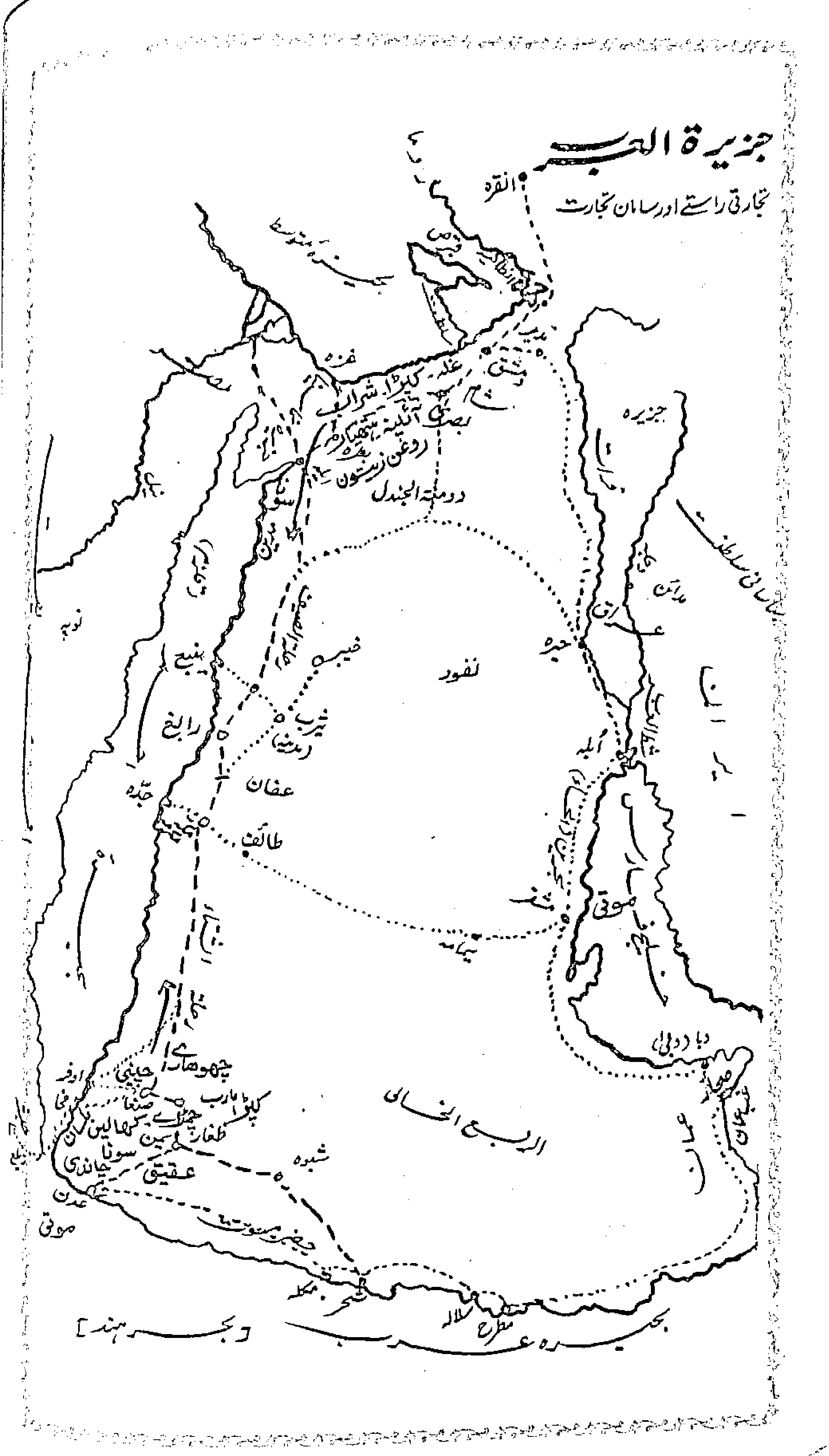

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حبشی تاجروں نے بعد میں اپنا حلقۂ عمل وسیع تر کرلیا اور اپنا درآمد کردہ مال خود ہی مکہ تک پہنچانا شروع کیا۔[1]

عرب کی ہر بستی والے اپنے کاروانوں کی حفاظت کے لئے کچھ تو خود ہتھیار بند ہوکر بطور محافظ دستہ کے جاتے اور ان علاقوں کے جہاں سے انھیں گزرنا ہوتا' قبائل سے حلیفی اور دوستی پیدا کر لیتے۔ لیکن قریشی کاروبار' شمال' جنوب' مشرق' مغرب سب طرف پھیلا ہوا تھا۔ وہ عراق بھی جاتے' یمن بھی' حبش بھی۔ شام بھی اور اندرون عرب بحرین وعمان ونجد وخیبر بھی۔ ان کا نظام وسیع تھا: انھوں نے ایک فوج قائمہ نوکر رکھ لی تھی۔ جو تمام بدوی عرب میں اچھوتی چیز تھی۔ انھوں نے خفارے یا بدرقے کی ضروریات کے لئے معاہدات کا جو وسیع اور ملک گیر جال پھیلا دیا تھا اس کا ذکر ابن قتیبہ کے استاد محمد بن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) سے سنئے جو کہتا ہے کہ:

> "جو تاجر بھی یمن وحجاز سے نکلتا تو وہ اس وقت تک قریشی خفارے یا محافظ دستے کا محتاج رہتا جب تک کہ وہ حضری قبائل کے علاقے میں رہے کیونکہ ایک حضری قبیلہ دوسرے حضری قبیلے کے تاجروں کو نہ ستاتا۔ مزید برآں حضریوں کی حلیفی جن جن قبائل سے تھی ان کے ہاں بھی ان کو امن رہتا اور یہ "باہمی امن" کے اصول پر مبنی تھا چنانچہ قبائل کلب ان کو حضری قبیلہ بنو تمیم سے حلیفی کے باعث نہ ستاتے اور قبائل طئی بھی ان کو حضری قبیلۂ بنو اسد سے حلیفی کے باعث نہ چھیڑتے اور حضری قبائل کہا کرتے تھے کہ قریش نے ہمارا وہ قرض ادا کر دیا جو حضرت اسمٰعیلؑ سے ہمکو وراثتاً ملا تھا

---

[1] ماخوذ (ح)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب یہ آگے بڑھ کر عراق کی سمت میں جاتے اور بنی عمرو بن مرثد سے خفارہ حاصل کر لیتے تو تمام قبائل ربیعہ میں وہ کافی ہوتا....

جو تاجر دومتہ الجندل جاتے ان کو بھی قریش ہی سے خفارہ حاصل کرنا ہوتا۔ رابیہ جو حضرموت میں واقع ہے۔ اگر وہاں جانا ہوتا تو قریش وہاں کے قبیلہ بنو آکل المرار سے خفارہ حاصل کرتے اور باقی لوگ آل مسروق سے لیکن قریشی حلیفی کے باعث آکل المرار نے غلبہ اور حکومت وسطوت حاصل کر لی اور سب کو زیر کر لیا" [۱]

اس دلچسپ اقتباس سے معلوم ہوگا کہ خفارہ جو ایک معنی میں بین الاقوامی پروانہ راہداری کا مہیا کرنا تھا، عربوں کے ہاں ایک مستقل ادارہ بن گیا تھا جس کی قیمت مقرر تھی۔ عدنان وقحطان کے قبائل حضر و ربیعہ کے قبائل سب اس میں داخل تھے اور عملاً پورا عرب اس نظام میں منسلک ہو گیا تھا جو قریشی مواصلات کے لئے ضروری تھا۔ قریش نہ صرف اس نظام اور سلسلہ حلیفی سے خود فائدہ اٹھاتے بلکہ تاریخی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کو بھی بخوشی متاوضہ لے کر خفارہ مہیا کرتے۔ اسی نظام کی برکت تھی کہ ہندوستان کا سامان عرب کی راہ یورپ میں پہنچ سکتا تھا۔ جب کہ یورپ میں اٹھارویں صدی تک یہ حال تھا کہ وینس اور جینوا ہو کہ اسپین و پرتگال تجارت پر قومی اجارہ داری ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اور طوفان زدہ مصیبت کا مارا تک اگر اپنی مقبوضات میں پہنچتا تو وہ نہ صرف مال سے ہاتھ دھو بیٹھتا بلکہ جان بچا کر صرف غلام بنتا تو یہ اسے ایک نعمت غیر مترقبہ ملتی [۲] قریش نے خفارے کے اغراض کے لئے حلیفوں

---

[۱] کتاب المحبر۔ [۲] نیس کی فرانسیسی تالیف "جدید قانون بین الممالک کا آغاز" ص $\frac{۶۶۶}{۶۲۴}$ (مترجمہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی جو طرح ڈالی تھی وہ مختلف اصُول پر مبنی ہوتی، کبھی تو باہم امن کی شرط کافی ہوتی کبھی قریش یہ کرتے نظر آتے ہیں کہ کسی غریب قبیلے کا مال بطور کارندہ تجارت کے لے جاتے اور کوئی کمیشن لئے بغیر نفع مالکوں کے سپرد کر دیتے۔ اور کبھی خفاروں پر لفتد معاوضہ رقم یا جنس کی صورت میں دیتے۔ بہت سے قبیلوں کا روزگار ہی اس خفارے سے نکلتا۔ وہ رہبر مہیا کرتے جو راستے میں چوکس اور سینہ سپر رہتے۔ اور عربوں ہی نہیں بلکہ حیرہ کے بادشاہ اور دیگر اجنبیوں تک کا مناسب معاوضہ لے کر لطیمہ[1] یعنی تجارتی سامان منڈی تک بحفاظت لے جانے اور واپس لانے کا ذمہ لیتے اور یہ ذمہ داری علی العموم پوری ہوا کرتی ہوگی جبھی تو یہ ادارہ بقاء و استحکام میں نظر آتا ہے۔

"اسواق العرب" پر محمد بن حبیب کی کتاب کا ایک اقتباس ہم ابھی پڑھ چکے ہیں اسی کتاب کا ایک اور اقتباس سننے کے قابل ہے جس میں کہیں کہیں ایک اہم ماخذ مؤلف مرزوقی کے بیان سے تکملہ کیا گیا ہے :۔

"دومتہ الجندل میں جو شام و حجاز کے مابین ہے یکم ربیع الاوّل کو میلہ لگتا اور مہینہ بھر چلتا۔ پھر برخاست ہو کر آئندہ سال اسی زمانے میں لگتا۔ (قریش مکے سے اس کے لئے جاتے) .... پھر یہاں سے لوگ چل کر بحرین میں مشقر آتے جہاں یکم سے آخر جمادی الآخرہ تک میلہ لگتا اور دومتہ الجندل کی طرح یہاں بھی مقامی حکمرانوں کو عشر یعنی دس فیصدی چُنگی وصول ہوتی۔ ایران تک سے تاجر یہاں سامان لے کر آتے اس کے بعد یہاں سے یکم رجب کو چلتے۔ کو عمان کے

---

[1] حیرہ کے بادشاہ عکاظ کے سالانہ میلوں میں اپنا تجارتی سامان بھیجا کرتے تھے۔ اس کو لطیمہ کہتے تھے قریش میں حرب فجار کے نام سے جو آخری جنگ ہوئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے اسی لطیمہ کے لٹ جانے سے برپا ہوئی تھی۔ (ا۔ ق) ج ۲ ص ۱۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہر صُحار کو آتے آتے بیس دِن لگ جاتے اور جو پہلے نہ آسکے ہوتے وہ اب آتے اور یہاں پانچ دن تک میلہ لگتا۔ اور یہاں کا عشر بادشاہ جُلندی کو ملتا۔ اس کے بعد دبا کا میلہ[۱] رجب کے آخر میں لگتا یہ عرب کی دو بڑی بندرگاہوں میں سے ایک تھا یہاں سندھ اور ہند اور چین اور مشرق اور مغرب کے لوگ آیا کرتے اور خشکی و سمندر سے سامان لاتے یہاں کا عشر بھی بادشاہ جلندی ہی کو ملتا۔ اس کے بعد مہرہ کے شہر شحر میں (جو آجکل ہمارے سلطان مُکلا و شحر کے علاقے میں ہے) وسط شعبان سے میلہ لگتا جہاں بری اور بحری تاجر سب دبا سے چل کر آتے۔ یہاں کھالیں، کپڑے وغیرہ فروخت کئے جاتے اور ایلوہ، لوبان وغیرہ جو مقامی پیداوار تھے خرید کئے جاتے۔ پھر عدن میں یکم رمضان سے بیس دن میلہ لگتا یہاں بڑا اچھا انتظام تھا کسی محافظ دستے کی یہاں ضرورت نہ رہتی۔ یہاں کا عشر ایران کا آباد کار افسر لے لیتے یہاں سمندری راہ سے آنے والے لوگ جو دبا اور مہرہ آتے وہ نہ آتے بجز اس کے کہ کسی کے پاس کچھ سامان بچ رہا ہو اور اس سے پہلے کے میلوں میں اسے شرکت کا موقع نہ ملا۔ عدن میں جو عطر بنتا اس کی دور دور شہرت تھی۔ سمندری راہ سے آنے والے تاجر اس کو بطور تحفہ سندھ اور ہند تک لے جاتے اور اس پر فخر کیا جاتا اور خشکی کی راہ آنے والے اسے ایران و روم تک لیجاتے[۲]

---

[۱] دبا اور صحار کے اہم میلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا (قبل نبوت) اور طویل مدت گذارنے کا اشارہ مسند احمد بن حنبل (ج ۴ ص ۲۰۶) میں ملتا ہے۔ [۲] عطر سازی کے متعلق مرزوقی نے اپنی ۴۵۲ھ کی تالیف میں لکھا ہے کہ اس وقت تک وہ صنعت وہاں کمال پر ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عدن کے بعد صنعا کا میلہ تھا جو وسط سے آخر رمضان تک ہر سال لگتا۔ یہاں روئی، زعفران، مختلف رنگ، لوہے وغیرہ کے سامان بکتے یہاں کا عشر بھی ایرانی حکمراں افسر لیتے۔ ان مختلف میلوں میں لوگ وہ سامان خریدتے جن کی ان کے اپنے ملکوں میں مانگ تھی اس کے بعد رابیہ واقع حضرموت اور عکاظ قریب عرفات و مکہ میں بیک وقت وسط ذلیقعدہ سے آخر ماہ تک میلہ لگتا۔ کچھ لوگ عکاظ آتے اور کچھ رابیہ جاتے عکاظ کے قریب ذی المجاز ہے چنانچہ عکاظ کے بعد یکم ذالحجہ سے دس دن ذی المجاز میں میلہ لگتا پھر منیٰ میں جو مکے کے مضافات میں ہے۔ حج کے سلسلے میں میلہ جمتا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد لوگ خیبر یا یمامہ جاتے جہاں محرم کی دسویں سے میلے لگتے"۔ ؎

اس اقتباس سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کس طرح شمال سے مشرق، مشرق سے جنوب جنوب سے مغرب اور مغرب سے شمال غرض پورے عرب کا سال بھر میں دورہ ہو جاتا ہے پھر کس طرح پورے عرب میں سیاسی تو نہیں لیکن معاشی وفاق قائم ہو گیا تھا کس طرح ان میں ایک ربط و نظم پیدا ہو گیا تھا۔ اور اگرچہ ہر جگہ مقامی خودمختاری اور محصول گیری وغیرہ رائج تھی لیکن پھر بھی کس طرح خفارے کے نظام اور میلوں میں حفاظت کے انتظام

؎ اسلام کے بعد بھی ان میلوں میں وہی رونق اور تجارتی دھوم دھام قائم رہی اور تقریباً سو برس بزمانۂ اسلام میں قائم رہے۔ سب سے پہلے بازار عکاظ سرد ہوا۔ ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہو گیا۔ (فتح الباری) اس کے بعد اور بازار کچھ دنوں تک چلتے رہے۔ بصریٰ اور اذرعات میں بنو امیہ کے اہتمام سے بڑا بازار لگتا تھا (فتح الباری) تفصیل کے لئے دیکھئے (ا۔ق) ج ۲ ص ۱۲۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ نے مرکز گریز اور افتراق پسند بدویوں میں ایک یکجہتی اور مرکز کششی پیدا کر دی تھی علاوہ ازیں تمام عرب سے لوگوں کے مکہ آنے اور مکے والوں کا عرب اور عرب کے باہر عراق و شام اور مصر و حبشہ تک مسلسل آنے جانے نے پورے عرب کی مختلف علاقہ وار بولیوں میں قربت پیدا کر کے ایک مشترکہ معیاری بولی پیدا کرنے میں حصہ لیا ہو گا۔ اس نے عربوں کو احساس یگانگت دیا ہو گا۔ اس نے تمام عربوں کے رسم و رواج اور اخلاق و عادات میں مماثلت پیدا کی ہو گی۔ اس نے ان میں محنت پسندی اور کوچ کی عادت، اور تمام دنیا کو اپنا وطن سمجھنے کا میلان پیدا کیا ہو گا۔ اس نے ان کو عراق، شام اور مصر خاص کر جغرافیائی اور طبعی حالت سے واقف کرا دیا ہو گا جس کے باعث عہد نبوی اور خلافت راشدہ کی فاتحانہ پیش قدمی کسی اجنبی کی امداد کی محتاج نہ رہی۔ اور اسی نے بیرون، خاص کر متمدن ممالک کے آئے دن کے سفر سے ان میں روشن خیالی جذبات اور امنگیں پیدا کی ہوں گی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳)

سیاسی فضا

☆ منشا ر احمد ☆

ظہور اسلام کے وقت سرزمین عرب جس طرح تمدنی، مذہبی معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ظھر الفساد فی البر والبحر کی تفسیر تھی اسی طرح سیاسی لحاظ سے بھی وہاں ظلمات بعضھا فوق بعض کا مکمل ظہور تھا۔ انسانی تاریخ کا وہ دور غیر الٰہی حاکمیت، قبائلی عصبیت، ظالمانہ اور فاسقانہ معاشرت اور ہمہ گیر فساد انسانیت کا ہیجانی دور تھا۔

داخلی اور خارجی سیاست عرب اصلاح پذیری سے بہت دور تھی۔

"کیونکہ نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان دیا تھا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا۔ تمام ملک قتل و غارت گری، سفاکی و خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا۔ ملک میں اضطراب اور بدامنی عام تھی۔ حتیٰ کہ بحرین کا عبد القیس جیسا طاقتور قبیلہ بھی ۵ھ تک مضری قبائل کے ڈر سے اشہر حرام کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رُخ نہیں کر سکتا تھا۔"[1]

یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی۔ بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے۔ ملک کے تمام سرسبز

---

[1] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۳ اعظم گڑھ ۱۳۷۵ھ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور زرخیز صوبے روم وفارس دو عظیم الشان طاقتوں کے پنجے میں تھے۔ تقریباً ساٹھ برس سے ایران والے یمن عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے۔ اور ان کے زیر اقتدار برائے نام عرب رؤسا حکمراں تھے۔ حدود عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرونی ملک بھی پیش قدمی شروع کردی تھی۔ رومیوں نے حدود شام پر قبضہ کر لیا تھا۔ آل غسان اور عرب کے چھوٹے چھوٹے رؤسا نے عیسائی مذہب قبول کر کے ان کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور وہ مجبوراً حدود شام سے قلب حجاز تک ہٹ آئے تھے[1] لیکن معاشی استحکام کی وجہ سے انھیں سیاسی اقتدار بھی حاصل تھا۔ آغاز اسلام کے وقت یہ عرب کے تقریباً ہر حصے میں ملتے ہیں بلکہ انکی بستیوں کا ایک زنجیرہ نظر آتا ہے۔ جو ایلہ (عقبہ) مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیما فدک، یثرب اور طائف و جرش سے لے کر یمن اور عمان و بحرین تک شمالاً جنوباً چلا گیا۔[2]

مکے میں یہ کم نظر آتے ہیں لیکن مدینہ میں تو یہود نے اپنے لئے مدینے سے شام تک متصل قلعے تعمیر کر لئے تھے یہ مقامات ان کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی غالباً ان ہی کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے۔

لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (الحشر ۱۴)

(یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار (قلعہ و شہر پناہ) کی آڑ میں)

وانزل الذین ظاہروہم من اہل الکتاب من صیاصیہم

(الاحزاب ۲۶)

(اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا۔)

---

[1] سیرت النبی جلد دوم ص ۵ [2] رسول اکرم کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ کراچی ۱۹۶۱ء ص ۲۱۰ [3] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ قریظہ، قینقاع، خیبر، فدک وغیرہ ان کی بڑی چھاؤنیاں تھیں [1]

قدیم حکومتیں

غرض تاریخ سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نما میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم ہوئی ہو۔ البتہ کبھی کبھی خاصی وسیع سلطنتیں وجود میں ضرور آئیں مگر کندہ والوں نے حضر موت سے حیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ دنوں تک ایک حکومت قائم کر لی تھی [2] یا دوسری قدیم ترین حکومتیں مثلاً معینی [3]، سبائی [4]، حمیری [5]، قتبانی [6] یا نابتی [7] وغیرہ جن کا غلبہ اور وجود ایک عرصہ تک قائم رہا۔ چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

وكان لهذا الامم ملوك ودول فى جزيرة العرب وامتد ملكهم الى الشام ومصر فى شعوب منهم

---

[1] سیرت النبی جلد ۲ ص ۵۔ [2] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۳۲ [3] جنوب یمن میں معین نامی ایک آبادی تھی اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا (موجودہ صنعا) واقع تھا۔ اس کا وجود دوسری صدی ہجری تک باقی تھا۔ یہ شہر کسی زمانہ میں حکومت کا مستقر تھا۔ خاندانی حکومت ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک موجود تھا۔ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشوریا (اسیریا) تک قائم تھی۔ (دیکھئے ارض القرآن ج ا سید سلیمان ندوی ص ۲۰۴ تا ۲۱۵۔

[4] معین کے بعد سبا کا زمانہ آتا ہے۔ زمانہ عروج غالباً ۸۵۰ ق م ہے۔ سبا کا اصلی مرکز حکومت جنوب عرب میں یمن کا شرقی حصہ تھا۔ اس کا دار الحکومت شہر مارب تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا دائرہ مغرب میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا۔ سبا کے جانشین حمیر ہے۔ [5] حمیر یا سبا کا طبقۂ ثالثہ و رابعہ (۱۱۵ ق م - ۵۲۵ء)

[6] دیکھئے ارض القرآن ج ا ص ۲۰۸ [7] حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا۔ نابتی حکومت شام کے حدود سے متصل تھی (شبلی ج ا سیرۃ النبی۔ اعظم گڈھ۔ طبع پنجم ص ۱۱۰-۱۱۳) بنا یوطا کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ درحقیقت تین قدیم ممالک (وادی القری، مدین، ادوم) کا مجموعہ تھا۔ ان کا دار الحکومت پہلے رقیم (پیٹرا) اور بعد کو حجر ہوا۔ حکومت ۱۰۶ء تک باقی تھی (ارض القرآن ج ا ص ۹۱)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"ان اقوام میں کئی بادشاہ ہوئے ہیں۔ جزیرہ عرب میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم تھیں اور ان کے کچھ قبائل کی وسعت مملکت مصر و شام تک پہنچ گئی تھی" (تاریخ ابن خلدون جلد ۲)

لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آیا ظہور اسلام کے وقت یہ تمام حکومتیں تباہ و برباد ہو چکی تھیں صرف عراق و شام کی سرحدوں پر دو حکومتیں آل منذر اور آل غسان موجود تھیں مگر ان دونوں حکومتوں کا ملک کے اندرونی نظم و نسق کی تاریخ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

اگر عرب کا سیاسی جائزہ لیں تو دو قسم کے صنادید نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ شاہان تاجدار جو بالاستقلال کسی شاہنشاہ کے زیر اثر حکومت رکھتے تھے۔ مثلاً اوپر ذکر آیا ہے ملوک حیرہ و یمن وغیرہ اور دوسرے گروہ روسائے قبائل جو اپنے اپنے قبیلوں کے امیر مانے جاتے تھے اور کہیں کہیں خود مختار اور آزاد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم کر رکھی تھیں۔

چنانچہ مکہ، مدینہ، طائف، ینبوع، جرش، صنعا، عدن، صحار، دبا، یمامہ، فید، دخیبر، دومۃ الجندل، خیبر، فدک، ایلہ اور مشرقی ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جا سکتی تھیں۔[1]

مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور و معروف، اہم اور منظم ترین مکہ کی شہری مملکت CITY STETE OF MECCA تھی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد قصی بن کلاب[2] نے مکہ پر قبضہ کر کے ۴۴۰ میں قائم کی تھی۔[3] قصی بہت ہی جلد ایک مقبول حکمران بن گئے تھے۔ حتیٰ کہ ابن سعد کے الفاظ میں "جس طرح مذہب کی پیروی کی جاتی ہے۔ اہل مکہ اسی

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۳۳ [2] محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب (ابن ہشام۔ ص ۱ مطبوعہ مصر) [3] لائف آف محمدؐ۔ میور۔ لندن ۱۸۶۱ء ص CCXIIV، رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصور پوری ص ۲۸۔ لاہور ۱۹۵۳ء۔ واضح رہے کہ قصی کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا عہد وسط ہے (یعنی تقریباً ۴۲۰ء تا ۴۸۰ء) دیکھیے تفصیل کے لئے ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طرح قصی کے حکم کی پیروی کرتے تھے اور زندگی تو زندگی مرجانے کے بعد بھی انھیں کے حکم پر عمل ہوتا تھا۔[1] قصی نے مملکت کے نظم و نسق کو بہترین حالت میں قائم رکھنے کے لئے مختلف محکموں کو قائم کیا۔ ان کے زمانے میں مندرجہ ذیل عہدوں[2] کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ حجابہ (کعبہ کی دربانی) ۲۔ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) ۳۔ رفادہ (حاجیوں کے لئے کھانے کا انتظام) ۴۔ لواء (جھنڈا جنگی عہدہ) ۵۔ ندوہ[3] (شوریٰ) ۶۔ مشورہ۔ ۷۔ قیادہ (جنگ میں لشکر کی قیادت) ۸۔ قبہ (شامیانہ۔ جنگی عہدہ) ۹۔ اعنۃ (گھوڑے کی لگام جنگی عہدہ۔ ۱۰۔ اموال المحجرہ (چڑھاوے کا مال) ۱۱۔ الیسار والازلام (عدل و انصاف کے عہدے) ۱۲۔ اشناق (دیت وغیرہ کے تعین کے لئے) ۱۳۔ حکومہ۔ ۱۴۔ سفارہ۔ ۱۵۔ عقاب (جھنڈا) ۱۶۔ سدانہ (کعبہ کی رکھوالی) ۱۷۔ عمارۃ (حرم کعبہ کا عام انتظام) ۱۸۔ افاضہ، ۱۹۔ اجازہ، ۲۰۔ نسی (مہینے بدل دینا) ۲۱۔ حلوان النفر[4] (جنگی عہدہ۔ بدلہ میں دوسرا فوجی بھیج دینا)۔

آغاز اسلام کے وقت ان میں سے بہت سے عہدے باقی تھے مگر تمام عہدوں میں سب سے اہم اور قابل ذکر ندوہ تھا۔ یہ قریش کا منتدا یعنی محل اجتماع تھا قصی نے اس کی تعمیر کر کے اس کا دروازہ بیت اللہ کی جانب رکھا۔ یہی دار الندوہ ہے جس میں قریش کے تمام معاملات فیصل ہوتے تھے۔ نکاح یا جنگ یا امور پیش آمدہ میں مشورہ سب کا محل یہی تھا حتیٰ کہ :۔

---

[1] الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ بیروت ۱۹۶۰ء ص ۷۰ ج ۱ [2] اس بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے کہ خاص قصی کے زمانے میں کتنے عہدے تھے اور بعد کو کن کن کا اہتمام ہوا۔ [3] ندوۃ۔ مرکزی دار البلد، دار الشوریٰ، پارلیمان، اجتماع گاہ، مذہبی مرکز، ثقافتی مرکز، سب ہی کچھ تھا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: الازرقی۔ اخبار مکہ ج ۱، لیپزگ ۱۸۵۸ء و مطبوعہ مصر ۱۹۶۲ء (ص ۶۰ تا ۶۷) ابن ہشام ج ۱ ص ۱۳۱ تا ۱۳۸ مطبوعہ مصر مصطفیٰ البابی واولادہ ۱۹۳۶ء، ابن سعد ج ۱ ص ۷۴ تا ۷۶، وغیرہ۔ [4] تفصیل کے لئے دیکھئے الازرقی ص ۶۰ تا ۹۹، ابن ہشام ص ۱۳۱ تا ۱۳۸ اور ابن سعد ص ۷۴، ۷۶، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ ص ۳۳ تا ۷۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۔ لڑکی جب بالغ ہوتی تو اس کا قمیص وہیں چاک کیا جاتا۔

۲۔ علم جنگ خواہ اپنے لئے ہو خواہ دوسری جماعت کے لئے' دارالندہ میں ہی گاڑا جاتا۔ جو قصی کا خاص کام تھا۔[1]

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ اس کی وجہ سے مختلف شاخوں کو مختلف شاخوں پر سیاسی و مذہبی برتری حاصل تھی خصوصاً تولیت کعبہ ایک ایسا معزز عہدہ تھا جس کی وجہ سے حامل عہدہ کی نہ صرف مکہ بلکہ پورے عرب میں مذہبی و سیاسی برتری تسلیم کی جاتی تھی۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی حال تھا۔ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو پورے عرب پر مذہبی برتری حاصل تھی۔ یوں عقاب کا عہدہ بنی امیہ میں' سقایہ اور عمارۃ بنی ہاشم میں' رفادہ بنی نوفل میں اور سفارت وغیرہ بنی عدی میں[2] اور اسی طرح مختلف عہدے مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔

بہرحال قصیٰ کی وفات کے بعد ایک اعیانیت قائم ہو گئی[3] اور اپنی وفات کے وقت اپنے سیاسی فرائض اپنے بچوں کو بانٹ دیئے۔ تو پھر وہ کسی ایک فرد میں دوبارہ جمع نہ ہو سکے بلکہ منتشر ہی ہوتے چلے گئے[4] اور ظہور اسلام تک یہی انتشار باقی رہا۔ جس کی وجہ وہ خودسر قوم تھی جس کے نتیجے میں کبھی ایک متحدہ عرب مملکت (United Arab State) قائم نہ ہو سکی۔

قبائل

علاوہ ازیں ملک میں بیسیوں قبائل آباد تھے۔ چنانچہ شمالی عرب میں مختلف قبائل کی الگ الگ ٹولیاں تھیں۔ جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں۔ بکر و تغلب کی چالیس سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہی ہوا تھا اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے۔ خاص حرم اور شہر حرام میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ

---

[1] ابن سعد ص ۷۴۔ ۷۵ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۵' ۱۰۶ [3] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۴۲ [4] رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص ۲۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاری تھا۔ آبادی میں بدوی اور حضری کی تقسیم تھی۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار اور جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ اور تمام قبائل جنگ کی غیر مختتم زنجیروں میں جکڑے تھے۔ جن کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد تجارت تھی۔ جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا اسی طرح قبیلے قبیلے کا جدا جدا رئیس تھا۔[1]

ہر قبیلہ آزاد و خود مختار تھا۔ گویا سوسائٹی میں اجتماعیت سے زیادہ انفرادیت غالب تھی۔ حکومت سے زیادہ فرد اور قبیلہ کو اہمیت حاصل تھی۔ معاشرہ کی بنیاد خون کے رشتوں پر تھی۔ حسب و نسب اصل اہمیت رکھتے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا۔ جو شیخ کہلاتا۔ اور اپنے قبیلہ کے لئے بمنزلہ بادشاہ ہوتا۔ سرداری کے لئے باہم رقابت بھی ہو جاتی تھی۔

عرب چونکہ انتہائی جمہوری مذاق رکھتے تھے[2] اس لئے قبیلے کا سردار اہل قبیلہ میں سے ہوتا اور جمہوری اصول کے مطابق وہی اس منصب کا اہل ہو سکتا تھا جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں۔ اور جسے عمر، عزت، اولاد، مال اور قابلیت کے علاوہ عرب کی فطری خصوصیات مثلاً شجاعت، مہمان نوازی اور فیاضی میں دوسروں پر تفوق حاصل ہو۔ کبھی کبھی اگر ان ہی خصوصیات کا حامل کسی سردار کا لڑکا ہوتا تو اسے بھی سرداری مل جاتی تھی۔ سرداروں کو قبیلہ میں حقوق کے اعتبار سے کوئی امتیاز حاصل نہ تھا لیکن اس کے برعکس ان کے فرائض سب سے زیادہ تھے۔ ان کا سب سے بڑا فریضہ قبیلہ میں اتحاد و یکجہتی کا قائم رکھنا تھا۔[3]

ہر قبیلہ میں ہر دس آدمیوں پر ایک عریف اور ہر ایک سو پر ایک قائد یا نقیب ہوتا تھا۔ قبیلہ میں بطن، فخذ، شعب وغیرہ کی شاخ در شاخ تنظیم و تقسیم پائی جاتی

---

[1] سیرت النبی ج ۲ ص ۱
[2] The Arabs BY HITTI
[3] The History of the Islamic People by Brockelman

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ موالی بنانے اور قبائل کو حلیف بنانے کا طریقہ رائج تھا کسی قبیلہ کے خلاف کوئی بیرونی حاکم کسی طرح کا اختیار سماعت نہ رکھتا تھا۔ بعض قوی قبیلے کمزور قبیلوں کو زیر کر کے ان سے خراج وصول کرتے تھے قبائل پر بیرونی اثرات بھی ہوتے تھے مگر ایک بہترین قبیلہ بیرونی اثر سے بالکل آزاد ہوتا تھا۔

شہروں میں جتنے محلے یعنی قبائلی آباد تھے تھیں اتنی ہی مجالس محلہ بھی تھیں۔ جن کو نادی کہا جاتا تھا۔ ان نادیوں یا قبائل کی مجالس محلہ میں ہی اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعے مولا یعنی فرد خاندان بنانے کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ اور کسی فرد یا خاندان کو طرد و خلع وغیرہ کرنے کا اعلان بھی وہیں سے کیا جاتا تھا۔ شاعرانہ قصہ گوئی اور تجارتی معاملات، کاروانوں کی آمد و رفت قبائلی نادیوں سے ہوتی تھی۔ قبائل میں نقیب کا عہدہ بھی پایا جاتا تھا جسے منادی یا مؤذن کہتے تھے۔ جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجالس کے انعقاد کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اس کے علاوہ ہر قبیلہ کے سردار کے پاس اپنے خصوصی منادی بھی ہوا کرتے تھے۔ کسی تقریب یا دعوت کا بلاوا یا کسی خاندان یا فرد کے طرد و خلع کی اطلاع دوسرے محلوں کو کرنا بھی ان ہی سے متعلق تھا۔[1]

مجامع

یہاں شاید ان مجامع کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا جو بازاروں یا میلوں کی شکل میں عرب کے مختلف حصوں میں سال بھر تک جاری اور قائم رہتے تھے۔ سیاسی طور پر ان کی اہمیت اس لئے معلوم ہوتی ہے کہ یہی وہ مواقع تھے کہ جہاں ایک ہی وقت میں بہت سے قبائل جمع ہوتے تھے۔ آپس کے معاملات کو طے کرتے۔ باہمی خون کے مقدمے، سرداروں کے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ یہیں کیا جاتا۔ گویا ان مجامع کو اس اعتبار سے ایک قسم کی بین القبائلی عدالت (INTER-TRIBAL COURT) کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ان بازاروں اور میلوں میں دنیا کے دور دراز کے مختلف حصوں مثلاً ایران، مصر، شام اور ہندوستان

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۳۹ تا ۴۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۴)

معاشرتی ماحول

☆ محمد کلیم۔ ایم اے ☆

جزیرۃ العرب کے باشندے اسلام سے قبل وہاں سینکڑوں برس سے رہتے بستے آئے تھے۔ ایران، روم اور مصر جیسے متمدن ملکوں کی ہمسائیگی حاصل تھی اور ارد گرد کی مہذب اقوام سے تجارت و سفارت کا سلسلہ قائم تھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کی دوڑ میں ابھی بہت پیچھے تھے اس معاشرتی پستی کا سبب غالباً عرب کے خاص جغرافیائی حالات تھے کیونکہ جس ملک کا تین چوتھائی حصہ لق و دق تپتے ہوئے صحراؤں بے آب و گیاہ ریگستانوں خشک پہاڑوں اور ندی نالوں پر مشتمل ہو وہاں وسائل زندگی بھلا آسانی سے کہاں میسر آسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی بڑی تعداد خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے پر مجبور تھی اور کسی ایک جگہ مستقلاً رہائش اختیار کر کے متمدن اقوام کی طرح صنعت و حرفت یا زراعت میں مشغول ہونے کی خواہش مشکل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔ پھر رہائش کے اعتبار سے بھی عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ حضری اور بدوی شہروں میں رہنے والوں کو حضری اور صحراؤں میں بسنے والوں کو خانہ بدوش یا بدوی کہا جاتا تھا

شہری ایسی جگہوں پر آباد تھے جہاں کچھ نخلستان تھے وہ لوگ عموماً تجارت کیا کرتے تھے۔ چونکہ وسائل معاش کی تنگی پورے عرب میں تھی اس لئے خانہ بدوش

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قبائل اور ایک مقام پر مستقل رہنے والوں میں معاشرتی اعتبار سے زیادہ فرق نہیں تھا۔ بود و باش، رہن سہن، رسم و رواج وغیرہ سب یکساں تھے۔ اہل عرب میں سے بڑی تعداد بدویانہ طریق زندگی کو اپنائے ہوئے تھی۔ ان کا نہ تو کوئی مسکن تھا نہ مرکز۔ یہ لوگ خیموں میں رہا کرتے تھے ان کے پڑاؤ ریگستان کے کنارے شاداب مقامات پر ہوا کرتے تھے[1] لیکن یہ شادابی چونکہ ریگستان میں عارضی ہوتی تھی اس لئے ان کا قیام بھی مختصر ہوتا تھا۔ یہ لوگ بارش کا انتظار کرتے اور بارش کے بعد ایسی جگہ تلاش کرتے جہاں مویشیوں کے چرانے کے لئے چارہ میسر آئے اگر بارش نہ ہوتی اور پورا سال خشک ہوتا تو یہ اپنی تقدیر پر صبر کر لیتے تھے۔ ان کا گذارا مویشیوں کے گوشت اور دودھ پر ہوتا تھا۔ انہی جانوروں کی کھالوں کو پہنتے تھے ان کا ہی بستر بناتے اور خیمے بھی ان ہی کھالوں سے تیار کرتے تھے اور جب تنگ دستی بہت ستاتی تو سوسمار (گوہ) چھچھوندر اور عود بلاؤ تک کھا لیتے تھے[2]۔ اگر انہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی تو تبادلہ (BARTER) کے طریقے پر معاملہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ جانوروں اور چوپاؤں اور ان کی اولادوں کے بدلے کھجوریں اور کپڑے لے لیا کرتے تھے[3]

ان وسائل معاش کے علاوہ ایک ذریعہ لوٹ مار بھی تھا جس کو وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ لوٹ مار میں مویشیوں کے علاوہ دوسرا مال بھی ہاتھ میں آجاتا تھا لیکن ایسا کرنا آسان اور فائدہ مند نہ تھا کیونکہ دوسری طرف وہ دوسرا قبیلہ جسے پہلا قبیلہ لوٹ لیتا تھا انتقاماً پہلے قبیلہ پر موقع ملتے ہی حملہ بول دیتا تھا اور اپنے مویشی اور مال و اسباب واپس لینے کے ساتھ ساتھ اس کا مال اسباب بھی لوٹ لیتا تھا۔

۱۔ تمدن عرب۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان۔ مترجمہ سید علی بلگرامی، مقبول اکیڈمی لاہور بار دوم ۱۹۳۶ء ص ۱۴۰۔ ۲۔ فجر الاسلام۔ از احمد امین مصری مترجمہ عمر احمد عثمانی ص ۶۰۔ ۳۔ ایضاً ص ۶۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک جگہ جم کر نہ رہنے کی وجہ سے بدوی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے بلکہ انہیں ایسے کاموں سے نفرت تھی اور انہیں اپنی آزادی اور حریت کے منافی سمجھتے تھے[1] تجارت سے بھی انہیں طبعاً نفرت تھی اگر کبھی شریک بھی ہوتے تو اس حد تک کہ تاجروں کو اپنے جیسے بدوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھیں[2]

بدویوں کی عزیز ترین چیز اونٹ تھی فی الحقیقت اونٹ کے بغیر بدویت کا تصور محال ہے۔ اونٹ بدو کی زندگی کا سہارا، نقل و حمل کا ذریعہ، تبادلہ اشیاء کے وقت آلہ مبادلہ، دلہن کا جہیز، خون بہا، قمار کی بازی اور اس کی دولت تھی اونٹ بدوی کی جان اس کی دوسری "انا" اس کی رضاعی ماں اور اس کا رضاعی باپ ہوتا تھا وہ پانی کے بجائے اونٹ کا دودھ پیتا، اس کا گوشت کھاتا، کھال اوڑھتا اس کے بالوں سے اپنے خیمے بناتا۔ اس کی مینگنیاں ایندھن کے طور پر جلاتا اور اس کے پیشاب کو سر کے بالوں میں مقوی دوا کے طور پر ڈالتا تھا[3] اونٹ کی اس افادیت کی بنا پر عربی زبان میں اونٹ اور اونٹ کی ہر حرکت اور ہر خوبی کے لئے بے شمار نام ہیں۔

بدویوں کی پوری آبادی مختلف قبائل میں منقسم تھی۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا تھا جس کا ہر حکم ہر ایک کے لئے قابل اطاعت ہوتا تھا۔ اکثر چند قبیلے اپنی ایک وحدت بنا لیتے تھے اور جس کا شیخ، شیخ الشیوخ ہوتا تھا[4] اس کی حیثیت امارت کے ساتھ ساتھ سپہ سالاری کی بھی ہوتی تھی[5] لیکن شیخ اپنی سرداری اور وجاہت کی وجہ سے دیگر افراد قبیلہ سے زیادہ کسی طرح بھی مراعات کا حقدار نہیں ہوتا تھا اس کے کوئی خاص اور متعین حقوق نہیں تھے۔ بلکہ نفع و نقصان، راحت و خوشی، ہر چیز میں یکساں

---

[1] - فجر الاسلام ص ۶۰ - [2] فجر الاسلام ص ۶۳ -

[3] - عرب اور اسلام - پروفیسر حتی مترجمہ مبارز الدین و محمد معین خاں، ندوۃ المصنفین طبع دوم ۱۹۵۹ء ص ۱۷-

[4] تاریخ عرب موسیو سدیو مترجمہ سید علی بلگرامی ۱۹۰۷ء لاہور ص ۳۰ - [5] - ایضاً -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شریک ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خون کے بدلے خون کے قانون سے بھی بری نہ تھا۔ قبیلے کے کل منافع و مصارف اس کی نگرانی میں ہوتے تھے لیکن وہ اپنے ذاتی فوائد کو ان سے علیحدہ نہ کر سکتا تھا کیونکہ قبیلہ بمنزلہ اس کی اولاد کے اور اسی کے نام سے مشہور ہوتا تھا۔ نیز بعد مشاورت وہ کسی کام کے کرنے کا مجاز نہ تھا۔[۱]

مردوں کے علاوہ عورتیں بھی بدوی معاشرہ میں بہت اہمیت رکھتی تھیں وہ اپنے مردوں کے شریک سفر اور شریک کار رہا کرتی تھیں۔ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے وہاں یہ عورتیں جنگل سے ایندھن کاٹ کر لاتی تھیں۔ کنوؤں سے پانی نکالتی تھیں۔ مویشیوں کا دودھ دوہتی اور کپڑے سیتی تھیں۔[۲] اس کے علاوہ مویشی کے بالوں سے بھی موٹے کپڑے بنتیں خیمے کے لیے رسیاں تیار کر لیتیں اور انہی بالوں سے قالین بھی بنا کرتی تھیں۔[۳]

یہ حال بدوی آبادی کا تھا اس کے علاوہ آبادی کا دوسرا بڑا حصہ حضری زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک عرب ہونے کی حیثیت سے انمیں کتنی ہی مماثلت کیوں نہ پائی جائے طرزِ زندگی اور مشاغل حیات کی بنا پر ایک دوسرے سے امتیاز رکھتے تھے۔ حضری باشندوں کا ایک مستقل مقام اور مسکن تھا وہ اپنی سہولت اور خاندانی روایات کی بنا پر کسی نہ کسی جگہ سکونت رکھتے تھے اس زمانے میں مستقل شہر آباد تھے اور ان میں سے بعض خاصے ترقی یافتہ بھی تھے اور چونکہ عرب کے مختلف حصے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے مختلف حالت رکھتے تھے اس لیے ان کے شہری رواج و رسوم اور عادات و اطوار بھی مختلف تھے۔

بحیثیت مجموعی جو لوگ شہروں یا قصبات میں رہتے تھے ان کے پختہ یا نیم پختہ مکانات ہوتے تھے یہ مکانات بڑے چھوٹے ہر قسم کے اور یک منزلہ، دو منزلہ

۱۔ ایضاً ص ۴ ۲۔ تمدن عرب ص ۱۴۲۔

۳۔ ایضاً ص ۱۴۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہر طرح کے ہوتے تھے۔ پیشہ اور دولت و عزت کے لحاظ سے معیار زندگی میں بھی فرق تھا۔ پیشہ ہر شخص اپنے مزاج و پسند اور ہمت و قوت کے اعتبار سے اختیار کرتا تھا۔ ویسے اہل عرب کا مرغوب ترین پیشہ تجارت تھا۔ تجارت اندرونی اور بیرونی دونوں طرح پر ہوتی تھی۔ اس تجارت سے انہیں بے پناہ منافع حاصل ہوتا تھا جو لوگ اہل ثروت تھے۔ ان کے مکانات بہت بڑے بڑے حویلی کی طرح کے ہوتے تھے[1] جنہیں عیش و تنعم کی ہر چیز فراہم کی جاتی تھی۔ وہاں ان کا دربار جمتا، محفلیں لگتیں اور رقص و سرود کی مجلسیں برپا ہوتی تھیں۔ لونڈی غلام[2]، کنیزیں، شعر و شاعر شراب و کباب، قیمتی لباس اور سامانِ آرائش و زیبائش وغیرہ جنکے لوازمات میں سے تھے۔ اہل ثروت میں سے فنونِ لطیفہ اور ادبیات کے بعض سرپرستوں نے دار القوارير (شیش محل) تک تعمیر[3] کر لیتے تھے۔ جو لوگ کم حیثیت تھے ان کے مکانات معمولی اور کچے پکے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ رہے وہ لونڈی غلام وغیرہ جن کا ٹھکانا مالک کے یہاں نہ تھا اور ایسے مزدور جو باہر سے آکر رہ بس جاتے تھے۔ شہر کے کناروں پر وہ جھونپڑیاں بنا لیتے تھے۔

عام طور پر شہروں میں کوئی منظم قانون اور حکومت نہ تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے نظم و ضبط اور حکومت کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بعض شہر بڑی حد تک شہری مملکتوں کا درجہ رکھتے تھے۔ مثلاً مکہ جہاں ظہور اسلام کے وقت اعیانی حکومت قائم تھی اس کے علاوہ وہاں اصل سماجی نظام قبائل پر مشتمل تھا۔ ہر قبیلہ اپنے طور پر اختیارِ خود انتظامی کا مالک اور معاملات میں آزاد تھا۔ حسب و نسب کو غیر معمولی سماجی حیثیت حاصل تھی۔ اپنے قبیلہ کے آدمیوں کے علاوہ اجنبیوں کو بھی اپنے اندر جذب کرنیکا

---

[1] مثلاً مکہ میں عبداللہ بن جدعان کا مکان جہاں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا تھا۔ [2] یہ غیر مذاہب کے مثلاً یہودی، نصرانی بھی ہوتے تھے۔ اور سینکڑوں کی تعداد میں اموال تجارت کی شکل میں جمع رہتے تھے۔

[3] عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ مکتبہ ابراہیمیہ بار دوم۔ ص ۴۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جذبہ عربی قبائل میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ جب[1] اجنبی آکر عرب میں سکونت گزیں ہو جاتے ان کو "مولا" کا نام دیا جاتا تھا۔ عرب اور خاص کر مکے والوں کے موالی کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا تھا چنانچہ ان پر کوئی خصوصی محصول عاید نہیں کئے جاتے تھے۔ ان کو اور ان کے سرپرستوں کو جملہ شہری حقوق حاصل رہتے تھے۔ مساوات کی حد یہ تھی کہ اجنبی اور اس کے سرپرست دونوں کے لئے ایک ہی لفظ "مولا" کا استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ یہ تحدید بداہۃً پائی جاتی تھی کہ کوئی اجنبی متوطن کسی اور نئے اجنبی کو اپنا مولا بنانے کا اور اپنی سرپرستی میں لینے کا مجاز نہ تھا اس پابندی سے قطع نظر ہر اجنبی متوطن اپنے سرپرست کے خاندان کا ایک رکن بن جاتا تھا اور اسے وہ سب شہری حقوق حاصل ہوتے تھے جو کسی اصل شہری کو حاصل تھے ہر قبیلہ میں دس دس آدمیوں پر ایک عریف ہوا کرتا تھا اور ہر سو کا سردار، قائد یا نقیب کہلاتا تھا۔ قبیلہ، بطن، فخذ، شعب وغیرہ کی شاخ در شاخ تنظیم و تقسیم پائی جاتی تھی۔ نادیئے یا قبائلی مجالس محلّے، منادی اور مدیر العریان وغیرہ بھی مستقل حیثیتیں رکھتے تھے۔

معاشرہ میں افراد کے اعمال و اخلاق کا حال بھی متضاد قسم کا تھا یعنی خوبیاں اور خامیاں دونوں موجود تھیں یعنی ہر عرب شاعر، شوریدہ سر عاشق، غاصب، حسب و نسب پر فخر کرنے والا بھی، خواہشات نفسانی کا پیکر، انتقام و استقلال اور علانیہ فواحش کا ارتکاب کرنے والا بھی تھا اور شجاع، بہادر، سخی، مہمان نواز، کمزوروں کا حمایتی، وفادار، وعدہ کا پکا اور قول کا سچا بھی۔ ذرا اور قریب سے اور تفصیل سے دیکھئے تو نظر آئے گا کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر لڑمرتے تھے۔ ایک دوسرے کا سر کاٹ لیتے تھے، ایک خاندان دوسرے خاندان سے طویل عرصے تک برسرپیکار رہتا تھا۔ اولاد کی پرورش اپنے آباؤ اجداد کے انتقام کے لئے ہوتی تھی۔ ان لڑائیوں کو مؤرخین اور اہل ادب ایام العرب کے نام سے منسوب کرتے ہیں[2]

---

[1] یہاں سے پیراگراف کے آخر تک کا حصہ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب عہد نبوی میں نظام حکمرانی (ص ۷، تا ۲۷) سے مستفاد ہے۔

[2] سیرۃ النبیؐ ج ۴ ص ۲۶۸۔ دار المصنفین۔ طبع چہارم ۱۹۳۵ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس کے برعکس جب وہ دوستی اور ہمدردی کرنے تھے تو اپنے اس دشمن کو بھی پناہ دیتے تھے جس کے انتقام میں سالوں انتظار کرتے تھے[1] شراب خوری، قمار بازی اور زناکاری معاشرہ میں عام تھی ہر گھر میکدہ[2] بنا ہوا تھا۔ جہاں فاحشہ مغنیہ گاتیں اور بدمستی میں اضافہ کرتی تھیں۔ زنا اور فسق و فجور عام تھا۔ شعراء اپنے قصیدوں میں اپنے عشق کی داستانوں کو بڑی بے باکی سے بیان کرتے تھے اور فاحشہ عورتیں گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں[3] لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس معاشرہ میں ایسے بھی لوگ تھے جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے ہم نے کبھی بھی کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ویسے بھی زنا کو اہل عرب کھلم کھلا جائز نہیں سمجھتے تھے[4] حقیقتاً عورتوں کا اس معاشرہ میں کوئی مقام نہیں تھا۔ عورت ایک ایسی مخلوق سمجھی جاتی تھی جن کا مصرف محض ترقی نسل اور مردوں کی خدمت تھا۔ مرد ہر طرح سے اس پر تصرف رکھتا تھا۔ "موروثہ متروکہ میں ان کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ عرب کا قول تھا کہ میراث اس کا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہو اس بنا پر چھوٹے بچے بھی وراثت سے محروم رہتے تھے[5] طلاق کی کوئی مدت اور عدت نہیں تھی۔ جب تک شوہر چاہے عورت شوہر کے پاس رہ سکتی تھی اور کسی اور سے شادی نہ کر سکتی تھی نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح جائز تھا باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں (بجز حقیقی ماں کے) بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں بغرض مجموعی حیثیت سے عورت بدترین مخلوق تھی[6] بعض قبائل میں دختر کشی کی رسم بھی جاری تھی ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے لئے قرآن نے کہا ہے۔ "جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے

[1] ۔ تمدن عرب۔ ص ۱۹۰ [2] ۔ سیرۃ النبیؐ ج ۔ ۴ ۔ ص ۔ ۲۹۲ ۔

[3] سیرۃ النبیؐ ج ۴ ۔ ص ۔ ۲۹۲ ۔ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یا زندہ زمین میں دفن کردے ۔" (سورہ نحل ۔ ۷) لیکن دوسری طرف عرب اپنی عورتوں کی عزت پر کبھی حرف نہ آنے دیتے تھے اور بعض اوقات اس بات پر جنگ وجدال کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔

بہر حال جیسا کہ پہلے کہا گیا عربوں کے اخلاق و عادات میں نیکی اور بدی دونوں چیزیں یکجا نظر آتی ہیں اس کا سبب بھی غالباً عرب کے مخصوص طبعی جغرافیائی حالات تھے جس نے ان کے اندر دونوں طرح کی صفات کو یکجا کر دیا تھا۔ چنانچہ موسیو سدیو نے اس امر سے متعلق تحریر کیا ہے کہ۔ اپنی مایحتاج کو مہیا کرنے کی ضرورت نے انہیں پھرتیلا اور چالاک بنا دیا تھا ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرنے کی مجبوری نے انہیں صابر بنا دیا تھا۔ آزادی کے وہ اس درجہ عاشق تھے کہ یہی وہ ایک نعمت تھی جو ان کے حصے میں آئی اور چونکہ انہیں ہر قسم کے تحکم سے نفرت تھی اس لئے لڑنا مرنا ان کی فطرت کا جزو بن گیا تھا۔ خود اپنے اوپر سختی کی عادت نے انہیں دوسروں کے لیے بے رحم بنا دیا تھا اور ان میں انتقام کی خواہش پیدا کر دی تھی ۔"[1]

ایک دوسرا فرانسیسی مورخ دیورنٹ عربوں کے اوصافِ اضداد کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ :۔

" عربوں کے خصائص میں شاید وہ خاصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے جو لوٹنے کے ولولہ اور مہمان نوازی کے جوش سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔ غارت گری کا اشتیاق اور اس کے ساتھ فیاضی شدید بے رحمی اور پھر کشادہ دلی وہ خاصیتیں ہیں جو ان کے اوصافِ اضداد کو سامنے لاتی ہیں ۔"[2]

---

[1] تاریخ عرب ۔ موسیو سدیو ۔ ص ۶ ۔ [2] تمدنِ عرب ص ۱۴۲ ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۵)

عسکری حالات

☆ عبدالجلیل صدیقی ☆

عہد جاہلیت میں عربوں کے سیاسی تمدنی اور معاشی حالات معلوم کرنے میں مورخین کو جتنی دشواریاں پیش آئی ہیں اس سے کہیں زیادہ دقتیں عسکری حالات قلمبند کرنے میں محسوس ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عنوان قائم کرکے ایک مستقل باب ضابطہ تحریر میں نہیں لا سکے۔ بلکہ جزوی طور پر ان کی عسکری سیاسی زندگی کے حالات تمدنی واقعات کے ضمن میں سپرد قلم کئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج زیادہ نہیں تھا ویسے بھی بدویت اور وسائل معاش کی دشواری کی وجہ سے تعلیم پر توجہ مشکل تھی۔ لکھنے پڑھنے کی طرف عدم توجہی کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ اہل عرب کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ اور اپنی یادداشت پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔ واقعات وحوادث، حسب ونسب، نوک زبان تھے تسلسل اور روانی کے ساتھ کئی پشتوں تک کے نام بلا تکلف گنتے چلے جاتے تھے۔ انتہا یہ کہ جانوروں کی نسل اور اس کا نسب نامہ تک ان کو ازبر تھا۔

عربوں کے عسکری حالات جاننے کے لئے ہمیں نہ صرف یہ جائزہ لینا ہوگا کہ انکی عسکری قوت کیا تھی بلکہ اس بات کا بھی علم حاصل کرنا ہوگا کہ عرب کے مخصوص حالات میں جنگ و جدال کے وہ اسباب و محرکات کیا تھے، جن کی وجہ سے ان کے درمیان لڑائی کا سلسلہ جاری

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہتا تھا۔

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں دو باتیں نظر آتی ہیں ایک تو ذرائع معاش کی قلت اور دوسرے اجتماعی نظم وضبط کا فقدان۔

عرب (چند علاقوں کو چھوڑ کر) ایک ویران ملک تھا پانی کی کمی کی وجہ سے وسائل معاش بھی کمیاب تھے۔ کوئی خاص چیز وہاں پیدا بھی نہیں ہوتی تھی جس پر وہ بافراغت گذر اوقات کر سکتے۔ مختلف علاقوں میں جو تھوڑا بہت سبزہ اور پانی تھا وہاں اُونٹ بھیڑ اور بکریاں پالتے ان کا دودھ اور گوشت استعمال کرتے اور ان کے بالوں سے خیمے کمبل وغیرہ بناتے تھے لیکن یہ جائداد بھی ہر ایک کو نصیب نہیں تھی۔ پھر ذرائع معاش کی قلت ہر قسم کے جرائم کو فروغ بخشتی ہے۔ چنانچہ عرب میں جہاں تنگ دستی اور جہالت کا غلبہ تھا مختلف جرائم کا موجود ہونا کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ ایک طرف یہ جرائم بجائے خود فتنہ وفساد کو جنم دیتے تھے اور دوسری طرف ذرائع معاش کے حصول اور شکم پروری کے لئے بہرحال وسائل کی ضرورت تھی جسے لوٹ مار اور قتل وغارتگری سے بآسانی فراہم کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ابوعلی قالی نے کتاب الامال میں لکھا ہے:

> "یہ اس لئے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ ان پر تین ماہ متواتر اس طرح گذر جائیں کہ ان میں وہ غارت گری نہ کر سکیں کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ یہی تھا۔"

اہل عرب میں وحشت بربریت، بہیمیت اور جہالت کی وجہ سے اجتماعی نظام نہ تھا قوم مختلف قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر قبیلے کی حیثیت ایک خودمختار آزاد حکومت کی سی تھی۔ اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ قبیلے کے افراد میں بھی باہمی اتفاق نہ تھا۔ ایک بے لگام گھوڑے کی طرح جدھر چاہتے منہ اٹھائے پھرتے رہتے اور بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہر حال مختلف وجوہ کی بنا پر آمادۂ جنگ رہنا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا وہ اس بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے تھے کہ جنگ کن وجوہ پر لڑی جا رہی ہے۔ اور کون مدِ مقابل ہے۔ بس وہ تو اپنے بہادری و شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ اور ایسی زندگی کو باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ کہ بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے جان دیں۔ وہ تلوار کے سائے میں جان دینا افضل سمجھتے تھے تاکہ اپنے خون سے مقتل کی پیاس بجھا سکیں ان کے یہاں عام عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص پلنگ پر مر جائے تو اس کی روح ناک سے نکلتی ہے۔ اور جو میدانِ کارزار میں لڑتا ہوا مارا جائے تو اس کی روح کا خروج اس کے زخم سے ہوتا ہے اور اہل عرب ناک سے روح نکلنے کو عار سمجھتے تھے جیسا کہ سموئل بن عادیا کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ: "ہمارا کوئی سردار بستر پر نہیں مرا۔ بلکہ جو مرا سو لڑائی میں اور ہمارا کوئی مقتول ایسا نہیں جس کا قصاص نہیں لیا گیا ہو کیونکہ دونوں امر بہادروں کے لئے باعثِ ننگ و عار ہیں"[۱]

نپولین کے نزدیک عرب مسلمانوں کی بہادری کا راز اس واقعہ میں پوشیدہ تھا کہ اسلام سے پہلے ان (عربوں) میں بڑے طویل عرصے سے خانہ جنگیاں ہوتی رہیں جن میں انھوں نے اپنے بعض اوصاف پختہ کر لئے ہوں گے۔"[۲]

اب جنگ کے محرکات پر ایک نظر ڈالتے چلیں کہ ان کی عسکری طبیعت کا بھی اس سے کچھ اندازہ ہو گا۔

(۱) مالِ غنیمت کا شوق:

ان کی نگاہ میں وہ مال زیادہ معظم و مکرم سمجھا جاتا تھا جو میدان جنگ سے لوٹ کر لائیں ظاہر ہے کہ یہ کام وہی سر انجام دے سکتا ہے جو اپنی شجاعت و بہادری کا لوہا منوا سکے عقلائے عرب ایسی جنگ کو بیکار سمجھتے تھے جس میں کوئی مال ہاتھ نہ آئے۔ لہٰذا جب کبھی

---

[۱] تسہیل الدراسہ فی شرح الحماسہ ص ۲۴۔

[۲] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۹۶، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (دکن۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔ بار دوم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے پر چھاپے مارتے تو یہ بھی پیش نظر رکھتے کہ مال غنیمت کتنا ملے گا۔ کیونکہ ان کی گذر اوقات کے سلسلے میں یہ مال انتہائی کار آمد ہوتا تھا۔

(۲) تفاخر

"حصولِ غنائم کے ساتھ دوسرا محرک یہ جذبہ تھا کہ اپنی بزرگی اور شرافت اور بہادری و شجاعت کی دھاک بٹھائی جائے۔ یہ تفاخر کا جذبہ دراصل عربوں کی فطری خصوصیات میں سے تھا۔ ایام عرب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت میں جتنی ہولناک لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر اسی جذبہ تفاخر کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ مشہور حرب لبسوس جو بنی تغلب اور بنی بکر کے درمیان ۴۰ سال تک جاری رہی صرف اتنی سی بات پر شروع ہوئی تھی کہ بنی تغلب کے سردار کلیب بن ربیعہ کی چراگاہ میں بنی بکر بن وائل کے مہمان کی اونٹنی گھس گئی اور کلیب کے اونٹوں کے ساتھ چرنے لگی کلیب نے جب غیر کی اونٹنی کو اپنے جانوروں کے ساتھ چرتے دیکھا تو غصے میں آکر اس کے ایک تیر مارا جو اس کے تھن میں جا لگا۔ اونٹنی کے مالک نے جب اس کو زخمی دیکھا تو فریاد کی "یا لذل"! ہائے یہ کیسی ذلت ہے۔ اس پر بنی بکر میں آگ لگ گئی اور ان کے ایک نوجوان جساس بن مرہ نے جا کر کلیب کو (جو اس کا حقیقی بہنوئی تھا) قتل کر ڈالا کلیب کے بھائی مہلہل کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کھڑا ہو گیا اور دفعتًہ دونوں قبیلوں میں ایسی جنگ ٹھن گئی کہ جب تک دونوں تباہ نہ ہو گئے تلواریں نیام میں نہیں گئیں"[1]

اسی طرح ایک دوسری جنگ جو حرب داحس کے نام سے مشہور ہے محض گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے سے آگے نکل جانے پر بنی عبس اور بنی ذبیان کے درمیان ہوئی تھی جس کا سلسلہ نصف صدی تک جاری رہا۔ اور اس وقت تک نہیں رکا جب تک فریقین کے گھوڑوں

---

[1] اخذ و تلخیص از الجہاد فی الاسلام (ص ۱۵۴ تا ۱۵۶) مصنفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی لاہور ۱۹۶۲ء) بحوالہ عقد الفرید و ابن اثیر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اونٹوں کی نسل منقطع ہونے کے قریب نہ پہنچ گئی۔[1]

اسی طرح اوس وخزرج کی مشہور لڑائیاں جن کا سلسلہ کامل ایک صدی تک رہا تفاخر وتنافر کے ایک نہایت حقیر واقعہ سے شروع ہوئی تھی۔ اگر اسلام نہ آتا تو دونوں قبیلے لڑ لڑ کر مرجاتے[2]۔ پھر آخری حرب فجار تھی جس کے متعلق ابن اثیر کہتا ہے کہ ایام عرب میں اس سے زیادہ زبردست جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی۔ اسی جذبہ فخر وغرور کا نتیجہ تھی۔ یہ ۲۶ سنہ قبل بعثت کنانہ اور ہوازن کے درمیان شروع ہوئی پھر اس میں قریش نے کنانہ کا بنو ثقیف نے ہوازن کا ساتھ دیا۔ چار سال تک شدید خونریزی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یوم شمطہ، یوم العبلاء، یوم شرب اور یوم الحریرہ کے ہولناک معرکے برپا ہوئے[3]۔

(۳) انتقامی جذبہ

انتقام کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا اور انتقام لینا واجب سمجھتے تھے[4]۔ انتقامی جذبے کو ابھارنے میں جہاں دیگر محرکات تھے ان میں سے فرسودہ عقائد کو بھی بڑا دخل تھا۔ مثلاً یہ عقیدہ کہ مقتول کی روح پرندہ بن کر اڑتی ہے۔ اور اپنا انتقام لینے کے لئے کوہ وبیاباں میں چیختی پھرتی ہے اور بعض لوگوں میں یہ بھی عقیدہ تھا کہ مقتول کا بدلہ لے لیا جائے تو وہ زندہ رہتا ہے ورنہ پھر وہ بیجان ہوجاتا ہے[5]۔ مختصراً یہ وہ محرکات تھے جن میں کسی شریف تر اور بلند تر نصب العین کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

اہل عرب کا طریقہ جنگ ملک کے طبعی حالات اور ان کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ ان کے یہاں دو طرح کی جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ دشمن پر اچانک چھاپہ مار کر عاجز کر دینا اس قسم کی جنگیں عرب کے بدوؤں میں رائج تھیں۔ رات کے آخری حصے میں دشمن پر اچانک

---

[1] ایضاً ص ۱۵۷ بحوالہ ابن اثیر [2] ایضاً ۱۵۸ بحوالہ ابن اثیر [3] ایضاً ص ۱۵۸، ۱۵۹ بحوالہ ابن اثیر۔ [4] الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ۔ سر سید احمد خاں۔ کراچی ۱۹۶۴ء۔ ص ۱۵۳۔

[5] الجہاد فی الاسلام۔ ص ۱۶۱ بحوالہ ابن اثیر۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چھاپہ مارنے کو بڑی بہادری سمجھتے تھے۔ اور اس قسم کے حملہ آور کو فتاک کہتے تھے۔ رات دن اسی فراق میں سرگرداں گھومتے پھرتے تھے کہ کس دشمن پر چھاپہ ماریں اور مال و دولت حاصل کریں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر انھیں دشمن کے گھر چھاپہ مارنے کا موقع نہیں مل پاتا تھا تو پھر پڑوسیوں بلکہ اپنے بھائی تک کو نہیں بخشتے تھے۔ ایک شاعر نے دو اشعار میں اس بات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

اغزن من الضباب علی حلول — وضبة انہ من حان حانا

واحیانا علی بکر اخینا — اذا ما لم نجد الا اخانا

لیعنی "ہمارا کام ہی یہ ہے کہ چھاپہ ماریں دشمن پر، ہمسائے پر اور اگر کوئی اور نہ ملے تو خود اپنے بھائی پر"[1]

جنگ کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خاندان یا قبیلہ کے افراد منظم طریقے سے امیر کی قیادت میں لڑتے تھے۔ یہ طریقۂ جنگ عرب کے مشہور قبائل میں مروّج تھا۔ بالخصوص جب اہل قریش کسی سے جنگ کرتے تو ان کا یہ معمول تھا کہ جنگ پر روانہ ہونے کے لئے استخارہ کرتے اور خاندانوں کے معزز افراد دارالندوہ میں جمع ہوتے اور امیر جنگ کے انتخاب کے لئے قرعہ اندازی کرتے اور کسی ایک کا انتخاب کرتے چاہے وہ کمسن ہو یا بڑی عمر کا۔ چنانچہ یوم فجار کی لڑائی کے موقع پر بنی ہاشم کی باری تھی اور قرعے میں حضرت عباسؓ نکلے جو اس وقت بچے تھے۔ چنانچہ لوگوں نے انھیں ایک ڈھال پر بٹھایا اور اٹھا لے گئے۔[2]

باقاعدہ فوج میں پیادے (INFANTRY) اور سواروں کے رسالے (CAVALRY) بھی ہوا کرتے تھے۔ سواروں کے رسالے کو بنیادی طور پر اچانک چھاپہ مارنے اور فرار کی صورت میں استعمال کیا جاتا تھا۔[3] لشکر کے ساتھ اطبا، جراح وغیرہ بھی میدانِ جنگ میں جاتے تھے

---

[1] تاریخ ملتِ عربی۔ فلپ حتی۔ ترجمہ ہاشمی فریدآبادی۔ طبع اول کراچی۔ ص ۴۳۔ [2] عہد نبوی میں نظام حکمرانی بحوالہ عقد الفرید۔ [3] ARAB ADMINISTRATION از ایس اے کیو حسینی مدراس ۱۹۴۹ء ص ۱۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو اپنے پاس موثر قسم کے بام، مرہم اور آلاتِ جراحی رکھتے تھے۔ باجے گاجے بھی ساتھ چلتے تھے جو نغمات کے ذریعہ اپنے فوجیوں کے دل بڑھایا کرتے تھے۔[1] جنگ کی تیاری بڑے اہتمام سے کی جاتی تھی۔ شرفائے عرب کا یہ دستور تھا کہ اپنا سر منڈواتے تاکہ گتھم گتھا ہونے کی حالت میں دشمن سر کے بالوں سے پکڑ کر عاجز نہ کردے چنانچہ دورِ جاہلیت کا ایک شاعر اہل عرب کی جنگ سے متعلق اپنے اشعار میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

جنگ، جنگ، جنگ، جنگ
اس کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور شعلے لپک رہے ہیں
بلندیاں اس کے شور سے معمور ہو گئی ہیں۔
آفریں تم پر جو صبح کے وقت سر منڈاتے ہو[2]

پھر سامانِ جنگ سے لیس ہو کر روانہ ہوتے تھے۔ ہفتوں کا سامانِ رسد اونٹوں پر لاد دیا جاتا تھا۔ بعض اوقات اپنی عورتوں کو بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لیجاتے تھے[3] یہ لشکر چٹیل میدانوں اور ریت کے ٹیلوں سے گذرتا ہوا میدانِ کارزار میں پہنچتا۔ اور اس ترتیب سے صف بندی ہوتی کہ آگے نیزہ باز کھڑے ہوتے جو سواروں کا حملہ روکتے اور اس کے پیچھے پیادہ صف بستہ ہوتی تھی۔ پیادہ فوج گھٹنوں گھٹنوں تک قبائیں اور پاجامے اور جوتے پہنے ہوتی تھی۔ سوار زرہ اور خود پہنتے تھے۔ یہ خود فولاد کا ہوتا تھا اور اس پر گدہ کے پر منڈھے ہوتے تھے[4]۔ لڑائی کا آغاز ممتاز بہادروں کے انفرادی مقابلے سے

---

[1] ایضاً [2] اسلام اور قانونِ جنگ و صلح۔ ص ۸۵ از مجید خدوری۔ ترجمہ غلام رسول مہر لاہور ۱۹۵۹ء۔

[3] بدوی جو خیموں میں رہتے تھے اور جن کی زیادہ تر جائداد منقولہ ہوا کرتی تھی۔ جب کسی مہم پر نکلتے تو تمام مال و اسباب اور متعلقین کو بھی ساتھ لے جاتے تھے اس بنا پر اگر وہ جنگ ہار جاتے تو گویا اپنے سارے مال و متاع کو بھی کھو دیتے تھے (مرتب)

[4] مسلمانوں کا نظم مملکت۔ ص ۲۲۴ - ۲۲۵۔ از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مترجمہ علیم اللہ صدیقی (دہلی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتا یہ صفوں سے بڑھ کر میدان میں آتے رجز پڑھتے اور دشمن کو لڑنے کے لیے للکارتے تھے۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ شروع ہو جاتی۔

عرب کے بعض بدوی قبائل میں لڑنے کا طریقہ کچھ اس سے مختلف تھا۔ ان کے لڑنے میں کوئی تنظیم نہیں تھی، صف بندی کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی کسی امیر کی قیادت میں لڑنا پسند کرتے تھے۔ کسی معمولی تنازعہ یا پھر خاندانی وقار کو ٹھیس پہنچنے پر جو لینا کے مد مقابل آجائے۔ بہر حال جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تو عموماً اہل عرب مقاتلین اور غیر مقاتلین کا قطعی امتیاز نہ کرتے۔ دشمن قوم کے ہر فرد کو دشمن خیال کرتے۔ جنگ میں عورتیں، بچے، بوڑھے اور بیمار ہر ایک کے ساتھ ایک ہی سلوک کرتے۔ عورتیں خصوصیت کے ساتھ جنگی کارروائی[1] کا تختۂ مشق بنائی جاتی تھیں۔ دشمن کو ایذا دینے اور ضرر پہنچانے کا حق غیر محدود تھا۔ یہاں تک کہ آگ کا عذاب بھی دینے میں تامل نہیں کرتے تھے۔ تاریخ عرب کا مشہور واقعہ ہے کہ یمن کے بادشاہ ذونواس نے ان سب لوگوں کو جو اس کے دین سے پھر گئے تھے پکڑ کر بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوا دیا تھا۔[2] وحشیانہ افعال دل کھول کر کرتے تھے بلکہ اس میں ایک قسم کی تفریح محسوس ہوتی تھی۔ ان کے ہاں قتل کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا۔ اسیران جنگ کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات جوش انتقام میں انہیں انتہا درجہ کی اذیتیں دے کر مارا جاتا تھا۔ مثلاً امرؤالقیس کے باپ حجر بن حارث نے جب بنی اسد پر چڑھائی کی تو ان کے جتنے آدمی اس کے ہاتھ قید ہوئے ان سب کو اس نے قتل کر دیا۔ اور حکم دیا کہ انھیں تلوار سے نہیں بلکہ ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کیا جائے۔[3] جو لوگ قتل کر دیئے جاتے ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ناک کان اور گلے میں پہنتے۔ ان کی کھوپڑی سے شراب کے پیالے کا کام لیتے اور ان کے جسم کی کھال اتار کر جوتا بناتے تھے۔ چنانچہ ہندہ نے اس رسم

---

[1] الجہاد فی الاسلام، ص ۱۶۴ [2] ایضاً ص ۱۶۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے تحت جنگِ احد میں حضرت حمزہؓ اور دیگر شہدا کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا اور حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبایا گیا۔ کبھی کبھی دشمن کی لاشوں کو ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹا جاتا تھا بہر طور وہ اپنی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے اس قسم کی انسانیت سوز حرکتیں کیا کرتے تھے۔ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جنگ کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آتا تھا اہل عرب نے اسکی تقسیم کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ اور اس کے لئے باقاعدہ اصطلاحیں رائج تھیں۔ مثلاً مرباع، نشیطہ، فضول، صفی، سلابؔ وغیرہ

سامانِ حرب:

ایام جاہلیت میں اہل عرب جو اسلحہ اور سامان جنگ استعمال کرتے تھے۔ ان میں تلوار، نیزہ، کمان، برچھے، زرہ وغیرہ شامل تھے۔

تلوار:

اہل عرب تلواروں کو تمام اسلحہ سے افضل اور اشرف سمجھتے تھے اور جس جگہ اپنی شجاعت و بہادری کا ذکر کرتے اس کے ساتھ ساتھ تلوار کی خوبیاں بھی بیان کرتے جاتے تھے جیسا کہ

لہ مہم کے سردار یا شیخ کو تمام اخراجات دینے کے بعد مال غنیمت کو تمام فوجیوں اور عام سپاہیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا اگر کوئی شخص اپنے کسی دشمن کو قتل کر دیتا تھا تو وہ سلاب کا حقدار ہوتا تھا۔ یعنی اپنے مقررہ حصے کے علاوہ مقتول کی تمام متعلقہ اشیاء بھی اس کو مل جاتی تھیں۔ شیخ قبیلہ مال غنیمت کا چوتھائی حصہ (مرباع) لینے کا مجاز تھا۔ اسی طرح وہ تقسیم سے پہلے اس میں سے بعض چیزوں مثلاً تلوار وغیرہ کو اپنے لئے منتخب کر سکتا تھا۔ جسے صفی یا صفایا کہتے تھے۔ اگر وہ کسی مہم پر روانہ ہوتا تو کوئی بھی قیمتی چیز (النشیط) لینے کا بھی حقدار تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک وہ مال غنیمت نشیطہ کہلاتا جو دشمن کی شکست اور عام لوٹ سے پہلے حاصل ہو اور النفول (ناقابل تقسیم کسرات) یعنی وہ اشیاء جو برابر تقسیم کے بعد بچ رہتی تھیں مثلاً چند گھوڑے وغیرہ کا بھی حقدار ہوتا تھا۔ بسطام بن قیس بن بسطام کے قائد کو مخاطب کر کے کہتا ہے: لک المرباع منها والصفایا ۔ وحکمک والنشیطة والفضول (حوالے کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر حمید اللہ ص ۶۷، ۶۸، حسینی ص ۱۳) (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سموئل بن عادیا کہتا ہے کہ "ہماری تلواروں کی یہ عادت ہے کہ جب میان سے نکلتی ہیں تو جب تک کوئی جماعت قتل نہ ہو جائے اور وہ لہو نہ پائے نیام میں نہیں دباتی۔"[1] تلوار پیادہ فوج استعمال کرتی تھی اور میان میں ڈال کر دائیں شانے پہ لٹکالی جاتی تھی۔ جب ان کے قریب کوئی دشمن آتا تو بڑی پھرتی کے ساتھ تلوار میان سے نکال کر لڑنا شروع کر دیتے۔ اس دور میں تلواروں کا رواج عام تھا عرب ہی کیا دُنیا کی جتنی قومیں تھیں وہ سب کی سب زیادہ تر تلوار استعمال کرتی تھیں تلواریں مختلف ممالک میں طرح طرح کی بنتی تھیں اور ہر تلوار اپنی بناوٹ اور خصوصیت کے لحاظ سے انفرادی حیثیت رکھتی تھی۔ اہل عرب زیادہ تر یمنی ہندی سلیمانی، شامی اور خراسانی تلواریں استعمال کرتے تھے[2]

نیزہ :

جنگ کے موقعوں پر نیزوں کا استعمال گھوڑ سوار کرتے تھے نیزہ بازی میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ دوڑتے ہوئے گھوڑوں پر سے صحیح نشانہ لگا کر حریف کو پسپا کر دیتے تھے اور دشمنوں کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو زخمی کر دیتے تھے نیزے مختلف شکلوں کے ہوتے تھے۔

ڈھال :

ڈھال پیادہ فوج کے علاوہ گھوڑ سواروں کے پاس بھی ہوتی تھی تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکیں۔ ڈھال مختلف طرح کی ہوتی تھی اور ہر ایک کا فائدہ جُدا گانہ تھا۔ کوئی ڈھال مسطح کوئی مستطیل وسط میں کھدی ہوئی اور کوئی تیر نما ہوتی تھی۔ مسطح ڈھال نیزے کو روکنے میں مفید ہوتی اور مستطیل ڈھال تیروں سے بچنے کے کام آتی تھی بعض اوقات ڈھال پر مختلف قسم کے پند و نصائح اور اشعار بھی منقش ہوتے تھے۔

---

[1] تسھیل الدراسہ فی شرح الحماسۃ ص ۲۶۔

[2] تاریخ تمدن اسلام ص ۲۴۳ از علامہ جرجی زیدان مترجمہ محمد حلیم انصاری مطبوعہ کراچی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زرہ :

زرہ کا استعمال فوج میں شتر سوار ..... کرتے تھے۔ زرہیں مختلف قسم کی بنتیں جن میں فولاد اور کتان کی بنی ہوئی زرہ زیادہ مقبول تھی جو روم اور فارس سے بن کر یہاں آتی تھیں جسم کے ہر حصہ کی زرہ علیحدہ ہوتی تاکہ موقع محل کے مطابق جسم کے اعضاء کو محفوظ رکھا جاسکے۔

محاصرہ کے آلات

منجنیق :

یہ ایک قاذب آلہ تھا۔ بلیوں اور کمانیوں کے ذریعہ سے کھینچنے والی گاڑی سی ہوتی تھی اس کا استعمال بڑے بڑے پتھروں کے ذریعے سے قلعوں کو منہدم کرنے دشمنوں پر تیر برسانے اور دشمنوں کے مکانات کو جلانے کے لئے ہوتا تھا۔

دبابہ :

یہ بھاری لچکدار لکڑی کے تختوں سے بنا کر سرکہ میں تر کئے ہوئے نمدوں اور کھالوں سے منڈھا جاتا تھا تاکہ اس پر آگ کا اثر نہ ہو اس کے بعد پہیوں پر چڑھا کر اسے چلاتے تھے۔ لوگ اس کے اوپر چڑھتے اور اس کے ذریعہ سے فصیلوں پر چڑھ کر محاصرین سے جنگ کرتے تھے۔

کبش :

یہ بھی دبابہ کی شکل کا ہوتا تھا لیکن اتنا فرق تھا کہ اس کا سر آگے کو مینڈھے کے سر سے مشابہ اور نکلا ہوا ہوتا تھا جس کے اندر لوگ پناہ لے کر بیٹھتے اور دیواریں منہدم کرنے کے کام میں مدد لیتے تھے۔[1]

قومی نغمہ :

اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی وہ کسی جنگ کے محاذ پر جاتے تو فوج کے آگے آگے

---

[1] ایضاً ص ۲۴۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باجا بجانے والوں کا ایک دستہ ہوتا جو طبل اور دف بجاتے ہوئے اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

جانور

اُونٹ :

اہل عرب اُونٹ کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ اس کا گوشت کھاتے اور دودھ پیتے اور باربرداری کا کام لیتے تھے لیکن جنگ کے سلسلے میں بھی یہ یکساں کارآمد ہوتا تھا۔ یہ لوگ جب اسے لے جاتے تو کبھی ہفتوں کا سامان اس پر لاد دیتے لیکن اس کے باوجود وہ اتنی سُرعت کے ساتھ مسافت طے کرتا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اُونٹ کا استعمال کرنے کی ایک یہ بھی وجہ تھی کہ اُونٹ پر خرچ بہت کم ہوتا تھا۔ اور وہ بغیر کھائے پیئے کئی کئی دن تک سفر کرتا رہتا تھا چنانچہ فلپ حتی لکھتا ہے کہ "عرب کا اُونٹ جاڑوں میں کم و بیش پچیس اور گرمیوں میں پانچ دن بغیر پانی کے چل سکتا ہے۔" [۱]

گھوڑے :

اصیل عرب گھوڑا اپنے جسمانی حُسن، جفاکشی، فراست اور آقا کی جاں نثاری میں ضرب المثل تھا۔ یہ دولت مندی کا نشان تھا۔ اور ان سے زیادہ تر کام میدانِ جنگ میں لیا جاتا تھا۔ گھوڑے اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے چھاپے مارنے میں بہت مددگار رہتے تھے۔ [۲]

فوجی رُتبے :

میدانِ جنگ کے لئے جو امیر منتخب کیا جاتا اس کو منکب کہتے۔ اور ہر منکب کے ماتحت پانچ عریف ہوتے۔ ایک عریف بہت سے نفروں پر افسر ہوا کرتا تھا۔ [۳]

نشانِ امتیاز :

اہل عرب کے یہاں ہر قبیلے کا ایک جُداگانہ نشان یا ٹھپّہ ہوتا جسے "میسم" کہتے تھے اسے گرم کرکے اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو داغ دیتے تھے۔ تاکہ اونٹ اور گھوڑوں کی شناخت

---

[۱] ہسٹری آف عربز، ص ۲۲ [۲] ایضاً ص ۲۱ [۳] تاریخ تمدنِ اسلام، ص ۲۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو سکے۔

فوجی نشان:

ہر قبیلے کا ایک نشان ہوتا تھا جس کے نیچے وہ میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے تھے۔

بہرحال[1] اس جائزے سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اس وقت عرب میں صرف یہ کہ عسکری بیداری پائی جاتی تھی بلکہ اس بات میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص بہادری اور جنگجوئی کا کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور رکھتا تھا۔ یہ وہ دور ہے جب ساری دنیا میں کوئی خاص عسکری نظام اور اصول و قوانین موجود نہ تھے حتیٰ کہ روم و ایران جیسی مہذب و متمدن اقوام بھی جنگ کے اصول و ضوابط اور نصب العین کا تعین نہ کر پائی تھیں[2] اہل عرب نہ صرف جنگ کے خوگر تھے بلکہ کتنا ہی حقیر و ذلیل سہی لیکن بہرطور کچھ نہ کچھ اصول و ضابطہ، نصب العین، محرکات اور تنظیم عسکریہ[3] رکھتے تھے۔ خاص طور پر مکہ کی

---

[1] یہاں سے آخیر تک کا حصہ مرتب کا تحریر کردہ ہے۔ [2] روم و ایران وغیرہ کے طریقِ جنگ کے مفصل مطالعے کے لئے ملاحظہ ہو: الجہاد فی الاسلام۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ لاہور ۱۹۶۲ء۔

[3] مثلاً مکہ میں سپہ سالارِ فوج اور سوار فوج کا افسر دو الگ الگ عہدے پائے جاتے تھے (ص ۵۶) دو سالارانِ رسالہ بھی ہوتے تھے (ص ۵۷ - عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ دکن بارِ دوم) یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا مناسب ہو گا کہ ہمارے ہاں کے بعض مؤلفین یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ عربوں میں اسلام سے قبل کوئی عسکری تنظیم موجود نہ تھی۔ گویا جب کبھی جنگ ہوتی ایک غول کا غول بھاگ کر دوسرے پر چڑھ دوڑتا تھا۔ یہ درحقیقت ایک غلط تاثر ہے جو قائم کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلامِ عرب اور "ایام العرب" کے مطالعہ سے اس نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ عسکری تنظیم میں وہ اچھا خاصا شعور رکھتے تھے چنانچہ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ ایک سپہ سالارِ فوج اور بعض اوقات ایک یا دو مزید سالارانِ رسالہ بھی ہوتے تھے عموماً شیخِ قبیلہ یا اس کا معتمد علیہ فوج کا کماندار ہوتا تھا۔ جو قلبِ لشکر میں رہتا تھا۔ ان لوگوں نے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا یعنی (۱) قلب (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) مقدمہ اور (۵) ساقہ لشکری

(باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خاص طور پر مکہ کی اعیانی شہری ریاست میں مختلف جنگی عہدے متوارث چلے آرہے تھے مثلاً قبہ[1] (منڈپ یا شامیانہ) اعنہ[2] (گھوڑے کی لگام) عقاب[3] (جھنڈا علم) لواء[4] (جھنڈا) اور حلوان النفر[5] وغیرہ۔ نیز مکے والوں نے تو حبشی غلاموں اور تنخواہ یاب نوکروں کی ایک مستقل فوج قائم کر رکھی تھی۔[6]

غرض بحیثیت مجموعی پورے عرب میں عسکری سرگرمیاں پائی جاتی تھیں۔ اور انمیں سے ہر ایک شخص کو گویا فوجی کی حیثیت سے تربیت دی جاتی تھی۔ پھر اس زمانے کے قبائلی نظام اور مخالف و معاندانہ ماحول میں جہاں جنگ لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی کسی ایسے شخص کا گذارہ ممکن نہ تھا جو جنگجو اور جنگ پسند نہ ہو زیادہ سے زیادہ لڑکوں کی پیدائش وہ اسی لئے پسند کرتے تھے (اور لڑکیوں کی پیدائش کو سخت ناپسند بلکہ مکروہ) کہ انکی وجہ سے باپ کی عزت و قوت بڑھتی تھی۔ ایک قبیلے میں جتنے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ساخت و تقسیم اتنی مقبول و معروف تھی کہ لفظ خامس یا خمیس سے عموماً فوج مراد لی جاتی تھی چنانچہ مفضلیات کا ایک شاعر کہتا ہے: لا یبعد اللہ اللبیب وارد • مغارات اذا قال الخمیس نعم! مزید برآں طریق جنگ کے سلسلے میں وہ نت نئے تجربے بھی کرتے رہتے تھے مثلاً میدان جنگ میں عورتوں کو لیجانا یا ان سے وہاں دوسرے کام لینا وغیرہ۔ یہ باقاعدہ جنگوں کی بات ہے۔ اتفاقیہ حادثات اچانک حملوں اور بغاوت وغیرہ کی صورتوں میں البتہ وہ یکدم نکل پڑتے تھے (تفصیل کے لئے دیکھئے: نکلسن۔ اے لٹریری ہسٹری آف دی عربز۔ لندن سنہ ۱۹۳۰ء ص ۵۹) اور عرب ایڈمنسٹریشن۔ از ایس کیو حسینی۔ مدراس سنہ ۱۹۴۹ء ص ۱۵، ۱۶ وغیرہ)

[1]: عرب مؤلفین کہتے ہیں کہ قبہ کا مطلب یہ تھا کہ ایک خیمہ لگا کر کسی عام قومی ضرورت کے لئے چندہ جمع کرنا ہوتا تھا۔ اور اعنہ سے مراد سوار فوج کی افسری ہوتا تھا۔ جبکہ لارنس کے خیال میں قبہ سے مطلب وہ شامیانہ تھا جو جنگ یا عید کے موقع پر قابل حمل و نقل بتوں کے اوپر سایہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا اور اعنہ سے مراد وہ امتیاز تھا جو کسی بت کو گھوڑے پر رکھ کر جلوس لے جائیں تو اس گھوڑے کی لگام پکڑ کر چلیں۔ (ڈاکٹر حمید اللہ ص ۵۵)

[3]: دونوں کے معنی جھنڈے اور علم کے ہیں۔ ممکن ہے عقاب سے مراد قومی جھنڈا ہو اور لوا قبائلی جھنڈا ہو (ایضاً ص ۶۶) [5]: اگر کسی مہم کے موقع پر کوئی شہری اس لڑائی میں حصہ لینے سے قاصر رہتا تو اس کو اجازت تھی کہ اپنے بدلے میں کسی اور شخص کو روانہ کر دے (ایضاً ص ۶۷) [6]: ایضاً ص ۶۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرد ہوتے اتنا ہی زیادہ قبیلہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ انھیں بچپن میں ہی شمشیرزنی، نیزہ بازی، شتر سواری اور برچھی مارنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ متمول قسم کے عرب البتہ اپنے لڑکوں کو گھوڑسواری کی تعلیم بھی ضرور دیتے تھے۔[1]

اہل عرب جنگ کو ایک معزز پیشہ سمجھتے تھے۔ ان کے یہاں فوجیں، دستے[2]، اسلحہ وغیرہ بھی تھے اور پورے عرب میں مضبوط قلعے موجود تھے۔ یمن میں غمدان کا مشہور قلعہ بیس منزلہ تھا، یمن، حضرموت، مہرہ اور عمان میں اور قلعے بھی موجود تھے۔ بترا کا پورا شہر سنگین پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا جسے مسخر کرنا آسان نہ تھا۔ حیرہ کے قریب خورانق کا مشہور قلعہ، تیماء میں ابلق کا مشہور قلعہ، طائف کا سنگین قلعہ، مدینہ میں یہودیوں کی گڑھیاں وغیرہ کافی تعداد میں موجود تھیں۔ اور جنھیں اطم کہا جاتا تھا۔[3]

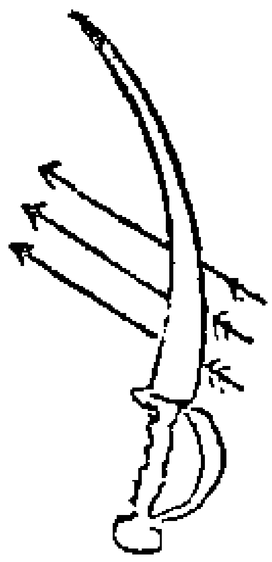

---

[1] اس ساری تفصیل کے لئے دیکھئے حسینی (ص ۱۲)

[2] مثلاً جو دستے تجارتی کاروانوں کے ساتھ ساتھ بغرض حفاظت چلتے تھے (مرتب)

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حسینی۔ ص ۱۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۶)

علمی افق!

☆ جمیل احمد ☆

یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں عرب نوشت و خواند سے بے بہرہ، علم و دانش سے بے خبر اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے۔ یہ غلط فہمی غالباً اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ لفظ "جاہلیت"(۱) کے معنی جہالت اور "لاعلمی" کے سمجھے گئے حالانکہ جاہلیت قرآن کی ایک اصطلاح ہے اور ایک سے زائد مقامات(۲) پر قرآن نے اپنی اس اصطلاح خاص کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قسم کے خیالات و عقائد اور عادات و اطوار کی تعبیر جاہلیت سے کی گئی ہے ورنہ جہاں تک عرب جاہلیت کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ نوشت و خواند میں اس ملک کے باشندوں کی اسلام سے پہلے اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب وہی حالت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانے کے عام متمدن ممالک (ایران، روم، مصر وغیرہ) کی تھی(۳)۔

بدقسمتی سے ہمارے پاس زمانۂ جاہلیت کے تعلیمی حالات کے متعلق بہت

---

(۱) واضح رہے کہ جاہلیت کا لفظ علم کے مقابلے میں نہیں بلکہ "حلم" کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کلام میں اس کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ کعب بن زہیر کہتا ہے کہ:

اذا انت لم تعرض عن الجھل والخنا
اصبت حلیماً او اصابک جاھل

(۲) احزاب۔ ۳۳، آل عمران۔ ۱۵۴ وغیرہ

(۳) تدوین حدیث۔ مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۲۲۴۔ کراچی ۱۹۵۶ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کم معلومات محفوظ ہیں لیکن جو کچھ بھی تھوڑا بہت مواد ہم تک پہنچ سکا ہے، اس کی مدد سے زمانہ جاہلیت کی جس تعلیمی حالت کا پتہ چلتا ہے وہ واقعی حیرت انگیز ہے اور اس قوم کے متعلق رشک ہونے لگتا ہے جو ان پڑھ ہونے پر اتراتی تھی(۱)!

اولاً ان کی زبان کو لیجئے، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی زبان اپنے لغات محاورات اور ادبی کمالات میں اس زمانے میں ترقی کرتی ہے جب اس کے بولنے والوں کا تمدن عروج پر ہو اور اس سے پہلے اس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے کہ اس کو جانوروں کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس وقت اس زبان میں نہ تو اونچے خیالات ادا کئے جاسکتے ہیں اور نہ معمولی روزمرہ کی ضرورتوں کے سوا اس میں کوئی علوم وفنون ملتے ہیں۔ اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت قواعد صرف ونحو کے استحکام اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مستند عربی زبان زمانہ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے۔ اسلامی تمدن کے عہد زریں کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہم زمانہ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی فرانسیسی یا انگریزی کو لیں تو ان کے دو مؤلف جن میں ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو تو ایک ہی زبان کے یہ مؤلف ایک دوسرے کو بالکل نہیں سمجھ سکیں گے اس کے برخلاف امرا القیس کی زبان اور قواعد صرف ونحو بالکل وہی ہیں جو مثلاً" زمانہ حال کے مصری شعرا شوقی اور حافظ کے ہیں۔ قرآن اور حدیث اُس "جاہلی زبان" میں ہیں جس پر عربی شہنشاہیت کے تمدن نے کوئی اثر قائم کرنے کا موقع نہیں پایا تھا۔ قرآن اور حدیث زمانہ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ

(۱) خود ایک حدیث میں ہے: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ ہم ایک امی قوم ہیں لکھنا اور حساب کرنا ہمیں نہیں آتا۔ (بخاری، مختصر جامع بیان العلم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں آتے تھے جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو۔ اسی زمانے میں عربی زبان، لغات کی حد تک اتنی وسیع اور ممتول ہو گئی تھی کہ اس کا مقابلہ زمانہ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ اسلام سے پہلے عربوں کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہیں کہ اس سے پہلے اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں اور بڑے چرچے رہے ہوں۔ بے شمار نظمیں زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب ہیں۔ خود نثر میں بہت سے خطبوں، تقریروں، ضرب المثلوں کہانیوں، کاہنوں اور حکموں (پنچ) کے فیصلوں وغیرہ کی صورت میں ہم تک انکی یادگاریں پہنچی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ہر ایک کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے عربوں میں بلاغت ظرافت، حسن ذوق اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا۔

خود لفظ "عرب" کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنا مطلب اچھے طور سے واضح کر سکتا ہو۔ تمام غیر عرب "عجم" کہلاتے ہیں جس کے معنی گونگے کے ہیں۔

یہ ایسے حقائق ہیں جن کی تائید تاریخی واقعات سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے۔ مدرسوں کے سلسلے میں کسے یقین آئیگا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں تھیں جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتی ہوں؟ بہر حال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار(۱) میں بیان کیا ہے کہ مکے کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت ظلمہ جب بچی تھی تو ایک مدرسہ جاتی تھی جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس دلچسپ واقعہ سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلۂ قریش کے رشتہ دار قبیلہ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، ان میں لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پانے کے لئے جاتی تھیں۔(۲)

---

(۱) ج ۴۔ ص ۱۰۳

(۲) تدوین حدیث۔ ص ۲۱۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بازار عکاظ[1] میں جو ہر سال ادبی چرچا ہوا کرتا تھا اس کے باعث اسے ایک "بین العرب لٹریری کانگریس" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ عکاظ نے مؤرخین اور مؤلفین کو ہمیشہ سے ہی ابھار رکھا ہے۔ عکاظ میں جو علمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں انھوں نے عربی زبان کو معیاری بنانے میں بہت اہم حصہ ادا کیا ہے۔

غیلان بن سلمہ ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[2] کہ وہ ہفتے میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا تھا جس میں نظمیں پڑھی جاتی تھیں اور تنقید بھی ہوتی تھی اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا

اس زمانے میں مکے کی علم دوستی اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بلند تھی۔ سبع معلقات مکے کے معبد میں ہی لٹکائے جاتے تھے[3]۔ اور اسی اعزاز و امتیاز نے ان سات نظموں کو

---

(۱) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ میلے اور بازار عرب جاہلیت میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں ان میں صرف گفت و شنید، تبادلۂ خیال، اور تجارتی لین دین ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ دراصل شعراء و خطباء کے افکار و خیالات کی نشر گاہیں تھیں ان بازاروں میں شعر و شاعری کی مجالس جمتیں، اہم واقعات، کارہائے نمایاں، حسب نسب وغیرہ سب کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا تھا۔ یہ میلے اور بازار سال کے مختلف حصوں میں پورے عرب کے مختلف علاقوں میں منعقد ہوا کرتے تھے ان میں عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز کے بازاروں کو خاص اہمیت حاصل تھی اور ان میں سے بھی عکاظ کے میلے کو حج کے حرام مہینوں میں رکھا جاتا تھا اس وجہ سے اسے ایک امتیازی حیثیت اور ہمہ گیر شہرت و مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ (ن۔ ا)

(۲) الازمنہ والامکنہ۔ مرزوقی۔ ج ۲، ص ۷۹، ۸۰، نیز معارف ابن قتیبہ۔

(۳) سبع معلقات کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ یہ وہ سات قصیدے ہیں جو اہل عرب کے نزدیک منتخب اور پسندیدہ تھے جنھیں آب زر سے وصلیوں پر لکھوا کر اظہار مقبولیت اور شہرت کے لئے کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض فتح مکہ کے دن تک لٹکے ہوئے تھے (باقی آئندہ صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عربی ادبیات میں ایک لافانی زندگی عطا کر دی ہے۔ ورقہ بن نوفل مکے کا ایک باشندہ تھا جس نے زمانۂ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا۔[1] پھر غالباً یہ مکے والے ہی تھے جنھوں نے عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی تھی[2] غالباً یہی وجہ تھی کہ یہاں کے اجڈ سپاہی بھی لکھے پڑھے ہوا کرتے تھے۔ قصہ نویس ناول اور ڈرامہ آج ادبیات میں بہت اہمیت رکھتے ہیں مکے والوں کو بھی اس کا بڑا ذوق تھا چنانچہ چاندنی راتوں میں خاندانی اجتماع گاہوں پر یا شہر کے مرکزی دارالندوہ میں یہ لوگ جمع ہوتے اور پیشہ ور قصہ گو وغیرہ وہاں برجستہ سنے ہوئے قصے بیان کر کے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اصطلاحاً یہ سامرہ کہلاتا تھا۔[3]

"عرب دورِ جاہلیت میں کتابوں سے بالکلیہ مفلس نہ تھا یمن وغیرہ میں مختلف خاندانوں میں کتابوں سے بھرے صندوق پائے جاتے تھے عیسائیوں کے گرجے عرب میں جہاں کہیں بھی تھے ان میں پتہ چلتا ہے کہ ۲، کتابیں پھیلی ہوئی تھیں یہی حال عرب کے یہودیوں کا تھا اور مدینہ، خیبر وغیرہ جہاں کہیں وہ تھے یہودی مذاہب کی کتابوں کا ذخیرہ بھی وہاں پایا جاتا تھا جن کا ذکر بکثرت کتابوں میں کیا گیا ہے۔ عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا تمام جاہلی خاندانوں میں مجلہ لقمان نامی کتاب کا پتہ چلتا ہے جو آنحضرتؐ کے سامنے پیش بھی کی گئی تھی۔ کہتے ہیں ایران کے شاہناموں کا عربی ترجمہ بھی مکے لایا گیا تھا۔ بلکہ نضر بن الحارث جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایران سے شاہنامہ کو لکھ کر

(حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ) اور کچھ آگ کی نذر ہو گئے تھے جو اسلام سے قبل خانۂ کعبہ میں لگی تھی اس مجموعہ میں جن شعراء (امراء القیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، طرفہ بن العبد، لبید بن ربیعہ، عنترہ بن شداد، عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ) کا کلام پیش کیا گیا ہے وہ عربی شعر و سخن میں چھٹی صدی عیسوی کے خدائے سخن سمجھے جاتے تھے (مرتب) (۱) بخاری (۲) فہرست ابن ندیم رحؒ، نیز کتاب الخراج۔ ابن قدامہ (۳) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۲۰۰ تا ۲۰۵۔ دکن مکتبہ ابراہیمیہ۔ بار دوم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خیرہ لایا تھا۔ اسی کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام سے بھی اسی قسم کا تاریخی لٹریچر وہ مکہ لایا کرتا تھا ممکن ہے رومیوں کی تاریخ کا کچھ حصہ ہو۔ اُن روایات پر اگر بھروسہ کیا جائے جو درمنثور وغیرہ میں سیوطی نے نقل کی ہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب کے بازاروں میں یہودی کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ یہودیوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا عربی میں ترجمہ کرکرکے عربوں میں اسکی اشاعت کرتے تھے[1]"۔ اور مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدراس بھی قائم کررکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ تھا اور اسلام کے آغاز تک اس کا پتہ چلتا ہے۔ علاوہ ازیں ادبی ذوق جاہلیت میں صرف عربوں میں ہی نہ تھا بلکہ عرب میں رہنے والی دوسری قوموں میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ یہودی سموئل بن عادیا اور دیگر یہودی اور نصرانی شعراء کے دیوان بھی پائے جاتے تھے[2]۔

عام[3] تعلیمی روایت کے سلسلے میں یہ واقعہ تو عام طور پر تاریخ ادب کی کتابوں میں ملتا ہے کہ جب عمرو بن ہند نے متلمس اور طرفہ کو قتل کرا دینا چاہا تو انھیں ایک سربمہر لفافہ دے کر اپنے عامل بحرین کے پاس تحریری شکل میں بھیجا تھا۔ بنو ثقیف کا مشہور شاعر امیہ بن ابی الصلت پڑھا لکھا تھا۔ طائف کے باشندے حارث بن کلدہ ثقفی کے متعلق ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ اس نے ایران کی مشہور طبی درسگاہ جندیسابور میں طب کی تعلیم اور مختلف شہروں میں جاکر باقاعدہ علم حاصل کیا تھا۔ اس کے الفاظ ہیں:

..."وسافر الی البلاد وتعلم الطب ... تعلم ذالک بفارس والیمن[4]"۔

---

(۱) تدوین حدیث۔ ص ۲۲۵ (حاشیہ)

(۲) عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ ص ۲۰۵، مقالہ کی ابتداء سے یہاں تک کا حصہ تدوین حدیث اور عہد نبوی میں نظام حکمرانی سے اخذ کر کے مرتب نے تحریر کیا ہے اور درمیان میں متفرق حواشی اور معمولی تصرفات بھی کی ہیں[1]۔

(۳) یہاں سے آخر تک کا حصہ جمیل احمد صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ (۴) بلوغ الارب۔ محمود شکری آلوسی ج ۳ ص ۳۲۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس نے عربی میں ایک طب کی کتاب بھی لکھی تھی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی نضر بن حارث کے متعلق اوپر اشارہ گذر چکا ہے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "وحصل من العلوم القديمه اشياء جليلة القدر ... وتعلمه من ابيه ايضاً ..."(۱) یعنی اس نے قدیم علوم سے بہت سی قابل قدر چیزیں حاصل کی تھیں اور یہ کہ اس نے اپنے باپ سے بھی تحصیل کی تھی۔

صولی کی ادب الکتاب میں مذکور ہے کہ قریش دور جاہلیت میں جب کوئی چیز لکھتے تو "باسمك اللهم"(۲) لکھتے۔

ابھی حال کی بات ہے کہ جنوبی اور شمالی عرب میں کثرت سے کتبات ملے ہیں ان میں سے چند کتبات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔ صفا کی پہاڑی کی سنگی لوحوں پر جو کتبات پائے گئے ہیں انھیں "قصی" رئیس قریش کا نام قابل توجہ ہے۔ امراء القیس کی قبر کی لوح کی عبارت عام طور پر تاریخ ادب کی کتابوں میں منقول ہے۔ مقام حجر جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے گذرے تھے وہاں سنگی عمارتوں پر نبطی خط میں بہت سی تحریریں ملی ہیں۔ ان میں سے دو کتبوں کا ترجمہ ارض القرآن(۳) میں دیا گیا ہے۔ شمالی عرب میں ایک کتبہ ملا ہے۔ اس میں کتبہ نگار اپنے آقا کی بخیریت جنگ سے واپسی پر عشتا دیوتا کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

ایسے عربی اشعار کی کمی نہیں ہے جن میں کتابت، قرأت اور ان کے مترادف الفاظ اور ان سے متعلق ساز و سامان کے نام کثرت سے آتے ہیں۔ ہم یہاں مثال کے طور پر چند شعر پیش کریں گے۔

---

(۱) بلوغ الارب، محمود شکری آلوسی۔ ج ۳، ص ۲۳۵، مطبوعہ دار الکتاب المصری ۱۳۴۲ھ

(۲) بلوغ الارب، ج ۳، ص ۲۷۵

(۳) ج ۲، ص ۱۷۵۔ اعظم گڈھ سنہ ۱۹۱۸ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لبید بن ربیعہ[1] کا شعر ہے:

وجلا السیول عن الطلول کانھا   زبر تجد متونھا اقلامھا

(متواتر سیلابوں نے کھنڈرات کو دھو کر نکھار دیا ہے گویا وہ ایسی کتابیں ہیں جن کے مٹے ہوئے حروف کو ان کے قلموں نے بار بار روشنائی پھیر کر ابھار دیا ہے۔)

ایک اور شاعر کہتا ہے:

فاجریتم الاقلام عوداً وبداءۃ   وضاھیتم کتاب کسری وقیصرا

واغنیتم عن مسند الحی حمیرا   وما زبرت فی الصحف اقلام حمیرا[2]

یہ اشعار توجہ کے قابل ہیں اور وہ اس لئے کہ شاعر نے قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ تم لوگ بے تکلفی سے قلم چلانا جانتے ہو۔ اور اس باب میں قیصر و کسریٰ کے کاتبوں کا مقابلہ کرتے ہو۔ تم لوگ مسند حمیری اور جو کچھ کتابوں میں بخط مسند لکھا ہوا ہے ان سب سے بے نیاز ہو چکے ہو۔

بہرحال نوشت و خواند سے متعلق عربی الفاظ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ آج بھی کتابت اور اس کے ساز و سامان کے معمولی فرق کو بیان کرنے کے لئے اکثر زبانوں میں اتنے مفرد الفاظ نہیں ملتے جتنے اسلام سے قبل عربی زبان میں رائج و شائع تھے ان الفاظ کی موجودگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں نوشت و خواند کا معیار عام طور پر متمدن ملکوں سے کم نہ تھا مثلاً "أنبوبۃ" (قلم تراشنے سے پہلے) "قلم" (تراشنے کے بعد) "البرایۃ" (قلم کے تراشے) "الیراع متبطین" قلم کے پیٹے کو باریک

(1) لبید بن ربیعہ دور جاہلیت کے آخر میں پیدا ہوئے مشرف بہ اسلام بھی ہوئے ۴۱ھ میں آپ کا انتقال اس روز ہوا جس روز معاویہؓ حضرت حسنؓ سے معاہدہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ آئے تھے (ابن سعد) آپ نے طویل عمر پائی۔ آپ "معمرون عرب" میں شمار ہوتے ہیں اور "سبع معلقات" کے شریک بزم بھی ہیں۔ ۸ھ میں ایمان لائے۔ (مرتب)   (2) بلوغ الارب۔ ج ۳، ص ۳۶۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور چکنا کرنا۔ "قانیف" (نوک بنانا) "القط" تقطیط (قط کاٹنا) "تلیسط" (قلم کا شگاف بڑھانا) "المقط" (وہ چیز جس پر قلم رکھ کر قط کاٹتے ہیں۔) "قلم رشاش" (اس وقت کہتے ہیں جب کہ شگاف میں ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ قلم کی نوک ایک دوسرے پر چڑھ جائے جس کی وجہ سے لکھتے وقت قلم روشنائی چھڑکتا جاتا ہے) "کتابۃ" (لکھائی اور فن کتابت)؛ کتاب اور اس کے مترادف الفاظ مثلاً طرس، طلس، القط، صحیفہ، زبور، مجلۃ (وہ صحیفہ جس میں حکمت و دانائی کی باتیں ہوتی تھیں، رسالہ کے معنی بہت بعد میں استعمال ہوئے) العھدۃ، السجل، الرقیم، السفر،

آج ہم اپنی علمی ترقیوں کے باوجود لفظ "لکھنا" کے لئے کتنے مترادف الفاظ استعمال کر سکتے ہیں؟ دور جاہلیت میں نزاکت الفاظ دیکھئے: "زبر الکتاب" اس نے کتاب لکھی۔ "قرمط الکتاب" اس نے کتاب اس طرح لکھی کہ اس کے حروف باریک اور سطور و حروف تقریباً باہم ملے ہوئے تھے۔)

کاغذ کے لئے بھی متعدد الفاظ موجود تھے جنھیں شعراء جاہلیت اور قرآن نے استعمال کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: القرطاس، الورقۃ، الطرس، المھرق، الرق اور الطلس وغیرہ[1]

یہ چند الفاظ بطور مثال درج کئے گئے ہیں ان الفاظ کی موجودگی میں یہ کہنا کہ عرب نوشت وخواند سے بے بہرہ تھے اپنے ذہنی افلاس کا ثبوت دینا ہے۔ اگر ماحول کچھ اسی طرح کا ہوتا تو اس ماحول میں وحی کا آغاز لفظ "اقراء" سے نہ ہوتا، وحی متلو کے مجموعہ کا نام "قرآن" نہ رکھا جاتا۔ قرآن پڑھ جائیے "الکتاب" "القلم" اور دوسرے متعدد الفاظ اور مرادفات گواہی دیں گے کہ عرب کی تعلیمی کیفیت اس دور کی اکثر متمدن ممالک سے بہتر نہیں تو بدتر بھی نہیں تھی۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ثعالبی کی فقہ اللغۃ، الوسی کی بلوغ الارب اور ڈاکٹر جواد علی کی العرب قبل الاسلام (القسم الاجتماعی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہر طور یہ سارے حقائق جو پچھلے صفحات میں پیش کیے گئے ہیں اس بات کا کافی ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ عرب جاہلیت میں "جاہل محض" نہ تھے بلکہ علم و دانش کا حصۂ وافر انھیں ملا تھا۔ اگر ایک طرف ان کی عقلی و تمدنی حالت کا اندازہ یمنی تبابعہ (تبع) حیرہ کے منذر بادشاہوں اور شامی غسانہ کے کارناموں سے ہو سکتا ہے کہ ان مہذب عربوں نے عالیشان بند باندھے، بنجر زمینوں کو کاشت کے قابل بنایا، ویرانوں کو آباد کیا، شہروں کو بسایا تو دوسری طرف ان کے علمی و ادبی ماحول کا بھی بہت کچھ اندازہ پچھلی تفصیلات سے ہو جاتا ہے۔ ان کی قوتِ نظری، وسیع تجربہ کاری اور تجارت نے انھیں معلومات کا اچھا خاصا ذخیرہ بہم پہنچایا تھا، نجوم کے ماہر ہو گئے تھے۔ جنگ میں مشغول رہنے کی وجہ سے فن سپہ گری، طب، بیطاری، شہسواری وغیرہ سے ان کی دلچسپی غیر معمولی ہو گئی تھی۔ قصہ گوئی، فراست، قیافہ شناسی، کہانت، عرافہ، زجر اور شعر و شاعری میں وہ انتہائی کمال رکھتے تھے۔ بلکہ شاعر کی شخصیت تو ان کے نزدیک ایک مافوق الفطرت ہستی کی تھی اس کے کلام سے قبیلہ کے کارنامے شہرتِ دوام حاصل کرتے تھے اور دشمنوں پر ہراس چھا جاتا تھا۔ اس کے فصیح و بلیغ کلام سے قبیلہ کی عزت تھی۔ اور ابن رشیق کے بیان کے مطابق جب عرب کے کسی خاندان میں شاعر کا انکشاف ہوتا تھا تو ہمسایہ قبائل یہاں آکر ہدیۂ تبریک پیش کرتے تھے۔ دعوتوں کا اہتمام ہوتا تھا عورتیں جمع ہو کر رباب کی دھن پر نغمہ گاتی تھیں۔ بوڑھے جوان اور لڑکے ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے کیونکہ شاعر کا وجود سب کی عزت و عظمت کے تحفظ کی ضمانت متصور ہوتا تھا۔(۱) اس موقع پر ہمیں جاہلیت کے ان شعلہ بیان مقررین(۲) کو بھی نہیں بھولنا چاہیے جن کے

---

(1) A LITERARY HISTRY OF THE ARABS. BY R.A. NICHOLSON
لندن 1930 P. 71

(۲) مثلاً قس بن ساعدۃ الایادی، عمرو بن کلثوم التغلبی، اکثم بن صیفی التمیمی، حارث بن عباد البکری، قیس بن زہیر العبسی، عمرو بن معدیکرب الزبیری وغیرہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حکیمانہ مقولے، خطبے اور وصیتیں عربی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔[۱]

امر واقعہ یہ ہے کہ قبل اسلام کے شعراء و خطباء نے معلومات کا اتنا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے کہ اس سے استفادہ کر کے ہی آج قتادہ بن دعامہ سدوسی، ابو عمرو بن العلاء، ابو عبیدہ، اصمعی، ابو زید انصاری، ابن سلام، حماد الراویہ، المفضل ضبی، ابو عمرو شیبانی، ابن عبد ربہ، سیبویہ، فراء، کسائی، خلیل بن احمد، ابن قتیبہ، ابو الفرج اصفہانی، ابو بکر صولی، تفتازانی، زمخشری جیسے آئمہ ادب، ائمہ لغت، ائمہ نحو اور ائمہ بلاغت تاریخ کے سنگِ میل، اور آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے بن گئے۔ جاہلیت کے شعراء عرب کا فن صرف شعر و سخن تک محدود نہیں ہے اور نہ صرف تفننِ طبع کا ذریعہ ہے بلکہ انھوں نے اپنی قدرت بیان کے ذریعہ شعر ہی کو اپنے علوم و فنون اور اپنے خیالات و افکار کی ترویج کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان کے اسی شعری کمال کی بنا پر ان کے شعر کو بلا اختلاف رائے "دیوان العرب" یعنی عرب کا ریکارڈ کہا جاتا ہے۔

(۱) عنوانِ بالا پیراگراف کا اضافہ مرتب نے کیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصۂ چہارم

طلوعِ صبح

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت
کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت

(حالی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- نسبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
- آبائے رسول ﷺ
- شخصیت ایک نظر میں!
- غارِ حرا، تک!
- اور اُجالا پھیلتا گیا!
- ... بلندیوں پر!
- عقبہ کی گھاٹی میں!

نعیم صدیقی • ابوالاعلیٰ مودودی

علی محسن صدیقی • سلیمان سلمان منصور پوری

نثار احمد

•

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نسبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

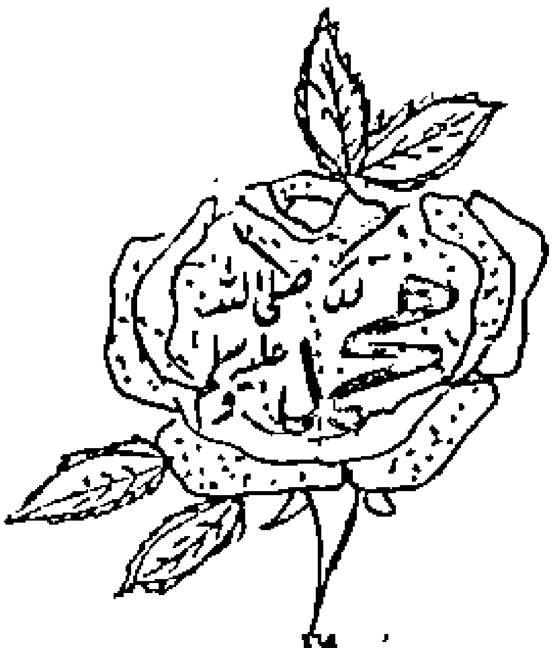

عبداللہ (آمنہ بنت وہب)

عبدالمطلب (فاطمہ : خزرجی) — عامر اور لقب شیبہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مد تجویز کیا۔

ہاشم (سلمیٰ : خزرجی) — اصل نام عمرو، عمرو العلا لقب، فیاض و سخی، سردار تھے

عبدمناف (عاتکہ : ہوازنی) — اصل نام مغیرہ۔ حسن و جمال میں فائق، حق گو، حق شناس تھے

قصی (حبیٰ : خزاعی) — اصل نام زید۔ شہری مملکت مکہ کا بانی۔ قریش کا مجمّع

کلاب (فاطمہ : ازدی) — نام حکیم تھا اور کنیت ابوزہرہ۔ شکاری کتے بہت پالے تھے اسلئے لقب کلاب ہوا۔

سلہ نسبِ نبوی کو ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ (بیروت سنہ ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۵۵ تا ۶۱) اور قاضی سلیمان منصورپوری کی رحمۃ للعالمین (مطبوعہ لاہور ج ۲ ص ۱۲ تا ۱۵ اور ۵۲ تا ۳۰) کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ اجداد کے آگے جدّات کے نام بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ (مرتّب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کنیت ابو الیقظہ چھٹی پشت میں حضرت ابوبکرؓ کے دادا۔ ← مُرّہ (ھند کنانی العدنانی)

اسم با مسمّی تھے عرب میں انکا سنہ پیدائش جاری ہو گیا تھا جو واقعۂ فیل (تقریباً چار صدی بعد) تک جاری رہا۔ ← کعب (مخشیہ، قرشی العدنانی)

کنیت ابو کعب تھی ← لؤی (ماویہ قضاعی)

کنیت ابو تیم تھی ← غالب (عاتکہ کنانی العدنانی)

ان کے زمانے میں حسان حاکم یمن ایک فوج لیکر مکہ پر حملہ آور ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ ← فہر (لیلیٰ مضری العدنانی)
کعبہ کو منہدم کرکے اسکا ملبہ یمن لیجائے اور وہاں کعبہ تعمیر کرے فہر نے مع برادران مقابلہ کیا، حسان کو شکست ہوئی اور گرفتار ہوا۔ تین سال تک قید رہا۔ پھر فہر نے آزاد کر دیا۔ اس فتح سے فہر کی عظمت و شوکت عرب میں مسلم ہو گئی فہر ہی کا لقب قریش ہے۔

کنیت ابو الحارث تھی ← مالک (جندلہ جرہمی)

کنیت ابو مخلد اصل نام قیس۔ خوبی حسن و جمال کی وجہ سے لوگ نضر کہتے تھے۔ ← نضر (عکرشہ مضری العدنانی)

کنیت ابو النضر تھی ← کنانہ (برہ عدنانی)

کنیت ابو الاسد تھی ← خزیمہ (عوانہ عدنانی) انھیں کا نام ہند بھی تھا

کنیت ابو ہذیل، اصل نام عمرو ← مدرکہ (سلمیٰ قضاعی)

کنیت ابو عمرو، لقب کبیر قوم تھا ← الیاس (لیلیٰ قضاعی)

اونٹوں کے لئے حدی انکی ایجاد ہے بنو عدنان میں صاحب دولت و ثروت تھے۔ ← مضر (رباب عدنانی)

کنیت ابو ایاد ہے ← نزار (سودہ عدنانی)

معد (معانہ جرہمی)

عدنان (مہدد بنت اللھم بن جلجب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آبائے رسولؐ

علی محسن صدیقی

قریش دنیا کے نقشے پر ایک قبیلہ کی حیثیت سے ۳۲۵ء کے قریب ابھرے مگر پانچویں صدی عیسوی کے تقریباً نصف تک انھیں حجاز یا عرب کی تاریخ میں کوئی خاص شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ خانۂ کعبہ جو قریش کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی تعمیر ہے۔ اس پر بھی ان کے بجائے بنو خزاعہ کا قبضہ تھا۔ مکہ میں قریش کو دوسرے قبائل نے مغلوب کر رکھا تھا اور ان کی کوئی مستقل سیاسی حیثیت باقی نہ رہی تھی[1] مگر اسی زمانے میں قریش کے خاندان میں ایک نامور فرد پیدا ہوا جس نے ان کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کیا اور انھیں سرزمین حجاز کی سیاسی اور معاشی و مذہبی زندگی میں ایک فعال عنصر بنا دیا۔ قریش کی عظمت کا قصرِ بلند اسی عالی ہمت شخص کی قوتِ بازو سے قائم ہُوا۔ اس فخرِ قبیلہ فرد کا نام زیدؔ اور لقب قصی تھا۔ حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قصی کے پوتے ہاشم کے پڑپوتے تھے۔ ہم آپؐ کے آباؤ اجداد کا تعارف اسی سرآمدِ روزگار کے تذکرہ سے شروع کرینگے۔

۱۔ قصی بن کلاب

نام زید اور قصی لقب ہے۔ یہ لقب اس لئے پڑا کہ اُن کی ماں انھیں مکہ سے ملکِ

---

[1] سید سلیمان ندوی۔ ارض القرآن۔ ج ۲ ص ۱۱۳ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۱۸ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شام میں دور لے کر چلی گئی تھیں اور باپ کلاب بن مرہ صغیر سنی میں انتقال کر گئے تھے۔ انکی ماں فاطمہ بنت سعد ازدیہ نے بنو قضاعہ کے بطن بنو عذرہ کے ایک سردار ربیعہ بن حرام سے عقد ثانی کر لیا۔ قصیّ کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ اس لئے وہ مکہ میں رہ گئے۔ مگر قصیّ ابھی شیر خوار تھے اس لئے ماں کے ساتھ شام چلے گئے، جہاں بنو عذرہ کی سکونت تھی۔ یہاں قصیّ نے پرورش پائی، پل کر جوان ہوئے تو اپنے سوتیلے باپ ہی کو اپنا حقیقی باپ سمجھتے تھے۔ لوگ بھی انھیں ربیعہ بن حرام ہی کا بیٹا سمجھتے تھے ایک دن ایک عذری سے جس کا نام رقیع تھا کسی بات پر تو تو میں میں ہو گئی اس لئے قصیّ کو غریب الوطنی کا طعنہ دیا۔ قصیّ کو جستجو ہوئی اپنی ماں فاطمہ کے پاس آئے ان سے اپنے خاندان کا حال پوچھا۔ معلوم ہوا کہ قریش سے تعلق ہے جو مکہ میں بستے ہیں، قصیّ مکہ جانے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ ماں سے اجازت لے کر حج کے موسم میں بنو عذرہ کے لوگوں کے ہمراہ مکہ آئے۔ اپنے بڑے بھائی زہرہ سے ملے جو بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ جب حج کا موسم ختم ہو گیا تو قصیّ بنو عذرہ کے ساتھ شام واپس جانے کے بجائے مکہ ہی میں ٹھہر گئے۔

قصیّ بڑے قوی الجثہ اور خوبصورت آدمی تھے۔ خزاعہ کے سردار حُلیل بن حبشیہ نے جو مکہ کے حاکم خانۂ کعبہ کے پروہت اور کلید بردار تھے قصیّ سے اپنی بیٹی حُبّیٰ کو بیاہ دیا حلیل کی موت کے بعد قصیّ کو خانہ کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی۔ یہ تولیت کس طرح ملی اس سلسلہ میں مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ کعب بن لوئی کی اولاد میں قصیّ پہلے شخص تھے جنھیں مکہ کی حکومت ملی۔ اور قریش کے تمام بطون نے ان کی اطاعت کی قصیّ نے مکہ سے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو نکال دینے کے بعد ایک منظم شہری ریاست کی بنیاد رکھی انھوں نے بیت اللہ کے متصل دار الندوہ کی عمارت تعمیر کی جس میں قریش کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مختلف بطون کے سردار قومی امور کا فیصلہ آپس میں مشورے سے کرتے تھے۔ نکاح لڑائی حتیٰ کہ لڑکی کی بلوغت کا اعلان اسی دارالندوہ میں کیا جاتا تھا۔ علم جنگ یہیں باندھے جاتے تھے۔ جب قریش کے تجارتی قافلے سفر پر روانہ ہوتے تو یہیں جمع ہوتے۔ اور جب مکہ واپس لوٹتے تو پہلے یہیں برکت کی غرض سے آتے تھے۔

قصی نے مکہ میں قریش کی مستقل آبادی کے لئے ہر بطن کے لئے ایک محلہ مقرر کر دیا تھا۔ جہاں انھوں نے اپنے مکانات بنائے۔ اور مستقل آبادی کی صورت میں رہنا شروع کیا۔ حرم مکہ میں درخت بہت تھے۔ رہائشی مقصد کے لئے جگہ بہت کم تھی قصی نے انھیں کاٹ کر مکانات کے لئے زمین ہموار کی اور اس کے بعد دوسروں نے بھی ان کی تقلید کی۔

قصی نے قریش پر سقایہ (حاجیوں کی خورد و نوش کا انتظام) اور رفادہ (حاجیوں کی مالی امداد کا انتظام) کے نام سے دو محصول لگائے جنھیں وہ سالانہ ادا کرتے تھے۔ اور انھیں ان کے مصارف میں صرف کیا جاتا تھا۔[۲]

قصی نے مکہ میں جو اعیانی ریاست قائم کی اس کے چودہ عہدے تھے۔ یہ عہدے جنگی، سیاسی اور مذہبی نوعیت کے تھے۔ اور انھیں قریش کے دس بطون کے سرداروں کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت ان عہدوں اور عہدہ داروں کی تفصیل مندرجہ ذیل تھی:

نام قبیلہ	عہدہ	نوعیت عہدہ
۱۔ بنو ہاشم	سقایہ	حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام

[۲] تفصیل الطبقات الکبریٰ ابن سعد ج ۱ ص ۶۶ - ۷۳ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء تاریخ طبری ج ۲، ص ۲۵۴ - ۲۶۰ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۶۱ء اور السیرۃ النبویۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۰۹ - ۱۱۰ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۹۳۶ء میں مذکور ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۔	بنو ہاشم	عمارہ	خانۂ کعبہ کا عام انتظام
۳۔	بنو نوفل	رفادہ	حاجیوں کی مالی اعانت کا بندوبست
۴۔	بنو عبدالدار	ندوہ	دارالندوہ کا انتظام
۵۔	بنو عبدالدار	سدانہ	خانۂ کعبہ کی دربانی اور کلید برداری
۶۔	بنو اسد	مشورہ	امور مہمہ میں مشورہ لینا
۷۔	بنو امیہ	عقاب	جنگ کے وقت نشانِ قومی کی علمبرداری
۸۔	بنو سہم	اموالِ محجرہ	بتوں کے نذرانے اور جائیداد کا انتظام
۹۔	بنو سہم	حکومت	مقدمات کا فیصلہ
۱۰۔	بنو جمح	الیسار	بتوں سے استخارہ کی خدمت
۱۱۔	بنو تیم	اشناق	خوں بہا، جرمانے اور مالی تاوان کا انتظام
۱۲۔	بنو مخزوم	قبۃ	فوجی معسکر کا انتظام
۱۳۔	بنو مخزوم	اعنۃ	سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری
۱۴۔	بنو عدی	سفارت	سفارت [۳]

قصی کے چار بیٹے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصی اور دو بیٹیاں تخمر اور برہ تھیں۔ ان سبھوں کی ماں حبی بنتِ حُلیل خزاعہ تھیں [۴] قصی نے بڑی عمر پائی اور خاصے معمّر ہو کر مرے۔ انھیں حجون میں دفن کیا گیا [۵]

۲۔ عبدمناف

قصی کے دوسرے بیٹے مغیرہ تھے جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے "قمر" کہلاتے تھے ماں ان کی حُلیل بن حبشیہ خزاعی کی بیٹی تھیں۔ طبری روایت کرتے ہیں کہ ان کی ماں نے

---

[۳] ارض القرآن ج ۲، ص ۱۱۷، ۱۱۸

[۴] السیرۃ النبویہ ج ۱، ص ۱۱۰ [۵] تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۵۹، الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھیں مناف نامی بت کے آگے ڈال دیا تھا اسی لئے انھیں عبد مناف کہا جانے لگا۔[۶]

ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی یہ کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے دو بیٹوں کے نام اپنے معبودوں عزیٰ اور مناف کے نام پر ایک کا اپنے گھر اور ایک کا اپنے نام پر رکھا ہے۔[۷] عبد مناف کی وجہ تسمیہ سے متعلق ابن سعد اور طبری کی روایتوں کا سلسلہ محمد بن سائب کلبی تک پہنچتا ہے۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغیرہ نام اور عبد مناف لقب نہ تھا بلکہ دونوں ہی نام تھے جو قصی نے اپنے بیٹے کے رکھے تھے۔

عبد مناف اپنے سب بھائیوں سے زیادہ باصلاحیت تھے۔ جیسا کہ سید سلیمان ندوی کا خیال ہے عبد مناف کا عہد ۴۳۰ء کا قریبی زمانہ تھا۔[۸] قصی کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے عبد الدار ان کے جانشین ہوئے۔ اور قریش کی سیادت انھیں کو ملی۔ مگر وہ کمزور شخص تھے اس لئے قصی کے حقیقی جانشین ان کے دوسرے بیٹے عبد مناف ہوئے۔ وہی قریش کے حقیقی امیر تھے۔ اور انھوں نے ہی قصی کے کاموں کی تکمیل کی اور مکہ میں قریش کی آبادکاری کے کام کو جاری رکھا۔

عبد مناف کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں مطلب[۱]، ہاشم[۲]، عبد شمس[۳] تین بیٹوں اور تماضر[۱]، حنہ[۲]، برہ[۳]، قلابہ[۴]، وہالہ[۵] پانچ بیٹیوں کی ماں عاتکہ کبریٰ بنت مرہ تھیں۔ ان کا تعلق مشہور مضری قبیلے قیس عیلان سے تھا۔ نوفل[۱]، ابو عمرو[۲]، ابو عبید[۳] تین بیٹے واقدہ بنت عدی کے بطن سے تھے جو بنو مازن بن صعصعہ سے تھیں۔ چھٹی بیٹی ریطہ کی ماں بنو ثقیف کی عورت تھی۔

عبد مناف کے بیٹوں نے قریش کی عظمت کو چار چاند لگائے۔ چنانچہ بروایت ابن سعد مطلب نے قریش کے لئے نجاشی سے حبشہ میں ہاشم نے ہرقل سے شام میں نوفل نے کسریٰ سے عراق میں تجارت کی اجازت حاصل کی تھی۔[۹]

---

[۶] تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۵۴ [۷] الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۷۰ [۸] ارض القرآن ج ۲، ص ۲۵۲
[۹] الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۷۳، ۷۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"تکلم فرماتے تو دانتوں سے چمک سی نکلتی" (حضرت انسؓ)

ریش

"بھرپور اور گنجان بال"۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

گردن

"پتلی لمبی۔ جیسے مورتی کی طرح خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔"

"گردن کی رنگت، چاندی جیسی اُجلی اور خوشنما۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

سر

"بڑا مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

بال

"قدرے خمدار۔" (حضرت ابوہریرہؓ)

"نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے۔ نہ زیادہ پیچ دار۔" (قتادہؓ)

"گنجان۔ کبھی کبھی کانوں کی لو تک لمبے! کبھی شانوں تک" (براء بن عازبؓ)

"درمیان سے نکلی ہوئی مانگ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

"بدن پہ بال زیادہ نہ تھے۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر"

(حضرت علیؓ۔ ہند بن ابی ہالہؓ)

"کندھوں، بازوؤں اور سینہ کے بالائی حصہ پر تھوڑے سے بال تھے۔"

(ہند بن ابی ہالہؓ)

کندھے اور سینہ

"سینہ چوڑا۔ سینہ اور پیٹ ہموار۔" (ہند بن ابی ھالہؓ)

"سینہ چوڑا۔" (براء بن عازبؓ)

"مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"کندھوں کا درمیانی حصہ پُر گوشت"۔ (حضرت علیؓ)

ہتھیلیاں اور بازو

"کلائیاں دراز۔ ہتھیلیاں فراخ۔ انگلیاں موزوں حد تک دراز"۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

"ریشم کا دبیز یا باریک کوئی کپڑا یا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے میں نے چھوا ہو اور وہ حضورؐ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و گداز ہو"۔ (حضرت انسؓ)

قدم

• "پنڈلیاں پُر گوشت نہ تھیں۔ ہلکی ہلکی ستی ہوئی"۔ (جابر بن سمرہؓ)

• "ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت۔ تلوے قدرے گہرے۔ قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے"۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

"ایڑیوں پر گوشت بہت کم (جابر بن سمرہؓ)

مجموعی ڈھانچہ

• "بدن گٹھا ہوا۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط"۔ (ہند بن ابی ھالہؓ)

• "بدن موٹا نہیں تھا"۔ (حضرت علیؓ)

• "قد نہ زیادہ لمبا تھا۔ نہ پست۔ میانہ"۔ (حضرت انسؓ)

"قامت مائل بہ درازی۔ مجمع میں ہوں تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا"۔ (براء بن عازبؓ)

• "پیٹ باہر کو نکلا ہوا نہ تھا"۔ (ام معبدؓ)

"دنیوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے والوں سے حضورؐ کا جسم (باوجود فقر و فاقہ کے) زیادہ تروتازہ اور توانا تھا[۱]

---

[۱] مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ نے عمرہ کیا تو سو اونٹ بہ نفس نفیس ہانکے اور ان میں سے ۶۳ بدست خود نحر کیا اور بقیہ کو حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ (المواہب ج ۱ ص ۳۱۰)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی اطلاع ملی تو یثرب گئے اور انھیں مکہ لائے، اس وقت شیبہ کی عمر سات یا آٹھ سال تھی۔

ماں نے بیٹے کو آسانی سے چچا کے حوالے نہ کیا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے جو محمد بن عمرو واقدی سے مروی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلمیٰ نے بڑی ردوکد اور تین دن سوچنے کے بعد شیبہ کو مطلب کے حوالے کیا۔ شیبہ بھتیجے کو مکہ لے کر آئے۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو دوپہر کا وقت تھا۔ قریش نے ایک لڑکے کو مطلب کے ساتھ دیکھا تو سمجھے کہ کوئی غلام خرید کر لائے ہیں اور بولے کہ یہ مطلب کا غلام (عبدالمطلب) ہے۔ مطلب نے اس کے جواب میں کہا کہ تم پر افسوس ہو یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا شیبہ ہے۔ یہ ابنِ سعد کا بیان ہے۔ طبری کی روایت یہ ہے کہ جب مطلب دوپہر کو مکہ پہنچے تو لوگ اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ بچہ کون ہے وہ بولے، میرا غلام ہے۔ اس لئے ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔ بہرکیف چچا کے زیرسایہ شیبہ نے پرورش پائی۔ اور جوان ہوئے۔ مطلب کی وفات کے بعد منصبِ سقایہ اور رفادہ عبدالمطلب کو ملا۔

زمزم کا کنواں پٹ گیا تھا اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تھا کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب کو خواب میں اُسے دوبارہ کھودنے کی تلقین کی گئی۔ چنانچہ انھوں نے اسے کھودا جس سے حجاج کو پانی کی سہولت ہو گئی۔ وہ زمزم سے پانی بھر کر عرفات لے جاتے جہاں حاجی اسے استعمال کرتے۔

عبدالمطلب قریش میں حسن وجمال، جسامت، حلم ووقار، سخاوت اور صلح پسندی میں نمایاں تھے۔ وہ قریش کے چند اربابِ حل وعقد میں شمار ہوتے تھے اور ان کے حکام میں تھے۔ اس لئے اپنی وفات تک وہ ان کے سردار رہے اور عرب کے تمام قبائل ان کے ساتھ عزت سے پیش آتے تھے۔ وہ جب یمن جاتے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تو بنو حمیر کے کسی سردار کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ان کے اعلیٰ اخلاق و فضائل کی اتنی شہرت تھی کہ انھیں جس بادشاہ نے دیکھا ان کی عزت کی اور ان کی سفارش قبول کی حتیٰ کہ جب ابرہہ حبشی (اکسوم) حاکم یمن نے مکہ پر حملہ کرنے کی غرض سے پیشقدمی کی اور مکہ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو اس نے حکم دیا کہ قریش کے اونٹ جو مکہ کے باہر چر رہے تھے پکڑ لائے جائیں۔ انھیں میں عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے وہ ان کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔ عبدالمطلب نے اونٹوں کی واپسی کی درخواست کی۔ ابرہہ سخت متعجب ہوا اور بولا ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے اس عبادت کدے کے بارے میں بات کرنے آئے ہو مگر تم نے اونٹوں کی بات کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا میں اپنے ان اونٹوں کا مالک ہوں، اونٹ مجھے واپس کردو۔ اس عبادت کدے کا مالک اس کی حفاظت کا خود بند وبست کرے گا۔ یہ سُن کر ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے اور عزت کے ساتھ انھیں لوٹا دیا۔

عبدالمطلب مالدار آدمی تھے۔ تجارت کے علاوہ ان کے پاس کافی اونٹ اور زمینیں تھیں، چنانچہ طائف میں ان کا ایک چشمہ بھی تھا۔ غرض کثرتِ اولاد اور اخلاقِ کریمانہ میں وہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے اس لئے قریش میں خصوصاً اور عربوں میں عموماً ان کا ہر فعل قابلِ تقلید سمجھا جاتا تھا۔ وہ قریش کے پہلے شخص تھے جس نے سیاہ خضاب استعمال کیا۔ اس کے بعد اہل مکہ میں اس کا استعمال عام ہوگیا۔ اسی طرح اس وقت قتل کی دیت دس اونٹ تھی۔ عبدالمطلب نے اسے بڑھا کر سَو اونٹ کر دیا۔ تمام عرب نے اس کی تقلید کی۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام حارثؓ عبداللہؓ، زبیرؓ، ابو طالبؓ عبدمناف، صخرؓ، مقومؓ، حجل مغیرہ (غیداق)، عباسؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضرارؓ، ابولہبؓ عبدالعزیٰ ہیں اور بیٹیوں کے نام ام حکیمؓ بیضا، عاتکہؓ، برّہ، امیمہ اروی ؓ، صفیہؓ ہیں۔

عبدالمطلب نے بڑی طویل عمر پائی، ۸۲ سال اور بروایتے ۱۱۰ سال اور بروایت دیگر ۱۲۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حجون کے قبرستان میں دفن ہوئے آنحضرت صلعم کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔ آپؐ کی دایہ ام ایمن کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ عبدالمطلب کے پلنگ کے پیچھے کھڑے ہو کر روتے تھے۔ [12]

۵۔ عبداللہ بن عبدالمطلب

عبداللہ کی ماں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن مخزوم قریشہ تھیں۔ زبیر اور ابوطالب عبدمناف ان کے ماں جائے بھائی تھے۔ ان کے علاوہ عبدالمطلب کی پانچ بیٹیاں بھی انھی فاطمہ کے بطن سے تھیں۔ عبداللہ اپنے سگے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے وہ حسن وجمال اور خصائل حمیدہ میں ممتاز تھے۔ عبدالمطلب ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

جب وہ سنِ شعور کو پہونچے تو عبدالمطلب نے ان کی شادی قریش کی مشہور شاخ بنو زہرہ بن کلاب کے رئیس وہب کی بھتیجی آمنہ بنت وہب سے کر دی۔ آمنہ اپنے عہد کی نہایت باعزت خاتون تھیں۔ شرافت نسب کا یہ عالم تھا کہ قصی کے بڑے بھائی زہرہ کی نسل میں ان کی دادھیال تھی، ننہال عبدالدار بن قصی کے گھرانے میں تھی ان کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے چچا وہب کی سرپرستی میں تھیں۔ وہب

---

[12] الطبقات الکبریٰ۔ ج ۱ ص ۸۲، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۹۲، ۹۳، ۱۱۹ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۱ السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۱۱۳، ۱۱۵۔ محمود شکری آلوسی، بلوغ الارب ج ۱ ص ۳۲۳، مطبوعہ دارالکتب العربی، مصر ۱۳۴۳ھ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قریش کی شاخ بنو زہرہ کے رئیس تھے۔

عبداللہ نے بہت کم عمر پائی تھی۔ وہ قریش کے شرفا کی طرح حسب معمول سامانِ تجارت لے کر غزہ (فلسطین) گئے۔ واپسی میں بیمار پڑ گئے۔ جب قریش کا قافلہ مدینہ پہنچا تو عبداللہ کے مرض نے شدت اختیار کر لی۔ وہ مجبوراً اپنے والد کی ننھیال بنو نجار کے یہاں ٹھہر گئے۔ جب اصل کارواں مکہ واپس پہنچے تو عبدالمطلب نے بیٹے کو نہ پاکر دریافت کیا ان کی علالت کی اطلاع پا کر انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا کہ عبداللہ کو جا کر لائیں۔ جب حارث مدینہ پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور انھیں بنو نجار کے ایک شخص نابغہ کے گھر میں سپردِ خاک کر دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر صرف پچیس ۲۵ سال تھی۔ حارث مکہ لوٹ آئے۔ جب بیٹے کی موت کی اطلاع بوڑھے باپ کو ہوئی تو انھیں بہت صدمہ ہوا۔ ان کے بھائیوں اور بہنوں نے بھی بھائی کا بڑا غم کیا۔ عبداللہ کی شریکِ حیات آمنہ نے ان کی وفات پر نہایت دردناک مرثیہ کہا ہے

عبداللہ کی وفات کے وقت ان کے اکلوتے بیٹے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم شکمِ مادر میں تھے۔ آپؐ کے علاوہ ان کے کوئی اور بچہ نہ پیدا ہوا۔ عبداللہ نے ترکہ میں ایک باندی (لڑکی) اُم ایمن پانچ اُونٹ اور کچھ بھیڑ بکریاں چھوڑیں آنحضرتؐ ان چیزوں کے وارث ہوئے۔ [۳۱]

[۳۱] السیرۃ النبویہ ۱: ۱۶۰-۱۶۷ الطبقات الکبریٰ ۱: ۸۸ و ۸۹، تاریخ طبری ۲، ۲۴۲-۲۴۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شخصیت ایک نظر میں [1]

دنیا[2] کے عظیم کارنامے انجام دینے والی ہستیاں خصوصًا انبیا علیہم السلام ہمیشہ غیر معمولی درجے کی شخصیتوں سے آراستہ ہوتی ہیں۔ اصلاح کے کام، تحریکوں کی رہنمائی، تہذیبوں کی تعمیر نو کرنے والوں کی اصل قوت ان کی شخصیت ہی ہوتی ہے جو خاص طرح کے افکار و کردار سے بنتی ہے۔ سیرت پاک کے مطالعہ کی ایک غایت یہ بھی ہے کہ محسن انسانیت کی شخصیت کو سمجھا جائے۔

کسی بھی شخصیت کو سمجھنے میں اس کی وجاہت بہت مدد دیتی ہے۔ آدمی کا سراپا، اس کے بدن کی ساخت، اس کے اعضاء کا تناسب خاص، اس کے ذہنی اخلاقی اور جذباتی رتبے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خصوصًا چہرہ ایک ایسا قرطاس ہے جس پر انسانی کردار اور کارناموں کی ساری داستان لکھی ہوتی ہے۔

ہم بعد کے لوگوں کی یہ کوتاہی قسمت ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کا روئے زیبا ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اور نہ ہم عالم واقعہ میں سر کی آنکھوں سے

---

[1] ۔ یہ مضمون نعیم صدیقی صاحب کی کتاب محسنِ انسانیت (لاہور۔ اشاعت دوم ص ۸۶ تا ۹۲) سے ماخوذ و مرتب ہے۔ اخذ و تلخیص۔ محمد کلیم۔

[2] ۔ دوسری کتابیں بھی سامنے ہیں لیکن اس موضوع کیلئے مولف زیادہ تر شمائل ترمذی کا منت کش رہا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیارت کا شرف حاصل کرسکتے ہیں ہاں ہم حضورؐ کے حسن وجمال کی جو کچھ بھی جھلک پاسکتے ہیں وہ حضورؐ کے پیغام اور کارنامے کے آئینہ میں ہی پاسکتے ہیں ۔

حضورؐ کی کوئی حقیقی شبیہہ یا تصویر موجود نہیں ہے ۔ لیکن حضورؐ کے صحابیوں نے قلم سے پردۂ الفاظ میں حضورؐ کی شبیہہ کو مرتب کردیا ہے اور اسے محفوظ حالت میں اصحابِ روایت نے ہم تک پہنچا دیا ہے یہاں ہم اس لفظی شبیہہ کو پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین حضورؐ کے کردار کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس عظیم انسان کی ایک جھلک دیکھ لیں ۔ یہ گویا ایک نوع کی ملاقات ہے ۔ ایک تعارف ۔

حضورؐ کے چہرۂ اقدس، قدوقامت، خدوخال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صدیوں کے پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچا ہے وہ بہرحال ایک ایسے انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت، شجاعت، صبرواستقامت، راستی ودیانت، عالی ظرفی، سخاوت، فرض شناسی، وقار وانکسار اور فصاحت وبلاغت جیسے اوصاف حمیدہ کا جامع تھا ۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ حضورؐ کے جسمانی نقشے میں روح نبوت کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے ۔

☆ وجاہت

"میں نے جونہی حضورؐ کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ آپ کا چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔"[1] (عبداللہ بن سلامؓ)

"مطمئن رہو، میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا ۔ جو کبھی تمہارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں

[1] ۔ یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے جن کا نام حصین تھا ۔ حضورؐ کے مدینہ آنے پر آپؐ کو دیکھنے گئے اور دیکھتے ہی جو تاثر ہوا اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے پھر ایمان لائے اور عبداللہ نام تجویز ہوا ۔

(سیرۃ المصطفیٰ ۔ مولانا ادریس کاندھلوی ۔ ج ا ۔ ص ۳۴۹ ۔ ۳۵۰)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو سکتا اگر ایسا آدمی (اونٹ کی رقم) ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کردوں گی"۔[1] (ایک معزز خاتون)

"حضور سے خوب رو کسی کو نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا گویا آفتاب چمک رہا ہے" (ابوہریرہؓ)

"اگر تم حضورؐ کو دیکھتے تو سمجھتے کہ سورج طلوع ہو گیا ہے" (ربیع بنت مسعودؓ)

"دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا (حضرت علیؓ)

"میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورؐ کو دیکھ رہا تھا۔ آپؐ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو بالآخر میں اس فیصلے پر پہنچا کہ حضورؐ اکرم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔" (حضرت جابر بن سمرہؓ)

"خوشی میں حضورؐ کا چہرہ ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اسی چمک کو دیکھ کر ہم آپ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔" (کعب بن مالکؓ)

"چہرے پر چاند کی سی چمک تھی۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

چہرہ

"بدر کی گولائی لئے ہوئے۔" (براء بن عازبؓ)

"چہرہ بالکل گول نہیں تھا۔ ہلکی گولائی لئے ہوئے۔" (حضرت علیؓ)

"پیشانی کشادہ، ابرو خمدار، باریک اور گنجان، دونوں جدا جدا، دونوں کے درمیان ایک رگ کا ابھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا" (ہند بن ابی ہالہؓ)

---

[1] ۔ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا۔ اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ حضورؐ کا اتفاقاً اس طرف گذر ہوا ایک اونٹ کا سودا کر لیا اور یہ کہہ کر اونٹ ساتھ لے آئے کہ قیمت بھجوائے دیتا ہوں بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر جان پہچان کے معاملہ کر لیا۔ اس پر سردار قافلہ کی خاتون نے مذکورہ فقرہ کہا یہ واقعہ طارق بن عبداللہؓ نے بیان کیا جو خود شریک قافلہ تھے بعد میں حضورؐ نے طے شدہ قیمت سے زیادہ مقدار میں کھجوریں بھجوا دیں (سیرت النبی شبلی ج ۲ ص ۳۸۰ المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۴۴)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رنگت

"نہ چونے کی طرح سفیدی۔ نہ سانولہ پن۔ گندم گوں جس میں سفیدی غالب تھی۔" (حضرت انس رضی اللہ عنہ)

"سفیدی سرخی مائل۔" (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

"گویا کہ چاندی سے بدن ڈھلا ہوا تھا۔" (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

آنکھیں

"آنکھیں سیاہ۔ پلکیں دراز" (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

"پتلیاں سیاہ۔ نظریں نیچی۔ گوشۂ چشم سے دیکھنے کا حیادارانہ انداز۔"

(ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ)

"سفید حصے میں سرخ ڈورے۔ آنکھوں کا خانہ لمبا۔ قدرتی سرمگیں۔"

(جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ)

ناک

"بلندی مائل۔ اس پر نورانی چمک۔ جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی ہے" (ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ)

رخسار

"ہموار اور ہلکے نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلا ہوا" (ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ)

دہن

"فراخ۔!" (جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ)

"بہ اعتدال فراخ۔" (ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ)

دندان مبارک

"باریک۔ آبدار، سامنے کے دانتوں میں خوشنما ریخیں۔" (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"ہنستے تو دانتوں سے چمک سی نکلتی" (حضرت انسؓ)

ریش

"بھرپور اور گنجان بال"۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

گردن

"پتلی لمبی۔ جیسے مورتی کی طرح خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔"

"گردن کی رنگت، چاندی جیسی اُجلی اور خوشنما۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

سر

"بڑا مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

بال

"قدرے خمدار۔" (حضرت ابوہریرہؓ)

"نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے۔ نہ زیادہ پیچ دار۔" (قتادہؓ)

"گنجان۔ کبھی کبھی کانوں کی لوتک لمبے! کبھی شانوں تک" (براء بن عازبؓ)

"درمیان سے نکلی ہوئی مانگ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

"بدن پر بال زیادہ نہ تھے۔ سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر"

(حضرت علیؓ۔ ہند بن ابی ہالہؓ)

"کندھوں، بازوؤں اور سینہ کے بالائی حصّہ پر تھوڑے سے بال تھے۔"

(ہند بن ابی ہالہؓ)

کندھے اور سینہ

"سینہ چوڑا۔ سینہ اور پیٹ ہموار۔" (ہند بن ابی ھالہؓ)

"سینہ چوڑا۔" (براء بن عازب)

"مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ۔" (ہند بن ابی ہالہؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"کندھوں کا درمیانی حصہ پُرگوشت"۔ (حضرت علیؓ)

ہتھیلیاں اور بازو

"کلائیاں دراز۔ ہتھیلیاں فراخ۔ انگلیاں موزوں حد تک دراز۔"
(ہند بن ابی ہالہؓ)

"ریشم کا دبیز یا باریک کوئی کپڑا یا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے میں نے چھوا ہو اور وہ حضورؐ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و گداز ہو"۔ (حضرت انسؓ)

قدم

"پنڈلیاں پُرگوشت نہ تھیں۔ ہلکی ہلکی سُتی ہوئی"۔ (جابر بن سمرہؓ)

"ہتھیلیاں اور پاؤں پُرگوشت۔ تلوے قدرے گہرے۔ قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے"۔ (ہند بن ابی ہالہؓ)

"ایڑیوں پر گوشت بہت کم (جابر بن سمرہؓ)

مجموعی ڈھانچہ

"بدن گٹھا ہوا۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط"۔
(ہند بن ابی ھالہؓ)

"بدن موٹا نہیں تھا"۔ (حضرت علیؓ)

"قد نہ زیادہ لمبا تھا۔ نہ پست۔ میانہ"۔ (حضرت انسؓ)

"قامت مائل بدرازی اجمع میں ہوں تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا"۔ (براء بن عازبؓ)

"پیٹ باہر کو نکلا ہوا نہ تھا"۔ (ام معبدؓ)

"دنیوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے والوں سے حضورؐ کا جسم (باوجود فقر و فاقہ کے) زیادہ تر و تازہ اور توانا تھا[۱]

لہ۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ نے عمرہ کیا تو سو اونٹ بنفس نفیس ہانکے اور ان میں سے ۶۳ بدست خود نحر کیا اور بقیہ کو حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ (المواہب ج ۱ ص ۳۱)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"میں نے رسول اللہؐ سے بڑھ کر کوئی بہادر اور زور آور نہیں دیکھا"[1]

ایک جامع لفظی تصویر

یوں تو حضورؐ کے متعدد نقادوں نے حضورؐ کی شخصیت کے مرقع لفظوں میں پیش کیے ہیں لیکن ام معبدؓ نے جو تصویر مرتب کی ہے اس کا جواب نہیں۔ ہجرت کا سفر کرتے ہوئے، مسافر حق جب اپنی منزل اول (غار ثور) سے چلا تو پہلے ہی روز قوم خزاعہ کی اس نیک نہاد بڑھیا کا خیمہ راہ میں پڑا۔ حضورؐ اور آپ کے ہمراہی پیاسے تھے۔ فیضان خاص تھا کہ مریل سی بھوکی بکری نے اس لمحہ وافر مقدار میں دودھ دیا حضورؐ نے بھی پیا اور ہمراہیوں نے بھی اور کچھ بچ رہا۔ ام معبدؓ کے شوہر نے گھر آکر دودھ دیکھا تو اچنبھے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبدؓ نے سارا حال بیان کیا وہ پوچھنے لگا کہ اچھا اس قریشی نوجوان کا نقشہ تو بیان کرو۔ یہ وہی تو نہیں ہے جس کی تمنا ہے اس پر ام معبدؓ نے حسین ترین الفاظ میں تصویر کھینچی۔ ام معبدؓ کو نہ تو کوئی پہلے سے تعارف حاصل تھا۔ نہ کسی طرح کا تعصب، بلکہ جو کچھ دیکھا من وعن کہہ دیا۔ اصل عربی ہی دیکھنے کی چیز ہے[2]۔ اس کا جو ترجمہ مولف "رحمۃ للعالمین" نے کیا ہے اسی کو ہم یہاں لے رہے ہیں۔

"پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ پیٹ باہر نکلا ہوا، نہ سر کے بال

---

[1] - مکہ میں رکانہ نامی ایک پہلوان تھا جو اکھاڑوں میں کشتیاں لڑتا ایک دن حضورؐ اس سے کسی ملحقہ وادی میں ملے اور اپنی دعوت دی اس نے دعوت کے لیے کوئی معیار صدق طلب کیا۔ اس کے ذوق کے پیش نظر حضورؐ نے کشتی کرنا پسند کر لیا۔ تین بار کشتی ہوئی اور تینوں بار آپؐ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اسی رکانہ پہلوان کے بیٹے جعفر محمد کی یہ روایت حاکم نے مستدرک میں سے لی ہے اور ابوداؤد اور ترمذی نے اسے پیش کیا اور بیہقی نے سعید بن جبیر کی دوسری روایت کی ہے کہ جس میں آتا ہے کہ حضورؐ نے بعض دوسرے لوگوں کو بھی کشتی میں پچھاڑا ہے جن میں ایک ابوالاسود جمحی بھی ہے (المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳-۳۰۲) [2] ملاحظہ ہو زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۳۰۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک وپیوستہ ابرو اسیاہ، گھنگھریالے بال خاموش وقار کے ساتھ، گویا دلبستگی لئے ہوئے، دور سے دیکھنے میں زیبندہ ودلفریب قریب سے نہایت شیریں وکمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی وبیشی الفاظ سے معرّا۔ تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی، میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ کہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قد، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد وپیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں، مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو"۔[1]

---

[1] زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۳۰۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غارِ حرا تک!

اب ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں، جب تاریخ ایک انقلابی قوت کی متلاشی تھی۔ انسانیت اپنے آخری نجات دہندے کو مانگ رہی تھی۔ نیکی، نفس کی طغیانیوں میں گھری تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کہ کب روشنی کی کرن پھوٹے۔ بھٹکے ہوئے راہی پگڈنڈی پر کھڑے رہبر کی راہ تک رہے تھے اور تاریکیاں اور ظلمتیں طلوعِ سحر کی منتظر تھیں کہ قدرت اس موقع پر "آب و گل سے ایک نیا انسان" بناتی ہے جس کا ضمیر شرافت و نجابت سے گوندھا گیا تھا۔ اور جس میں خلق و خلق کی تمام خوبیاں رکھ دی گئی تھیں۔ یہ ذات محمد بن عبداللہ کی ذات تھی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک شمع اور پتھروں کے ڈھیر میں ایک ہیرا!![1]

عرب کے ایک معزز ترین خاندان قریش کی شاخ بنو ہاشم میں "سلیم الفطرت والدین"[2]

---

[1] یہ مضمون دراصل ایک طویل مضمون کا حصہ ہے جسے جمعیت الفلاح کراچی کے زیرِ اہتمام منعقدہ تحریری مقابلۂ سیرت (جولائی ۱۹۶۳ء) کے لئے لکھا گیا تھا اور جس پر راقم الحروف کو اول انعام دیا گیا۔

[2] والد کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب تھا۔ والدہ کا نام آمنہ بنتِ وہب بن عبدمناف تھا اس لئے کل اولادِ آدمؑ میں از روئے حسب و نسب کے ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نہایت اشرف اور بزرگ تھے۔ (ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ مصر ۱۹۳۶ء ج ۱ ص ۱۱۵ و ص ۱۶۶)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے قرآن السعدین سے ایک انوکھا بچہ یتیمی[1] کے سانچے میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کے باپ نے اپنے پیچھے سوگوار بیوی کے سوا کچھ نہ چھوڑا تھا۔ کیونکہ وہ تو ابھی پوری طرح اپنا گھر بھی نہ بسا پایا تھا کہ عالم جوانی میں ہی اسے موت نے آلیا۔ ماں بھی اپنے اس جگر گوشہ کو زیادہ عرصہ تک گود کی گرماہٹ نہ پہنچا سکی تھی۔ اور چھٹے سال ہی داغ مفارقت دے گئی[2]۔ ہاں اس دوران کوئی چار سال بنی سعد کی حلیمہ[3] اس برکت کو سینے سے لگائے رہی۔ اس نے اسے بڑی شفقت سے دودھ پلایا تھا[4]۔ وہ جب اس بچہ کی طرف دیکھتی تو اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوتی۔ اسے اپنے سوہر کے الفاظ یاد آتے۔

"حلیمہ! اس کو نہ چھوڑنا۔ شاید اللہ نے ہمارے لئے اس میں برکت رکھی ہو[5]" وہ اکثر سوچتی "اس کی آمد سے پہلے میری اونٹنی کہیں لاغر، سست کم رفتار تھی۔ بھیڑ بکریوں کے تھن تو بالکل سوکھ گئے تھے۔ لیکن اس بچہ کی آمد سے اونٹنی بہت فربہ ہو گئی۔ بھیڑ بکریاں کثرت سے دودھ دینے لگیں۔ یہ تمام برکت اسی بچہ کی ہے[6]" یہ سوچ کر بچہ کے لئے اس کی محبت میں اور اضافہ ہو جاتا لیکن حلیمہ کی اس پرورش کے ساتھ فطرت بھی اس "نازک پودے" کی آبیاری سے غافل نہ تھی اس لئے نورانی مخلوق شق صدر[7] کے بعد اس کے قلب کی تطہیر کرتی ہے۔ ابر کا سیاہ

---

[1] حضورؐ کے والد ماجد کا انتقال سفر شام سے واپسی میں مدینہ میں اور ولادت باسعادت سے پہلے ہوا۔ (ابن ہشام ص ۱۶۷)

[2] ابن ہشام ص ۱۷۷ [3] حلیمہ بنت ابی ذؤیب عبداللہ بن الحارث بن شخنہ بن جابر۔ (ابن ہشام ص ۱۶۹) [4] حلیمہ سے پہلے چند روز تک ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے بھی اپنے ایک لڑکے (مسروح) کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔ (ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ ج ا ص ۱۰۸ بیروت سنہ ۱۹۶۰ء)

[5] ابن ہشام ص ۱۲۷۔ ابن سعد ص ۱۱۱۔ [6] ابن ہشام ص ۱۷۳۔ ابن سعد ص ۱۱۱، ۱۱۲

[7] شق صدر کا واقعہ چار سال کی عمر میں پیش آیا۔ دو فرشتوں نے آکر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور تطہیر کی (ابن ہشام ص ۱۷۴، ابن سعد ص ۱۱۲)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ٹکڑا دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھتا ہے جنگل کی آب و ہوا اس کے قویٰ کو مضبوط بناتی ہے صحرا کی تگ و دو آئندہ زندگی میں مشقتیں سہنے کی تیاری کراتی ہے اور بنی سعد کی فصاحت سارے عرب میں اس کا شہرہ کر دیتی ہے[1]

اب عبداللہ و آمنہ کی امانت عبدالمطلب کے گھر میں تھی جس کی حفاظت میں وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے اور ایسی محبت و شفقت سے پیش آتے کہ خود ان کے بچے بھی اس سے محروم رہتے تھے "رافت و رحمت کا کمسن پیکر" ذرا آنکھوں سے اوجھل ہوتا تو سخت فکرمند ہو جاتے۔ اور جب تک دیکھ نہ لیتے چین نہ آتا۔ چنانچہ اونٹوں کی تلاش میں دل کڑا کر کے بھیج تو دیا لیکن اس کے جانے کے بعد اٹھتے بیٹھتے سکون نہ ملتا تھا۔ کہ مبادا کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو، کبھی کعبہ کا طواف کر کے دعا کرتے "رب کعبہ، میرے محمدؐ کو میرے پاس پہونچا دے اسے صحیح و سلامت میری طرف لوٹا دے" کبھی گھر جا کر دیکھتے، آخر جب "جانِ انتظار" کامیاب لوٹا تو فرط محبت سے گلے لگا کر کہنے لگے۔ "اب میں تجھے کسی ضرورت کے لئے نہ بھیجوں گا"[2]

پھر تاریخ وہ واقعہ بھی نہیں بھلا سکتی۔ جب کعبہ کے زیر سایہ عبدالمطلب کی مسند بچھی تھی اعیان قریش ادب سے حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں وہ دُرِ یتیم دوڑتا ہوا آیا اور مسند پر جا کر بیٹھ گیا، چچا روکتے رہ گئے۔ "ٹھیرو محمدؐ! یہ تمہارے باپ کی مسند ہے" مگر بوڑھے دادا نے کہا "اسے نہ روکو وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے۔ اور مجھے امید ہے وہ بہت رتبہ والا ہوگا۔ دنیا والوں کا سردار[3]!" سب خاموش ہو گئے۔ مگر

---

[1] ابن سعد ص ۱۱۲۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریش سے ہوں۔ اور میری زبان بنی سعد بن بکر کی زبان ہے (ابن سعد ص ۱۱۳)

[3] ابن سعد ۱۱۲، ۱۱۳۔ [4] ابن ہشام ۱۷۸، ابن سعد ۱۱۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس بات نے سب کو اچنبھے میں ڈال دیا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے پہلے کبھی سوال کیا تھا: "تم نے اس کا نام محمدؐ کیوں رکھا؟" تو بوڑھے نے جواب دیا تھا "میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستائش اور توصیف کا شایاں قرار پائے"[1] یہ عبدالمطلب کے الفاظ تھے۔ جو آئندہ سے بے خبر دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے اور جن کا آنے والا زمانہ حرف بحرف تصدیق کر رہا تھا۔

عبدالمطلب وقت آخر میں اس گنج ہائے گرانمایہ کو اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کر گئے تھے[2] جس نے تاعمر اسے جان سے لگائے رکھا اور اپنی عمر کے تجربے اور تدبیریں اس کی حفاظت کے لئے وقف کر دیں۔

سفر شام میں ابوطالب کی ملاقات بصریٰ میں بحیرا راہب سے ہوئی تھی۔ جو اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا۔ ابوطالب کا قافلہ تجارت صومعہ کے قریب جاکر ٹھہرا تو اس راہب نے پر تکلف کھانے سے قافلہ کی مہمانی کی۔ اس نے حضورؐ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور علاماتِ نبوت کو دیکھ کر ابوطالب سے کہا تھا کہ "ان کو لیکر گھر واپس جاؤ اور یہودیوں سے ان کی حفاظت رکھو تاکہ کوئی برائی ان کے ساتھ نہ کرسکیں۔ کیونکہ اگر وہ بھی میری طرح پہچان لیں گے تو ان کی عداوت پر مستعد ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ تمہارے ان بھتیجے کا ظہور ہونے والا ہے پس تم جلد ہی ان کو گھر واپس لے جاؤ"[3]۔ اسی وجہ سے ابوطالب بھتیجے کے حفظ و احتیاط میں خاص خیال کرنے لگے تھے۔

---

[1] ابن سعد ۱۰۳/۱ لفظ محمدؐ، حمد سے اسم مفعول ہے یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لئے ہے۔ اسم محمدؐ سے بجائے خود حمد و ستائش کی کثرت و کمیت ظاہر ہے (مرتب)

[2] ابن ہشام ۱۸۹، ابن سعد ۱۱۸۔ عبدالمطلب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی۔ (ابن سعد ص ۱۱۹)

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: ابن ہشام ص ۱۹۱ تا ۱۹۴، ابن سعد ص ۱۲۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن اب اسکا بھتیجا کافی بڑا ہو گیا تھا۔ اور معصوم و متین اور سنجیدہ جوانی کے دائرے میں قدم رکھ چکا تھا۔ اس کی غیور و صبور طبیعت کثیر العیال چچا کی پریشانی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے ہاتھ بٹانے کی خاطر شغل شبانی[1] اختیار کر لیا۔ دراصل یہ جہانبانی کا دیباچہ تھا۔ اور قدرت اسے جو کسی، فرض شناسی، مستعدی اور محنت و مشقت کے ساتھ محبت کا درس دینا چاہتی تھی۔ بلکہ مادی سہاروں سے بے نیاز ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری ہو رہی تھی کھلی فضائیں مہر تاباں کی روشنی اور شب ماہتاب میں نور کا پھیلاؤ" ان دیکھی قوت کے سمجھنے میں چوپان کی مدد کر رہا تھا۔ ذرا اور زمانہ گذرا تو مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری پر اور کبھی کبھی نفع میں حصہ پر کام کرنا شروع کیا اور تجارت کے سلسلے میں شام یمن بحر اور غالباً حبشہ تک کا سفر کرنے لگا۔ کوئی بات تو اس نوجوان میں تھی کہ اچھے اچھے اہل سرمایہ نے یہ پسند کیا کہ یہ نوجوان ان کا سرمایہ لیکر کاروبار کرے پھر اس کے حسن معاملت کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں نے اسے امین کا لقب دیا۔[2]

"جوانی زندگی کی شگفتہ بہار ہے۔ نقرئی چاندنی کی سرمستی و سرشاری میں حسن دعوت لطف اندوزی دیتا ہے۔ اس زہد شکن موسم میں تو یہ بھی پیغمبری ہے اور اس کی سہانی راتوں کی لطیف رعنائیوں سے اثر پذیر نہ ہونا۔ صرف ان انسانوں کا کام ہے جن کی شان ادراک کی سرحد سے پار ہے۔

عمر کے اس حصہ میں جب کہ رنگین خواب دلپذیر نغموں سے معمور ہوتے ہیں اور انسان کیف و سرور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔ گناہوں سے اجتناب بڑی کامیابی ہے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی پیغمبر ایسا نہیں جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں۔" (ابن سعد ص ۱۲۵)

[2] ابن سعد ص ۱۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس صالح قریشی نوجوان کو قدرت نے ایسی سعید فطرت سے نوازا تھا۔ کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو کجا، خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھوا تھا[1] مکہ کے اس ماحول میں جہاں قدم قدم پر ہوسناکیوں کے جال بچھے تھے۔ نفس کے لئے تمام رغبتیں موجود تھیں۔ اور جہاں سفلی جذبات کی تکمیل کے لئے طرح طرح کی آسانیاں مہیا تھیں اس نے جوانی کا زمانہ اس قدر پاکیزگی اور شرافت و احتیاط کے ساتھ گزارا کہ پاکیزگی کا زیادہ سے تصور بھی اس کی معصوم و پاکیزہ جوانی کے مقابلے میں فروتر ہی ٹھہرے گا پھولوں کی پتیاں بہت صاف و شفاف ہیں۔ قوس و قزح نہایت معصوم ہے اور چاندنی بہت زیادہ اجلی اور بے داغ ہے۔ مگر اس نوجوان کی جوانی ان سب سے زیادہ معصوم پاکیزہ اور عفیف تھی[2] جس ملک میں حسن بے نقاب کو کھلے بندوں متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت ہو عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا ایک سعادت ہے[3] "جہاں گلی گلی شراب خانے اور گھر گھر بادۂ ناب کی گردش ہو اور جہاں دختر رز کے قدموں میں ایمان و اخلاق نچھاور کئے جاتے ہوں۔ وہاں یہ جداگانہ فطرت کا نوجوان نہ کبھی قسم کھانے کو شراب کا ایک قطرہ زبان پر رکھتا ہے۔ اور نہ ایمان واخلاق کا سودا کرنا گوارا کرتا ہے۔ جہاں جنگ ایک کھیل تھی۔ اور انسانی خون بہانا ایک تماشہ تھا۔ وہاں احترام انسانیت کا علمبردار نوجوان ایسا تھا جسکے دامن پر اس کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی تھی۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ پاشی، غیر اللہ کے سامنے نذر و نیاز اور زمانہ حج میں عرفات جانے سے استثناء اور برہنہ طواف کعبہ عین دین و مذہب قرار پاچکے تھے۔ خانوادہ ابراہیمی کا یہ پاکیزہ نوجوان ان کی مکمل

---

[1] محبوب خدا۔ چودھری افضل حق۔ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور ص ۳۷ [2] ماہنامہ فاران (ماہر القادری) (مقدمہ) سیرت نمبر۔ طبع دوم۔ جنوری ۱۹۵۶ء ص ۵ [3] افضل حق ص ۳۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تکفیر کرتا ہے" مکہ کے قمار خانے، بدکاری کے اڈے۔ داستان گوئی کے چوپال، لہو و لعب کی مجلسیں اور گانے بجانے کی محفلیں اس حسین گداز جسم اور تندرست و توانا ہاشمی نوجوان کی راہ تکتی رہیں، مگر وہ جسے انسانیت کا تزکیہ کرنا تھا۔ اس کی پرچھائیں بھی ان مقامات پر نہ دکھائی دی"[1]

غرض یہ نوجوان ایک اچھوتا انسان تھا جس نے اپنے اندر معاشرے کی خوبیاں تو جذب کرلی تھیں۔ لیکن فاسد ماحول کا اثر ذرا قبول نہ کیا تھا۔ جو عام لوگوں کیساتھ رہتے ہوئے بھی سب سے الگ تھا جس کے لئے دوسروں کی سی زندگی بسر کرنے میں تنگدستی کا بالکل اثر نہ تھا۔ کیونکہ مکہ کے بے شمار ایسے مفلوک الحال موجود تھے جو سامان ہائے تعیش فراہم کرنے کی صورتیں پیدا کر ہی لیتے تھے۔ ان میں کچھ لوگ تو اتنے شاطر تھے جنہیں چاروں طرف سے مفلسی نے گھیر رکھا تھا۔ مگر دادِ عیش دینے میں اشراف قریش کو بھی مات دیتے تھے۔ مگر اس پیکرِ شرم و حیا کا نفس عظمت و شرافت کا وہ نمونہ تھا جس نے ایسا ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا کہ اس وقت سے لے کر آجتک اسی کا پرتو ساری دنیا میں نظر آتا ہے۔ وہ اہل مکہ کے ان محبوب مشاغل سے اپنی توجہ ہٹا کر مظلوموں کی دادرسی، غریبوں کی مدد، مسکینوں کی اعانت اور خیر و صلاح کے فروغ میں صرف کرتا ہے۔ حرب فجار[2] کی شرکت اور حلف الفضول[3] کا عہد اسی قبیل سے تھا

---

[1] فاران۔ ص: ۶

[2] حرب فجار کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت آپؐ کی عمر چودہ یا پندرہ سال کی تھی۔ یہ جنگ قریش اور بنی کنانہ کی بنی قیس عیلان سے ہوئی تھی۔ اس جنگ کی وجہ یہ ہوئی کہ عروۃ الرحال نے نعمان بن منذر کے سامانِ تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں (لطیمہ) کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا جس پر بنی کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس نے برا مانا اور موقع پاکر عروہ کو قتل کر ڈالا اس پر کنانہ اور بنی قیس میں جنگ چھڑ گئی۔ قریش نے بنی کنانہ کا ساتھ دیا قریش اور کنانہ میں ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی جذبہ ہمیشہ برقرار رہا۔ تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں تنصیب حجر اسودؒ کے موقع پر بھی دفع شر کی ضرورت تھی۔ جبکہ قریش میں سخت کشمکش پیدا ہو گئی تھی۔ لعقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:)

حضور بھی اس جنگ میں شریک تھے چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے چچاؤں کو وہ تیر اٹھا کر دیا رہا تھا جو ان کے دشمنوں کی طرف سے آتے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب یہ جنگ ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس برس کی تھی اور اس جنگ کا نام حرب فجار اس سبب سے ہوا کہ دونوں فریقوں نے حرمت والے مہینوں میں جنگ کی اس جنگ میں قریش اور کنانہ کا سردار حرب بن امیہ بن عبد شمس تھا۔ (ابن ہشام ص ۱۹۵ تا ۱۹۸، ابن سعد ۱۲۸) حرب فجار زمانہ جاہلیت کی جنگوں میں سب سے زیادہ مشہور اور عظیم الشان لڑائی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے تفصیلی حالات ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں بیان کئے ہیں۔ حروب فجار کی کل تعداد چار ہے۔ متذکرہ بالا حرب فجار چوتھی اور آخری ہے۔ اس سے پہلے تین ہو چکی تھیں۔ پہلی کنانہ اور ہوازن کے درمیان، دوسری قریش اور ہوازن کے درمیان، اور تیسری پھر کنانہ اور ہوازن کے درمیان (حاشیہ ابن ہشام ص ۱۹۵)

۳ حرب فجار کے بعد حلف الفضول کا واقعہ پیش آیا۔ رسول اللہ ؐ کی عمر اس وقت بیس سال تھی اس معاہدہ کی طرف سب سے پہلے بنی ہاشم مائل ہوئے زبیر بن عبد المطلب نے دعوت دی سب لوگ (بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی تیم) عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ زبیر نے سب کے کھانے کا انتظام کیا سب نے اللہ تعالیٰ کو بیچ میں ڈال کر ان الفاظ میں عہد کیا کہ جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے۔ ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے۔ تا آنکہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ اور معاش میں ہم اس کی خبر گیری و مواسات بھی کریں گے حضور فرماتے ہیں۔ کہ میں اس حلف میں شریک تھا۔ اور اگر مجھ کو اب بھی اس میں بلایا جائے تو قبول کر لوں گا (ابن سعد ۱۲۸، ۱۲۹)

۴ کعبہ کی تعمیر نو کے سلسلے میں جب اسود کی تنصیب کا موقع آیا تو اختلاف پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ جنگ کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال تھی یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ واقعاتی اعتبار سے یہ واقعہ آپ کی تزویج کے بعد کا ہے یہاں توجیہی تسلسل کی بنا پر تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الدم[1] ہو چکا تھا۔ اور تلواریں چلنے میں کچھ دیر نہ رہ گئی تھی کہ ابوامیہ بن المغیرہ[2] نے کہا "اچھا اپنے درمیان ایک مقرر کرلو جو کل صبح سب سے پہلے حرم کے دروازے[3] سے نمودار ہو" کہ باب صفا سے یہی نوجوان نمودار ہوتا ہے۔ اور اس عقدہ لاینحل کو اپنے ناخن تدبیر سے ذرا دیر میں سلجھا دیتا ہے اور سب پکار اٹھتے ہیں۔ "یہ امین ہے۔ ہم اس کے حکم پر راضی ہیں[4]"

اب نوجوان کی نشوونما مکمل ہوچکی تھی۔ پوری صلاحیتیں شباب پر تھیں اس لئے ایک رفیقۂ حیات کا انتخاب درپیش تھا لیکن جہاں اخلاق وکردار اصل معیار ہو وہاں انتخاب مشکل نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ نوجوان ملکہ کی نوعمر یا شوخ و شنگ دوشیزاؤں کو ذرا سا خراجِ نگاہ دیئے بغیر ایک ایسی خاتون سے رشتہ مناکحت استوار کرتا ہے جو عالی نسب، شریف النفس اور طاہرہ تھی۔ اور جس کی نظر میں اس نوجوان کے سوا ہر ایک کی صورت وسیرت بے وقعت تھی۔ اسی لئے کئی رشتے ٹھکرا دیئے تھے مگر اب وہ خود ہی اس نوجوان سے رشتہ کی طالب تھی[5]

(میں آپ کے اچھے اخلاق اور سچائی سے متاثر ہو گئی ہوں) چنانچہ یہ نکاح ہوجاتا ہے۔ لیکن ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ نکاح میں ابوطالب کے الفاظ بھی یاد کرنے کے قابل ہیں

---

[1] معاملہ نے طول کھینچا تو سب باہم قتل وقتال پر آمادہ ہوگئے۔ اور بنو عبدالدار نے خون سے ایک پیالہ بھر رکھا اور اس کے سارے ساتھیوں نے بھی اس خون میں ہاتھ ڈبو دیئے اور جنگ پر عہد کیا یعنی ہم جان دیدیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے اسی کو لعقۃ الدم (خون چاٹنا) کہتے ہیں۔ (ابن ہشام ص ۲۰۹)

[2] ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قریش کے اندر سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ (ابن ہشام ص ۲۰۹) [3] اسمیں اختلاف ہے کہ کس دروازہ کا نام لیا گیا تھا بعض نے باب بنی شیبہ کہا ہے۔ جسے جاہلیت میں باب بنی عبدشمس بھی کہا جاتا تھا۔ اور اسے اب باب السلام کہتے ہیں اور ایک روایت میں باب الصفا آتا ہے (دیکھئے حاشیہ ابن ہشام ص ۲۰۹)

[4] ھذا الامین رضینا ھذا محمد ﷺ (ابن ہشام ص ۲۰۱)، ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں: ھذا الامین قد رضینا بما قضی بیننا (ص ۱۴۶) [5] ابن ہشام ص ۲۰۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے کسی شخص کا اس سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ کہ یہ اس سے بڑھا رہے گا۔ ہاں مال اس کے پاس کم ہے۔ مگر مال ڈھلتی چھاؤں ہے۔ اور ایک بدلنے والی چیز ہے۔ محمدؐ وہ شخص ہے جس کی میرے ساتھ قرابت و یگانگت کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو، اسکا مستقبل خدا کی قسم عظیم الشان اور جلیل القدر ہے[1] دوسری طرف سے ورقہ بن نوفل تصدیق کر رہے تھے[2] "آپ لوگ تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی جماعت آپ کے فخر و شرف کو رد نہیں کر سکتی اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت رغبت سے آپ کے ساتھ شامل ہونے اور ملنے کو پسند کیا پس اے قریش گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں نے محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا[3]"

واقعی یہ رشتہ کتنا پاکیزہ و مطہر تھا جس میں دونوں کے تعلقات ہمیشہ محبت کے میٹھے راگ کی طرح خوشگوار تھے۔

سیرت کی ہلکی سی جلوہ نمائی اب نئے دور کی پردہ دری کرتی ہے جسمیں شمائلے عظمتیں درخشاں ہیں۔ "یکتائے زمانہ نوجوان" اب گھر کی دیکھ بھال، تجارت اور دنیاوی معاملات کی گوناگوں مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنا فاضل وقت غفلت یا تفریحات و تعیشات میں صرف نہیں کرتا۔ بلکہ "حرا" کی خلوتوں میں خدائے واحد کی عبادت اور اسکا ذکر اپنی فطرت مطہرہ کی رہنمائی کے مطابق کرتا ہے۔ کائنات کی گہری

[1] اصح السیر عبدالرؤف دانا پوری مطبوعہ اصح المطابع کراچی ص ۵۴ [2] ایضاً ص ۵۵
ورقہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔

[3] حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد کا انتقال حرب فجار سے پہلے ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کے چچا عمرو بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں دیا۔ عمرو اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ عمرو نے اس موقع پر کہا تھا کہ یہ عقد (نکاح) ایسا ہے کہ (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حقیقتوں کو اخذ کرتے ہوئے انسانی زندگی کے عینی رازوں کو پانے کے لئے عالم انفس و آفاق میں غور و فکر کرتا ہے حرا کی سکون زا تنہائیاں کام و دہن کو ایسی لذت دیتی ہیں جن کا بیان دائرہ امکان سے باہر ہے کبھی رویائے صادقہ اور کبھی صاف الہام اس کی رہبری کرتے ہیں بعض اوقات نئی دنیا کی اچھوتی حقیقتیں اس پر کھلتی ہیں۔ علم و یقین کے باب کھلتے ہیں۔ اور اچھوتا انسان خدا کے ساتھ اپنا تعلق یوں استوار پاکر آئندہ کی لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

"عرب کا روشن ضمیر آقا غارِ حرا کی تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھنے لگا۔ اس کے خواب سچے اور الہام صحیح ثابت ہونے لگے[1] کوئی ۵ برس یہی کیفیت رہی مگر اس کی روح اور رفعت چاہتی تھی۔ وہ جوہر قابل براہِ راست اکتساب علم کی صلاحیت پا چکا تھا۔ اس لئے عمر کے اکتالیس سال اسے وہ منصب حاصل ہوا جس کا اہل اس کے سوا کون تھا[2]" آفتاب نبوت طلوع ہوتے ہی خدا کا پیغامبر سامنے کھڑا کہہ رہا تھا" اقراء ..... اقراء پڑھ، پڑھ۔ لیکن جلووں سے مبہوت انسان کا ایک جواب تھا۔ میں پڑھنا نہیں جانتا اس لئے فرشتہ اس کے بالکل قریب ہو گیا اور تین مرتبہ اس زور سے بھینچا کہ دل و زباں کے سارے قفل کھل گئے اور اللہ کا برگزیدہ بھی پڑھنے لگا" اقراء باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم[3]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ..... اس پر کسی قسم کی نکتہ چینی یا حرف گیری ممکن نہیں ہے (ھذا الصنیع لایقرع انفہ) اس وقت آنحضرتؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ (ابن سعد ص ۳۲) [1] افضل حق ص ۳۹۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [1] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے شروع ہوئے تھے اور جو خواب آپؐ دیکھتے تھے وہ مثل صبح کی سپیدی کے ظاہر ہو جاتا تھا (بخاری باب کیف کان بدء الوحی) تفصیل کے لئے دیکھئے ابن ہشام ص ۴۹ ۔ ابن سعد ص ۱۹۶)۔ [2] افضل حق ص ۴۵، ۴۶ [3] ابن ہشام ص ۲۵۳۔ ابن سعد ص ۱۹۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر فرشتہ غائب ہوگیا۔ مگر اللہ کے نبی پر اس واقعہ سے لرزہ طاری ہوگیا۔ ایسا واقعہ جو کبھی پیش نہ آیا تھا، بالکل عجیب و غریب تھر تھراتے گھبراتے گھبراتے گھر پہونچے تو خدیجہؓ سے فرمایا۔ خدیجہؓ مجھے چادر اڑھا دو۔ مجھے چادر اڑھا دو۔ خدیجہؓ۔ واللہ مجھے ان بتوں اور کاہنوں کا سا بغض کبھی کسی چیز سے نہیں ہوا۔ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ کہیں کاہن نہ ہو جاؤں[1] مگر خدیجہؓ تسلی دیتے ہوئے ان کے اخلاق و کردار کی آخری شہادت[2] دے رہی تھیں۔

"اے محمدؐ آپ بالکل نہ ڈریں۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ تو اس امت کے نبی بنائے جا رہے ہیں۔ اپنا دل ذرا مضبوط کیجیے بھلا اللہ آپؐ کو کیونکر رسوا کرے گا، تنہا چھوڑ دے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! آپ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، سچ بولتے ہیں۔ دوسروں کی غمخواری میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر داری کرتے ہیں۔ اور حق و انصاف کی اعانت کرتے ہیں۔ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔!!"

---

۱ ابن سعد ص ۱۹۵ ۲ ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اُجالا پھیلتا گیا ......

محترمہ سلیس سلطانہ

پہلی وحی (علق آیت ا تا ۵) کے بعد کچھ عرصہ تک وحی رکی رہی پھر سورۂ مدثر[1] کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ ان آیات کے اترنے کے بعد آپؐ کا معمول یہ تھا کہ مکہ کی آبادی سے نکل کر کسی گھاٹی وغیرہ میں چلے جاتے[2] اور وہاں نماز پڑھا کرتے تھے[3]۔ حضرت علیؓ ان دنوں دس برس کے لڑکے اور آپؐ کے زیر تربیت تھے۔ وہ بھی ساتھ ہو لیتے تھے ایک روز ابوطالب نے ان دونوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو پوچھا کہ یہ کیا دین ہے جس کا میں تم دونوں کو عامل دیکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ اللہ اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے[4]۔ اس کے بعد بتدریج مکہ والوں کو علم ہو گیا۔

[1] ۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون سی آیات تھیں۔ مؤرخین مدثر کے علاوہ والضحیٰ اور القلم کی چند آیات بتلاتے ہیں لیکن صحیح روایت پہلی معلوم ہوتی ہے (دیکھیے:۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ۔ ج ۱ مصر ۱۹۳۶ء، ص ۲۵۵ تاریخ طبری، ترجمہ اردو سید محمد ابراہیم ندوی۔ کراچی ۱۹۶۷ء، (ص ۷۴، ۷۶)

[2] ۔ ابن ہشام ص ۲۶۳ طبری ص ۸۸۔

[3] حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پہلے پہل حضورؐ پر ہر نماز کی دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر اللہ نے حضر میں چار اور سفر میں دو ہی قائم رکھیں نماز اور وضو کا طریقہ حضرت جبریلؑ نے سکھایا تھا (ابن ہشام ص ۲۶۰، ۲۶۱، طبری ص ۸۰، ابن اثیر، الکامل، اردو ترجمہ، مفضل علی۔ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۶۳ ج ۲۔

(باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اقرار ایمان کیا تھا۔[۱] ان کے بعد کچھ ہی دنوں میں اسلام لانے والوں کی ایک مختصر سی جماعت بن گئی جن میں سے حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ اور زید بن حارثہؓ[۲] خاص طور پر قابل ذکر ہیں پھر ان کی کوششوں سے یہ حلقہ اور بڑھتا گیا چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زبیر بن العوام، عثمان، عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو بھی کاروان حق کا مسافر بنا دیا۔[۳] اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا سعید روحوں کا اجتماع بڑھتا گیا اور مرد اور عورتیں داخل اسلام ہونے لگے یہاں تک کہ اسلام کا ذکر پورے مکہ میں پھیل گیا اور جگہ جگہ اس دین کے چرچے ہونے لگے۔[۴]

کچھ عرصہ تک تو قریش کو یہ غلط فہمی رہی کہ چند ضعیف دنیادار لوگوں نے نئی دعوت کو قبول کیا ہے لیکن جب حضرت عثمان بن مظعونؓ، ابو عبیدہؓ، ابو سلمہ بن عبدالاسدؓ ارقم بن ابی الارقمؓ کے علاوہ بلالؓ، خبابؓ، صہیبؓ، عمارؓ، یاسرؓ اور حضرت سمیہؓ نے قبول اسلام میں دلیری دکھائی اور علانیہ اس کا اظہار بھی کرنے لگے تو اب انہیں تشویش لاحق ہوئی اور استہزاء، مذاق، پروپیگنڈے، ظلم و ستم غرض ہر طرح سے کوشش کرنے لگے کہ یہ لوگ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:

۴۔ ابن ہشام ص ۲۶۲ ابن اثیر کے یہاں روایت ۹ اور ۱۱ سال کی بھی موجود ہے (ابن اثیر ص ۷۵، ۷۶) ۵ ابن ہشام ص ۲۵۷، طبری ص ۸۰ [۱] ابن اثیر ص ۶۳ [۲]۔ اسمیں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے ایمان کون لایا (طبری ص ۸۲، ابن اثیر ص ۷۴) ابن ہشام نے سب سے پہلے حضرت علیؓ پھر حضرت زیدؓ اور اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کیا ہے۔ اہل علم نے مختلف روایتوں میں تطبیق دینے کی خاطر کہا ہے اور صحیح کہا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ مردوں میں سب سے پہلے ابو بکرؓ، لڑکوں میں علیؓ اور آزاد غلاموں میں سے زیدؓ ایمان لائے۔

[۳] ابن ہشام، ص ۲۶۷ تا ۲۶۹ [۴] ایضاً ص ۲۸۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پھر اپنے آبائی دین پر آجائیں اور چراغ حق بجھ جائے مگر ان کی ساری کوششیں بے سود رہیں۔ جتنا انہیں وہ دبلاتے تھے اتنا ہی وہ ابھرتے تھے۔ غرض ان سب کے علی الرغم حق کا قافلہ بڑھتا رہا۔ اسلام پھیلتا گیا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی اور ان میں سے ایک آدمی نے بھی مصائب سے تنگ آکر اسلام سے بے وفائی نہیں کی۔

تین سال تک خاموشی سے تبلیغ کا کام جاری رہا[1] لیکن اب آپؐ کو علانیہ تبلیغ کا حکم ملا[2]۔

آپؐ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے[3] اور قریش کو آواز دی جب سب جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا:۔

"اے گروہِ قریش! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کی جڑ میں ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں! آپؐ ہمارے نزدیک غیر متہم ہیں اور ہم نے کبھی آپ کے کذب کا تجربہ نہیں کیا آپ نے فرمایا، میں ایک عذاب شدید سے تمہیں ڈراتا ہوں۔ اے بنی عبدالمطلب اے بنی عبد مناف! اے بنی زہرہ! (یہاں تک کہ آپؐ نے قبیلہ قریش کی ہر شاخ کو گنا ڈالا) اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤں اور خبردار کر دوں۔ میں نہ تو دنیا کی تمہاری کسی منفعت پر قادر ہوں اور نہ آخرت کے کسی حصّہ پر سوائے اس کے کہ تم لا الٰہ الا اللہ کہو"[4]

اس پر ابولہب کہنے لگا کہ تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا" (دن بھر آپ کی بربادی اور

---

[1] ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج ۱۔ بیروت ۱۹۶۰ء ص ۱۹۹ [2] ابن اثیر ص ۸۱۔

[3] ابن سعد نے لکھا ہے کہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے (ص ۲۰۰)

[4] ابن سعد، ص ۲۰۰، ابن اثیر ص ۸۱، ۸۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ہلاکت ہو۔ کیا اسی لئے تو نے ہمیں جمع کیا تھا[1] اس کے بعد لوگ واپس چلے گئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرارتِ ایمان سے دوسرے لوگوں کے دلوں کو تو گرما چکے تھے لیکن ابھی آپ کے اہل خاندان اس گرمی سے محروم تھے یہ حکم بھی آ چکا تھا کہ "اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ" اس لئے آپ نے اپنے گھر میں خاندان والوں کو دعوت دی[2] اس میں بنی عبدالمطلب بن عبدمناف بھی تھے۔ کھانے کا انتظام آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت علیؓ نے کیا[3]۔ تقریباً ۴۵ آدمی تھے[4]۔ دعوت کے بعد آپؐ نے خطاب کرنا چاہا مگر ابولہب نے "دین" کے سلسلے میں کی بات کے ماننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے لوگوں سے بھی کوئی گفتگو نہیں ہو سکی دوبارہ آپؐ نے پھر دعوت کا اہتمام کیا[5] اور اسلام کے بارے میں انہیں سمجھایا۔ مگر حضرت علیؓ کے سوا کسی نے تائید و حمایت میں آواز تک نہ اٹھائی[6]۔

ان واقعات کے بعد قریش کفار[7] نے مسلمانوں کے خلاف اپنی انتقامانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کی انتہا کر دی اور حضورؐ کی عداوت و شرارت میں سخت ہو گئے[8]۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنے ایمان کو سلامت رکھتے ہوئے اپنے گھروں میں رہنا مشکل ہو گیا۔ مکہ کی زمین ان کے لئے دن بدن تنگ ہوتی جاتی تھی لیکن ابھی تک چونکہ آنحضرتؐ کے خلاف ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تھی اس لئے اب انھوں نے نئی چال چلی اور ایک وفد کی شکل میں ابوطالب کے پاس پہنچے[9] اور آنحضرتؐ کی شکایت کی۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ آپؐ کو اپنی سرگرمیوں سے باز رکھا جائے۔ آنحضرتؐ کو بھی موقع پر بلوایا گیا۔ آپؐ نے انتہائی بے باکی سے کہا کہ اگر یہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ پر چاند اور بائیں ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دیں گے تب بھی میں تبلیغ حق سے باز نہیں رہ سکتا[10] بالآخر

---

[1]۔ ابن سعد ص ۲۰۰ [2] طبری ص ۸۹ [3] ایضاً [4] ابن اثیر ص ۴۳ [5] طبری ص ۹۰، ابن اثیر ۴۳
[6] بعد میں تقریباً ۴۰ آدمیوں کے سوا آپ کا ہر فرد خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ [7] جو لوگ خاص طور پر رسول اللہؐ سے دشمنی رکھنے میں نمایاں تھے ان کی مکمل فہرست ابن سعد (ص ۲۰۰، ۲۰۱) اور ابن اثیر (ص ۱۰۰) نے دی ہے جن کی تعداد تقریباً تئیس ۲۳ ہے [8] ابن ہشام ص ۳۰۸ [9] ابن ہشام ص ۳۱۳، ابن سعد ص ۲۰۱ (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے سارے مطالبے ٹھکراتے ہوئے ابوطالب نے واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی حمایت و نصرت کا اعلان کر دیا[1] اور آپؐ سے کہہ دیا کہ "بلا خوف و خطر تبلیغ کرو۔"

اس ناکامی نے قریش کے دلوں میں عداوت کی آگ کو اور بھڑکا دیا اور وہ بری طرح مسلمانوں کو ستانے اور زدوکوب کرنے لگے[2] ان مظالم کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب ۵ھ نبوی میں[3] مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ کی سرکردگی[4] میں گیارہ یا بارہ مردوں اور چار عورتوں[5] کا پہلا قافلہ حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ شعیبہ کی بندرگاہ پہنچتے ہی انہیں دو تجارتی کشتیاں تیار مل گئیں جنہوں نے نصف دینار کے عوض مسلمانوں کو حبشہ پہنچا دیا۔ قریش نے ساحل تک مسلمانوں کا تعاقب بھی کیا مگر ان کے پہنچنے سے پہلے وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو چکے تھے[6]

جو لوگ حبشہ پہنچ گئے تھے انہیں تو امن و عافیت نصیب ہو گئی[7] لیکن مکہ میں مسلمانوں پر ظلم میں اور زیادتی ہو گئی[8] اسی دوران نہ معلوم مہاجرین حبشہ کو یہ غلط اطلاع کیسے ملی کہ سرداران قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے[9] چنانچہ اس بنا پر ان میں سے بیشتر افراد

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) طبری، ص ۹۱، ۹۲ [1] طبری: ۹۳ [2] ابن سعد: ص ۲۰۳ [3] ابن اثیر ص ۱۱۱ [4] طبری: ۹۷ [5] کل تعداد میں اختلاف ہے (طبری، ۹۶) بعض نے کل تعداد ۱۵، بعض نے ۱۶ (ابن ہشام: ۳۴۴، ابن سعد ۲۰۴) اور بعض نے صرف دس (ابن ہشام ۳۴۴) بتائی ہے۔

[6] ابن سعد، ۲۰۴ [7] ایضاً [8] خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے جسمانی تکالیف دی جانے لگیں چنانچہ عقبہ ابن ابی معیط نے گردن میں چادر کا پھندا بنا کر گلا دبانا چاہا اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آنکلے تو انہوں نے عقبہ کو دھکا دیکر آپؐ سے الگ کیا لیکن آپ کو چھوڑ کر عقبہ اور اس کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے (طبری ص ۹۰) ابن مسعودؓ پر بھی کفار نے محض اس بات پر یورش کر دی تھی کہ آپ نے حرم میں جا کر قرآن بلند آواز سے سنایا تھا (ابن ہشام، ۳۳۶) [9] ابن خلدون۔ ص ۵۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعض اس خبر پر مکہ لوٹ آئے[1] لیکن یہاں آکر ان کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ وہ لوگ دوبارہ حبشہ چلے گئے[2]

دوسری بار مسلمانوں کا جو قافلہ حبشہ کو روانہ ہوا اس کے سردار جعفرؓ بن ابی طالب تھے[3] اور آدمیوں کی تعداد عمارؓ بن یاسر سمیت ۸۳ تھی[4]۔ ان لوگوں کے حبشہ پہنچتے ہی عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں قریش کا ایک وفد بھی دربار نجاشی میں حاضر ہوا[5] اور درخواست کی کہ ہمارے کچھ مجرم آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں ان کو گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا جائے[6] نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے انکار عذر پوچھا تو حضرت جعفرؓ نے ایک نہایت بلیغ تقریر کی۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے مردار کھاتے تھے بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں یتیموں کا مال نہ کھائیں ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے اور جس چیز کو رسول نے حلال بتلایا ہم نے حلال سمجھا اور جس کو حرام بتایا ہم نے حرام سمجھا اس جرم پر ہماری

---

[1] ۔ رجب ۵ھ نبوی میں مکہ سے نکلے تھے۔ شعبان و رمضان میں حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال ۵ھ نبوی میں واپس آئے (ابن سعد ۲۰۶) [2] ابن ہشام۔ ۲۴۵ [3] ابن ہشام۔ ص ۳۵۰، ابن سعد ص ۲۰۷۔ مہاجرین حبشہ نے حضورؐ کی ہجرت مدینہ کی خبر سنی تو ۳۳ مرد اور ۸ عورتیں واپس آگئیں۔ ۲ مرد تو مکے میں ہی وفات پا گئے۔ ۷ قید کر لئے گئے، ۲۴ بدر میں حاضر ہوئے (ابن سعد ص ۲۰۷) تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۸۲ بتائی ہے۔ [4] ص ۔ ۱۰۱۔

[5] ابن ہشام، ۳۵۰ [6] ۔ ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں اور جس طرح وہ افعال خبیثہ کو حلال سمجھتے ہیں ہم بھی حلال سمجھیں۔ پس جب ان کا ظلم ہم پر حد سے زائد ہوا اور انھوں نے ہمارا وہاں رہنا دشوار کر دیا تو ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور آپ کے ملک اور جوار کو ہم نے پسند کیا اور ہم کو امید ہوئی کہ ہم یہاں ظلم سے محفوظ رہیں گے۔[۱]

نجاشی نے قریش کے وفد سے پوچھا کہ اس کے علاوہ ان کا کوئی اور جرم بھی ہے؟[۲] لوگوں نے جواب دیا نہیں، پھر پوچھا کہ ان میں سے کوئی غلام تو نہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں، تب اس نے قریش سے کہا کہ جب یہ آزاد ہیں تو پھر آزاد ہی ہیں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا! بہر طور قریش کی یہ سفارت بھی ناکام ہوگئی اور قریشی وفد بے نیل ومرام مکہ واپس آیا۔

اس دوران دار ارقم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقر بن چکا تھا، اور شرکائے بزم کی تعداد بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی چنانچہ تیس دن کے قیام میں ہی تعداد میں ایک مسلمان فی الیوم کے حساب سے اضافہ ہوا۔ حضرت حمزہؓ کلمہ پڑھ چکے تھے۔ اور عمرؓ جو پہلے حضورؐ کو ٹھکانے لگانے کی نیت سے تلوار سونت کر گھر سے نکلے تھے جب بہن کے گھر پہنچے تو دل کی دنیا بدلی اسلام کے لیے مسخر ہوگئے۔ بالآخر کارکنانِ قضا وقدر انہیں دار ارقم کی چوکھٹ پر لے آئے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے (جیسا کہ رسول اللہؐ نے دعا فرمائی تھی) اسلام کو عزت ملی اور آپؐ کو زبردست تقویت بہم پہنچی۔ اب مسلمانوں نے علانیہ تبلیغ شروع کر دی اور احکام کی بجا آوری کھلم کھلا ہونے لگی۔ دائرہ تبلیغ مکہ کے حدود سے آگے بڑھ کر ام القریٰ و من حولہا تک ممتد ہو گیا۔ غلاموں کی آزادی کے لیے جدوجہد کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی دولت اس کام کے لیے وقف کر دی اور ان

---

[۱] ابن ہشام ۳۵۹، ۳۶۰، ابن اثیر ص ۱۱۹ [۲] عیسائیوں کے بارے میں بھی قریش نے مسلمانوں کو گرفت میں لینا چاہا مگر حضرت جعفرؓ کی صاف تقریر اور سورۂ مریم کی تلاوت نے یہ طلسم بھی بیکار کر دیا۔ [۳] ابن اثیر ص ۱۲۴

[۴] ابن ہشام، ص ۳۶۶/۱، ابن اثیر ص ۱۲۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غلاموں کو جو مسلمان ہو چکے تھے ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔

تبلیغ اسلام کا دائرہ جوں جوں بڑھتا جا رہا تھا کفار کے ظلم و ستم میں بھی برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دوسری طرف قریش پر یہ چیز بہت زیادہ گراں گذری وہ مسلمانوں پر نجاشی کا الطاف و کرم تھا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کے قتل اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دینے کا فیصلہ کیا[1]۔ اور محرم ۷ نبوی میں بنی ہاشم کے خلاف ایک عہدنامہ لکھا کہ نہ ان سے شادی بیاہ اور خرید و فروخت کریں گے اور نہ میل جول رکھیں گے[2]۔ اس کے بعد اس عہدنامہ کو انھوں نے جوف کعبہ میں لٹکا دیا[3]۔ تاکہ عہد مستحکم اور پختہ ہو جائے نیز اس کا اعلانِ عام بھی ہو جائے[4]۔

اس معاہدہ اور معاشرتی مقاطعہ کے نتیجہ میں رسول اللہؐ آپ کے ساتھیوں اور بنی ہاشم کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ شعب ابی طالب[5] میں گویا محصور ہو گئے۔ قریش نے ان لوگوں کا غلہ اور دوسری ضروری اشیاء بند کر دیں۔ ایک تو مکہ میں غلہ اور دوسری اشیائے ضرورت

---

[1] ۔ ابن سعد۔ ص ۲۰۸ [2] ایضاً۔ جس نے یہ عہدنامہ لکھا وہ منصور بن عکرمۃ البدری تھا۔ اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ [3] ۔ ابن ہشام۔ ۳۷۵، ۳۷۶، ابن سعد، ۲۰۹۔ طبری: ص ۱۰۱، ۱۰۲ [4] ۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس معاہدہ کی رو سے مقاطعہ تمام مسلمانوں سے نہیں بلکہ صرف بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب سے کیا گیا تھا (ابن ہشام: ۳۷۹) اس سلسلے میں چند نکات یہ ہیں (۱) آنحضرتؐ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ یوں اس پورے قبیلہ کو گویا سزا دے کر مجبور کر رہے تھے اپنے نبی کو ہمارے حوالے کر دو کیونکہ انتقام کی تشنگی اسی اس صورت میں کسی نہ کسی حد تک دور ہو سکتی تھی (۲) وہ تمام مسلمانوں کا ایک ساتھ مقاطعہ کر دیتے تو کس کس سے بدلہ لیتے اور پھر ساتھ کون کون دیتا، آخر عصبیتِ جاہلیہ کا مقابلہ اتنا آسان تو نہ تھا اس لئے مقاطعہ کو انہوں نے صرف بنو ہاشم تک محدود رکھا (۳) اصل دشمنی حضورؐ سے اور ان کے چچا ابو طالب سے ہو گئی تھی جنہوں نے ان کے نزدیک بے جا حمایت کی تھی ۔ دونوں کا تعلق بنو ہاشم سے تھا (۴) اس کے ذریعہ وہ عام مسلمانوں سے بنو ہاشم کو کاٹ کر الگ کرنا چاہتے تھے تاکہ عام مسلمان اور رہا یک دوسرے سے بے خبر رہیں اور متحدہ محاذ نہ بنا سکیں یوں سب پر الگ الگ سختیاں کرنے میں آسانی ہو گی (ن۔ ا) [5] ۔ شعب ابی طالب مکہ معظمہ کے ایک (باقی آگے)

www.KitaboSunnat.com

کی فراوانی کون سی تھی۔ پھر ذرا سوچیے کہ تین سال تک رسد کی ساری راہیں مسدود رہیں گی تو کیا حال ہو گا۔ پھر نہ تجارت نہ سفارت۔ بس صرف دو ذریعے ایسے تھے جن کی وجہ سے کچھ کام چل جاتا تھا ایک تو حج کے موسم میں یہ لوگ باہر نکل کر خرید و فروخت کر لیتے تھے دوسرے کوئی چوری چھپے کچھ نہ کچھ غلہ وغیرہ پہنچا دیتا تھا۔ مثلاً حکیم ابن حزام بن خویلد جنہوں نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے پاس کچھ غلہ شعب ابی طالب میں پہنچایا تھا[۱] لیکن ان سب طریقوں سے بنو ہاشم کا گذارہ ممکن نہ تھا پھر ایک دو ماہ کی بات نہ تھی۔ پورے تین سال تک[۲] اس مجبوری و معذوری نے لوگوں کو سخت تکلیف پہنچائی اور زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے اور حضرت سعد وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھا لیا[۳] بچے بھوک سے روتے تھے تو باہر رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ قریش میں سے بعض لوگ تو اس سے خوش ہوتے تھے اور بعض کو یہ بڑا ناگوار لگتا تھا[۴] بہرحال تین سال تک آل ہاشم پیکرانِ صبر اور تسلیم و رضا کے مجسمے بنے رہے۔ یہاں تک کہ معاہدہ سنہ ۱۰ نبوی میں ختم ہوا[۵]

(بقیہ حاشیہ۔ گذشتہ سے پیوستہ) محلے کا نام تھا جس میں بنی ہاشم رہا کرتے تھے۔ شعب عربی زبان میں گھاٹی کو کہتے ہیں چونکہ یہ محلہ کوہ ابوقبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں واقع تھا اور ابوطالب بنی ہاشم کے سردار تھے اس لئے اسے شعب ابی طالب کہا جاتا تھا۔ مکہ معظمہ میں جو مکان آج مقامی روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ پیدائش کی حیثیت سے معروف ہے اسی کے قریب یہ گھاٹی واقع تھی اب اسے شعب علی یا شعب بنی ہاشم کہتے ہیں (تفہیم القرآن۔ مودودی۔ ج ۴ ص ۵۹۶ لاہور ۱۹۶۶ء) [۱] راستہ میں ابوجہل اتفاق سے مل گیا۔ اس نے روکنے کی کوشش کی مگر ابو البختری بن ہشام بن حرث بن اسد کے ہاتھوں خوب درگت بنی۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب یہ تماشا پاس سے دیکھ رہے تھے (ابن ہشام: ۳۷۹) ابوجہل اس بات سے اور خفیف ہوا اور کسی سے تذکرہ نہ کیا کہ رسوائی طشت ازبام ہو جائے گی [۲] ابن سعد ص ۲۰۹، ابن اثیر ص ۱۳۳ [۳] شبلی سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۲۲۵ بحوالہ روض الانف۔ سہیلی۔ [۴] ابن سعد ص ۲۰۹ [۵] معاہدہ قدرتی طور پر ختم ہوا چنانچہ اللہ کا نام چھوڑ کر دیمک نے سارا عہدنامہ چاٹ لیا تھا یا پھر بعض لوگوں (مطعم بن عدی، عدی ابن قیس، زمعہ بن الاسود، ابو البختری) بات آگے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسی سال (سنہ ۱۰ نبوی میں) ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی[1] یہ مصیبت پر مصیبت تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو "عام الحزن" کا نام دیا۔ پھر اسی سال شوال کی آخری تاریخوں یا ذی قعدہ (سنہ ۱۰ نبوی) کے ابتدائی دنوں میں آپؐ نے زید بن حارثہؓ کو ساتھ لیا[2] اور بغرض تبلیغ طائف کو روانہ ہوئے[3] لیکن سرزمینِ طائف آپؐ کے لئے مکہ سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ بنو ثقیف کے سرداروں[4] نے آپ کی باتیں سننے سے انکار کر دیا۔ آپ دس دن تک طائف میں رہے۔ اور اشراف میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس جا کر آپ نے گفتگو نہ کی ہو۔ مگر کسی نے بھی آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا[5]۔ بلکہ الٹا اوباش لڑکوں اور احمقوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا ان اوباشوں نے آپؐ اور زیدؓ پر پتھروں کی ایسی بارش کی کہ سخت زخمی ہو کر ایک باغ میں پناہ لینی پڑی[6] اس باغ کے مالک دو مکی رئیس تھے یعنی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کفر شدید کے باوجود آپؐ کی حالتِ زار پر ان کو رحم آ گیا۔ باغ کے مالی عداس کے ذریعہ جو ان کا غلام تھا ایک طبق میں کچھ خوشے انگور کے رکھ کر آپ کے پاس بھیجے۔ عداس نے انگور کھانے کے انداز اور گفتگو کو دیکھا سنا تو سخت متاثر ہو گیا اور آپ کے سر، ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ عتبہ اور شیبہ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے انھوں نے عداس کو بلا کر سوال کیا کہ یہ تم کیا کر رہے تھے؟ عداس نے جواب دیا: میرے آقا! روئے زمین پر آج اس شخص سے اچھا آدمی نہیں ہے اس نے مجھے وہ بات بتائی ہے جو ایک نبی ہی بتا سکتا ہے[7]: اس کے بعد آپ مکہ لوٹ آئے[8]۔

(بقیہ حاشیہ۔ گذشتہ سے پیوستہ) اور زہیر کی ہمت سے یہ معاہدہ ختم ہوا (ابن سعد: ۲۰۹/۲۱۰) [1] ابن ہشام ج۲ ص۵۷، ابن اثیر: ۱۳۹، ابن خلدون ۲: ۵۱ - دونوں کی وفات کے درمیان ایک ماہ پانچ دن (ابن سعد: ۲۱۱) یا ۵۵ روز (ابن خلدون ۲: ۵۱) کا فصل تھا [2] ابن سعد: ۲۱۱ [3] ابن ہشام ج۲ ص۶۰ [4] مثلاً عبد یالیل بن عمرو بن عمیر، مسعود بن عمرو بن عمیر، حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف وغیرہ (ابن ہشام ج۲ ص۶۱) [5] ابن سعد: ۲۱۲ [6] ابن ہشام ج۲ ص۶۱ [7] ابن ہشام ج۲ ص۶۲، ۶۳، ابن اثیر ص۱۴۲ [8] اس کے بعد مقام نخلہ میں جنوں کے گروہ سے ملاقات ہوئی (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اب آپ نے تبلیغ و اشاعت کا دائرہ اور وسیع کر دیا۔ اور عام قبائل عرب کو دعوتِ دینی شروع کی خصوصاً زمانۂ حج میں قبائل عرب کو اس طرف متوجہ کیا[۱] جن قبائل تک آپ نے دعوتِ اسلام پہنچائی ان میں بنی عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ غسان[۲]، مُرّہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنی نصر، بنی البکار، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عُذرہ حضارمہ، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس وقت ان میں سے کسی نے بھی دعوت پر لبیک نہیں کہا[۳]۔ البتہ اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حق کی آواز اور پیغام اطراف وجوانب میں پہنچ گیا اور یوں جو روشنی غارِ حرا سے پھوٹی تھی اس نے دور دور نور بکھیر دیا اور اجالا پھیلتا پھیلا گیا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)(ابن سعد: ۲۱۲) وہ ایمان لائے (سورۂ جن) پھر ہجرت سے ۱۸ مہینے قبل معراج ہوئی (ابن سعد: ۲۱۲) [۱] ابن ہشام: ۹۳، ابن سعد: ۲۱۶، طبری ۲/۱۱۲، ابن اثیر: ۱۴۴ [۲] ابن سعد ص ۲۱۶ / ۲۱۷۔۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

... بلندیوں پر

سید ابوالاعلیٰ مودودی

معراج[1] صرف سیر اور مشاہدہ ہی کا نام نہیں بلکہ یہ ایسے موقع پر ہوتی ہے۔ جب پیغمبر کو کسی کارِ خاص پر مقرر کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اور اہم ہدایات دی جاتی ہیں یہ حضرت موسیٰؑ کی معراج تھی جب کہ ان کو وادیٔ مقدس طویٰ میں خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ مصر جا کر فرعون کو راہِ راست کی دعوت دیں۔ نیز جب انہیں کوہِ طور پر بلا کر مشہور احکام عشرہ دیئے گئے۔ اسی طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کی معراج تھی جب انہوں نے ساری رات پہاڑ پر گذاری اور پھر اٹھ کر بارہ اسول مقرر کئے اور وہ وعظ کہا جو پہاڑی کے وعظ کے نام سے مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک اہم موقع وہ تھا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب کیا گیا یہ وہ وقت تھا جب آپؐ کو اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے تقریباً ۱۲ سال گزر چکے تھے، حجاز کے اکثر قبائل میں، اور قریب کے ملک حبش میں آپؐ کی آواز پہنچ چکی تھی۔ اور آپؐ کی تحریک ایک مرحلہ سے گزر کر دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنے کو تھی۔ دوسرے مرحلہ سے مراد یہ ہے کہ اب وقت آ گیا تھا کہ آپؐ مکہ کی ناموافق سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف منتقل ہو جائیں۔ جہاں آپ کی کامیابی کے لئے زمین تیار تھی۔ اس دوسرے مرحلے میں آپؐ کا مشن بہت پھیلنے والا تھا۔ صرف حجاز اور صرف عرب ہی سے نہیں بلکہ گردوپیش کی دوسری قوموں سے بھی سابقہ پیش آیا تھا۔ اور اسلام کی تحریک ایک اسٹیٹ میں تبدیل

---

[1] یہ مضمون مولانا کی کتاب "نشری تقریریں" (لاہور ۱۹۶۱ء ص ۴۱ تا ۵۹ اور تفہیم القرآن ج ۲ کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ (اخذ و تلخیص، محمد کلیم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہونے کو تھی۔ اس لئے اس اہم موقع پر ایک نیا پروانۂ تقرر، نئی ہدایات دینے کیلئے بادشاہ کائنات نے آپؐ کو اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ اسی پیشی و حضوری کا نام معراج ہے[1]

قرآن مجید صرف مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک حضورؐ کے جانے کی تصریح کرتا ہے[2] اور اس سفر کا مقصد یہ تھا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔ حدیث میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کے وقت جبریل علیہ السلام آپ کو اٹھا کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک براق پر لے گئے۔ وہاں آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نمازیں ادا کی۔ پھر وہ آپ کو عالم بالا کی طرف لے چلے اور وہاں مختلف طبقات سماوی میں مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ آخر کار آپ انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔ اور اس حضوری کے موقع پر دوسری اہم ہدایات کے علاوہ آپ کو پانچ وقت نماز کی فرضیت کا حکم ہوا۔ اس کے بعد آپؐ بیت المقدس کی طرف چلے اور وہاں سے مسجد حرام واپس تشریف لائے۔ اس سلسلے میں بکثرت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جنت و دوزخ کا بھی مشاہدہ کرایا گیا۔ نیز معتبر روایات یہ بتاتی ہیں کہ دوسرے روز جب آپ نے اس واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا تو کفار مکہ نے اس کا بہت مذاق اڑایا اور مسلمانوں میں سے بھی بعض کے ایمان متزلزل ہو گئے۔

حدیث کی زائد تفصیلات قرآن کے خلاف نہیں بلکہ اس کے بیان پر اضافہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس اضافے کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصے کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی البتہ جس واقعہ[3] کی تصریح

---

[1] مسجد حرام سے اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء، اور بیت المقدس سے آسمان تک تشریف لیجانے کو معراج کہتے ہیں (مرتب)

[2] یعنی واقعات معراج (مرتب) [3] یعنی اسراء (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن کر رہا ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔

اس سفر کی کیفیت کیا تھی؟ یہ عالم خواب میں پیش آیا تھا؟ یا بیداری میں؟ اور آپ بنفس بذاتِ خود تشریف لے گئے۔ یا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے روحانی طور پر آپؐ کو مشاہدہ کرا دیا گیا؟ ان سوالات کا جواب قرآن کے الفاظ دیتے ہیں۔ چنانچہ "سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی"[1] سے بیان کی ابتدا کرنا خود بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیز دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اُسے بیان کرنے کے لئے اس تمہید کی ضرورت ہو۔ تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں یہ کچھ دکھایا پھر یہ الفاظ کو بھی کر "ایک رات اپنے بندے کو لے گیا"[2] جسمانی سفر پر صریحاً دلالت کرتے ہیں۔ خواب کے سفر، یا کشفی سفر کے لئے یہ الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا۔ جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔

اب اگر ایک رات میں ہوائی جہاز کے بغیر مکہ سے بیت المقدس جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا تو آخر ان دوسری تفصیلات ہی کو ناممکن کہہ کر کیوں رد کر دیا جائے۔ جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ جب کسی مخلوق کے باختیار خود کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو۔ لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے فلاں کام کیا تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسری تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرین حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ مگر ان میں سے صرف دو ہی اعتراضات ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔

---

[1] سورۂ اسراء۔ آیت ۱ [2] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر مقیم ہونا لازم آتا ہے ورنہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لئے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کروا کے ایک مقامِ خاص تک لے جایا جاتا۔؟

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ و جنت کا مشاہدہ اور بعض لوگوں کو مبتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کیسے کرا دیا گیا جبکہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے؟ یہ کیا کہ سزا و جزا کا فیصلہ تو ہوتا ہے قیامت کے بعد، اور کچھ لوگوں کو سزا دے ڈالی گئی ابھی سے؟

لیکن دراصل یہ دونوں اعتراض قلتِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض اس لئے غلط ہے کہ خالق اپنی ذات میں تو بلاشبہ اطلاقی شان رکھتا ہے مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر واسطہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ محدود طریقہ استعمال کرتا ہے جسے ایک انسان سن اور سمجھ سکے حالانکہ بجائے خود اس کا کلام ایک اطلاقی شان رکھتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے بندے کو اپنی سلطنت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اسے لے جاتا ہے اور جہاں جو چیز دکھانی ہوتی ہے اسی جگہ دکھاتا ہے کیونکہ بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اس طرح نہیں دیکھ سکتا جس طرح خدا دیکھتا ہے۔ خدا کو کسی چیز کے مشاہدے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر بندے کو ہوتی ہے یہی معاملہ خالق کے حضور باریابی کا بھی ہے کہ خالق بذاتِ خود کسی مقام پر متمکن نہیں ہے۔ مگر بندہ اس کی ملاقات کے لئے ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں اس سے ملاقات بندۂ محدود کے لئے ممکن نہیں ہے۔

رہا دوسرا اعتراض تو وہ اس لئے غلط ہے کہ معراج کے موقع پر بہت سے مشاہدات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو متمثّل کر کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دکھایا گیا تھا۔ مثلاً ایک فتنہ انگیز بات کی یہ تمثیل کہ ایک ذرا سے شگاف میں سے ایک موٹا سا بیل نکلا اور پھر اس میں واپس نہ جا سکا۔ یا زناکاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ اسی طرح برے اعمال کی سزائیں آپ کو دکھائی گئیں وہ بھی تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھیں۔

اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوتِ سموات وارض کا مشاہدہ کرایا ہے۔ اور مادی حجابات بیچ سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں۔

جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیے گئے تھے تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیز ہو جائے۔ فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس اور گمان سے کہتا ہے، وہ خود اگر اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی بھی اپنی کسی رائے پر شہادت نہ دے گا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہِ راست علم و مشاہدہ کی بنا پر کہتے ہیں۔ اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔

معراج کے سلسلے میں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ قرآن ضمنی چیزوں کو چھوڑ کر ہمیشہ اصل مقصد تک اپنے بیان کو محدود رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے کیفیت معراج کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ وہ چیز تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے جس کے لئے آنحضرت کو بلایا گیا تھا۔ قرآن کی سترھویں سورت (سورۂ بنی اسرائیل یا اسراء) میں آپ کو یہ تفصیل مل سکتی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں مکہ کے لوگوں کو آخری نوٹس دیا گیا کہ اگر تمہاری سختیوں کی وجہ سے خدا کا پیغمبر جلا وطنی پر مجبور ہو گیا تو مکہ میں تم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو چند سال سے زیادہ رہنے کا موقع نہ مل سکے گا[1] اور بنی اسرائیل کو جن سے عنقریب مدینہ میں بعثت کے بعد براہِ راست سابقہ پیش آنا تھا، خبردار کیا گیا کہ تم اپنی تاریخ میں دو زبردست ٹھوکریں کھا چکے ہو اور دو قیمتی موقع کھو چکے ہو۔ اب تم کو تیسرا موقع ملنے والا ہے اور یہ آخری موقع ہے[2]۔

دوسرے حصے میں وہ بنیادی اصول بتائے گئے ہیں جن پر انسانی تمدّن و اخلاق کی تعمیر ہونی چاہیئے یہ ۱۴ اصول ہیں[3]۔

(۱) صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور اقتدارِ اعلیٰ میں اس کے ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

(۲) تمدّن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے۔ اولاد، والدین کی فرمانبردار اور خدمت گزار ہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار ہوں۔

(۳) سوسائٹی میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا جو لوگ اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیئے جائیں۔

(۴) دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مالدار اپنے روپے کو بری طرح خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

(۵) لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں، نہ بخل کر کے دولت کو روکیں۔ اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں۔

(۶) رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام کرنے والا مصلحتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

(۷) معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں۔ جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے۔ آنے والی نسلوں کے لئے بھی وہی انتظام کرے گا۔

---

[1] بنی اسرائیل - ۸ [2] بنی اسرائیل - ۱ [3] بنی اسرائیل - رکوع ۳-۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۸) خواہشِ نفس کو پورا کرنے کے زنا کا راستہ بُرا راستہ ہے۔ لہٰذا نہ صرف زنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے اسباب کا دروازہ بھی بند ہونا چاہیئے۔

(۹) انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے۔ لہٰذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے۔ نہ کوئی اپنے آپ کو قتل کرے، نہ کسی دوسرے کو قتل کرے۔

(۱۰) یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے، جب وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

(۱۱) عہد و پیمان کو پورا کیا جائے، انسان اپنے معاہدات کے لئے خدا کے سامنے جواب دِہ ہے۔

(۱۲) تجارتی معاملات میں ناپ تول ٹھیک ٹھیک راستی پر ہونی چاہیئے! اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

(۱۳) جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو، وہم و گمان پر نہ چلو۔ کیونکہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جواب دہی کرنی ہے کہ اس نے انہیں کس طرح استعمال کیا۔

(۱۴) نخوت اور تکبر سے پرہیز کرو۔ غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

یہ ۱۴ اصول ہیں جو معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے ان کی حیثیت صرف اخلاقی تعلیمات ہی کی نہیں تھی۔ دراصل یہ اسلام کا مینی فسٹو تھا، اور وہ پروگرام تھا جس پر آپؐ کو آنے والے زمانے میں سوسائٹی کی تعمیر کرنی تھی یہ ہدایات اس وقت دی گئی تھیں۔ جب آپؐ کی تحریک عنقریب تبلیغ کے مرحلے سے گزر کر حکومت اور سیاسی اقتدار کے مرحلے میں قدم رکھنے والی تھی۔ لہٰذا اس دور کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شروع ہونے سے پہلے یہ بتا دیا گیا کہ خدا کا پیغمبر کن اصولوں پر تمدن کا نظام قائم کریگا۔ اسلئے معراج میں یہ اہم نکات مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام پیروانِ اسلام کیلئے پانچ وقت کی نماز فرض کی[1] تاکہ جو لوگ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھیں ان میں اخلاقی انضباط پیدا ہو اور خدا سے غافل نہ ہونے پائیں۔ ہر روز پانچ مرتبہ ان کے ذہن میں یہ بات تازہ ہوتی رہے کہ وہ خود مختار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا حاکم اعلیٰ خدا ہے جسکو انہیں اپنے کام کا حساب دینا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل ـــ ۹۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عقبہ کی گھاٹی میں!

ترتیب : ابن حمید

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم[1] حسب دستور موسمِ حج میں قبائل عرب پر دعوتِ اسلام پیش کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں مقامِ عقبہ کے پاس خزرج کے چند لوگوں سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے کہا ہم قبیلہ خزرج سے ہیں، حضورؐ نے فرمایا، تم یہودیوں کے پڑوسی ہو۔ انھوں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ! میں تم سے کچھ بات کروں۔ انھوں نے کہا بہتر ہے۔ پھر وہ بیٹھ گئے۔ اور حضورؐ نے ان پر اسلام کو پیش کیا۔ اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ اس پر ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ اے قوم قسم ہے خدا کی، تم جان لو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر یہودی بیان کرتے ہیں۔ پس تم کو لازم ہے کہ یہود سے پہلے تم ان کی اطاعت میں سبقت کرو۔ پھر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا[2]۔ یہ قبیلہ خزرج میں سے چھ اشخاص (اسعد بن زرارہ عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ)

---

[1] یہ حصہ سیرۃ ابن ہشام (ج ۲ ص ۷۰ تا ۸۱ مصر ۱۹۳۶ء) سے ماخوذ و ملخص ہے۔ (مرتب)

[2] ایک روایت یہ ہے کہ انصار میں سب سے پہلے جو شخص ایمان لائے وہ اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس تھے (ابن سعد ۲۱۸ ج ۱ بیروت ۱۹۶۰ء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے یہ سب لوگ مدینہ میں اپنی قوم کے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ان سے ذکر کیا اور اسلام کی دعوت دی یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں حضور ﷺ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو۔

اگلے سال موسم حج آیا تو انصار میں سے بارہ اشخاص[1] حج کو آئے اور مقام عقبہ میں حضور ﷺ سے ملے اور حضور ﷺ کی بیعت کی۔ یہی پہلی بیعت عقبہ ہے اور جہاد کے فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ہم بارہ آدمی حضور ﷺ سے بیعت کرنے مدینہ سے آئے تھے بمقام عقبہ میں ہم نے حضور ﷺ سے ان باتوں پر بیعت[2] کی کہ سوائے خدا کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور چوری اور زنا اور اولاد کے قتل سے باز رہیں اور کسی بیگناہ پر افترا نہ باندھیں اور حضور ﷺ کے حکم سے سرتابی نہ کریں، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس بیعت کو پورا کرو گے تو تمہارے واسطے جنت ہے اور اگر تم سے خطا ہوئی اور پھر اس کی حد شرعی دنیا میں تم پر جاری ہو گئی پس وہ حد اس گناہ کا کفارہ ہے اور اگر خدا نے تمہاری پردہ پوشی کی اور حد تم کو نہ لگی تو قیامت کے روز خدا کو اختیار ہے چاہے عذاب دے چاہے بخش دے[3]۔

جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو حضور ﷺ نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو ان کے ساتھ کیا تاکہ ان کو قرآن شریف پڑھائیں اور احکام

---

[1] بارہ اشخاص کے نام یہ ہیں:۔ اسعد بن زرارہ، عوف، معاذ، رافع بن مالک، ذکوان بن عبد قیس عبادہ بن صامت یزید بن ثعلبہ عباس بن عبادہ بن نضلہ، عقبہ بن عامر، قطبہ بن عامر، ابو الہیثم بن تیہان، عویم بن ساعدہ (ابن ہشام) (ص ۸۷، ۷۶) ابن سعد ص ۲۲۰۔ [2] ابن سعد نے بھی اس بیعت کا ذکر کیا ہے۔ اسے بیعتہ النساء بھی کہتے ہیں (ص ۲۲۰) [3] اگلے صفحات میں اس بیعت کی شرائط کے سلسلے میں ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ سمع و طاعت، ہر حال میں، چاہے فراخی ہو یا تنگی خوشی ہو یا رنج، سرداری میں جھگڑا نہ کرنے اور اس بات پر کی تھی کہ ہم ہمیشہ حق بات کہیں گے اور کسی کی ملامت کا خوف یا پروا نہ کریں گے (ص ۱۰۰، ج ۲)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسلام کی تعلیم دیں۔ چنانچہ مصعب مقری بالمدینہ کہلاتے تھے۔ اور ابو امامہ اسعد بن زرارہ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ مصعب ہی ان لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے[1]۔ کیونکہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کا امام بننا پسند نہ کرتے تھے۔

ابو امامہ اور مصعب نے لوگوں کو اسلام کی تلقین شروع کر دی یہاں تک کہ انصار میں سے کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں مرد و عورت سوائے بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل اور واقف کے قبیلوں کے، جو بنی اوس میں سے تھے)

جب دوسرے سال حج کا موقع قریب آیا تو مصعب بن عمیرؓ مدینہ سے مسلمانوں کے ساتھ حج کے واسطے مکہ آئے۔ اور حضورؐ سے ملاقات کرنے کے واسطے مقام عقبہ میں ایام تشریق کا درمیانی روز مقرر کیا کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہوا کہ ان لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور امداد کرنے کا شرف بخشے اور کفار کا قتل و غارت عمل میں آئے۔

(۲)

مکی دور[2] کے آخری چار سالوں سے یثرب میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔ اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے۔ آخر کار نبوت کے بارہویں سال حج کے موقع پر ۷۵ نفوس[3] کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات

---

[1] ابن سعد نے مصعب کے علاوہ لکھا ہے کہ اسعد بن زرارہ مدینہ میں مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے (ص ۲۲۰) [2] یہ حصہ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن (ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۱) سے ماخوذ ہے۔ حوالوں اور بعض حواشی کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔ [3] ابن سعد نے ستر کی تعداد بتائی ہے۔ بلکہ عنوان ہی یہ قائم کیا ہے۔ "ذکر العقبۃ الآخرۃ وھم سبعون الذین بایعوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (ص ۲۲۰) البتہ آگے چل کر لکھا ہے کہ ستر یا ایک دو زائد تھے (ایضاً) جبکہ ابن ہشام نے وضاحت کی ہے (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی تاریکی میں ملا۔ؔ اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا۔ اہل یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے۔ اور اسلام کے پیروؤں کو ان کا بلاوا اس لیے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سرزمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں وہ یثرب میں جمع ہو کر اور یثربی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم معاشرہ بنا لیں۔ اس طرح یثرب نے دراصل اپنے آپ کو "مدینۃ الاسلام" کی حیثیت سے پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دارالاسلام بنایا۔ اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے اس کے صاف معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کے تلواروں اور معاشی و تمدنی بائیکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ بیعت عقبہ کے موقع پر رات کی اس مجلس میں اسلام کے ان اولین مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جبکہ بیعت ہو رہی تھی۔ؔ یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن

(بقیہ حاشیہ۔ گذشتہ سے پیوستہ) کر کل تہتر (۷۳) مرد اور (۲) عورتیں تھیں (ابن ہشام ص ۷۹ ج ۲)۔

لہ حضورؐ نے بیعت کنندگان سے وسط ایام تشریق (۱۱ تا ۱۳ ذی الحجہ) میں نفر اول (یعنی ۱۲ ذی الحجہ) کی شب کو ملنے کا وعدہ کیا تھا تاکہ بھیڑ بھاڑ کم ہو جائے۔ اور سکون و انتشار کے ساتھ گفتگو ہو سکے۔ انہیں آپؐ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ تو وہ کسی سونے والے کو بیدار کریں اور نہ کسی غیر حاضر کا انتظار کریں۔ ایک تہائی شب گذرنے کے بعد یہ جماعت خفیہ طور پر ایک ایک دو دو کر کے روانہ ہوئی۔ رسول اللہ ان لوگوں سے پہلے ہی اس مقام پر پہنچ چکے تھے آپؐ کے ہمراہ عباس بن عبدالمطلب تھے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے (ابن ہشام ۸۴، ابن سعد ۲۲۱)
(باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھا۔ اٹھ کر کہا۔

"ٹھہرو اے اہل یثرب! ہم لوگ جوان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج یہاں سے انہیں نکال کرلے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے اس کے نتیجہ میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی لہٰذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو، اور صاف صاف عذر کردو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔"

اس بات کو وفد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عبادہ بن نضلہ نے دہرایا "جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ (آوازیں۔ ہاں جانتے ہیں) تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑجائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلاوا تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے

ے گفتگو کا آغاز سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے کیا تھا۔ اور یہ کہا تھا کہ "اے معشر خزرج تم اس بات کو خوب جانتے ہو کہ محمد ہمارے اندر جو وقعت اور عزت رکھتے ہیں اور ہم ان کے مخالفین سے ان کے محافظ اور ان کو بچانے والے ہیں مگر ان کا اب خود یہ ارادہ ہے کہ اس شہر کو چھوڑ کر تمہارے شہر میں چلے جائیں اور تم سے مل جائیں۔ پس اگر تم اس بات کی طاقت رکھتے ہو تو تم جس بات کی طرف ان کو بلاتے ہو اس کو پورا کرسکو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کو محفوظ رکھو گے۔ تو تم اس کام کو پورا کرو۔ اور اگر تم سے یہ بات نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ تم اسی وقت جواب دے دو۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہماری حفاظت میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہاں سے ان کو لے جا کر دشمنوں کے حوالے کر دو"۔ (ابن ہشام: ج ۲، ص ۸۴) مرتب۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

احوال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہ گئے تو بیشک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے[1]۔"

اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا فانا ناخذہ علی مصیبتہ الاموال وقتل الاشراف[2] "ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں[3]۔" تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں[4]۔

دوسری طرف اہل مکہ کے لئے یہ معاملہ جو معنی رکھتا تھا وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا دراصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیتوں سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے۔ ایک ٹھکانہ میسر آ رہا تھا۔ اور ان کی قیادت و رہنمائی میں پیروانِ اسلام جن کی عزیمت و استقامت اور فدائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزما چکے تھے۔ ایک منظم جتھے کی صورت میں مجتمع ہوئے جاتے تھے، یہ پرانے نظام کے لئے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحلِ بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل

---

[1] ابن ہشام۔ ج ۲۔ ص ۸۸، ۸۹ [2] ایضاً ص ۸۹ [3] اسے بیعۃ الحرب بھی کہتے ہیں کیونکہ اس بیعت میں اہل مدینہ نے جہاد کفار سے لڑنے اور حضورؐ کی حفاظت کرنے پر بیعت کی تھی۔ جبکہ بیعت اولیٰ تک جہاد کا حکم نازل نہ ہوا تھا (ایضاً ص ۹۷) سب سے پہلے شخص جنہوں نے رسول اللہؐ کے ہاتھ پر بیعت کی البراء بن معرور تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابو الہیثم بن التیہان یا اسعد بن زرارہ تھے (ابن سعد ۔ ۲۲۲) [4] اس بیعت کے بعد حضورؐ نے انصار میں سے بارہ نقیب: اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو (خزرج میں سے) اور اسید بن حضیر، سعد بن خیثمہ (بنو اوس میں سے) کو مقرر کیا۔ پھر آپؐ نے نقیبوں سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی قوموں پر کفیل ہو جیسے کہ عیسیٰؑ ابن مریم کے حواری (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی معاشی زندگی کا انحصار تھا وہ مسلمانوں کی زد میں آجاتی تھی اور اس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظامِ جاہلی کی زندگی دشوار کر سکتے تھے۔ صرف اہلِ مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہ راہ کے بل پر چل رہی تھی، ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسوا تھی۔

قریش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے جس رات بیعتِ عقبہ ہوئی اسی رات اس معاملہ کی بھنک اہلِ مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔[1] پہلے تو انہوں نے اہلِ مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی۔ پھر جب مسلمان ایک ایک دو دو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمدؐ بھی وہاں منتقل ہو جائیں گے تو وہ اس خطرے کو روکنے کے لئے آخری چارۂ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے ہجرتِ نبوی سے چند ہی روز پہلے قریش کی مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی جس میں بڑی ردّ و کد کے بعد آخر کار یہ طے پا گیا کہ بنی ہاشم کے سوا تمام خانوادہ ہائے قریش کا ایک ایک آدمی چھانٹا جائے اور یہ سب لوگ مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں تاکہ بنی ہاشم کے لئے تمام خاندانوں سے تنہا لڑنا مشکل ہو جائے اور وہ انتقام کے بجائے خون بہا قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں لیکن خدا کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد علی اللہ اور حسنِ تدبیر سے ان کی یہ چال ناکام ہو گئی اور حضورؐ بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔

(بقیہ حاشیہ۔ گذشتہ سے پیوستہ) کتنے ادمی اپنی قوم (اہل اسلام) پر کفیل ہوں (ابن ہشام ۸۶ تا ۸۸، ابن سعد ۲۲۲/۲۲۳)

[1] چنانچہ صبح ہوتے ہی قریش کے بڑے بڑے لوگ ان خیموں میں آن موجود ہوئے اور رات کے واقعہ کے بارے میں استفسار کرنے لگے انصار نے کسی نہ کسی طرح ان کو ٹال دیا۔ مگر جب انصار نے منیٰ سے کوچ کیا تو قریش ان کی تاک میں تھے مگر ان کا قافلہ ان کی زد سے دور نکل گیا صرف دو شخص پیچھے رہ گئے تھے اور یہ دونوں نقیب تھے ایک سعد بن عبادہ اور دوسرے منذر بن عمرو مگر منذر بھی قریش کے ہاتھ نہ آئے البتہ سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور مارتے پیٹتے ہوئے مکہ لائے بالآخر بڑی مشکل سے مطعم بن عدی اور حارث بن امیہ آئے دونوں نے مل کر ان لوگوں کے ہاتھ سے چھڑایا (ابن ہشام ۹۱، ۹۲ ابن سعد ۲۲۳)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

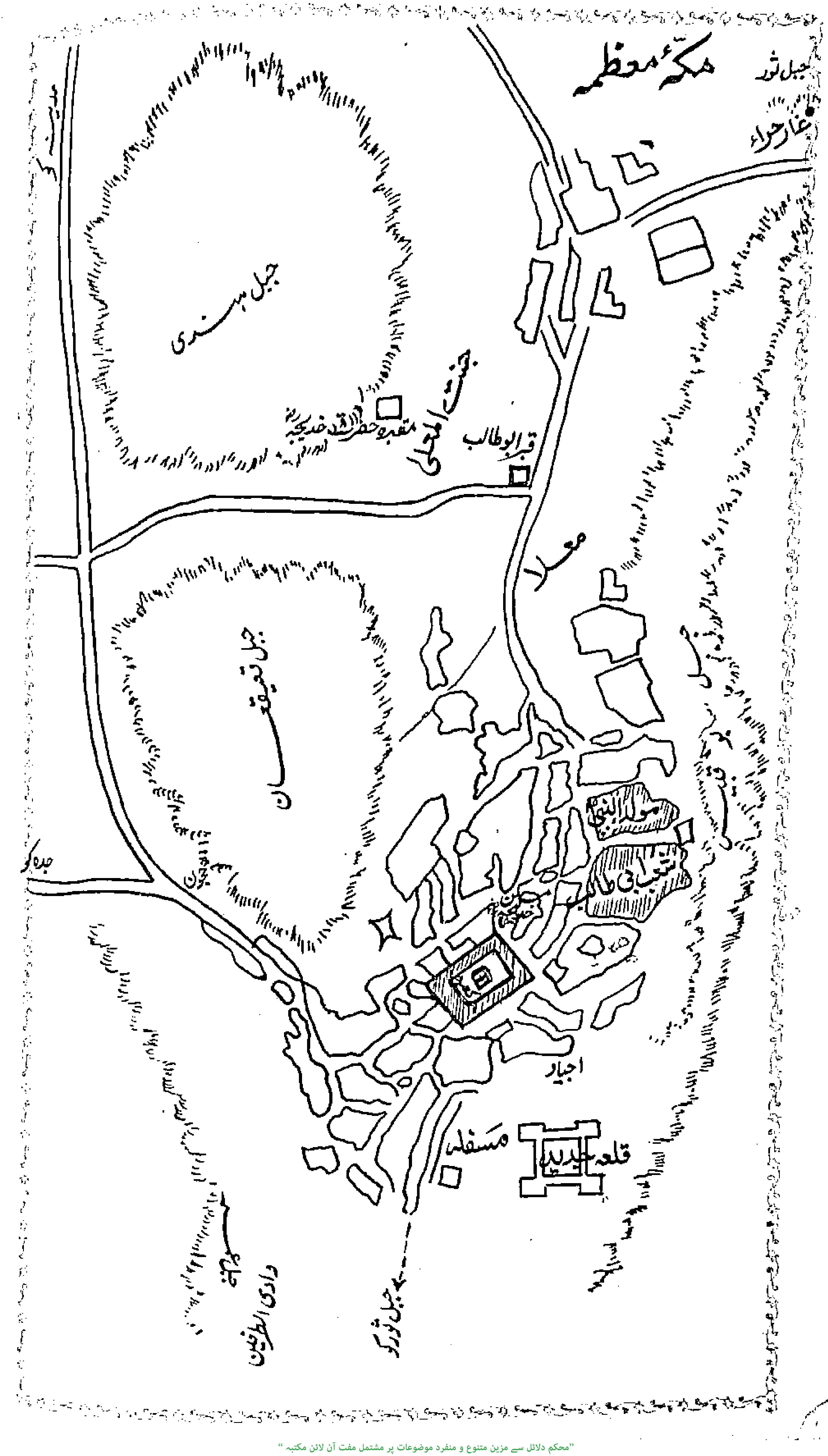

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ پنجم

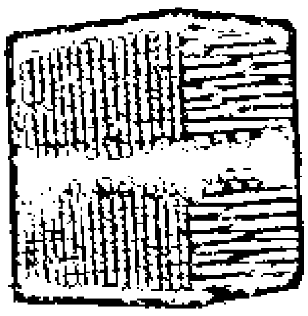

الوداع اے وطن

اے مکہ تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے ـ لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے ــــ!

ــــــــ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہجرت کیا ہے

✲ نثار احمد ✲

(۱)

ہجرت لفظ "ھجر" (ہ ج ر) سے ماخوذ ہے۔ یہ وصل کی ضد[1] اور اس کے لغوی معنی جدائی، علیحدگی، اور ترک تعلق کے ہیں[2]۔ اَلھَجْرُ والھِجران[3] کے معنی ایک انسان کے دوسرے

---

[1] ابن درید۔ جمہرۃ اللغۃ۔ ج ۲ ص ۸۷ دکن ۱۳۴۵ھ [2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے لغوی تحقیق کے تحت لکھا ہے کہ لفظ ہجرت "ھجر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی حبشی اور بعض دیگر زبانوں بلکہ خود قدیم عربی میں "شہر" کے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں علامہ ازہری کے حوالہ سے لکھا ہے: واصل المھاجرۃ عند العرب خروج البدوی من بادیۃ الی المدن یقال ھاجر الرجل اذ فعل ذلک (عربوں کے نزدیک اصل میں ہجرت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی خانہ بدوش صحرا نشین (بدوی) اپنے صحرا کو چھوڑ کر کسی شہر میں جا بسے (ملاحظہ ہو عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی۔ ص ۲۸۵۔ مطبوعہ مکتبۂ ابراہیمیہ۔ بار دوم۔ دکن) واضح رہے کہ مدینہ کے معنی بھی شہر کے ہیں (مرتب) [3] والاول الھجر: ضد الوصل وکذلک الھجران۔ وھاجر القوم من دار الی دار: ترکوا الاولی للثانیۃ کما فعل المھاجرون حین ھاجروا (ای الاصل ھجروا) من مکۃ الی المدینۃ۔

(ص ۳۴ جزء سادس۔ معجم مقائیس اللغۃ۔ ابن فارس بتحقیق وضبط عبد السلام محمد ھارون قاھرہ۔ سنہ ۱۳۷۱ھ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انسان سے جدا ہونے کے آتے ہیں۔ چاہے یہ جدائی بدنی ہو یا قلبی چنانچہ آیت کریمہ واہجروھن فی المضاجع[1] (پھر ان کے ساتھ سونا ترک کردو) میں مفارقت بدنی مراد ہے جب کہ سورۂ فرقان کی آیت ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا[2] (کہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) میں دل یا زبان دونوں کے ذریعہ جدا ہو جانا مراد ہے۔[3] لیکن آیت واھجرھم ھجرا جمیلا[4] میں تینوں طرح الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

المہاجرۃ کے اصل معنی ایک دوسرے سے کٹ جانے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ لیکن قرآن کی متعدد آیات[5] میں مہاجرت کے ظاہری معنی دارالکفر سے نکل کر دارالسلام کی طرف چلے آنے کے ہیں جیسا کہ صحابہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ ہجرت کا حقیقی اقتضاء یہ ہے کہ انسان شہواتِ نفسانی، اخلاقِ ذمیمہ اور دیگر گناہوں کو کلیۃً ترک کر دے۔ پھر جس طرح ظاہری ہجرت کا اقتضاء یہ ہے اسی طرح دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں بھی مجاہدہ بالنفس کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک جہاد سے واپسی کے موقع پر صحابہ سے ارشاد فرمایا رجعتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر (تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہو) یعنی دشمن کے ساتھ جہاد کے بعد اب نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔

الھجر[6] کے معنی ہذیان کے ہیں۔ جس کے برا ہونے کی وجہ سے اسے ترک کر دینا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے: لاتقولوا ھُجرا (فحش کلامی نہ کرو) اور اَھجَرَ فلانٌ کے معنی ہیں اس نے قصداً فحش کلامی کی اور ھجر المریض[7] کے معنی مریض کے بیہوشی کے عالم میں بڑبڑانے کے ہیں۔

---

[1] نساء ۳۴ [2] فرقان ۳۰ [3] یعنی نہ تو انھوں نے اسکی تلاوت کی اور نہ ہی اسکی تعلیمات کی طرف توجہ کی [4] مزمل ۱۰ [5] بقرہ ۲۱۸، حشر ۸، نساء ۸۹، ۱۰۰

[6] ابن درید ص ۸۸

[7] ایضاً

www.KitaboSunnat.com

اور کبھی ہُجْر (بکواس) میں مبالغہ کرنے والے کو بھی مُہجِر کہا جاتا ہے۔ ایک محاورہ ہے رماہ بمہاجرۃ کلامہٗ (فلاں نے اس کو فحش گالیاں دیں)[1] اور فلانٌ ہجیراہ کے معنی ہیں کہ فلاں کا یہ شیوہ بن چکا ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی کسی کا کثرت سے ذکر کرے اور مریض کی طرح اس کے متعلق ہر وقت بڑبڑاتا رہے۔ اور ہجیر کا لفظ اصل میں تو عاداتِ ذمیمہ کے متعلق بولا جاتا ہے مگر بعض لوگ اسے اس کی ضد (اچھی عادت) کے معنی میں بھی استعمال کرلیتے ہیں۔ الہجیر والہاجرۃ[2] کے معنی دوپہر کے وقت کے ہیں کیونکہ عموماً مسافر سخت گرمی کی وجہ سے اس وقت سفر کو ترک کرکے راحت حاصل کرتا ہے تو گویا اسے لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اور اس وقت نے لوگوں کو چھوڑ دیا۔

الہجار[3] عقال (زمام کے وزن پر ہے اور اس کے معنی اونٹ کا پاؤں باندھنے کی رسّی کے ہیں۔ وہ رسّی چونکہ دوسرے اونٹوں سے علیحدگی کا سبب بنتی ہے اس لئے اس کو ہجار بھی کہتے ہیں۔ اور مہجور[4] اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ہجار (رسی) کے ساتھ باندھ دیا گیا ہو۔ اور پھر اونٹ کی اس رسّی کے ساتھ تشبیہ دے کر کمان کی تانت کو بھی ہجار القوس[6] کہہ دیا جاتا ہے[7]

(۲)

"ہجرت" اسلام کی ایک مستقل اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مسلمان

---

[1] ورماہ بالہاجرات، وھی الفضائح، وسمّی ھذا کلّہ، لانّہ من المہجور الذی لاخیر فیہ (ابن فارس ج ۶، ص ۳۵) [2] ابن درید، ج ۲، ص ۴۳۸، ۴۳۹ (وہجرت فی کلامی واہجرت اذا افحش) [3] ابن درید ص ۸۸، ج ۲، نیز زمخشری ص ۴۷۹ (اساس البلاغۃ۔ مطبوعہ دارالکتب المصریہ ۱۹۵۳ء) [4] ابن درید، ص ۸۸، ج ۲، [5] ایضاً [6] زمخشری ص ۴۷۹ [7] اوپر کی پوری لغوی بحث دراصل علامہ راغب اصفہانی کی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" سے ماخوذ ہے (مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ۔ مصر ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء ص ۵۳۶ - ۵۳۷) حواشی کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محض اللہ کی خاطر اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ کر کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ یا مقصد کے لئے نقل مکانی ہجرت نہیں کہلاتی۔ اسلام میں "ہجرت" وہی معتبر ہے جو ایمان، اخلاص نیت اور فی سبیل اللہ کی شرائط کے ساتھ ہو۔ چنانچہ ایک حدیث سے ان امور کی طرف اشارہ ملتا ہے:

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الاعمال بالنیۃ فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ فیزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ومن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ[1]	حضرت عمرؓ کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ پس جس کی ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی[2] کی نیت سے ہوگی تو یہ انہی چیزوں کے لئے ہوگی۔ اور جو ہجرت اللہ اور رسولؐ کے لئے ہوگی اس کا اللہ و رسولؐ کی خوشنودی میں شمار ہوگا (اسکی ہجرت انہی کی طرف ہوگی)[3]

---

[1] بخاری۔ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ [2] اشارہ ہے ایک "مہاجر" کی طرف جس نے محض ام قیس نامی مہاجر عورت کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا۔ [3] اس حدیث کا اصل موضوع "اخلاص نیت" ہے۔ اسی وجہ سے یہ حدیث پورے دین میں گویا اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ بقول امام شافعیؒ اس حدیث کو دین میں ستر جگہ دخل ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث نصف علم ہے مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑا بابرکت اور دینی عمل نیت کے فتور سے بے وقعت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہجرت کی نیت کے بدل جانے سے اس کی ایک خالص دنیوی فعل کی شکل ہوگی۔ اور اجر و ثواب سے محرومی الگ ہوگی۔ واضح رہے کہ یہ حدیث الفاظ کے تغیر کے ساتھ تقریباً سات سو طریقوں سے مروی ہے اور اکثر محدثین کی عادت ہے کہ اپنی تصانیف کا آغاز زیادہ تر اسی حدیث سے کرتے ہیں (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قرآن مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ایک جگہ خدا کی بندگی کرنی مشکل ہو رہی ہے، اگر ایک زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی ہے، اگر ایک ملک کسی خیر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ جگہ وہ زمین اور وہ ملک چھوڑ دیا جائے۔ کہیں اور منتقل ہو کر "عبادت" اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ کیونکہ "خدا کی زمین تنگ نہیں ہے" چنانچہ سورہ عنکبوت میں آتا ہے:

یٰعبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون۔ (آیت۔ ۵۶)	اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع اور فراخ ہے۔ تو میری ہی عبادت کرو۔

سورہ نساء میں آتا ہے:

قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا۔ (آیت ۹۷)	(فرشتے) کہتے ہیں۔ کیا خدا کا ملک فراخ اور وسیع نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ "اصل چیز قوم، وطن اور ملک نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی ہے۔ اگر کسی وقت قوم و وطن، اور ملک کی محبت کے تقاضے اللہ کی بندگی کے تقاضوں سے ٹکرا جائیں تو وہی وقت مومن کے ایمان کی آزمائش کا ہوتا ہے جو سچا مومن ہے وہ اللہ کی بندگی کرے گا۔ اور قوم، وطن اور ملک کو لات مار دے گا جو جھوٹا مدعیٔ ایمان ہے، وہ ایمان کو چھوڑ دے گا اور اپنی قوم، وطن اور ملک سے چمٹا رہے گا یہ آیت (عنکبوت، ۵۶) اس باب میں بالکل صریح ہے کہ ایک سچا خدا پرست انسان محبّ قوم و وطن تو ہو سکتا ہے مگر قوم پرست اور وطن پرست نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے خدا کی بندگی ہر چیز سے عزیز تر ہے جس پر دُنیا کی ہر چیز کو وہ قربان کر دے گا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)؛ تاکہ دوسروں (ناظرین) کو بھی علم حاصل کرنے سے پہلے خلوصِ نیت کی تنبیہ ہو جائے (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مگر اسے دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہ کرے گا۔" [1]

یہی وجہ ہے کہ جب مکہ کی سرزمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہوگئی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے خدا کی زمین میں پھیل گئے۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہجرت مثالی ہجرت ہے۔ انھوں نے ہجرت کسی دنیاوی مقصد کی خاطر یا جاہ و دولت کے حصول کے لئے نہ کی تھی بلکہ پورے اخلاص اور رضائے الٰہی کی خاطر کی تھی چنانچہ حضرت خبابؓ کا بیان ہے کہ:

کنا ھاجرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبتغی وجہ اللہ فوجب اجرنا علی اللہ [2]	ہم لوگوں (صحابہؓ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصتاً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی اسی لئے ہم اجر کے مستحق ہو گئے۔

اس اعتبار سے ہجرت کرنا فی الواقع کوئی آسان کام نہیں ہے [3]۔ یہ ایک آدمی کے اسلام و ایمان، اور اخلاص و ایثار کا سخت ترین امتحان ہے۔ کیونکہ اپنی عزیز ترین چیز کو چھوڑنا، گھر بار لٹانا، قوم، ملک، وطن کو خیر باد کہنا، عزیز و اقارب سے ترکِ تعلق کرنا، تہی دست و تہی داماں ہونا، بے سہارا نکلنا، تکلیفیں سہنا، مصیبتیں جھیلنا،

---

[1] تفہیم القرآن۔ ج ۳، ص ۷۱۶ [2] بخاری۔ باب ہجرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ

[3] جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ عن الھجرۃ فقال ویحک ان الھجرۃ شانھا شدید (ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ہجرت کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے! ہجرت بہت ہی سخت ہے!" (مہاجرین۔ حصہ اول۔ ص ۷۰۔ بحوالہ بخاری ج ۱ حاجی معین الدین ندوی۔ اعظم گڈھ۔ سنہ ۱۹۲۸ء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف صاحبانِ عزم والقان ہی کا حصہ ہے جس کا ایک اندازہ ان حالات سے بخوبی ہو سکتا ہے جن میں مکہ کے اہلِ ایمان نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔

○ حضرت صہیب رومیؓ جب ہجرت کرنے لگے تو کفارِ قریش نے ان سے کہا کہ یہاں خالی ہاتھ آئے تھے اور اب خوب مالدار ہو گئے ہو۔ تم جانا چاہو تو خالی ہاتھ ہی جا سکتے ہو۔ اپنا مال نہیں لے جا سکتے۔ حالانکہ انھوں نے جو کچھ کمایا تھا اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا تھا کسی کا دیا نہیں کھاتے تھے۔ آخر وہ غریب دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور سب کچھ ظالموں کے حوالے کر کے اس حال میں مدینہ پہنچے کہ تن کے کپڑے کے سوا ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

○ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابو سلمہؓ اپنے دو مہینے کے بچے کو لے کر ہجرت کے لئے نکلے۔ بنی مغیرہ (ام سلمہ کے خاندان) نے راستہ روک لیا اور ابو سلمہ سے کہا تمہارا جہاں جی چاہے پھرتے رہو مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا سکتے۔ مجبوراً بیچارے بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر بنی عبد الاسد (ابو سلمہ کے خاندان والے) آگے بڑھے اور انھوں نے کہا کہ بچہ ہمارے قبیلہ کا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو۔ اس طرح بچہ بھی ماں اور باپ دونوں سے چھین لیا گیا۔ تقریباً ایک سال تک حضرت ام سلمہ بچے اور شوہر کے غم میں تڑپتی رہیں اور آخر بڑی مصیبت سے اپنے بچے کو حاصل کر کے مکے سے اس حال میں نکلیں کہ اکیلی عورت گود میں بچہ لئے اونٹ پر سوار تھی اور ان راستوں پر جا رہی تھی جن سے مسلح قافلے بھی گذرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

○ عیاش بن ربیعہؓ ابو جہل کے ماجائے بھائی تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے پیچھے ابو جہل اپنے ایک بھائی کو لے کر جا پہنچا اور بات بنائی کہ اماں جان نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کی صورت نہ دیکھ لوں گی نہ دھوپ سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارے بن جاؤں گی اور نہ سر میں کنگھی کروں گی۔ اس لئے تم بس چل کر انھیں صورت دکھادو پھر واپس آجانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبّت میں ساتھ ہولئے۔ راستے میں دونوں بھائیوں نے انھیں قید کرلیا۔ اور مکّے میں انھیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور دونوں بھائی پکارتے جارہے تھے کہ "اے اہلِ مکہ اپنے اپنے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے کیا ہے۔ کافی مدت تک بیچارے قید رہے۔ اور آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکالنے میں کامیاب ہوا۔ [۱]

یہ سب قربانیاں بیکار نہیں جاتیں۔ جو لوگ اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اجر بھی اسی درجہ کا عطا کرتا ہے۔ اور وہ لوگ دُنیا و آخرت دونوں میں سُرخرو ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن [۲] نے مہاجرین کے لئے جن فضائل و انعامات کا وعدہ فرمایا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ انھیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ [۳]

۲۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش حاصل ہوگی اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ [۴]

---

[۱] واقعات تفہیم القرآن (ج ۳، ص ۲۳۲، ۲۳۳، مطبوعہ جماعت اسلامی ہند۔ از: سید ابوالاعلیٰ مودودی) سے ماخوذ ہیں۔ [۲] یہاں یہ امر باعثِ دلچسپی ہوگا کہ قرآن نے لفظ "ہجر" اور اس کے مشتقات کو ۳۱ مقامات پر استعمال کیا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم محمد فواد عبد الباقی۔ مکتبۃ الحدیثہ۔ عابدین مطابع الشعب۔ سنہ ۱۳۷۸ھ ص ۷۳۰، ۷۳۱ (مرتب) [۳] حشر، آیت ۸۔ [۴] توبہ ۲۰، ۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ان کی برائیوں اور سیئات (گناہ) کو اللہ تعالیٰ مٹا دے گا۔ اور جنت میں داخل کرے گا[1]

۴۔ دنیا میں بھی انھیں اچھی جگہ اور منزلت ملیگی اور وہ آخرت میں بھی فائز المرام ہونگے[2]

۵۔ اللہ تعالیٰ انھیں اچھا رزق عطا کرے گا اور ان کو ایسے مقام میں داخل کریگا جسے وہ لوگ پسند کریں گے[3]

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ تسلی بھی دی ہے کہ "ہجرت کرنے میں تمھیں فکرِ جاں کی طرح فکرِ روزگار سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ آخر یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوان جو تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں۔ ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے؟[4] اللہ ہی تو سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ سوچ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ جہاں اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے تمھیں بھی دے گا۔

ٹھیک یہی بات ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی آپؑ نے فرمایا تھا: کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور آقا دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں تمھیں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے، کیا پئیں گے، اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ پھر بھی تمھارا آسمانی

---

[1] آل عمران ۱۹۵ نیز نمل ۱۰۔ ۱۱۔ [2] نحل ۴۱، [3] حج ۵۸، ۵۹ [4] عنکبوت ۶۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باپ ان کو کھلاتا ہے. کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟" [۱]

مختصر یہ کہ تمھارے لئے فکر کے لائق مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس دُنیا میں جان کیسے بچائی جائے. بلکہ اصل لائق فکر مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے. اور خدا پرستی کے تقاضے کس طرح پورے کئے جائیں"۔ [۲]

احادیث[۳] میں مہاجرین کے جن فضائل کا ذکر ہے ان کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہونگے۔ [۴]

۲۔ مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔ [۵]

یہ تو اہل ایمان کا معاملہ تھا۔ سچ پوچھئے تو اہل کفر کے لئے بھی ہجرت ایک جہت سے فتنہ اور آزمائش کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح مثلاً "ہجرت مدینہ" کفار کے لئے فتنہ بن گئی تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اس وقت جس مرحلے میں تھی اس کو دیکھ کر تمام ظاہر بیں نگاہیں دھوکہ کھا رہی تھیں کہ آپؐ اپنے مقصد میں (نعوذ باللہ) ناکام ہو گئے ہیں۔ دیکھنے والے جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ تو یہی تھا کہ ایک شخص جس کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ اسکی قوم اس پر ایمان لائے وہ تیرہ برس (معاذ اللہ) سر مارنے کے بعد آخر اپنے مٹھی بھر پیروؤں کو لے کر وطن سے نکل جانے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس صورتحال

---

[۳] احادیث میں ہجرت کے معنی اور اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو: النہایہ فی غریب الحدیث والاثر۔ ابن اثیر۔ ج ۴، ص ۲۴۶۔ مطبعہ عثمانیہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ نیز مجمع بحار الانوار ج ۳، شیخ محمد طاہر پٹنی۔ مطبوعہ نولکشور، ص ۴۳، ۴۴، ص ۴۳ تا ۴۴۔ [۲] تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ملخصاً۔ مطبوعہ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔ [۱] دیکھئے متی۔ باب ۶ آیت ۲۴ تا ۲۷۔ کتاب مقدس۔ نیا عہد نامہ، ص ۹۔ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سنہ ۱۹۵۹ء (مرتب)

[۴] مہاجرین حصہ اول۔ ص ۲۷ بحوالہ بخاری باب ہجرت الحبشہ نیز کنز العمال۔ [۵] ایضاً بحوالہ کنز العمال

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں جب لوگ آپؐ کے اس بیان کو دیکھتے تھے کہ "میں اللہ کا نبی ہوں اور اس کی تائید میرے ساتھ ہے" اور قرآن کے ان اعلانات کو دیکھتے تھے کہ "نبی کو جھٹلا دینے والی قوم پر عذاب آجاتا ہے" ـــ تو انھیں آپؐ کی اور قرآن کی صداقت مشتبہ نظر آنے لگی تھی اور آپؐ کے مخالفین اس پر بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے کہ کہاں گئی وہ خدا کی تائید؟ اور کیا ہوئیں وہ عذاب کی وعیدیں؟ اب کیوں نہیں آجاتا وہ عذاب جس کے ہم کو ڈراوے دیئے جاتے تھے؟ ؎۱

۳

(۱) ہجرت سنتِ انبیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی متعدد انبیاء علیہم السلام نے دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری بستیاں بسائیں۔ اور نقل مکانی کی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آذر اور قوم سے جدا ہو کر فرات کے غربی کنارے کے قریب ایک بستی میں سکونت اختیار کی جو اور کلدانین کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ دنوں بعد یہاں سے حرّان یا حاران کی جانب ہجرت کی۔ پھر تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ حضرت لوطؑ اور ان کی بیوی تھیں۔ پھر مصر گئے۔ بالآخر مکہ (کہ اس وقت "وادی غیر ذی زرع" تھا) تشریف لائے اور یہاں، کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ اسی طرح حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرتیں؎۲ بھی بالکل معروف ہیں۔

(۲) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ حق کا آغاز کیا تھا۔ اہلِ مکہ (قریش) جانتے بوجھتے اجنبی بلکہ دشمن بن گئے تھے۔ کیونکہ آپؐ کی اس دعوت نے ان کی مذہبی اجارہ داری، سیاسی برتری اور معاشرتی حیثیت کو چیلنج کیا تھا۔ انکے مفادات

؎۱ تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۳۹ ؎۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو قصص القرآن، ج اول، ص ۱۸۷ تا ۲۴۷ حفظ الرحمٰن۔ ندوۃ المصنفین۔ دہلی ۱۹۵۰ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو بُری طرح ٹھیس پہنچی تھی۔ ان کی سامنے آپؐ کی چالیس سالہ پاکیزہ و شفاف زندگی ضرور تھی اور وہ انھیں ہمیشہ سے صادق اور امین بھی تسلیم کرتے تھے مگر اب آپؐ کی بات مان کر اپنے مذہب اور رنگ ڈھنگ کو بدلنا گوارہ نہ تھا۔ بلکہ وہ یہ تک برداشت نہ کر سکتے تھے کہ داعیٔ برحق کا لایا ہُوا پیغام مکہ کی سرزمین میں اشاعت پذیر ہو۔ یہ قریش کی آن کا مسئلہ تھا۔ ایک طرف تو انھیں اپنی مذہبی معاشی اور معاشرتی و سیاسی حیثیت کو محفوظ کرنا تھا اور دوسری طرف اپنے آباؤ اجداد کے عقائد و نظریات کا دفاع کرنا تھا۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ساری تدابیر اختیار کرلیں۔ نئی دعوت کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ بھی کیا، آپؐ کے پیچھے ڈھنڈورچی بھی بھیجے جو یہ کہتے جاتے تھے کہ "لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نہ سُننا۔ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو اس کی زبان میں جادو ہے۔" جاہ و دولت کا لالچ بھی دیا۔ مہلا پھسلا کر بھی دیکھ لیا۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ بھی توڑے یہاں تک کہ ظلم و ستم اور جور و جفا کی کوئی شکل ایسی نہ تھی جس کو ان پر آزمایا نہ گیا ہو۔ بہر حال اپنی بساط کی حد تک انھوں نے سب کچھ کر کے دیکھ لیا۔ لیکن دعوتِ حق برابر پھیلتی رہی اور مکّہ سے باہر بھی پھیلنے لگی۔ بالخصوص مدینہ میں حق کی آواز زیادہ آسانی سے گونجی۔ یہ صورتِ حالات مشرکین و کفار مکہ کے لئے بڑی پریشان کُن تھی۔ دعوت کے پھیلنے ہی کا غم کیا کم تھا اور اب تو وہ ڈرتے تھے کہ کہیں مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی اُلٹا مکہ پر دھاوا نہ بول دیں۔ چنانچہ اس تحریک اور تحریک کے داعی کا قصہ پاک کرنے کے لئے انھوں نے آخری وار کیا۔ آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ لیکن حق کا چراغ اتنی آسانی سے گُل ہونے والا نہ تھا۔ ان کا منصوبہ دھرا کا دھرارہ گیا اور آپؐ ان کی آخری چال کو ناکام بنا کر بحکمِ الٰہی عازمِ مدینہ ہو گئے۔

تبلیغ و دعوت کا معاملہ یک طرفہ نہیں ہوتا۔ اگر ایک طرف مخالفین چالیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چلتے ہیں تو دوسری طرف داعئ حق بھی حکمت و تدبیر سے کام لیتا ہے۔ لڑائی صرف ہتھیاروں سے نہیں لڑی جاتی۔ رازداری، دانائی، حزم و احتیاط، اور صبر و ثبات سے بڑے بڑے معرکے سر ہوتے ہیں انہی سے کام لے کر بالآخر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح حاصل کی تھی اور اہلِ مکہ کی ساری چالوں کو ناکام بنا دیا تھا۔

(۳) ہجرتِ مدینہ کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ حکم الٰہی کی تعمیل بھی ہے۔ سنتِ انبیاء کا تتبع بھی ہے۔ اہلِ مدینہ کی دعوت کا جواب بھی ہے اور اس کے ذریعہ ایک ایسی سرزمین کا انتخاب بھی ہے جس میں عبادت اور عبادت کے تقاضے پورے کئے جاسکیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس منصب پر فائز تھے اس منصب کا تقاضا تھا کہ دینِ حق کو غالب کیا جائے۔ ہجرت نے اس غلبۂ دین کے لئے راہ ہموار کی۔ کیونکہ مکہ میں اسکی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی۔

۴

بعض مغربی مستشرقین[1] ہجرتِ نبویؐ کو فرار سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے لئے لفظ فلائیٹ[2] (FLIGHT) استعمال کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] مثلاً سر ولیم میور ــــــــــــــ ــــــــــــــ یا ایچ۔ آر۔ گب (MOHAMMADANISM) ص ۲۷، وغیرہ نیز دیکھئے The Spirit of Islam از سید امیر علی۔ لندن ۱۹۵۵ء ص ۴۷، [2] ہجرت کے لئے اصطلاحی اور معنوی اعتبار سے فلائیٹ کا لفظ غلط ہے ہی لغوی اعتبار سے بھی ہجرت کے لئے "فلائیٹ" کا استعمال کرنا غلط ہے کیونکہ یہ اس مفہوم کو ادا کرنے سے قاصر ہے جو ہجرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے دی شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ...... از گب و کریمر۔ لیڈن ۱۹۵۳ء ص ۱۳۹، نیز ص ۹۰، ۳۰ جس میں خاص طور پر یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ہجرت کے لئے فلائیٹ کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کفار کی جانب سے خطرہ لاحق ہوا تو اپنی اور مسلمانوں کی جانیں بچانے کے لئے آپؐ نے مدینہ کی راہ لی اور اپنے اس اقدام کو ہجرت کا نام دے کر وہاں پناہ گزین ہو گئے۔ لیکن یہ نظریہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں۔ اس لئے کہ آپؐ کو پہلے بھی کفار طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا چکے تھے۔ دن رات آپؐ انہی میں گھرے رہتے تھے جس کی وجہ سے ہر وقت آپ کی جان کو خطرہ لاحق رہتا تھا اگر آپؐ کا مقصد محض خطرات سے بچ نکلنا اور اپنی جان بچانا ہوتا تو آپؐ بہت پہلے مکہ سے کسی طرف جا سکتے تھے۔ ۵ھ نبوی میں آپؐ نے مسلمانوں کو حبشہ روانہ فرمایا تھا۔ اور وہاں کے بادشاہ نجاشی نے ان سب کو بخوشی اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دے دی تھی بعد میں وہ خود دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ لہٰذا اگر آپؐ ڈر اور خوف کی وجہ سے مکہ سے فرار ہو کر حبشہ میں پناہ لینا چاہتے تو وہاں آپؐ کو نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ جگہ دی جاتی۔ بلکہ درحقیقت جب ایک بادشاہ کی حمایت حاصل ہوتی تو آپؐ کا اثر اور بڑھ جاتا۔ مدینہ کی جانب ہجرت سے قبل اطراف مکہ کے بعض ذی اثر لوگوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے آپؐ کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی۔ مثلاً قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمر نے اپنا قلعہ پیش کیا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے خواہش کی کہ آپؐ اس کے پاس چلے آئیں۔ لیکن آپؐ نے نہ حبشہ جانے کا ارادہ کیا اور نہ ان دونوں رئیسوں کی دعوت قبول کی اس لئے کہ آپؐ کا مقصد نہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسروں کی حفاظت میں جانا تھا اور نہ دشمنوں کے ڈر اور خوف سے راہ فرار اختیار کرنا۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے اعلیٰ ثمرات اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کیا جائے۔ اور عبادات، معاملات، سیاست اور معیشت سب کو اس کی حدود میں لاکر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک مکمل نظام زندگی مرتب کیا جائے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد "اُدخلوا فی السلم کافۃ" اسی نصب العین کی جانب رہبری کرتا ہے۔ مکہ معظمہ کے تیرہ سالہ دور میں یہ بات پوری طرح ظاہر ہو چکی تھی کہ وہاں مجموعی طور پر لوگ اس نظام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لہذا اسلام کے بعض اصولوں کو اگر مسلمان انفرادی طور پر اپنا بھی لیں تب بھی اجتماعی زندگی میں انکو برتنا ممکن نہیں ہو گا ان حالات میں ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی جگہ ملے جہاں اسلام کے تمام اصولوں پر عمل کر کے دنیا کو باور کرا دیا جائے کہ اسلام صرف عقائد و عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ معیشت، معاشرت اور سیاست کے لئے اس میں نہایت ستھرے اور پاکیزہ اصول موجود ہیں۔ جن کو عمل میں لا کر ان کے بہتر ثمرات سے متمتع ہوا جا سکتا ہے۔

اس موقع پر قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر حبشہ کی جانب ہجرت کیوں نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ اگر وہاں تشریف لے جاتے تو حکومت کی حمایت کی وجہ سے زیادہ کامیابی ہوتی۔ مگر اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سب جانتے ہیں قرآن کریم کے اولین مخاطب عرب تھے۔ اور اس لئے اس کی زبان عربی ہے۔ اس لئے اسلام کی مکمل تعلیم ابتداءً اسی قوم ذہن نشین کرا کر اس پر عمل کرانا اصول فطرت کے عین مطابق تھا۔ حبشہ کے لوگوں کی زبان عربی نہیں تھی اس لئے وہ اس کو سمجھ کر نہیں اپنا سکتے تھے۔ اگر حکومت کے دباؤ اور ڈنڈے کے زور سے ان کو ان اصولوں پر عمل کرنے کے لئے مجبور بھی کر دیا جاتا تب بھی اس کے اثرات پائیدار نہ ہوتے اور اصل مقصد حاصل نہ ہو سکتا۔ اسی لئے جب عقبہ کی دو بیعتوں کے بعد آپ کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اصولوں کو اہل یثرب کے قلوب میں جاگزیں کر کے وہاں اسکو عملی جامہ پہنانا مناسب رہے گا۔ تو آپؐ نے اس سرزمین کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے منتخب فرمایا۔ اور صحابہ کو ایک ایک کر کے وہاں بھیجنا شروع کیا۔ اس وقت بھی آپؐ نے اپنی جان کی قطعاً پروا نہیں کی حالانکہ سب سے زیادہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپؐ ہی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ آپؐ کے دل میں اس کا ذرا بھی احساس ہوتا تو اگر سب سے پہلے نہیں تو سب کو رخصت کرنے کے بعد اولین فرصت میں آپؐ بھی اس جانب روانہ ہو جاتے اور خطرہ کو اپنے آگے نہ بڑھنے دیتے لیکن چونکہ آپ خدا کے سچے رسولؐ تھے۔ نہ کوئی کام اپنی ذات کے لئے کرتے اور نہ خدا کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھاتے اسلئے آپؐ ہر طرح کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر اللہ کے حکم کے منتظر رہے۔ اور کئی مرتبہ جب حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا تو آپؐ نے انھیں بھی یہ کہہ کر روک دیا "جلدی نہ کرو شاید اللہ تمھارا کوئی اور بھی ساتھی کر دے"۔ غرض آپؐ نے اسی وقت ہجرت فرمائی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی۔ یہ بہر حال اللہ کی مصلحت تھی کہ اس نے آپؐ کو کفار کے منصوبہ کی اطلاع اور ہجرت کی اجازت دونوں ایک ساتھ دیں۔ لہذا کفار کے منصوبۂ قتل کو ہجرت کا سبب قرار دینا اور یہ کہنا کہ ڈر کی وجہ سے آپؐ نے راہ فرار اختیار کی کسی طرح صحیح نہیں۔

اسی طرح یہ کہنا بھی خلاف واقعہ ہے کہ آپؐ کو مکہ سے جلا وطن کیا گیا اس لئے کہ جلاوطنی کی جو تجویز دار الندوہ میں پیش کی گئی تھی اس کو خود مشرکین ہی نے اس ڈر سے مسترد کر دیا تھا کہ دوسرے کسی شہر یا ملک میں جا کر آپؐ طاقت حاصل کر لیں گے اور پھر آپؐ کے اثر اور غلبہ کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔ غرض یہ دونوں الفاظ نہایت مغالطہ آمیز اور بے بنیاد ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مکہ سے مدینہ تک!

* ثناء الحق صدیقی *

مکہ میں آفتابِ رسالت طلوع ہوئے تیرہ سال ہو چکے تھے اور داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے حقِ دعوت ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ آپؐ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھا کر اور مصیبتیں جھیل کر اپنی قوم کو گمراہی اور شرک کی ظلمتوں سے نکالنے میں پوری کوششیں صرف کر چکے تھے۔ لیکن چند نفوس کے سوا جنھیں سعادتِ ازلی اور توفیق ایزدی نصیب تھی اور کسی نے اسلام جیسی بے بہا دولت کو قبول نہ کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ مخالفوں نے ممکن حد تک مسلمانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی تھی اور ان کے مظالم سے تنگ آکر بہت سے مسلمان اپنے آقا کے حکم سے حبشہ کی جانب ہجرت کر چکے تھے۔ اس کے باوجود طوفان کی شدت کم نہیں ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہادی برحقؐ اور رہروانِ راہ ہدایت کے لئے وطن کی سرزمین تنگ ہو گئی اور اس بات کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ کسی دوسری زمین میں پہنچ کر اس دولت کو تقسیم کیا جائے۔

اربابِ قضا و قدر نے یہ نعمت اہلِ یثرب کے حصے میں لکھ دی تھی[1]۔ چنانچہ

---

[1] قبل ہجرت آنحضرتؐ نے ایک خواب بھی دیکھا تھا کہ دار الہجرت ایک پُر بہار مقام ہے۔ آپؐ نے قیاس کیا کہ یمامہ یا ہجر ہوگا مگر وہ درحقیقت مدینہ نکلا۔ دیکھئے بخاری باب ہجرۃ النبیؐ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہاں کے کچھ حضرات دو تین مرتبہ مکہ معظمہ آکر دولتِ اسلام سے اپنی جھولیاں بھر کر لیجا چکے تھے اور منبع نور و ہدایت کے پہنچنے سے قبل ہی نورِ ہدایت اس سرزمین میں پھیل گیا تھا۔ عقبہ کی دوسری بیعت میں یہ عہد و پیمان بھی ہو گیا تھا کہ اب ہدایت کا منبع قدر ناشناسوں کے زمرہ سے نکل کر ان لوگوں کے درمیان پہنچ جائے گا جو اس کی قدر و قیمت کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اُن لوگوں نے آپؐ کی امداد و اعانت کا پورا وعدہ کیا تھا۔

سنہ ۱۲ نبوی سے ہی شمعِ رسالت کے پروانوں نے ترکِ وطن کر کے یثرب جانا شروع کر دیا تھا۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزومؓ تھے۔ وہ پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کر چکے تھے۔ وہاں سے واپس آئے تو پھر ستائے گئے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انھوں نے پھر وطنِ عزیز کو خیرباد کہا اور بیعت عقبہ سے قبل یثرب چلے گئے۔[1]

حضرت ابو سلمہؓ کے بعد حضرت عامر بن ربیعہؓ نے اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کے ساتھ ہجرت کی۔ پھر عبد اللہ بن جحشؓ اپنی بیوی اور اپنے بھائی ابو احمد عبید بن جحشؓ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔[2] اس کے بعد ہجرت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا اور دو دو چار چار کر کے مسلمان وطن کو خیرباد کہتے اور یثرب کا رُخ کرنے لگے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سے چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عُکاشہؓ بن محصن (۲) شجاعؓ بن وہب (۳) عقبہؓ بن وہب (۴) اربدؓ بن حُمیرہ (۵) مُنقذؓ بن نُباتہ (۶) سعیدؓ بن رُقیش (۷) محرزؓ بن نضلہ (۸) یزیدؓ بن رُقیش (۹) قیسؓ بن جابر (۱۰) عمروؓ بن محصن (۱۱) مالکؓ بن عمرو (۱۲) صفوانؓ بن عمرو (۱۳) ثقفؓ بن عمرو (۱۴) ربیعہ بن اکثم (۱۵) زبیرؓ بن عبید (۱۶) تمامؓ بن عبیدہ (۱۷) سخبرہؓ بن عُبیدہ (۱۸) محمدؓ بن عبد اللہ

---

[1] السیرۃ النبویۃ۔ ابن ہشام۔ الجزء الثانی۔ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر سنہ ۱۹۳۶ء ص: ۱۱۲ [2] ایضاً

[3] ابن ہشام ص ۱۱۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بن جحش (۱۹) عمرؓ بن خطاب (۲۰) عیاشؓ بن ابو ربیعہؓ (۲۱) ہشامؓ بن عاص (۲۲) زیدؓ بن خطاب (۲۳) عمروؓ بن سراقہ بن معتمر (۲۴) عبداللہ بن سراقہ بن معتمر (۲۵) خنیسؓ بن حذافہ سہمی (ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پہلے خاوند) (۲۶) سعیدؓ بن زید (۲۷) واقدؓ بن عبداللہ تمیمی (۲۸) خولیؓ ابن ابو خولی (۲۹) مالکؓ بن ابو خولی (۳۰) عاملؓ بن بکیر (۳۱) عامرؓ بن بکیر (۳۲) الیاسؓ بن بکیر (۳۳) خالدؓ بن بکیر (۳۴) طلحہؓ بن عبیداللہ (۳۵) صہیبؓ بن سنان (۳۶) حمزہؓ بن عبدالمطلب (۳۷) زیدؓ بن حارثہ (۳۸) ابو مرثدؓ کناز بن حصین (۳۹) مرثد غنویؓ بن ابو مرثد (۴۰) انسہؓ (حضورؐ کے آزاد کردہ غلام) (۴۱) ابو کبشہؓ (حضورؐ کے آزاد کردہ غلام) (۴۲) عبیدہؓ بن حرث بن مطلب (۴۳) طفیل بن حرث بن مطلب (۴۴) حصینؓ بن حرث (۴۵) مسطحؓ بن اثاثہ (۴۶) سویبطؓ بن سعد (۴۷) طلیبؓ بن عمیر (۴۸) خبابؓ (عزوان کے آزاد کردہ غلام) (۴۹) زبیرؓ بن عوام (۵۰) ابو سبرہؓ بن ابی رہم (۵۱) مصعبؓ بن عمیر (۵۲) ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ (۵۳) سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ (۵۴) عتبہ بن غزوان (۵۵) عبدالرحمنؓ بن عوف (۵۶) عثمانؓ بن عفان۔

عورتوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) زینبؓ بنت جحش (۲) جذامہؓ بنت جندل (۳) ام قیسؓ بنت محصن (۴) ام حبیبہؓ بنت ثمامہ (۵) آمنہؓ بنت رقیش (۶) سخبرہؓ بنت تمیم (۷) حمنہؓ بنت جحش (۸) زینبؓ بنت جحش۔

ان مہاجرین نے مدینہ و قبا میں حضرات ذیل کے مکانوں میں قیام کیا:

(۱) مبشرؓ بن عبدالمنذر بن زنبر (۲) رفاعہ بن عبدالمنذر (۳) حبیبؓ بن اساف (۴) کلثومؓ بن ہدم (۵) عبداللہؓ بن سلامہ (۶) سعدؓ بن الربیع (۷) منذرؓ بن محمد (۸) سعدؓ بن معاذ (۹) عبادؓ بن بشر (۱۰) اوسؓ بن ثابت[1]

ان کے بعد اور لوگ یکے بعد دیگرے جاتے رہے یہاں تک کہ ۱۳ نبوی

[1] ابن ہشام ص ۱۲۳ تا ۱۴۴ (ملخصاً)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے اختتام تک تقریباً ستر شیدائیان رسولؐ نے صرف اسلام کی خاطر وطن کو خیرباد کہہ کر دیارِ غیر میں اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ چنانچہ اب محفل میں صرف ایک شمع رسالت اور اسکے دو پروانے (صدیق اکبرؓ، علی مرتضیٰؓ) باقی رہ گئے تھے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے منتظر تھے اور آپؐ نے دونوں جان نثاروں کو اپنی معیت کے لئے روک لیا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے کئی مرتبہ رسول اللہؐ سے ہجرت کی اجازت مانگی مگر آپؐ نے فرمایا "جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ تمھارا کوئی اور بھی ساتھی کر دے"[1] اس جواب سے مزاج شناس رسول کے دل میں کبھی کبھی یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید خود رسول اللہ ہی ساتھی ہوں۔

غرض صدیق اکبرؓ بھی اس مبارک موقع کا انتظار کر رہے تھے جب اپنے حبیب و رفیق کی معیت میں ان کو اس مقدس سفر پر جانے کی سعادت نصیب ہونے والی تھی۔

روز و شب اسی طرح گذرتے گئے۔ مسلمانوں کے یثرب میں جا کر بسنے اور اس طرح قوت حاصل کرنے کی اطلاع مشرکین کو ہوئی تو وہ بہت تلملائے اور اس خیال سے پریشان ہوئے کہ وہ مٹھی بھر مسلمان جو مکہ میں کمزور اور دبلے ہوئے تھے یثرب کے لوگوں سے قوت پا کر ان کے مدمقابل بن جائیں گے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے قبضہ سے نکل کر یثرب جا پہنچے تو مسلمانوں کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا۔

بہرکیف اب کہ حالات کی رو اس مرحلہ پر پہنچ چکی تھی ان سیاہ کاروں نے سوچا کہ اس کو اور آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ اور اس کا پہلے ہی سے سدباب کر دیا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں آئندہ کے لئے لائحہ عمل ترتیب دینے اور طریقۂ کار متعین کرنے کے

---

[1] ایضاً ص ۱۲۷ نیز دیکھئے تاریخ طبری (اردو) حصہ اول ص ۱۲۷ ترجمہ سید محمد ابراہیم۔ کراچی ۱۹۶۷ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لئے دارالندوہ میں مکہ کے اعاظم و اکابر کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی۔ جس میں تمام خاندانوں کے سربرآوردہ لوگوں نے شرکت کی۔ چند شرکاء کے نام جو تاریخ نے محفوظ کئے ہیں درج ذیل ہیں:

بنی عبدالشمس میں سے: عُتبہ بن رَبیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ اور ابوسُفیان بن حرب بن امیہ۔

بنی نوفل (یعنی نوفل بن عبدمناف کی اولاد) میں سے طُعیمہ بن عَدِی جُبیر بن مُطعِم اور حارث بن عامر بن نوفل۔

بنی عبدالدار (یعنی عبدالدار بن قصی کی اولاد) میں سے: نضر بن حارث بن کلدہ

بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے: ابُوالبَختری بن ہشام۔ زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام۔

بنی مخزوم میں سے: ابوجہل عمر بن ہشام

بنی سہم میں سے: نُبَیہ اور مُنَبِّہ

بنی جمح میں سے: امیہ بن خلف۔

ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے جن میں سے اکثر قریش اور بعض غیر قریش تھے[1]

میٹنگ کی کارروائی شروع ہوئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا الزام لگا کر کہا گیا کہ اسی شخص نے ہماری قوم میں انتشار پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر اس کی بنائی ہوئی جماعت اسی طرح بڑھتی رہی تو ایک دن یہ ہمارے دین و مذہب کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے اسکا سدباب ہو جائے۔

حاضرین نے مختلف تجاویز پیش کیں کسی نے کہا آپ[2] کو قید کر دیا جائے۔ کسی کی تجویز ہوئی کہ جلاوطن کیا جائے۔ آخر میں ابوجہل عمر بن ہشام نے نہایت غور و خوض کے بعد

---

[1] اسے قصی بن کلاب نے بنوایا تھا۔ ابن ہشام۔ ص ۱۲۴

[2] ابن ہشام۔ ص ۱۲۵۔ طبری (اردو) حصہ اول ص ۱۲۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہاکہ "محمدؐ کو قید یا جلاوطن کرنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ قتل میں بھی سب قبیلوں کے لوگ حصہ لیں۔ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے۔ اور یہ سب مل کر محمدؐ کی شمعِ حیات کو گل کر دیں۔

اس صورت میں قتل کی ذمہ داری تمام قبیلوں پر آپڑے گی اور محمدؐ کے قبیلہ میں اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے سب قبیلوں سے جنگ کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ خونبہا ادا کر کے معاملہ کو رفع دفع کر دیا جائے گا۔[1]

ابوجہل کی اس تجویز پر جملہ حاضرین نے احسنت و مرحبا کہا اور تجویز متفقہ طور پر مان لی گئی۔ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان چُن لیا گیا اور سب کو تلواریں فراہم کر دی گئیں اس کے بعد مجلس برخواست ہوگئی۔

اگرچہ دارالندوہ کی اس میٹنگ کی کارروائی خفیہ رکھی گئی تھی لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دن بذریعہ الہام اس کی اطلاع ہوگئی[2] اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو ہجرت کی اجازت بھی مل گئی۔ آپؐ یہ اطلاع پانے کے بعد ٹھیک دوپہر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر روزانہ صبح یا شام کے وقت تشریف لایا کرتے تھے۔ اُس روز آپؐ نے ٹھیک دوپہر میں قدم رنجہ فرمایا تو میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھ گئے کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔ چنانچہ آپؐ کو نہایت تعظیم و تکریم سے تخت پر بٹھا کر تشریف لانے کا سبب پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھے ایک راز کی بات کہنی ہے اس لئے تخلیہ کی ضرورت ہے۔" میرے والد نے عرض کیا: "فداک امی وابی یارسول اللہ

---

[1] ابن ہشام ص ۱۲۶، نیز طبری حصہ اول، ص ۱۲۹۔ [2] ابن ہشام ص ۱۲۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ سب تو میرے گھر کے لوگ ہیں۔ آپ شوق سے جو بات مناسب سمجھیں فرمائیں"۔

حضورؐ نے فرمایا: "مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے"۔[1]

والد نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! میرے بارے میں کیا حکم ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "تم بھی میرے ساتھ چلو گے"۔

حضورؐ کا یہ ارشاد سن کر میرے والد رونے لگے۔ اُس دن مجھے احساس ہوا کہ انتہائی خوشی میں بھی انسان رونے لگتا ہے"۔

پھر میرے والد نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں نے اسی دن کے واسطے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں"۔[2]

اس تمام گفتگو کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ رات کو حضرت علیؓ حضورؐ کے بستر پر لیٹیں تاکہ اگر مشرکین رات میں کسی وقت گھر میں جھانکیں تو بستر خالی نظر نہ آئے اور وہ قبل از وقت حضورؐ کی روانگی سے مطلع نہ ہو جائیں پھر دوسرے یا تیسرے دن حضرت علیؓ وہ رقمیں جو بعض مشرکین نے حضورؐ کے پاس بطور امانت رکھی تھیں ان کے مالکوں کو واپس دیکر مدینہ چلے جائیں اور خود حضورؐ پرنور رات کی تاریکی میں گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر جائیں اور وہاں سے دونوں اپنے سفر پر روانہ ہوں۔

رات آئی ظلمتِ شب نے مکہ اور حوالی مکہ کو اپنی آغوش میں لے لیا مشرکین مکہ کے چیدہ جوان تلواریں لے کر اپنی ازلی بدبختی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور حضور انورؐ سورہ یٰسین کی ابتدائی آیتیں[3] پڑھتے ہوئے مکان کے دروازے سے برآمد ہوئے اور دشمنوں کے بیچ سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حفاظت

---

[1] بخاری۔ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ۔ [2] ابن ہشام، ص ۱۲۹

[3] یٰس والقرآن الحکیم... الی قولہ ... فاغشیناھم فھم لا یبصرون (ابن ہشام ص ۱۲۷)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لئے دشمنوں پر ایسی بیہوشی طاری کی کہ وہ ذات اقدس جس کے وہ خون کے پیاسے تھے، ان کے بیچ سے نکل چلی گئی اور انھیں محسوس تک نہ ہوا۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ اگر عقیدت سے ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ بات خلاف عقل وقیاس نہیں معلوم ہوگی۔ دراصل جب آپؐ نے ہجرت فرمائی اس وقت ماہ صفر کا چوتھا ہفتہ چل رہا تھا۔ رات تاریک تھی اس لئے تیرگیٔ شب کی وجہ سے دشمن غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ممکن ہے انھوں نے آپؐ کو دیکھا بھی ہو مگر تاریکی کی وجہ سے پہچان نہ سکے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپؐ کے معمولات سے واقف ہوں اور اس لئے سمجھے ہوں کہ اس وقت آپؐ کی باہر نکلنے کی عادت نہیں ہے کوئی اور شخص آپؐ سے ملنے کے لئے آیا ہوگا وہی ملاقات کر کے واپس جا رہا ہے۔ بہرحال اس قسم کی غلط فہمیاں عام زندگی میں بھی کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہیں۔ اس لئے اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھ کر جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

غرض آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے وہ پہلے ہی سے چشم براہ تھے، فوراً آپؐ کو گھر میں لے گئے۔ سامان تیار تھا حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس وقت جتنی بھی نقدی تھی وہ سب ساتھ لے لی اور دونوں مقدس ہستیاں مکان کی پشت کی کھڑکی سے نکل کر مکہ کے اس حصہ سے جو مسفلہ کہلاتا ہے گذرتی ہوئی جبل ثور کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہ مقدس پہاڑ مکۂ معظمہ سے جنوب کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔[1] اسکی بلندی ایک میل ہے اور چڑھائی ایسی دشوار گذار ہے کہ نہایت تندرست و توانا لوگ بھی ہمت ہار دیتے ہیں۔ مگر وہاں تو پست ہمتی اور کمزوری کا سوال ہی نہیں تھا ایک کو رسالت کا منصب حاصل تھا دوسرے کو ایمان کی حرارت نصیب تھی۔ چنانچہ آقا اور خادم صبح ہونے سے پہلے ہی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر ایک غار (غار ثور) میں فروکش

---

[1] جغرافیہ ممالک اسلامیہ، حصہ اول (جزیرۃ العرب) از محمد رابع حسنی ندوی دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ ۱۳۹۳ھ ص ۱۸۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے۔

"بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابوبکرؓ علیؓ کے پاس آئے اور ان سے نبی صلعم کو دریافت کیا۔ علیؓ نے کہا کہ وہ غارِ ثور چلے گئے ہیں۔ تم چاہو تو وہاں ان کے پاس چلے جاؤ۔ ابوبکرؓ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے رسول اللہؐ کے پیچھے چلے اور اثنائے راہ میں آپؐ سے آملے۔ رسول اللہ نے رات کی تاریکی میں ابوبکرؓ کی چاپ سنی۔ آپؐ نے سمجھا کہ کوئی مشرک آرہا ہے اس خیال سے آپؐ قدم بڑھا کر بڑی سُرعت سے چلنے لگے جس سے آپؐ کے جوتے کا اگلا حصہ پھٹ گیا اور ایک پتھر کی ٹھوکر سے آپؐ کا انگوٹھا زخمی ہوا جس سے بہت زیادہ خون بہنے لگا۔ اب آپؐ نے رفتار میں اور تیزی کر دی۔ ابوبکرؓ کے دل میں خیال آیا کہ اس طرح میرے تعاقب سے آپؐ کو تکلیف ہوگی۔ انھوں نے بلند آواز سے آپؐ سے کلام کیا۔ رسول اللہ نے ان کو پہچان لیا اور کھڑے ہو گئے۔ جب وہ آپؐ کے پاس آگئے تو دونوں چلے۔ رسول اللہ صلعم کا تمام پاؤں خون سے بھر گیا تھا۔ اسی طرح صبح ہوتے ہوتے آپؐ غارِ ثور پہنچے اور اس کے اندر چلے گئے"[1]

اس مکذوبہ روایت پر دوسرے لوگوں نے اور بھی حاشیے چڑھائے ہیں لیکن ابتدائی ماخذ میں اس کا ذکر نہ ہونے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت بعد کے زمانہ میں تاریخ کی کتابوں کی زینت بنی اور اس میں جو پھول پتیاں شامل کی گئی ہیں وہ اس سے بھی بعد کی ہیں۔ خود روایت کا انداز بھی عامیانہ ہے اور اس کے غیر ٹکسالی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس پوری مدت میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں سے برابر رابطہ قائم رہا۔ پہلے سے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق اونٹنیاں غارِ ثور پہنچیں۔ حضرت اسماء بنتِ ابوبکرؓ نے کھانا توشہ دان میں رکھ کر وہاں پہنچایا اور اپنی کمر میں لپیٹنے کی اوڑھنی پھاڑ کر اس سے توشہ دان کو کجاوے

---

[1] طبری۔ حصہ اول۔ ص ۱۲۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے باندھا۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام سفر میں ساتھ رہا تو یہ بات کیسے باور کی جا سکتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ یا اُن کے گھر والوں کو آپؐ کی اپنے مکان سے روانگی کی پہلے سے اطلاع نہیں تھی بلکہ جب حضرت ابوبکرؓ اتفاق سے پہنچ گئے تو حضرت علیؓ نے نہایت بے اعتنائی سے کہہ دیا "رسول اللہ تو غار ثور چلے گئے ہیں۔ تم چاہو تو وہاں اُن کے پاس چلے جاؤ"۔

درحقیقت یہ روایت ان لوگوں کی وضع کی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے رتبہ کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر راویوں کے ناموں کے اخفا سے بھی روایت ناقابل قبول ہو جاتی ہے۔

بہرکیف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو صاف کر کے آپؐ کے آرام کے لئے جگہ کر دی اور دونوں عارضی مُدّت کے لئے وہاں مقیم ہو گئے۔

ادھر محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقِ رسولؐ یعنی صدیق اکبرؓ اللہ کی حفاظت میں تھے۔ ادھر مشرکینِ مکّہ نے جو رات بھر آپؐ کے گھر سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہے تھے جب صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ حضرت علیؓ کو بستر سے اُٹھتے ہوئے دیکھا تو بہت جھلائے اور جب ان کے استفسار پر حضرت علی نے یہ جواب دیا کہ:

"مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ کہاں گئے۔ میں ان کا پاسبان نہیں تھا کہ اس بات کی خبر رکھتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ البتہ جب تم نے چاہا تھا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں تو وہ چلے گئے"۔[1]

تو وہ اور برہم ہوئے۔ روایت ہے کہ انھوں نے غصّہ میں آ کر حضرت علیؓ کو ایک طمانچہ مارا اور ان کو لیجا کر تھوڑی دیر حرم میں قید رکھا[2] اس کے بعد چھوڑ دیا لیکن

---

[1] تاریخ طبری حصّہ اوّل ص ۱۲۱۔ [2] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح بچ کر نکل جانے کو مشرکین نے اپنی ناکامی اور شکست تصور کیا لہٰذا وہ فوراً ہی آپؐ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے آدمی ہر طرف پھیل گئے۔ ایک گروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچا۔ حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا کہ تمھارے باپ کہاں ہیں۔ اور جب انھوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے جھلاہٹ میں ان کے اس زور سے ایک طمانچہ مارا کہ بقول حضرت اسماءؓ ایک بالی بھی ان کے کان سے گر پڑی[1]۔ اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔

ایک دوسرا گروہ تلاش کرتا ہوا جبل ثور پر بھی پہنچ گیا اور خاص غار ثور کے سامنے سے وہ لوگ اس طرح گذرنے لگے کہ اندر سے ان کے پاؤں صاف نظر آ رہے تھے۔ فطری طور پر حضرت صدیق اکبرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر وہ لوگ ذرا جھک کر غار کے اندر کی طرف دیکھ لیں تو ہم ان کی نظر سے نہیں بچ سکیں گے۔ اور ممکن ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ گزند پہنچائیں۔ یہ خیال کر کے وہ کسی قدر غمگین ہوئے۔ لیکن خدا کے سچے رسولؐ نے اپنے ساتھی کو یوں تسلی دی[2]:

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (توبہ۔ ۴۰)

بیشک اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی اور یہ اسی کی قدرت کاملہ کا نتیجہ تھا کہ دشمن اس غار کے سامنے سے گذرے اور پاس کھڑے ہو کر باتیں بھی کرتے رہے بلکہ یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے اندر جا کر دیکھنے کا بھی مشورہ دیا مگر اللہ تعالیٰ جو اپنے محبوب کی حفاظت کر رہا تھا اُن کے دماغوں کو وقتی طور پر ماؤف کر دیا چنانچہ نہ کسی نے جھانک کر اس غار کے اندر دیکھا اور نہ اس میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ بلکہ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد وہ واپس چلے گئے۔ اور یہ خطرہ اتنے قریب آ کر ٹل گیا۔

بعض لوگوں نے اس واقعہ میں بھی رنگ آمیزی کی کوشش کی ہے اور فوق الفطرت

---

[1] ابن ہشام، ص ۱۳۱، ۱۳۲۔ [2] سیرۃ النبی حصہ اوّل (شبلی) اعظم گڑھ، طبع پنجم، ص ۲۷۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عناصر شامل کرکے واقعات کو عجیب اور پُرتاثیر بنانا چاہا ہے۔ چنانچہ یہ روایت زبان زدِ خاص و عام ہے کہ ایک مکڑی نے آناً فاناً غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب کفار غار کے پاس پہنچے تو خدا کے حکم سے فوراً ببول کا درخت اُگا اور اس کی شاخوں نے پھیل کر رسول اللہ صلعم کو چھپا لیا۔ ایک تیسری روایت ہے کہ دو کبوتر آئے اور انھوں نے غار کے سامنے گھونسلہ بنا کر اسمیں فوراً انڈے دیدیئے ہے غرض اس طرح کفار نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں نہیں ہیں کیونکہ اگر آپؐ اندر داخل ہوتے تو یہ چیزیں قائم نہ رہ سکتیں۔ اسی طرح کی اور بھی چند روایتیں ہیں جو خاص شہرت پا گئی ہیں مگر شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں ان میں سے بعض روایتوں پر بحث کرتے ہوئے انھیں وضعی ثابت کیا ہے اور ان کے راویوں کو منکر الحدیث اور مجہول بتایا ہے[1]

بہر حال مشرکین اپنی تلاش و جستجو میں ناکام ہو کر لوٹ گئے اور یہ دونوں ہستیاں اسی غار میں مقیم رہیں۔ اس عرصہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبداللہ رات کو غار میں ساتھ سوتے اور صبح کے وقت یہ معلوم کرنے کے لئے شہر میں چلے جاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں[2] پھر دن بھر میں جو خبریں ملتیں وہ شام کے وقت رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کو پہنچا دیتے[3] کھانے پینے کے بارے میں ابن ہشام نے لکھا ہے:

"(حضرت ابوبکر کا غلام) عامر بن فہیرہ بکریوں کو لا کر دودھ پلاتا اور حضرت اسماء شام کے وقت کھانا پکا کر لاتیں[4]"

تین دن اور تین رات غار ثور میں قیام فرمانے کے بعد چوتھے روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ یثرب کی جانب روانہ ہونے کے لئے غار سے باہر آئے۔ دونوں اونٹنیاں جن کا انتظام حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی کر لیا تھا عبداللہ بن اریقط

---

[1] سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۲۷۲۔ [2] تاریخ طبری حصہ اول، ص ۱۱۳۔ [3] ابن ہشام، ص ۱۳۰
[4] ایضاً۔ [5] سیرۃ النبی، حصہ اول، ص ۲۷۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لے کر غار کے سامنے پہنچ گیا۔ عبداللہ بن اریقط اگرچہ کافر تھا لیکن قابلِ اعتماد تھا۔ اسی کے گھر پر یہ اونٹنیاں پلی تھیں اور اسی نے اُجرت پر یثرب تک رہنمائی کے فرائض انجام دیئے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے اچھی اونٹنی سواری کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفت لینا گوارا نہ کیا چنانچہ قیمت طے ہوگئی[2] اور آپؐ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ دوسری اونٹنی پر حضرت ابوبکرؓ بیٹھے۔ حضرت اسماء سفر میں نہ جانے کے لئے بہت سا کھانا پکا کر لے آئی تھیں۔ اتفاق سے اس کو باندھنے کے لئے کوئی بندھن یا رسی ساتھ لانا بھول گئی تھیں۔ مجبوراً انھوں نے وہ کپڑا جو کمر میں باندھتی تھیں کھول کر دو حصے کئے ایک حصہ سے کھانا کجاوے میں باندھا اور دوسرا حصہ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ اور اس طرح انھوں نے اپنے لئے ذات النطاقین کا لقب مخصوص کرالیا۔[3] اس تمام تیاری کے بعد یہ مختصر قافلہ جس میں چار افراد شریک تھے جانبِ یثرب روانہ ہوا۔ شرکار سفر میں ایک خود ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے، دوسرے صدیق اکبرؓ تیسرا انکا غلام عامر بن فہیرہ اور چوتھا رہبر عبداللہ بن اریقط۔[4]

جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھرانے سے تین دن تک بلکہ غارِ ثور سے روانگی کے وقت تک اس طرح کا رابطہ قائم رہا تو پھر یہ بات قابلِ فہم نہیں رہتی جو طبری اور ابن ہشام نے نہایت اہتمام سے اپنی اپنی کتابوں میں درج کی ہے فرماتے ہیں:

"اسماءؓ کہتی ہیں کہ ہم کو خبر نہ تھی کہ حضورؐ کس طرف تشریف لے گئے ہیں، اور اس بے خبری میں ہم کو تین روز گذر گئے چوتھے روز ایک جن مکہ کے نیچے کی طرف سے چند اشعار گاتا ہوا نکلا۔ اس کی آواز لوگوں نے سنی مگر کوئی گانے والا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور وہ جنِ مکہ کی اُوپر کی طرف جاکر غائب ہوگیا (؟)، اس کے

۱؎ ابن ہشام ص ۱۲۹۔ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۱ ۳؎ بخاری باب ہجرت النبیؐ ابن ہشام ص ۱۳۱ ۴؎ ایضاً ص ۱۳۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اشعار کے مضمون سے میں سمجھ گئی کہ حضورؐ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے ہیں"۔[1]

یہی مضمون بتغیرِ الفاظ تاریخ طبریؒ میں موجود ہے۔ اس کے ذیل میں "جن" کے تین شعر بھی دیئے گئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے:

"اللہ ان دونوں ساتھیوں کو بہترین جزا دے جنھوں نے کہا کہ ام معبد کے خیموں کو چلو۔۔۔۔۔

وہ دونوں ہدایت لے کر وہاں اتر پڑے اور چارہے اور جس شخص نے محمدؐ کی رفاقت اختیار کی تھی وہ کامیاب ہوگیا۔۔۔۔۔

بنی کعب کو مبارک ہو کہ ان کے جوان مردِ مومنین کی حفاظت کے لئے گھات میں بیٹھے"۔[2]۔۔۔۔۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عجائب پرستی کے شوق اور ذوق شاعری کی تسکین کے لئے ان عظیم مورخینؒ نے یہ سب کچھ تاریخ کے واقعات کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

اگرچہ عام طور سے ہمارے مورخین نے مکہ سے روانگی کی تاریخ نہیں بتائی ہے لیکن سب کے نزدیک روانگی کا دن دوشنبہ تھا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ مقدس سفر یکم ربیع الاول مطابق ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء بروز پیر شروع ہوا۔ عبداللہ بن اریقط راستہ بتاتے ہوئے آگے آگے چلا۔ ایک رات دن سفر جاری رہا۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ تیز ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چٹان کے سائے میں آرام فرمانے کے لئے کہا اور خود اس تلاش میں نکلے کہ آپؐ کے لئے دودھ وغیرہ کا انتظام کریں۔ اتفاق سے ایک چرواہا مل گیا۔[3] اس سے بکری کے تھن

---

[1] ایضاً ص ۱۳۲۔ [2] اسے ابن سعد نے بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲۹ بیروت ۱۹۶۰ء۔ [3] تاریخ طبری، حصہ اول ص ۱۳۵، ۱۳۶

[3] ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ دوران سفر جب زادِ راہ ختم ہوا تو اس وقت دودھ وغیرہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صاف کرا کر برتن میں دودھ نکلوایا اور برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ کر آپؐ کے پاس لائے آپؐ نے نوش فرمایا۔ تھوڑی دیر آرام کر کے دن ڈھلے وہاں سے روانہ ہوئے۔[1]

کفار نے اس اثنا میں اعلان کر دیا تھا کہ "جو شخص محمدؐ اور ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔"[2] بہت سے لوگ قسمت آزمائی کے لئے نکلے لیکن ناکام رہے۔ ایک شخص سراقہؓ[3] بن مالک بن جعشم بھی اسی تجویز میں روانہ ہوا۔ وہ مکہ کا ایک شہسوار تھا اس لئے جس وقت آپؐ اپنے پہلے قیام کے بعد اگلی منزل کے لئے روانہ ہونے لگے تو وہ اپنا فرس صبا رفتار دوڑاتا ہوا آپؐ کے پاس پہنچ گیا لیکن دو تین مرتبہ گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور ایک دفعہ اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے ان باتوں سے متاثر و خائف ہو کر وہ اپنے برے ارادے سے باز رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے امان نامہ حاصل کر کے مکہ واپس آ گیا۔[4]

اس کے بعد سوائے اس کے کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا کہ "حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے"۔[5]

یہ مختصر قافلہ منزل بہ منزل سفر طے کرتا رہا۔ ابن سعد اور ابن ہشام نے اس سفر کی منزلیں بتائی ہیں۔ چونکہ آپؐ نے یہ سفر عام راستہ سے ہٹ کر ایک اور راستہ سے کیا تھا اس لئے ان منزلوں کا ذکر کر دینا بے محل نہیں۔

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کی تلاش ہوئی چنانچہ ام معبد کی ایک بکری کے تھنوں سے دودھ نکال کر پیا گیا جس سے اس بکری میں برکت پیدا ہو گئی۔ ام معبد نے اپنے شوہر سے حضورؐ کی صفات بھی بیان کیں تفصیل کیلئے دیکھئے: الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۰ تا ۲۳۲ بیروت ۱۹۶۵ء (مرتب) [1] سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۳۔ [2] ابن ہشام ج ۲ ص ۱۳۴ [3] سراقہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا ایضاً ص ۱۳۵ [4] سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۴ بحوالہ بخاری باب ہجرۃ النبی۔ [5] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جن منزلوں کا ذکر ابن ہشام وغیرہ نے کیا ہے ان میں سے بعض مقامات اب عرب کے نقشوں پر نظر نہیں آتے۔ البتہ بعض موجود ہیں یا کتابوں میں ان کا تھوڑا بہت حال مل جاتا ہے۔

مکہ سے روانگی کے بعد جس اہم مقام کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے' وہ عُسفان[1] ہے یہ مقام مکہ مکرمہ سے رابغ کی سمت تقریباً چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک چشمہ کے قریب ہے۔ ہجرت کے علاوہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپؐ یہاں سے ہوکر گذرے تھے۔

عُسفان سے اگلی منزل اَمَج تھی۔ یہ مقام عُسفان اور قُدَید کے درمیان واقع تھا۔ یہاں کے ایک باشندے حمید الامجی تھے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ملے تھے اُنکی نسبت سے اس مقام کو مزید شہرت نصیب ہوگئی۔

اَمَج کے بعد رہبر آپؐ کو لے کر قُدَید پہنچا۔ یہ مقام رابغ سے چند میل کے فاصلہ پر جنوب کی جانب تھا۔ اگرچہ اس کی حیثیت ایک قصبہ کی تھی لیکن چونکہ یہاں منات کا بُت نصب تھا جس کو اہل یثرب بہت مانتے تھے اس لئے اس کو خاص شہرت حاصل تھی۔

قُدَید سے گذر کر آپؐ خرار پہنچے۔ یہ بھی رابغ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ اس کے بعد ثنیۃ المرہ، پھر مقام لقفا سے ہوتے ہوئے مُدلجہ لقف میں آئے۔ اس جگہ میٹھے پانی کے کئی کنوئیں تھے مگر زمین سخت ہونے کی وجہ سے آراضی قابلِ کاشت نہ تھی۔

مُدلجہ لقف سے چل کر یہ قافلہ مدلجہ محاج پہنچا۔ اس مقام کا ذکر عروہ بن زبیرؓ کے اشعار میں ملتا ہے۔ اس کے بعد مقام الجد اجد' الاجرد کی پہاڑی اور ذوسلم کی وادی سے گذر کر ایک غیر معروف مقام العبابید میں وارد ہوا۔ پھر الفاجہ پہنچا۔ بعدہ العرج

---

[1] ابن ہشام ص ۱۲۶ [2] جغرافیہ ممالک اسلامیہ حصہ اول (جزیرۃ العرب) ص ۲۲۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی گھاٹی سے ہو کر گذرا جس کا ذکر السقیاء کے تذکرہ کے ساتھ ملتا ہے۔ پھر ایک اور وادی لبطن ریم سے جو مدینۂ منورہ سے جانب جنوب تیس میل کے فاصلہ پر ہے ہوتا ہوا قبا جا پہنچا۔ [۱]

جملہ مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ قبا میں آپ کا ورود مسعود ۸ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء بروز دوشنبہ (پیر) ہوا۔ یہی صحیح ہے۔ محمد بن خوارزمی کا ۸ ربیع الاوّل کو جمعرات کا دن بتانا کسی طرح درست نہیں۔

قبا مدینۂ منورہ سے جانب جنوب دو ڈھائی میل دُور ایک بستی ہے۔ جنوبی حرّہ کے سرے پر کسی قدر بلند مقام ہے۔ غالباً اسی بناء پر اس کو عالیہ بھی کہا جاتا ہے۔ قبا کی سرزمین نہایت سرسبز و شاداب ہے۔ اور مختلف پھلوں اور میووں کے باغات کی وجہ سے نہایت خوش سواد اور اہم بن گئی ہے۔ [۲]

اُس زمانہ میں مقام قبا میں اوس اور خزرج کے بہت سے خاندان آباد تھے سب سے زیادہ ممتاز خاندان عمرو بن عوف [۳] کا تھا اور مکتوم بن الہدم [۴] خاندان کے سردار تھے۔ ان ہی کے مکان پر حضور سرورِ کائنات نے قیام فرمایا۔ آپ کی آمد سے پہلے ہی بہت کئی مہاجر صحابہ حضرت مکتوم بن ہدم کے مکان پر مقیم تھے۔ جیسے حضرات ابو عبیدہ بن الجراح مقداد، خباب، سہیل، صفوان، عیاض، عبداللہ، وہب بن سعد، معمر بن ابی سرح، عمیر بن

---

[۱] ابن سعد نے بھی پوری تفصیل سے راستہ کے مقامات کا ذکر کیا ہے جن میں سے بعض ابن ہشام کی روایت سے مختلف ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ابن سعد ص ۲۳۲، ۲۳۳ (مرتب)

[۲] جغرافیہ ممالک اسلامیہ ۲۰۸، ۲۲۸ [۳] ابن ہشام ص ۱۳۸ [۴] کلثوم بن الہدم بن امرئ القیس بن الحارث۔ بوڑھے آدمی تھے۔ حضور کی آمد مدینہ کے بعد جلد ہی انتقال ہوگیا۔ بلکہ انصار میں سے آپ کی آمد کے بعد سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا۔ ان کی کنیت ابو قیس بھی تھی تفصیل کے لئے دیکھئے ابن ہشام ص ۱۳۸ (حاشیہ) نیز الاستیعاب لابن عبد البر۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عوف وغیرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں جلوہ فرما تھے کہ حضرت علیؓ جو آپ کی مکہ سے روانگی کے تین دن بعد وہاں سے چلے تھے پا پیادہ سفر کر کے قبا پہنچے اور آپ کے ہمراہ کلثوم بن ہدم کے مکان میں مقیم ہوئے۔[2]

اکثر مورخین اور سیرت نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چار روز مقیم رہے۔[3] صحیح بخاری کی ایک روایت چودہ دن کی ہے شبلی نے بغیر کسی دلیل کے بخاری کی روایت کو صحیح مانا ہے۔[4] لیکن چونکہ قبا میں آپؐ کی آمد ۸ ربیع الاول کو ہوئی تھی جس کا اعتراف شبلی کو بھی ہے اور اس تاریخ کو دو شنبہ تھا جیسا کہ خود شبلی نے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ جدید حساب سے دو شنبہ کا دن آتا ہے۔ تو جمعہ کا دن چار دن بعد ہی آئے گا۔ چودہ دن بعد اتوار ہو گا۔ پھر ابن ہشام نے مدینہ میں داخلہ کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بتائی ہے چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ "ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حضور مدینہ میں پیر کے روز (؟) بارہویں ربیع الاول کو دوپہر کے وقت تشریف فرما ہوئے اور عمر شریف حضورؐ کی اس وقت ترپن سال کی تھی۔ اور حضورؐ کو مبعوث ہوئے تیرہ سال ہو چکے تھے"۔ طبری نے مسجد قبا کی تعمیر کے سلسلے میں لکھا ہے: "رسول اللہ صلعم قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں دو شنبہ، منگل، بدھ اور جمعرات کو مقیم رہے۔ یہاں آپؐ نے ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کے دن اللہ کے حکم سے آپؐ ان کے یہاں سے چل دیئے"۔[5] غرض یہ تو ایک مسلّمہ امر ہے کہ مدینہ میں آپؐ جمعہ کے دن داخل ہوئے۔ جس کی صراحت طبری کے یہاں موجود ہے۔ پیر کا روز جیسا کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے

---

[1] سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۵۔ [2] ابن ہشام ص ۱۳۸۔ [3] ایضاً ص ۱۳۹۔

[4] سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۵۔ [5] طبری، حصہ اول، (اردو) ص ۱۳۸ ابن ہشام ص ۱۳۹

[6] ابن سعد۔ ص ۲۳۳

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لکھا ہے قبا میں آمد کا دن تھا۔ ابن ہشام کی تحریر میں کچھ خلط مبحث ہو گیا ہے تاریخ تو انھوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی لکھ دی اور دن قبا میں ورود کا بتا دیا بہرکیف مختلف کڑیوں کو ملانے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ آپؐ ۸ ربیع الاول کو قبا پہنچے۔ چار دن قبا میں قیام فرمایا اور ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ مدینہ میں داخل ہوئے۔[۱]

قبا میں قیام کے دوران سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت کلثوم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین میں جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں ایک مسجد کی بنیاد[۲] رکھی۔ جس کے رتبۂ عالی کا اندازہ ان آیات سے ہوتا ہے:

"لمسجد اسس علی التقوی[۳]....."

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا بلکہ اس کی تعمیر کے دوران معمولی مزدوروں کی طرح کام کیا اور اپنی پشت مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر پہنچائے۔ اور اس طرح اسلامی مساوات کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

مسجد قبا کی تعمیر کے بارے میں بلاذری نے جو روایات پیش کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسجد حضورؐ کے قبا میں تشریف لانے سے پہلے ہی تعمیر ہو چکی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو پہلے ہجرت کر کے آئے تھے اور انصار کے جو قبیلے یہاں آباد تھے انھوں نے یہاں ایک مسجد بنالی تھی اور سب اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ اس زمانہ میں نماز کا قبلہ بیت المقدس تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں رونق افروز ہوئے تو آپؐ نے بھی اُن لوگوں کے ساتھ اسی مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ اسی وجہ سے اہل قبا کہتے ہیں

---

[۱] ابن سعد، ص ۲۳۳ [۲] سیرت النبیؐ حصہ اول، ص ۲۷۶

[۳] سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ وہی مسجد ہے جس کی نسبت یہ ارشاد باری ہے: لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ[1]

بلاذری کی بیان کردہ دوسری روایت یہ ہے:

"ہم سے حدیث بیان کی عفان بن مسلم الصفار نے، انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی حماد بن سلمہ نے انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ہشام بن عروہ نے اور انھیں عروہ نے کہ اس آیۃ "وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ" کی شان نزول یہ ہے کہ مسجد قبا سعد بن خیثمہ نے بنائی تھی اور یہ جگہ لبّہ کی تھی جہاں وہ اپنا گدھا باندھتا تھا۔ اس پر جھگڑالو طبیعتوں نے کہا: "کیا ہم اس جگہ نماز پڑھیں جہاں لبّہ اپنا گدھا باندھتا تھا؟ نہیں ہم اس میں ہرگز نماز نہیں پڑھیں گے۔ ہم اپنی مسجد الگ بناتے ہیں اور اسی میں نماز پڑھیں گے۔ حتیٰ کہ ابو عامر ہمارے پاس آئے اور ہمارے ساتھ نماز پڑھے[2]۔"

اس کے بعد بلاذری کی تیسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

"حضورؐ ان لوگوں کی اس درخواست پر کہ آپؐ مسجد قبا کی طرح

---

[1] فتوح البلدان۔ ج ۱، ص ۳، ترجمہ (اردو) سید ابو الخیر مودودی۔ دکن ۱۹۳۲ء

[2] ایضاً ص ۴۔ [3] ایضاً ص ۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد پہلے سے بنی ہوئی تھی اور آپؐ نے اس کو مزید استحکام بخشا۔ ویسے بھی یہ بات قرین صحت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جب اتنے عرصہ مہاجرین کی ایک جماعت قبا میں موجود تھی اور مہاجرین و انصار کی کافی تعداد وہاں موجود تھی تو وہ نماز کے لئے جو جماعت کے ساتھ ہی ادا کی جانی چاہیئے ایک جگہ کیسے منتخب نہ کرتے۔ یقیناً انھوں نے مسجد بنائی ہوگی خواہ اسکی نوعیت کچھ ہی ہو ممکن ہے بعد میں برکت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کسی چیز کا اضافہ کرا لیا ہو۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہماری مسجد میں بھی نماز پڑھیے۔ اُن کے یہاں تشریف لیجانے کے لیے اُٹھ رہے تھے کہ یہ وحی نازل ہوئی: "والذین اتخذوا ...... "

۱۲ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بروز جمعہ آپؐ قبا سے روانہ ہوئے بنو سالم کے محلہ میں پہنچے تو نماز کا وقت ہوگیا۔ آپؐ نے وہیں اُس مسجد میں جو وادیٔ رانونا میں بنی ہوئی تھی خطبہ دیا اور پہلے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ اس موقع پر حضورؐ نے جو خطبہ بیان فرمایا وہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے[1]

اہلِ یثرب (مدینہ) کو حضورؐ کی قبا سے روانگی کا علم ہوا تو وہ اپنے مقدس ترین مہمان اور اپنی عزیز ترین ہستی کے استقبال کے لئے ہتھیار سجا کر آبادی سے باہر نکل آئے اور تمام راستہ میں دو رویہ صفیں بنا کر کھڑے ہوگئے۔ بچوں اور بچیوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ بنو نجار کی معصوم بچیاں خوشی اور مسرت سے سرشار ہو کر دف پر یہ اشعار گا رہی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار ۔۔۔ یا حبذا محمد من جار

(ترجمہ) ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اچھے ہمسایہ ہیں۔

عورتیں بھی چھتوں پر چڑھی ہوئی اس منظر کو دیکھ رہی تھیں اور ان کی زبانوں پر یہ نغمۂ جانفزا جاری تھا۔

طلع البدر علینا ۔۔۔ من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ۔۔۔ ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا ۔۔۔ جئت بالامر المطاع

(ترجمہ) وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوگیا لہٰذا جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ اے وہ جسے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے تو ایسی چیز لایا ہے جس کی اطاعت کی جائے گی۔

---

[1] ابن ہشام ۱۴۶ ۔ تاریخ طبری حصہ اوّل ص ۱۴۴، ص ۱۴۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

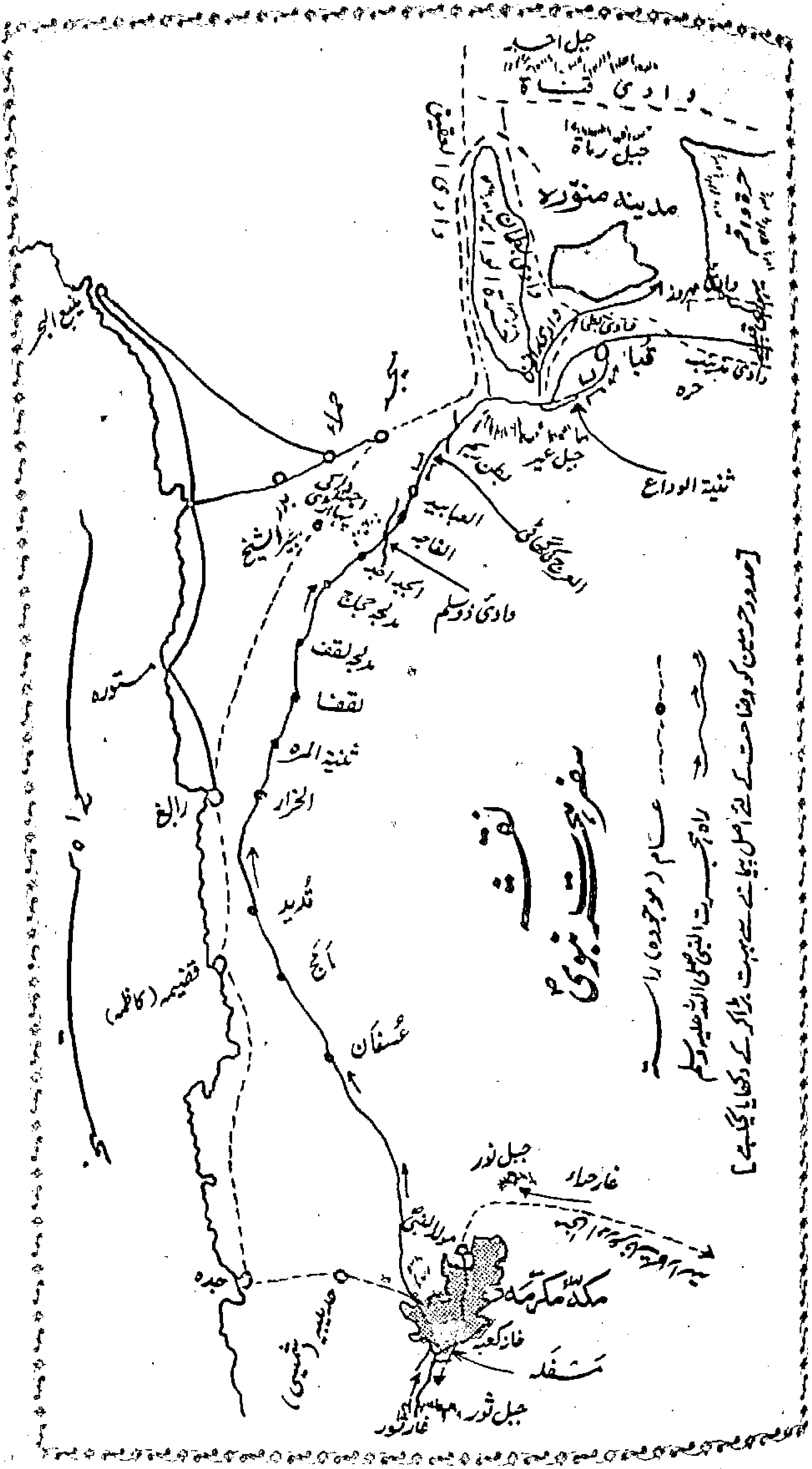

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ کے حاشیہ میں جو بحث کی ہے اس میں بتایا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف واقع ہے اور بخاری کی روایت کے مطابق یہ اشعار غزوۂ تبوک کے موقعہ پر پڑھے گئے لیکن نقشوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ثنیۃ الوداع قبا سے جبل عیر کی طرف جاتے ہوئے ایک گھاٹی[۱] ہے اور مدینہ کے جنوب میں واقع ہے۔ شبلی نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے کہہ دیا ہے کہ "ممکن ہے دونوں موقعوں پر یہ اشعار پڑھے گئے ہوں[۱]"۔ مگر غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضورؐ کا ثنیۃ الوداع سے گذرنا محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ فوجی نقل و حرکت اُس صُورت میں کبھی مدینہ کے شمال کی طرف سے ہوتی تھی جب جنوب کی سمت سے شہر میں داخل ہونا پڑتا تھا ایسی صُورت میں جب لشکر شام کی طرف سے واپس آرہا ہو تو جنوب کی جانب سے شہر میں داخل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر اشعار کے مفہوم سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شعر ہجرت کے موقع کے لئے ہی کہے گئے تھے۔ علاوہ ازیں غزوۂ تبوک ۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت تک پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے اور اُن پر سختی سے عملدرآمد ہو رہا تھا۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اجازت دیتے کہ عورتیں چھتوں پر چڑھ کر ترنّم ریزی کریں۔ اور غیر مردوں کو اپنی آواز سنائیں غرض زیادہ امکان یہی ہے کہ اشعار ہجرت کے وقت پڑھے گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فدائیوں کی قطاروں کے درمیان سے گذر رہے تھے۔ اور وہ سب آپؐ پر دیوانہ وار نثار ہوتے اور اپنا جان و مال اور گھر بار حضور[۲] کی خدمت میں پیش کرتے تھے آپؐ خوشی کا اظہار فرماتے دعائے خیر دیتے اور آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ شہر قریب آگیا۔ اب ہر خاندان کی یہ خواہش ہوئی کہ آپؐ ہمارے پاس قیام فرمائیں۔ آپؐ نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ میں اپنی ننہیال

---

[۱] سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۸ حاشیہ ۲   [۲] سیرۃ النبیؐ حصہ اول ص ۲۷۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بنونجار میں ٹھہروں" کا بھیر بنو نجار کے مختلف افراد میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کے گئے قرعہ ڈالا اور وہ حضرت ابوایوب انصاری کے نام نکلا۔ چنانچہ آپ ان کے مکان کے نیچے کی منزل میں فروکش ہوئے۔ یہ روایت صحیح مسلم کی ہے اور اس کی جو تصریح امام بخاری نے تاریخ صغیر میں کی ہے اس سے یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ" ابوایوب کے گھر اترنا قرابت داری کی وجہ سے تھا[1]

اونٹنی کے مامور ہونے اور محض حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ جانے کی بناء پر رسول اللہ کے انکے یہاں قیام فرمانے کی روایت کافی مشہور ہونے کے باوجود قرین صحت نہیں معلوم ہوتی۔[2]

حضرت ابوایوب انصاری کا اصل نام خالد تھا اور وہ بنو نجار کے ایک معزز فرد تھے۔ حضورؐ ان کے مکان پر سات ماہ قیام پذیر رہے تا آنکہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس سے ملحق آپؐ نے اپنے لئے حجرہ بنوالیا اور اسی میں منتقل ہو گئے۔

مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا۔ حضورؐ کے ہجرت کے بعد وہاں مقیم ہونے پر اس کو مدینۃ النبی (نبی کا شہر) کہا جانے لگا جو کثرت استعمال سے مدینہ ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد بھی ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک برابر جاری رہا خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابورافع کو اور حضرت ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو ۵۰۰ درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ وہ آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ اور صاحبزادیوں حضرت فاطمہ زہرہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو لکھا کہ وہ اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر آجائیں چنانچہ ان سب لوگوں نے ہجرت فرمائی دیگر مہاجرین

---

[1] ابن ہشام اور ابن سعد وغیرہ نے بھی اس توجیہہ کو اختیار کیا ہے۔ [2] سیرۃ النبیؐ حصہ اول حاشیہ ص ۲۷۹ [3] ابن سعد ص ۲۳۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں سے جو غزوہ خیبر تک مدینہ پہنچے۔ قابل ذکر حضرات میں سے سعیدؓ بن عامر بن خدیم، حجاج بن علاط اور عوفؓ بن مالک ہیں۔ عین غزوہ خیبر کے موقع پر مہاجرین حبشہ کا پورا قافلہ مدینہ میں وارد ہوا جس میں حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب بھی تھے۔ غزوۂ خیبر اور فتح مکہ کے درمیان جن حضرات نے ہجرت کی ان میں سے خاص خاص کے اسمائے گرامی یہ ہیں:
عمروؓ بن العاص، خالدؓ بن ولید، مغیرہؓ بن شعبہؓ، سلمہ بن اکوعؓ، ابو ہریرہؓ دوسیؓ، عبداللہؓ بن ابی اوفیؓ، ربیعہؓ بن کعب، سلیمانؓ بن حرد۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ چنانچہ حضورؐ نے اعلان فرمادیا:
لا هجرة بعد الفتح الا جهاد و نية (فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے[1])

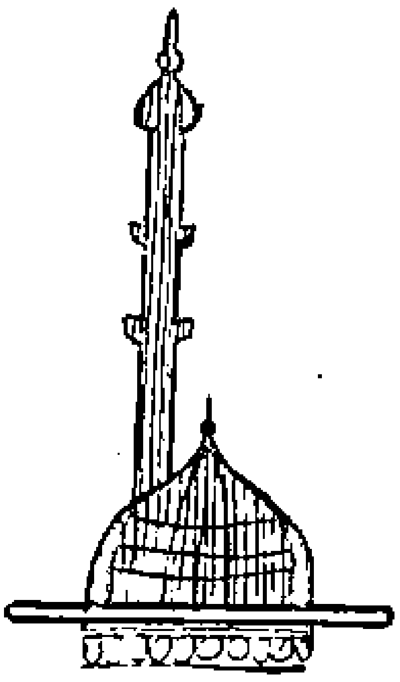

[1] مہاجرین حصہ اوّل۔ حاجی معین الدین، اعظم گڈھ بحوالہ بخاری۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نتائج وثمرات

نثار احمد

ہجرت مدینہ سے جو نتائج وثمرات سامنے آتے ہیں اس میں سے مندرجہ ذیل خاص ہیں۔

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ اسلام کا مرکز بنا اور ایک قصبہ کی معمولی حیثیت سے ترقی کر کے آٹھ نو سال کے اندر تمام عرب کا دارالسلطنت بن گیا۔ وہی اوس اور خزرج جو ہجرت سے قبل مال وجاہ کے اعتبار سے کوئی مرتبہ نہ رکھتے تھے۔ اب سلطنت اسلامیہ کے اعیان واکابر بن گئے اور ہر طرف سے فتوحات، غنائم اور تجارت کی برکات اس مرکزی شہر پر بارش کی طرح برسنے لگیں [1] اور اس کا پرانا نام "یثرب" بدل کر "مدینہ" ہو گیا۔

(۲) ہجرت عروج اسلام اور زوالِ کفر کا پیش خیمہ ثابت ہوئی کہ اس کے بعد اسلام مسلسل عروج پاتا رہا اور کفر دن بدن خوار وذلیل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں اسلام اور خیر واصلاح کا قلزم ناپیدا کنار سارے عرب پر محیط ہو گیا۔

(۳) ہجرت نے مسلمانوں میں ضعف کی جگہ قوت اور انفرادیت کی جگہ اجتماعیت پیدا کر دی اور کفار ومشرکین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ "اسلام ایک قوت ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے فرار نہیں ہوئے بلکہ انھیں در اصل ایک ایسی زمین درکار تھی جہاں وہ اپنی دعوت کی تخم ریزی کر سکیں۔

---

[1] تفہیم القرآن۔ ج: ۲، ص: ۲۲۸۔ مکتبۂ جماعت اسلامی ہند

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۴) ہجرت کے ذریعہ ایک مضبوط انقلاب کی بنیاد پڑی۔ یہ انفرادی و اجتماعی زندگی اور تصورِ دین میں ایک انقلاب تھا کیونکہ ہجرت کے بعد ہی دین کی تکمیل ہوئی۔ اسلامی معاشرہ تہذیب و تمدن اور اسلامی نظامِ زندگی استوار ہوا۔ اور تمام مسلمان "امتِ واحدہ" کی حیثیت اختیار کر گئے اس کے ساتھ ساتھ جاہلیت کے طور طریقے اور رسوم و رواج کو مٹا کر نئے سرے سے ہر شعبۂ حیات کی تنظیم کی گئی۔

(۵) ہجرت کے بعد اسلامی تقویم اور سنِ ہجری کا آغاز ہوا اور ہجرت تاریخ کا ایک اہم موڑ بن گئی۔[۱]

(۶) مدینہ "دارالاسلام" قرار پایا اور مسلمان ہر سمت سے سمٹ کر آنے لگے۔ اس سے نہ صرف اجتماعی قوت کا مظاہرہ ہوا اور بکھرے ہوئے مسلمان یک و تنہا کفر کے مظالم سے بچ کر محفوظ ہو گئے۔ بلکہ اس کے ذریعہ ایک نئے تصورِ قومیت کا اعلان بھی ہوا جس میں صرف ایک کلمۂ اسلام کو اصل اور بنیاد قرار دیا گیا۔[۲]

(۷) ہجرت کے بعد قریشِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان "حالتِ جنگ" (STATE OF WAR) قائم ہو گئی[۳] اور یہ اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ مکہ کی فتح مکمل نہ ہو گئی۔ یہ جنگ سیاسی عسکری اور معاشی، مذہبی اور ہر سطح پر لڑی گئی۔ جس میں بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پرستاروں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

---

[۱] "محمدیت" – ایک تاریخی جائزہ۔ گب۔ لندن سنہ ۱۹۴۹ء ص ۳ [۲] اسی وقت یہ حکم دیا گیا کہ اہلِ ایمان جہاں اور جس علاقے میں کفار سے دبے ہوئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کی آزادی نہیں رکھتے وہاں سے وہ ہجرت کریں اور دارالاسلام میں آجائیں اس وقت جو لوگ ہجرت کی قدرت رکھتے تھے اور پھر اس طرف اس لئے نہ آئے کہ انھیں گھر بار، اعزہ اقربا اور اپنے مفادات اسلام کی نسبت عزیز تر تھے وہ سب منافق قرار دیئے گئے۔ اور جو لوگ حقیقت میں بالکل مجبور تھے ان کو مستضعفین میں شمار کیا گیا۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۷۹)

[۳] محمدیت — مارگولیتھ۔ لندن سنہ ۱۹۲۸ء ص ۵۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۸) ہجرت سے معلوم ہوا کہ اصل چیز قوم، وطن اور ملک نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر وطنی اور جغرافیائی رشتے کو توڑ کر اللہ کی زمین میں پھیل جانا چاہیئے۔ اس مقصد اور لگن نے تاریخ کے ساتھ ساتھ جغرافیے کے ایک نئے تصور کو جنم دیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہجرت نے ایک عالمگیر برادری کے افراد کے ذہن کو جغرافیائی حد بندیوں سے بالاتر کر دیا۔ نیز ہجرت نے مسلمانوں کی اخوت کو اس لفظ کی معنویت کی معراج تک پہنچا دیا۔

(۹) مکہ میں تبلیغ و اشاعت اسلام نہ صرف محدود بلکہ تقریباً ناممکن بنتی جا رہی تھی لیکن ہجرت کے بعد اشاعت اسلام کی رفتار بتدریج بڑھتی چلی گئی اور وہ وقت آگیا جسے قرآن میں "یدخلون فی دین اللہ افواجاً"[۱] کہا گیا ہے۔

(۱۰) ہجرت کے بعد مسلمانوں کا ایک مضبوط سیاسی نظام قائم ہوا۔ اور ایک مکمل ریاست وجود میں آگئی۔

(۱۱) ہجرت کے بعد مسلمانوں کو معاشرتی استحکام نصیب ہوا۔ اور یہودیوں کے اثرات زائل ہو گئے۔

(۱۲) ہجرت سے بعض قانونی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ نیز اس سے چند دستوری دفعات کی بھی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) یہ اصول مقرر کیا گیا کہ "ولایت" کا تعلق صرف ان مسلمانوں کے درمیان ہوگا جو یا تو دارالاسلام کے باشندے ہوں یا اگر باہر سے آئیں تو ہجرت کر کے آئیں۔ باقی رہے وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدود ارضی سے باہر ہوں تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور قائم رہے گی لیکن ولایت کا تعلق نہ ہوگا۔ اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق ولایت نہ رہے گا جو ہجرت کر کے نہ آئیں۔ بلکہ دارالکفر کی رعایا ہونے کی حیثیت سے دارالاسلام میں آئیں

---

[۱] قرآن۔ سورۃ النصر۔ آیت ۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسی عدم ولایت کی بنا پر دارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں بن سکتے۔ باہم شادی بیاہ نہیں کر سکتے۔ اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارالکفر سے شہریت کا تعلق نہ توڑا ہو۔

(ب) دولتِ اسلامیہ کی ذمہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں، باہر کے مسلمانوں کے لیے کسی ذمہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے۔ یہی وہ بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ انا بریٔ من کل مسلم بین ظهر المشرکین یعنی میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت وحفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔

یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ اس رشتے سے خارج ہونے کے باوجود وہ اپنی اخوت کے رشتے سے خارج نہیں ہیں۔ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالاسلام کی حکومت اور باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ ان مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔[1]

---

[1] اس نکتہ کی پوری تفصیل تفہیم القرآن (ج ۲ ص ۱۶۰ تا ۱۶۲) سے ماخوذ و ملخص ہے اور سورہ انفال آیت ۷۲ کے سلسلۂ کلام میں آئی ہے (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ ششم

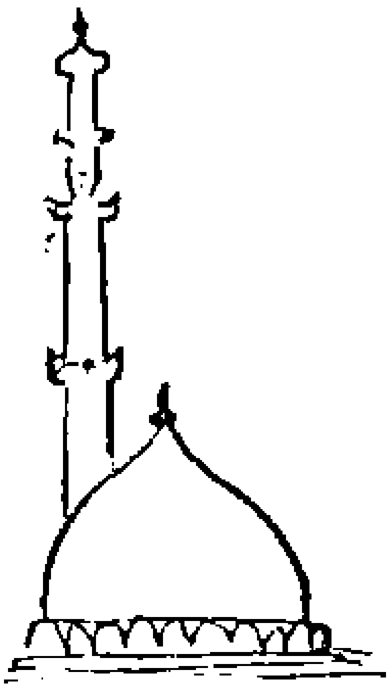

مدینہ طیبہ میں!

"اے اللہ! جس طرح مکہ کو تو نے ہمارے لئے عزیز بنایا تھا اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ مدینہ کو ہمارے لئے محبوب بنا دے اور اس کی آب و ہوا کو درست فرما دے اور ہمارے لئے برکت عطا فرما۔" (ترمذی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

○ لبساطِ سیاست پر
○ میدانِ کارزار میں
○ عرب ۔ اسلام کے سائے میں
○ حجۃ الوداع
○ آخری لمحات

ا/ ڈاکٹر امیر حسن صدیقی
ا/ ثنا الحق صدیقی
ا/ ڈاکٹر محمد سلیم
ا/ نثار احمد
ا/ چودھری افضل حق

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

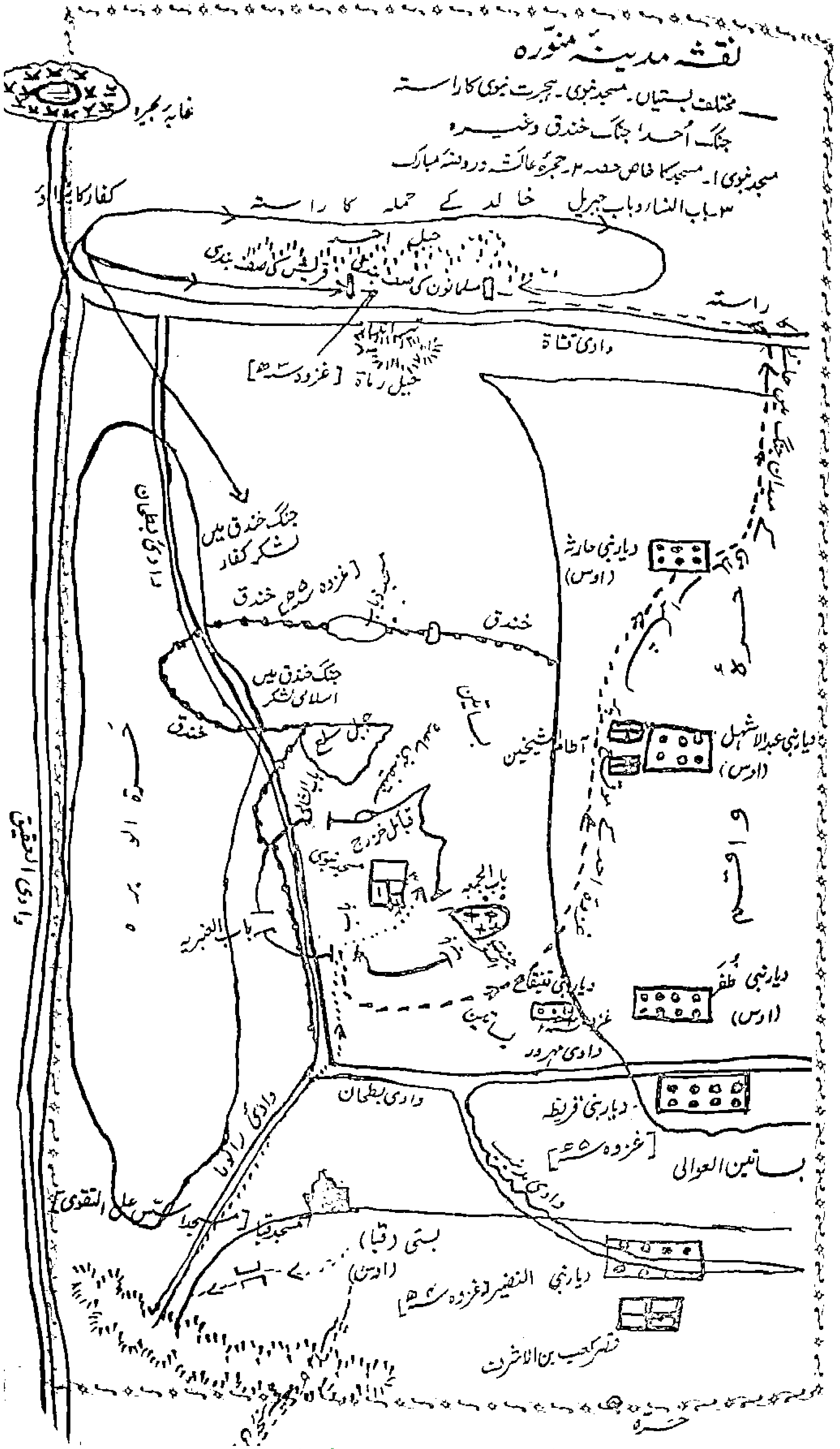

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بساطِ سیاست پر

ڈاکٹر امیر حسن صدیقی

نثار احمد

[1] ہجرتِ مدینہ سے کچھ پہلے ۱۳ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی دو سربرآوردہ مخالف جماعتوں اوس و خزرج کے مسلمان سرداروں سے عقبہ[2] کے مقام پر ایک معاہدہ[3] فرمایا تھا۔ ان سرداروں نے آپ کو اپنے شہر مدینہ (یثرب) آنے کی دعوت دی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اسلامی احکام کا اتباع کریں گے نیز تمام دشمنوں سے، خصوصاً قریش سے مقابلہ میں آپ کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

لیکن یہ معاہدہ یکطرفہ نہ تھا۔ دوسری طرف سے مذکورہ سرداروں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ لیا کہ آپ نہ تو انہیں چھوڑیں گے اور نہ مکہ واپس آئیں گے۔ چنانچہ

---

[1] یہ مضمون کتاب "اسلامی ریاست ایک تاریخی جائزہ" (کراچی ۱۹۶۶ء) سے ماخوذ (ص ۳۳ تا ۵۱) ہے۔ ڈاکٹر صدیقی کی انگریزی عبارت کا ترجمہ نیز اضافہ جات اور حواشی مرتب کے قلم سے ہیں۔

[2] عقبہ اصل میں پہاڑی راستے یا گھاٹی کو کہتے ہیں۔ منیٰ کے قریب راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار ہے۔ مکے سے جائیں تو حدودِ منیٰ شروع ہونے سے بمشکل ایک فرلانگ قبل بائیں ہاتھ پر اس پہاڑی دیوار میں ایک چھوٹا سا کھمار ہے جو نصف دائرہ کی شکل کا ہے یہ مقام عقبہ کہلاتا ہے۔ اس کے اندر ایک بہت بڑا کنواں ہے اور اندر آجکل زراعت بھی ہوتی ہے۔ اور جس مقام پر بیعت ہائے عقبہ ہوئی تھی وہاں ایک کافی بڑی مسجد بھی ہے (عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ دکن ۱۹۴۵ء۔ ص ۷)

[3] اشارہ ہے بیعت عقبہ کی طرف جو ۱۳ نبوی میں اہل مدینہ نے حضور کے ہاتھ پر فرمائی۔ اہل مدینہ کا یہ گروہ ۷۳ مردوں اور ۲ عورتوں پر مشتمل تھا۔ یہ معاہدہ ایام تشریق کی درمیانی راتوں میں سے ایک رات کے تہائی حصہ گزرنے کے بعد عقبہ پر ہوا (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۱: ۴۴۲، ۴۴۳۔ الجزء الاول۔ مصر ۱۹۵۵ء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرائط کو قبول کیا اور فرمایا[۵۴] "نہیں! میری موت اور زندگی تم سے وابستہ ہے۔ تم میرے ساتھ ہو اور میں تمہارے ساتھ ہوں میں اسی سے لڑوں گا جس سے تم لڑو گے اور میں اسی سے صلح کروں گا جس سے تم دوستی کرو گے۔ اس پر مدینہ کے ان تمام لوگوں نے جو عقبہ کے مقام پر موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ان الفاظ میں بیعت کی :۔

"ہم عہد کرتے ہیں کہ ہر حال میں سمع و اطاعت سے کام لیں گے۔ خواہ تنگی ہو یا فراخی اور چاہے خوشحالی ہو یا مصیبت آن پڑے۔ اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں سچ بولیں گے۔ نہ تو کسی سے خوف کھائیں گے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کریں گے"[۵۵]

یہ بیعت عقبہ دراصل اس اسلامی ریاست کے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جسے مدینہ میں پہنچ کر آپ نے قائم فرمایا۔ اور یہی وہ معاہدہ عمرانی[۵۶] تھا جس کے ذریعہ اہلِ مدینہ نے اللہ کے برگزیدہ رسول کو اپنا حاکم اور رہنما تسلیم کر لیا پھر ان ہی کی دعوت پر آپ مدینہ تشریف لے گئے اسلام کی تاریخ میں یہ ایک انقلابی موقع تھا۔ اہلِ یثرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب، اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے اور یثرب اپنے آپ کو "مدینۃ الاسلام" کی حیثیت سے پیش کر رہا تھا۔

اس وقت مدینہ کا حال یہ تھا کہ سیاسی اعتبار سے وہاں نراجی کیفیت طاری تھی کوئی منظم حکومت، باقاعدہ حکمراں یا سیاسی قانون و ضابطہ نہ تھا۔ وہی قبائلی نظام جو عرب

---

۵۵ ایضاً ص ۴۵۴

۵۶ "معاہدہ عمرانی میں ہر ایک مشترک طور پر اپنی ذات اور اپنی تمام قوت کو ارادہ اجتماعی کے حوالے کرتا ہے اور اس کے عوض ہر فرد کل کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔" (معاہدہ عمرانی۔ ژاں ژاک روسو ترجمہ ڈاکٹر محمود حسین، کراچی ۱۹۶۴ء ص ۵۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی خصوصیت تھی وہاں بھی منتقل تھا۔ ہر قبیلہ پوری طرح اختیار خود انتظامی کا مالک اور اپنے داخلی معاملات میں آزاد تھا۔ نیز وہاں کوئی ایسا انتظامی ادارہ بھی موجود نہیں تھا جس کے تحت مختلف قبائل کو باہم متحد کیا جا سکتا۔ قبائل میں سے اوس و خزرج خاص تھے لیکن اصل زور یہودیوں کا تھا۔ اوس اور خزرج نے[1] اپنی باہمی لڑائیوں[2] میں نہ صرف اپنی قوتیں ضائع کر چکے تھے بلکہ معاشی اعتبار سے یہودیوں کے دست نگر بن گئے سیاسی اعتبار سے بھی یہودیوں کی بالادستی قائم تھی۔ اس لئے عام چلن یہ تھا کہ کچھ عرب قبائل تو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں یہودیوں[3] کی حمایت حاصل کر لیتے اور کچھ اس کے برعکس مخالف قبائل سے مدد لیتے تھے۔ بس پھر جنگ کا بازار گرم ہو جاتا اور صدیاں اسی میں بیت جاتیں۔ مگر اس دشمنی اور خونریزی کے لامتناہی سلسلے نے عوام الناس کو حالات سے بالکل بیزار بنا دیا تھا اور وہ تبدیلی چاہتے تھے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے کچھ پہلے مدینہ کی آبادی کا بڑا حصہ یہودی سردار عبداللہ بن ابی کو تاجدار بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور دوسری طرف اوس و خزرج قریش کی مدد و اعانت کے لئے ان سے حلیف بننے کی درخواست کر رہے تھے جسکو سردارانِ قریش نے ناقابلِ التفات سمجھ کر رد کر دیا تھا۔

(۲)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ آپ وہاں اپنے تمام جانثاروں کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کے لئے جمع ہو سکیں نیز ان لوگوں

---

[1] اوس اور خزرج بارہ قبائل میں بٹے ہوئے تھے جبکہ یہودیوں کے دس قبیلے تھے۔

[2] آخری جنگ "جنگِ بعاث" تھی۔

[3] عہدِ رسالت میں یہودی عرب کے مختلف حصوں میں آباد تھے اُن کی بستیوں کا سلسلہ زنجیرہ کی شکل میں پھیلا ہوا تھا جو ایلہ دعقبہ، مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیماء، فدک، مدینہ، اور طائف وجرش سے لیکر عمان و بحرین تک پھیلا ہوا تھا۔ مدینہ میں ان کی آبادی بہت قدیم تھی۔ ان کے مختلف قبائل تھے اور ان میں اختلافات پائے جاتے تھے اس بنا پر باہم خونریزی بھی ہوتی تھی۔ ان کے تین قبیلے بہت بڑے اور اہم تھے جو مدینہ کے جنوب مشرق میں آباد تھے یعنی بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ دیکھیے۔ The Historian's History of The world - ج ۸ ص ۲۹۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو اخوت، مساوات، حریت، اور معاشرتی عدل کی تعلیم دیکر اس نظریاتی ریاست کو چلانے کیلئے تیار کرنا چاہتے تھے۔ مسجد کے ادارہ کو نہ صرف مذہبی اہمیت عطا کی گئی بلکہ اسکے ساتھ ساتھ سیاسی اعتبار سے بھی اس کا مقام متعین کیا گیا۔ اسلامی نظریہ کی تعلیم اور اس کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لئے جن پر اسلامی ریاست کو قائم کرنا تھا مسجد انتہائی ضروری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد[1] کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا آپ نے تمام مسلمانوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔ تاکہ ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو کر امامت واقتدار کا فرق سمجھ سکیں۔ اور نظم واطاعت کا درس حاصل کر سکیں۔ مدینہ کی اس مرکزی مسجد میں حضورؐ خود جلوہ افروز ہوتے اور دوسری مساجد میں آپ کے مقرر کردہ ایسے امام تھے جو علم وفضل اور اخلاق وکردار کے اعلیٰ نمونے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد بعد مسجد کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ یہ ثقافتی مرکز بھی بن گئی جہاں مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے عام امور کی تعلیم دیجاتی۔ مدرسہ اور درسگاہ بھی تھی اس میں تمام اہم قومی معاملات کو بھی طے کیا جاتا تھا سارے جنگی ودفاعی صلاح مشورے بھی وہیں ہوتے تھے۔ مسجد مسلمانوں کا دار الشوریٰ، پارلیمنٹ ہاؤس، مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے وفود کی اجتماع گاہ اور مہمان خانہ بھی بن گئی۔ مقدمات تنازعات کا فیصلہ اور تصفیہ بھی یہاں ہوتا تھا۔ بہر حال یہ مسجد کی وہ ہمہ گیر حیثیت ہے جس نے مسلمانوں کی تربیت وتنظیم میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

دوسرا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا وہ مہاجرین وانصار کے درمیان

---

[1] مدینہ پہنچ کر تو مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ مدینہ سے پہلے بھی جب آپکا قیام قبا میں تھا اسوقت بھی وہاں خاندان عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدام کی ایک افتادہ زمین پر جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اسلام کی سب سے پہلی مسجد کی بنیاد آپ نے رکھی اور نماز ادا فرمائی (ابن ہشام)۔ اسی مسجد کی تعریف قرآن نے کی ہے۔ (توبہ۔ ۱۳) قبا میں آپ کا قیام (تقریباً چار دن) بہت مختصر رہا لیکن اسکے باوجود مسجد کی تعمیر کی جو بہت اہم اور بڑی معنی خیز بات ہے اور اس سے مسجد کی عظمت وافادیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مواخاۃ[1] کا قیام تھا کیونکہ قرآنی ہدایت کے مطابق "تمام ایمان والے بھائی بھائی ہیں"[2]۔ پھر چونکہ اسلام پوری انسانیت کے لئے اخوت کا پیغام ہے اس لئے رسول نے اس برادری کا آغاز اس طرح کیا کہ پہلے تو ان تمام امتیازات کو محو کر دیا جو اہل مدینہ نیز اوس و خزرج کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔ پھر تمام مسلمانوں کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی۔

اس بھائی چارے کی وجہ سے ایک طرف تو انصار کا وقار اور ان کا مرتبہ بلند ہو گیا اور دوسری طرف مہاجرین کو نہ صرف مالی لحاظ سے ایک گونہ خوشحالی اور آسودگی میسر آئی بلکہ ان کی آبادکاری کا مشکل مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ کیونکہ تقریباً ڈیڑھ سو مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور ان کو بسانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ آپس میں سگے بھائیوں سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی محبت خاندانی و قبائلی عصبیت سے پاک صرف خدا کے لئے تھی انصار تو اس بات پر بھی رضامند تھے کہ اپنی تمام دولت و جائیداد وغیرہ میں مہاجرین بھائیوں کو برابر کا شریک رکھیں گے لیکن خود مہاجرین اپنے انصار بھائیوں پر بار بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انھوں نے جلد ہی ان کی مدد سے اپنے آپ کو مختلف مشاغل میں مصروف کر لیا اور اس طرح نہ صرف وہ خوشحال ہو گئے بلکہ اس نوخیز بستی میں فارغ البالی کا دور دورہ ہو گیا۔

---

[1] مواخات ۱ھ میں ہوئی۔ اس میں نوے (۹۰) آدمی تھے (جن میں عقد مواخاۃ ہوا) پینتالیس (۴۵) مہاجرین اور ۴۵ انصار میں سے تھے۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آیت (واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شیء علیم) نازل فرمائی تو اس آیت نے ماقبل حکم کو منسوخ کر دیا۔ میراث کے بارے میں مواخاۃ ختم ہو گئی اور ہر انسان کی میراث اس کے نسب ورثہ و ذو رحم کی طرف لوٹ گئی۔ (الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۱ ص ۲۳۸۔ بیروت ۱۹۵۷ء) مواخاۃ کے بارے میں یہ بات قابل غور ہے کہ عام طور پر مورخین نوے آدمیوں کے درمیان مواخاۃ کا اتفاق قرار دیتے ہیں جن میں سے انصار و مہاجرین کی برابر برابر آدھی تعداد ہے۔ حالانکہ مواخاۃ کی فہرست میں ایک تو یہ بات نظر آتی ہے کہ مواخاۃ ایک ایک مہاجر اور انصار کے درمیان ہونے کے علاوہ مہاجر اور مہاجر کے درمیان بھی ہوئی ہے۔ مثلاً خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کا معاملہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں بعض ایسے نام بھی نظر آتے ہیں جن کا ہونا تعجب انگیز ہے مثلاً جعفر طیارؓ جو بہت بعد کو حضورؐ سے آکر ملے یا حضرت سلمان فارسیؓ جنھوں نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا تیسرے یہ کہ مہاجرین کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن اس میں صرف پینتالیس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

[2] الحجرات آیت ۱۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان مسائل کے حل ہو جانے کے بعد ابھی مشکلات کے ایسے پہاڑ باقی تھے جن کی تسخیر آسان نہ تھی۔ اور حالات آپ کے کاندھوں پر ایسا بوجھ ڈال دیا تھا کہ جسے پچھلے انبیاء بھی متحمل نہ ہوئے تھے یعنی آپ کو انتشار میں سے نظم پیدا کرنا تھا، ضعف و کمزوری میں سے طاقت حاصل کرنا تھی اختلافات میں سے اتحاد کو نکالنا تھا اور موت میں سے زندگی کو جنم دینا تھا۔

اب جو اہم اور پیچیدہ امور حضور کی فوری توجہ کے مستحق تھے ان میں سے ایک تو اسلامی جماعت کی سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے کا مسئلہ تھا اور دوسرے یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم عناصر سے معاہدات یا باہمی حفاظت کے لئے صلح نامہ وغیرہ۔ نیز مدینہ کے نظم و نسق اور اس کی حفاظت و مدافعت کا معاملہ تھا اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اس نوزائیدہ اسلامی معاشرہ کی حفاظت و بقاء کے لئے ناگزیر اور تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ پھر مدینہ کے مخصوص نزاعی حالات بھی اس امر کے متقاضی تھے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مدینہ میں آمد کے چند ماہ بعد ہی آپ نے ایک منشور مرتب فرمایا جس سے نہ صرف مدینہ ایک مکمل شہری ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا بلکہ اس کے ذریعہ اللہ کے نبی نے تمام منتشر و متفرق عربوں کے درمیان بالعموم اور مدینہ والوں کے لئے بالخصوص اتحاد و رسالت کی بے پناہ کوششیں کیں اور ایسے لوگوں کو جو نہ کبھی کسی قوت قاہرہ کے سامنے جھکے تھے اور نہ جنھوں نے کسی مرکزی نظم و اقتدار کا جوا اپنے گلے میں ڈالا تھا۔ ایک قانون، ایک خدا اور ایک ہی قبیلہ پر متفق و متحد کر دیا۔ پھر جہاں تک شخصی حقوق کا تعلق ہے اس سلسلے میں "منشور مدینہ" ایک انقلابی اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ پہلے جو حق کسی فرد یا اس کے خاندان کو حاصل تھا وہ اب ایک عوامی معاملہ بن گیا اور اس طرح ایک طرف تو قبائلی طوائف الملوکی کا خاتمہ ہو گیا اور دوسری طرف صحیح معنی میں ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑ گئی۔ نیز تمام انتظامی، قانونی اور فوجداری اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو گئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میثاق مدینہ کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حصہ (جس میں ۲۳ دفعات ہیں) مہاجرین وانصار سے متعلق ہے۔ اور دوسرا حصہ یہود مدینہ کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے۔ منشور میں یہ بات صاف صاف ہے کہ آپ ﷺ کا فیصلہ قطعی ہوگا اور آپ ہی آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت رکھیں گے۔ جہاں تک مہاجرین وانصار کا تعلق ہے ظاہر ہے اس دفعہ میں نہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ لیکن یہود جو عربوں پر ثقافتی تفوق و برتری رکھتے تھے ان کا اس دفعہ کو قبول کر لینا بلاشبہ سیاست نبوی ﷺ کا ایک اعجاز ہے۔

دستور کے اہم نکات یہاں اس منشور کا مختصر سا جائزہ[1] بے محل نہ ہوگا۔

منشور کے ابتدائی حصہ میں جو سیاسی ہیئت ہمارے سامنے ابھرتی ہے وہ مہاجرین مکہ انصار مدینہ اور ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اس بات کا اقرار کر چکے تھے کہ وہ ان کا (حضور ﷺ ومسلمانوں کا) ساتھ دیں گے اور ان کے دشمنوں سے جدال و قتال کریں گے یہ سیاسی تنظیم اس طرح معاہدہ کے ساتھ وجود میں آئی تھی کہ اس کے تمام شرکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کریں گے علاوہ ازیں اس سیاسی بلاک کو اپنے اندرونی اختلافات کے باوجود ایک "وحدت" کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ جو دنیا کے تمام سیاسی معاشروں سے ممتاز و مختلف ہو۔

اس منشور کی رو سے مسلمانوں کے مختلف عناصر کو حقوق و فرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھا گیا۔ صلح و جنگ کے معاملات کو مشترکہ معاملہ قرار دیا گیا۔ ہر ایک صلح و جنگ میں ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ فوجی خدمت سب کے لیے ضروری قرار دی گئی۔ یہ طے کیا گیا کہ حفاظت کی ضمانت دینا ہر فرد کا حق ہے خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ اور معمولی سے معمولی

---

[1] تفصیلی مباحث کیلئے ملاحظہ ہو (۱) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ج ۱ ص ۷۶ تا ۱۱۲۔ مکتبہ ابراہیمیہ دکن۔ بار دوم (۲) سیاسی وثیقہ جات، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ترجمہ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی ص ۱۹ تا ۲۰۔ لاہور ۱۹۶۰ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آدمی کا کیا ہوا معاہدہ سب پر لازم ہوگا۔ اور یوں اس سیاسی نظام میں اخوت، مساوات اور حریت کا دور دورہ ہو گیا۔

جہاں تک لوگوں کی حفاظت اور مدافعت کا تعلق ہے۔ منشور کی روشنی میں قریش مکہ کو کسی حالت میں پناہ نہیں دی جائے گی اور یہ بات طے کر دی گئی کہ قریش کے خلاف مسلمانوں کی پیشقدمی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا کیونکہ قریش نے مسلمانوں پر بڑے سخت مظالم توڑے ہیں۔

• اس کے ساتھ ساتھ کہ ہر معاملہ میں آخری عدالت مرافعہ آپؐ کی ذات ہو گی۔ منشور میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ قرضہ کی ادائیگی قرضدار کے متعلقین کے ذمہ ہوگی۔ قبائل کو بھی اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ وہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو دشمن کے چنگل سے چھڑائیں گے۔

• جہاں تک انصار کا تعلق ہے ان کے قبائل گنے چنے تھے۔ انہیں اسی شکل میں تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ اب تمام مہاجرین کو بھی عدالتی اور دوسرے معاملات میں ایک قبیلہ کی حیثیت دے دی گئی۔

• نظام عدالت اب ایک شخص یا اس کے قبیلہ کا معاملہ نہ رہا بلکہ ایک اجتماعی اور معاشرتی معاملہ بن گیا۔ عدالتی اختیارات کو مرکزیت دے دی گئی تھی۔ یہ فی الحقیقت ایک انقلابی قدم تھا جس سے انصاف اور غیر جانبداری کی ارزانی ہوگئی اور جانبداری کی تمام راہیں مسدود ہوگئیں۔ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی اس امر کے ذمہ دار تھے کہ نہ کوئی شخص کسی پر دست درازی کرے اور نہ کسی کی حق تلفی ہو۔

مدینہ کے منشور کا دوسرا حصہ یہودیوں سے متعلق تھا۔ جس میں تمام یہودی ایک جماعت کی حیثیت سے وفاقی طرز کی شہری ریاست مدینہ سے منسلک تھے اس حصہ کی پہلی اہم دفعہ یہ تھی کہ اگر کسی جنگ کے موقع پر یہود اور مسلمان اشتراک کریں گے تو وہ اپنے خرچ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ذمہ دار ہوں گے اور دونوں اپنے مذہب کی اتباع میں آزاد رہیں گے۔ تمدنی و اقتصادی معاملات میں یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے جائیں گے۔ اس طرح جہاں تک دفاع کا تعلق ہے۔ یہودی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے حلیف بن گئے۔ یعنی اب جن سے مسلمان لڑیں گے ان سے یہود لڑیں گے اور جن سے یہود صلح کریں گے ان سے مسلمان بھی صلح کریں گے۔ علاوہ ازیں یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مدینے کی حفاظت میں بھی حصہ لینا پڑے گا۔ اگر مسلمانوں پر کوئی جارحانہ کارروائی کرے گا تو یہود مسلمانوں کی مدد کریں گے (اسی طرح دیگر مسلمان ان کی مدد کریں گے) البتہ خالص مذہبی جنگوں (جہاد) میں یہودی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ایک اور دفعہ کے تحت یہ طے پایا کہ یہودی قریش یا ان کے حلیف کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ غرض اس طرح دفاع کا معاملہ مرکزی ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب (مسلمان اور یہودیوں کی) متحدہ افواج کے بھی سربراہ ہو گئے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی طور پر ان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ اور ان تمام رسمی اداروں کو برقرار رہنے دیا جو پرانے زمانے سے ان کے ہاں چلے آرہے تھے۔ مثلاً فدیہ دیت، پناہ اور حلیف وغیرہ۔ اس پالیسی نے یہودیوں کو بڑا متاثر کیا۔ ان کی ساری غلط فہمیاں اور خدشات دور ہو گئے اور انھوں نے برضا و رغبت اپنے معاملات میں بھی آپؐ کو آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا یوں جنگ و صلح کی طرح انصاف و عدالت کا ایک مرکزی نظم قائم ہو گیا۔ رشتہ ناطہ کی بنا پر مداخلت ممنوع قرار پائی اور زمانہ جاہلیت کے تمام آثار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب صورت یہ ہو گئی کہ یہودی نہ صرف حضور کو حکمران تسلیم کر چکے تھے۔ بلکہ انہوں نے مدینہ کو ایک حرم بھی مان لیا تھا۔ یہ حضورؐ کی ایک اور عظیم الشان سیاسی فتح تھی یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابتداء میں یہودیوں نے اہل مکہ سے جنگ کے موقع پر غیر جانبداری

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اختیار کئے رکھی لیکن کچھ ہی عرصے بعد انھوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالی ظرفی سے کام لیتے ہوئے دوستانہ تعلقات کو برقرار رکھا اور ان کو صرف اس وقت سزائیں دیں اور مدینہ سے بےدخل کیا جب انھوں نے بالکل واضح اور کھلی ہوئی بغاوت کا ثبوت دیا۔[۵۶]

۴۔ مدینہ کے دفاع اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اندرونی استحکام کے ساتھ ساتھ پڑوسی قبائل سے بھی دوستانہ تعلقات استوار کئے جائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ مغربی علاقوں اور سرحدی اضلاع کا دورہ فرماتے ہیں۔ اور وہاں کے بسنے والے قبائل سے معاہدات کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں مذکورہ قبائل اور مسلمان دفاع کے معاملہ میں باہم حلیف بن گئے۔ بعض معاہدات میں دوسرے فریق نے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا۔ غرض اس طرح مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے دشمنی کے بجائے زیادہ سے زیادہ دوستی کرنے کے لئے آپ نے کوششوں میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔

بہر حال مکہ کی طرف سے مطمئن ہونے اور یہودیوں کو مدینہ سے بےدخل کرنے کے بعد آپ نے قریش مکہ سے ۱۰ سال کے لئے ایک معاہدہ فرمایا تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت بڑے پیمانہ پر کی جاسکے۔ مکہ والوں کے ساتھ آپ کا یہ معاہدہ صلح حدیبیہ[۵۷] کے نام سے موسوم ہے یہ صلح مسلمانوں کے لئے فتح مبین ثابت ہوئی۔ جیساکہ خود قرآن میں[۵۸] اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صلح حدیبیہ نہ صرف یہ کہ حضور کے رویائے صادقہ کی تعمیل تھی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی یہ واقعہ اسلام کی آئندہ تمام کامیابیوں کا مقدمہ ہے۔ یہ ایسا اہم موڑ ثابت ہوا جس نے حالات کے دھارے کو پلٹ دیا۔ اس صلح کے ذریعہ حضور نے ایک طرف تو اپنے ایک سخت

---

۵۶ بدعہدی کا ارتکاب سب سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد سنہ ۲ھ میں بنو قینقاع نے کیا (ابن ہشام ج ۲۔ ص ۴۷ تا ۵۰ مصر ۱۹۵۵ء) بنو قینقاع کے بعد بنو نضیر نے عہد شکنی کی نتیجتاً انکا اخراج سنہ ۴ھ میں ہوا (ایضاً ص ۱۹۰ تا ۱۹۲) آخیر میں سب سے شریر قبیلہ بنو قریظہ کا (سنہ ۵ھ میں) استیصال کیا گیا۔ (مرتب)

۵۷ صلح حدیبیہ ذی قعدہ سنہ ۶ھ میں ہوئی۔ ۵۸ سورۂ فتح آیت ۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دشمن قریش کو خاموش کر دیا اور دوسری طرف خیبر کے اہم یہودی محاذ کو ایک ہی حملہ میں توڑ ڈالا۔ اس معاہدہ نے بین الاقوامی تعلقات کی راہ استوار کر دی۔ اس کے بعد آپ نے مختلف ایالات و امصار میں اپنے سفراء بھیجے اور سلاطین کو خطوط لکھے۔ عرب کے قبائل کو آزادی حاصل ہو گئی کہ ان میں سے جو بھی چاہے حکومت مدینہ کا ساتھ دے پھر جنگوں سے ایک حد تک فراغت پا کر مسلمانوں کو اپنی تربیت و کردار سازی کا موقع حاصل ہوا۔ نیز اس معاہدہ کی وجہ سے آپ کو اندرون و بیرونِ عرب میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا بہترین موقع مل گیا مسلمانوں اور مشرکین مکہ و عرب کے درمیان ہر طرح کے میل جول کے راستے کھل گئے۔ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ اسلام کی آواز گھر گھر پہنچنے لگی۔ وفود پر وفود آنے لگے پھر کچھ عرصہ بعد مکہ والوں کی صلح شکنی کے نتیجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولدِ وطن کی "پرامن فتح" کا موقع مل گیا۔ یہ کام ۸ھ تک پورا ہو گیا۔ فتح مکہ دراصل وہ آخری قدم تھا جس کے بعد آپ اپنی حکمرانی میں پورے جزیرہ نمائے عرب کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس طرح آپ نے اپنی زندگی میں ہی اسلامی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر قائم فرما دیا۔

(۳)

اب ہم ریاست اسلامی کی نوعیت اور اس کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ریاست کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد معاہدہ عمرانی پر رکھی گئی تھی۔ تاریخ عالم میں ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا کہ فی الواقع اس معاہدہ کی بنیاد پر کوئی ریاست قائم ہوئی ہو۔ البتہ اس کی صرف ایک مثال موجود ہے اور وہ حضور کی قائم کردہ اسلامی ریاست ہے جس کی بنیاد "بیعت عقبہ" کی صورت میں مکہ کی سرزمین پر ۱۳ نبوی میں رکھی گئی۔ اس معاہدہ کی رو سے اہل مدینہ نے برضا و رغبت آپ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ یہ اس بات کا صاف اظہار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی قائم کردہ اسلامی ریاست لوگوں کی باہمی رضامندی کا نتیجہ تھی۔

۲۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسی ریاست تھی جس میں اقتدارِ اعلیٰ کا سرچشمہ خدا کی ذات تھی۔ اصل حاکمیت اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہ تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ خدا ہونے کی حیثیت سے قرآنی احکام و ہدایات کی روشنی میں اس ریاست کے انتظام و انصرام کے ذمہ دار تھے اس میں شک نہیں کہ آپ مہبطِ وحی اور شارحِ وحی تھے لیکن پھر بھی آپ نے اس کے نفاذ و عمل سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ بلکہ آپ تو سب سے پہلے ان احکامات پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔ انا اول المومنین[19] اور انا اول المسلمین[20] کا ارشاد اس کو واضح کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے خود اپنے ہی خلاف متعدد بار لوگوں کو دعوت دی کہ اگر ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہو تو اس کا بدلہ لے لیا جائے[21]۔

۳۔ حضورؐ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک نظریاتی اور دستوری ریاست تھی اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ نے ہجرت کے بعد جب ریاست اسلامی کی تاسیس فرمائی تو اس کے ساتھ ہی سلہ ھ میں تحریری "دستور" بھی مرتب فرمایا جس میں واضح طور پر پوری ریاست میں بسنے والے تمام عناصر کے درمیان حقوق و فرائض کی واضح تعین و تقسیم کر دی گئی۔ اور یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا جو دنیا کی کسی مملکت میں نافذ کیا گیا۔

اس ریاست کا دوسرا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ ایک اصولی و نظریاتی ریاست تھی کیونکہ اس کی بنیاد نہ نسل، وطن پر تھی۔ نہ رنگ و زبان پر اور نہ محض معاشی یا سیاسی اشتراک

---

[19] ملاحظہ ہو سورہ اعراف۔ آیت ۱۴۳۔ (میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں)۔
[20] ملاحظہ ہو سورہ انعام۔ آیت ۱۶۳۔ (میں سب سے پہلے تابعداری کرنے والا ہوں)۔
[21] اس کی تفصیل احادیث میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل آپؐ نے ایک مجمع عام میں یہ اعلان فرمایا کہ "اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان، مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال اور آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔" مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے اس کو جنم دیا تھا بلکہ وہ اسلامی نظریہ حیات کی علمبردار، قرآنی اصولوں کی حامل اور منبع ہونے کے علاوہ اس کی طرف تمام انسانوں کو دعوت دینے والی تھی اور اس آیت کی علمبردار تھی۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ (حج - ۴۱)

(یہ مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں زمین میں صاحب اقتدار کر دیا تو وہ نماز قائم کریں گے۔ ادائے زکوٰۃ میں سرگرم ہوں گے۔ نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

اس طرح یہ ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے اور اس کی اصل ذمہ داری اصول ونظریات کی سربلندی ہے جسے قائم کرنے کے لئے یہ وجود میں لائی جاتی ہے۔

۴۔ دین وسیاست کا حسین امتزاج اس ریاست کی چوتھی خصوصیت ہے۔ اسلام چونکہ مکمل دین ہے اور امور دینی و دنیاوی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اس نے تفصیلی ہدایات نہ دی ہوں۔ خواہ اس کا تعلق معیشت سے ہو یا معاشرت سے تہذیب سے ہو یا تمدن سے، سیاست سے ہو یا عدالت سے اس لئے اس ریاست میں تمام معاملات کو الٰہامی ہدایات کے مطابق انجام دیا جاتا تھا۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ ریاست تھے تو دوسری طرف اشاعت اسلام، نمازوں کی امامت، ولایات کی تنظیم، فوجوں کی قیادت، سرحدوں کا دفاع احکام الٰہی کی تنفیذ سب ہی کیا کرتے تھے اس ریاست میں محراب ومنبر اور دربار و دفتر کا خدا الگ الگ نہ تھا یہ دورنگی اور دوعملی اسلام کے سراسر منافی ہے۔

۵۔ اس ریاست کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک شورائی اور جمہوری ریاست تھی۔ قرآن کے ارشادات وشاورھم فی الامر (اوران سے معاملات میں مشورہ کرو۔ آل عمران ۱۵۹) اور وامرھم شوریٰ بینھم (اوران کے امور آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ شوریٰ ۳۸) کے پیش نظر تمام امور مملکت جمہور کی مرضی کے مطابق اوران سے مشورہ کے بعد انجام دیئے جاتے تھے اور اہم اور بنیادی پالیسیوں کی ترتیب ارباب امر سے بغیر مشورہ عمل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں نہ آتی تھی۔

حریت، مساوات اور عدل جمہوریت کے بنیادی ستون ہیں۔ اور ان کے قیام کے بغیر جمہوریت بھی سرے سے قائم نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک حریت و آزادی کا تعلق ہے اس سلسلے میں یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حقیقی آزادی کا سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبق پڑھایا، اور شخصی آزادی کا سب سے بڑا منشور اس کلمہ کی صورت میں ہر ایک کو عطا فرمایا۔ جسے ایک شخص ایمان لاتے وقت اپنی زبان سے ادا کرتا ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ ایک بول انسان کو خدا کے علاوہ ہر ایک کی غلامی سے کلیتاً آزاد کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک مسلمان خدا کے علاوہ ہر ایک ہستی کی پابندی سے آزاد تھا۔ دوسرے کی حق تلفی کا حق اسے کسی حال میں نہیں پہنچتا تھا کیونکہ وہاں آمر و مامور حاکم و محکوم اور راعی و رعایا ہر ایک کے حقوق و ذمہ داریاں متعین تھیں ریاست میں اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا کہ کم از کم بنیادی حقوق سے ایک شخص کو اسے کسی حال میں محروم نہ رکھا جائے۔ یعنی اس کے جان و مال اور ناموس کی حفاظت کی جائے کسی کی شخصی آزادی رائے، مسلک، پیشہ، اجتماع اور نقل و حرکت پر بغیر حق کے کوئی پابندی نہ عاید کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام شہری بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے اختلاف کر کے اپنی رائے دے سکتا تھا! سے اعتراض و تنقید کا حق حاصل تھا

اس ریاست میں مساوات کی بنیاد دو باتوں پر قائم تھی۔ ایک وحدت آدم کہ تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں اور "اخوت" جس کی رو سے تمام مسلمان ایک برادری کے افراد تھے۔ خواہ ذات پات، رنگ و نسل میں وہ کتنا ہی تفاوت رکھتے ہوں۔ کیونکہ معاملاتِ ریاست چلانے میں ہر مسلمان خواہ وہ کالا ہو یا گورا۔ امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، عربی ہو یا عجمی برابر کی ذمہ داری رکھتا ہے۔ اور یہ وہ اخوت تھی جس نے نسبی رشتوں کو بھی فراموش کرا دیا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ریاست میں عدل و انصاف کا معاملہ بھی بے نظیر تھا۔ غیر جانبداری اور عدل و انصاف کے قیام کے سلسلے میں قرآن میں متعدد جگہوں پر جو واضح احکام آئے ہیں ان کی روشنی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپؐ ہمیشہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا کرتے تھے۔ آپ کے نزدیک قانون ہر ایک پر یکساں طور سے عاید ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپؐ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا کہ "اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

اسلامی ریاست کی نوعیت چونکہ قومی جمہوریت نہیں بلکہ اصولی اور نظریاتی تھی اس لئے غیر مسلموں کو رہنمائی و کارفرمائی کے کلیدی مناصب تو نہیں دیئے جاتے تھے لیکن ان کے ساتھ سماجی و معاشرتی انصاف کو ہر حال میں برقرار رکھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقوق مقرر فرما دیئے تھے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ اگر ان پر کوئی دشمن حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی مدافعت کریں گے۔

۲۔ ان کی مذہبی آزادی کو سلب نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ ان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ذاتی طور پر عامل زکوٰۃ کے پاس جا کر جزیہ ادا کریں

۴۔ ان کی جانوں کی حفاظت کی جائے گی۔

۵۔ ان کی دولت، ان کے سامان اور مویشیوں کی حفاظت کی جائے گی۔

۶۔ ان کی زمینیں محفوظ رہیں گی۔

۷۔ ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کی جائے گی۔

۸۔ ان کی تمام املاک محفوظ ہوں گی۔

۹۔ ان کے مذہبی رہنماؤں کی عزت باقی رہے گی۔

۱۰۔ ان کے معبدوں اور گرجاؤں کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ فوج ان کے علاقوں میں نہیں بھیجی جائے گی۔

۱۲۔ ان سے ان کے مذہبی عقیدے کو ترک کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔

۱۳۔ جو حقوق ان کو حاصل ہیں انہیں تلف نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ اس ریاست کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست تھی جو نہ صرف عوام کی معاشی کفالت و معاونت، قیام انصاف، ادائیگی حقوق اور غربت و افلاس کو مٹانے کے لئے کوشش کرتی تھی بلکہ اس سلسلے میں عطایا اور وظائف کی تقسیم، زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کی مرکزی طور پر تحصیل و تصریف اس کے بنیادی اعمال تھے۔ علاوہ ازیں تمام افراد کی کفالت کا بندوبست اور مجبور وا پاہج، لاچار و بے سہارا افراد کی مدد اس کا اولین فرض تھا

۷۔ اس ریاست کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کی دوسری تمام غیر اسلامی ریاستوں کے برخلاف خدا کے سامنے جواب دہ اور مسئول تھی چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ایک عام شہری تک ہر ایک اپنے اپنے طور پر اس احساس سے سرشار تھا۔ اس کے نتیجہ میں ریاست میں کامل درجہ کا انضباط اور ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

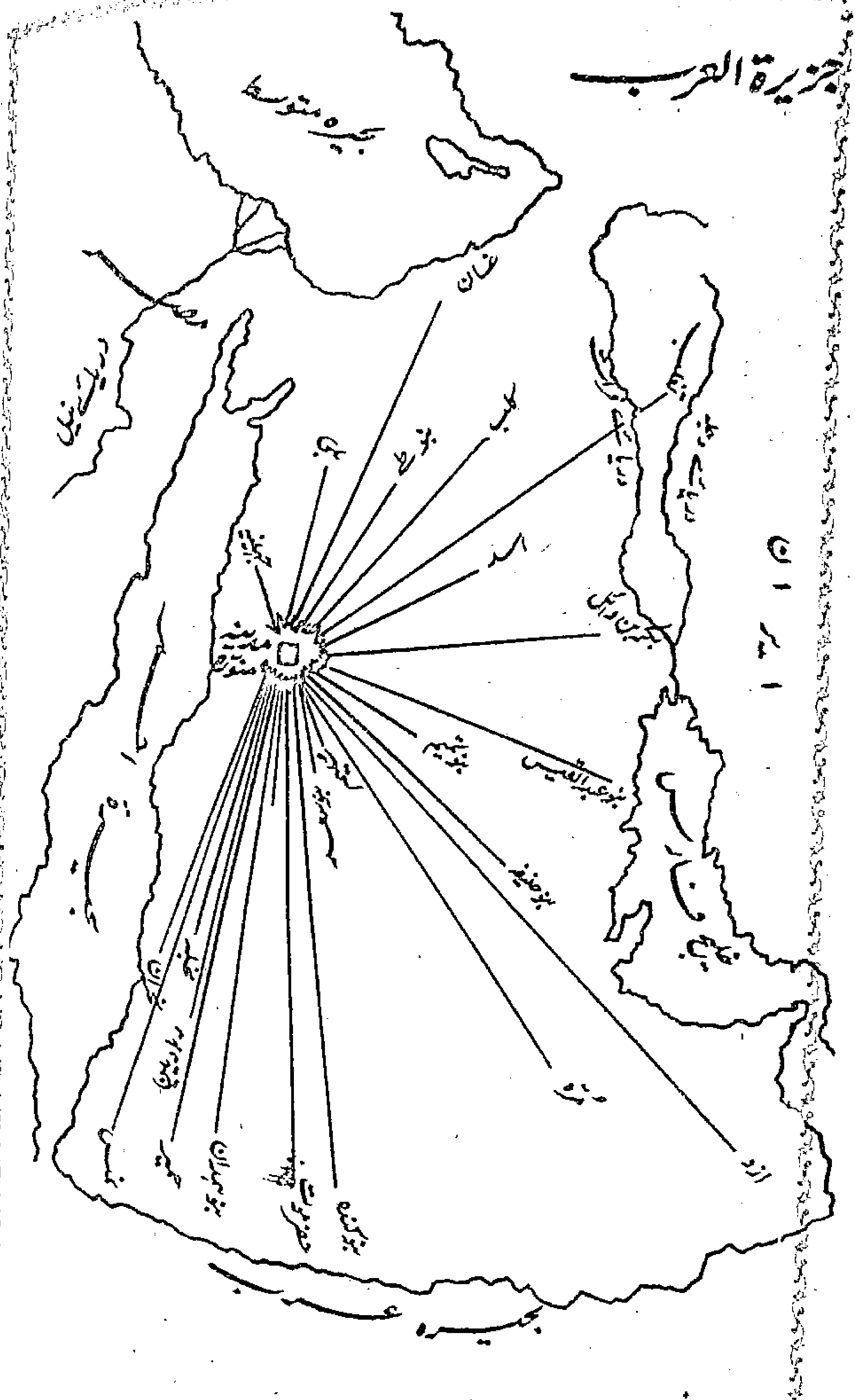

وفود جو ۹ھ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میدانِ کارزار میں!

ثناء الحق صدیقی ایم اے (علیگ)

اسلام کا مقصدِ اولین دُنیا میں امن وامان قائم کرنا اور ایک ایسے معاشرہ کا وجود میں لانا ہے جو پُرامن و پُرسکون ماحول میں رہ کر احکام خداوندی کی بجاآوری کر سکے اور دنیا کو سب کے لئے دارالامن بنا سکے۔ لیکن نوعِ انسانی میں سے ایک بڑا طبقہ ہمیشہ ایسا ضرور موجود رہتا ہے جو اس نصب العین کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کو پُورا کرنے اور دُنیوی لذتوں میں خود کو پوری طرح غرق کر دینے کے لئے اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حق کی مخالفت کی جائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو دبایا جائے۔ جب ایسی صُورت پیدا ہو جاتی ہے تو داعیِ حق کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ابتداءً پُرامن طریقوں کو کام میں لا کر اس ناگوار صورت حال کو دور کرے اور جہاں تک ممکن ہو افہام وتفہیم سے حالات کی اصلاح کرے۔ لیکن اگر یہ طریقہ ناکام رہے تو پھر قوت کو کام میں لا کر ایسے تمام عناصر کو مغلوب کرے جو داعیِ حق کی اصلاحی کوششوں کو نسیاً منسیاً کرنے پر تُلے ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس عمل میں بظاہر تخریب کی جھلک ہوتی ہے۔ لیکن یہ تخریب دراصل ایک اعلیٰ تعمیر کی ضامن ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو گوارا کرنا پڑتا ہے ورنہ ہمیشہ باطل کے سامنے خمیدہ سر رہنے کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کو ابھرنے کا کبھی موقع

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں ملتا۔ اور دُنیا باطل پرستی میں غرق ہو کر اپنے مقصد تخلیق[1] کو ہمیشہ کے لئے بھلا دیتی ہے۔

کچھ ایسے ہی حالات سے داعیٔ اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... کو ... دوچار ہونا پڑا۔ آپؐ نے حق کو ایک ایسی قوم کے سامنے پیش کیا جو مدّت سے طاغوت و باطل پرستی میں مبتلا تھی۔ چند نیک نفس لوگوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ اکثریت نے نہ صرف اس کو قبول نہیں کیا بلکہ کھلم کھلا مخالفت کی اور جن چند حضرات نے اس نعمت کو سینہ سے لگایا تھا اُن کی ایذا رسانی کو اپنا مقصد بنا لیا حالانکہ ان کے راہ راست پر چلنے سے ان باطل پرستوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ اور ان کی اطاعت کیشی ان کی معیشت کوشی پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی ان ناہنجاروں نے ابتدا ہی سے ان کی مخالفت کی اور انھیں وہ وہ اذیتیں پہنچائیں جو ہر زمانہ میں انسانیت سوز سمجھی جاتی رہی ہیں۔ ان حق پرستوں کو کوڑوں سے مارا گیا۔ گرم ریت پر کھینچا گیا اور شمشیر و سنان کا ہدف بنایا گیا۔ خود داعیٔ حق پر پتھر برسائے گئے زد و کوب کیا گیا۔ گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ ان خدا پرستوں کے لئے وطن کی سرزمین کو تنگ کر کے ان کو ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ جب رہبر صادق نے اپنی اصلاحی کوششوں کو تقریباً بے ثمر دیکھ کر ہجرت کا ارادہ کیا تو ان ناہنجاروں نے آپؐ کی شمع حیات کو گل کر دینے کا منصوبہ بنایا اور اگر تائید حق شامل حال نہ ہوتی تو یہ بدنہاد اپنی کوشش کو عملی جامہ پہنا دیتے اور اس طرح اصلاح کی عالمگیر اسکیم کا خاتمہ ہو جاتا۔ دُنیا باطل نظام کی آغوش میں رہ کر ہمیشہ کے لئے نورِ حق سے محروم ہو جاتی۔

پھر ان جفا کاروں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ جب حق پرستوں نے ان بدنہادوں کے جوار سے نکل کر ایک اور میدانِ اصلاح کے لئے منتخب کر لیا تو انھوں نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ ان کی ریشہ دوانیاں اس کے بعد بھی جاری رہیں۔ چنانچہ ان کو یہ بات بہت شاق گذری کہ وہ چند خستہ حال لوگ جو ان کے زعم باطل میں ان کے رحم و کرم پر پڑے ہوئے

---

[1] دیکھئے سورۂ ذاریات۔ آیت ۵۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ان کی سختیوں کو جھیل رہے تھے ایک ایسے ماحول میں جا پہنچے جو اجنبی ہونے کے باوجود ان کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا جہاں ان کو بیگانگی میں یگانگت اور اجنبیت میں انسیت کی بے بہا دولت ملی۔ جس طرح وہ وطن سے مایوس ہو کر نکلے تھے اسی طرح ان کو دیارِ غیر میں پہنچ کر امیدوں کا ایک چمن زار ملا۔ ان باتوں کو کفار کیسے برداشت کرتے ان کے سینوں میں آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ اور انھوں نے اپنی چیرہ دستیوں کو اور تیز کر دیا۔ اہل مدینہ جن کو گھر بیٹھے ایک سعادت نصیب ہوئی تھی طرح طرح کی دھمکیاں دینی شروع کیں۔ اور ان کو متنبہ کیا کہ اگر وہ ان کے مجرموں کو واپس نہیں کریں گے تو خود ان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھ کر اس بات سے مطلع کیا کہ:

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے۔ اور تم کو فنا کر کے تمھاری عورتوں پہ تصرف کریں گے۔" [۱]

اگرچہ عبداللہ بن ابی بعض مجبوریوں کی بنا پر ان کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکا تاہم حضورؐ کو ان باتوں کا علم ہوا تو اس سے قریش کے ارادۂ بد کا پوری طرح اندازہ ہو گیا۔ اور آپؐ کو اپنے دفاع کے لیے تیاریاں کرنی پڑیں۔ مدینہ پر قریش کے حملوں کا ڈر اتنا بڑھ گیا کہ اکثر راتوں کو آرام کی نیند سونا ممکن نہیں رہا تھا۔ چنانچہ نسائی میں ہے کہ کان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اول ما قدم المدینۃ یسھر من اللیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے [۲] ان خدشات کا لازمی تقاضا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے دفاع کو مضبوط کریں۔ اور آس پاس کے قبائل سے حلیفی کے تعلقات قائم کریں۔ چنانچہ ابتداءً آپؐ نے مدینہ کے دفاعی انتظامات

---

[۱] سیرۃ النبیؐ ص ۲۸۵۔ حصہ اول، شبلی نعمانی۔ اعظم گڑھ۔ طبع پنجم۔ [۲] سیرۃ النبیؐ (ص ۲۸۶) بحوالہ سنن نسائی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے کی اور اس میں قبائل یہود کو بھی شامل کیا۔ اس سے فارغ ہو کر آپؐ تبلیغ دین اور دفاعی معاہدوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ چنانچہ جہینہ، بنو ضمرہ، بنو مدلج وغیرہ سے حلیفی کے تعلق قائم کیے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول ۱۳ نبوی میں مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے محرم ۱۴ نبوی تک آپؐ مدینہ سے باہر نہیں گئے۔ سب سے پہلے آپؐ نے صفر ۲ ہجری (صفر ۱۴ نبوی) میں مدینہ سے باہر قدم نکالا۔ اس سے قبل آپؐ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو ادھر اُدھر بھیجتے رہتے تھے۔ اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ دشمن جو پوری طرح مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا اور اہل مدینہ کو شروع ہی میں دھمکی دے چکا تھا۔ مسلمانوں کے اس اقدام سے کم از کم اتنا جان جائے کہ وہ انکے بُرے عزائم سے بے خبر نہیں ہیں اور ان میں اتنی سکت ہے کہ وہ ان کے حملے کو برداشت کر سکتے ہیں مورخین ایسی کسی مہم کو جو صحابہ کی سرکردگی میں بھیجی گئی سریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سرایا کی تعداد کے بارے میں اصحاب سیر و مغازی میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد صرف ۳۵ ہے اور ۴۳ تک پہنچا دیتے ہیں۔ کچھ ۴۸، کچھ ۵۰، اور ۶۶ بتاتے ہیں۔

ابتدائی دور کے سرایا میں سریہ عبیدہ اور سریہ حمزہ سریہ سعد بن ابی وقاص کا ذکر آتا ہے۔ ان میں کوئی جنگ نہیں ہوئی صرف سریہ عبیدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے مشرکین کے ایک تیر مارا تھا یہی پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے مشرکین پر چلایا گیا۔

ان سرایا کے دوران حضورؐ مدینہ میں مقیم رہ کر وہاں کا انتظام فرماتے رہے۔ پورے گیارہ مہینے آپؐ نے مدینہ میں رہ کر مسجد نبویؐ کی تعمیر کی، مسلمانوں میں مواخات قائم کی۔ اپنے قیام کے لئے حجرے بنائے اور یہودی قبائل سے معاہدے کیے۔ ان انتظامات

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے سیاسی وثیقہ جات از ڈاکٹر حمید اللہ مجلس ترقی ادب لاہور ترجمہ عربی الاسلام و توشہری

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

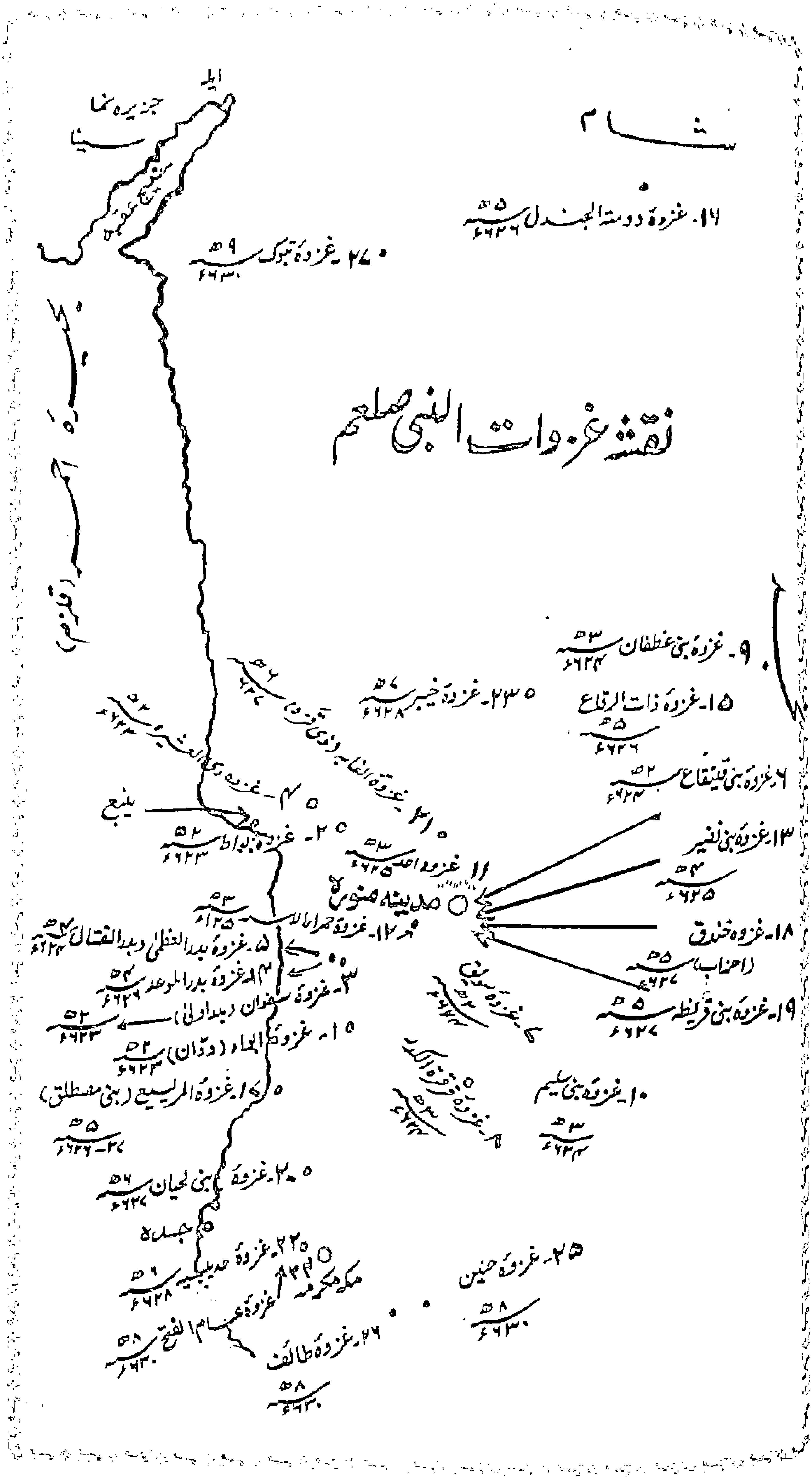

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے فارغ ہو کر آپؐ نے مدینہ سے باہر کے قبیلوں کی جانب توجہ کی اور کئی مرتبہ خود مدینہ سے نکل کر مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔ جہاں گئے وہاں تبلیغ فرمائی اور حلیفی کے معاہدے کئے۔ اکثر جگہ یہ معاہدے نہایت پُرامن طریقہ پر ہو گئے۔ لیکن بعض جگہ جہاں کوئی قبیلہ لڑائی پر آمادہ ہوا یا پہلے مخالفت پر کمربستہ ملا وہاں آپؐ نے مدافعانہ جنگ کی۔ اس قسم کی جملہ مہمات جنہیں آپ خود شریک رہے غزوات کے نام سے موسوم ہیں۔ بعض غزوات میں مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت آئی لیکن اکثر میں بغیر کسی مخالفت و مقابلہ کے معاہدہ ہو گیا۔

غزوات کی مجموعی تعداد مورخین کے نزدیک ۲۷ ہے۔ بعض مورخین اور سیرت نگار غزوۂ خیبر اور غزوہ وادی القریٰ کو الگ الگ غزوات مان کر پوری تعداد ۲۸ بتاتے ہیں۔ لیکن صحیح تعداد ۲۷ ہی ہے۔[1] اس لئے کہ جب خیبر اور وادی القریٰ کے واقعات ایک ہی سفر کے دوران پیش آئے تو پھر دونوں کو الگ الگ غزوات ماننے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

جملہ غزوات کے نام اور سنہ درج ذیل ہیں:

(۱) غزوہ ودّان صفر سنہ ۲ھ (۲) غزوۂ بواط ربیع الاول سنہ ۲ھ (۳) غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ ربیع الاول سنہ ۲ھ (۴) غزوۂ ذی العشیرہ جمادی الآخرہ سنہ ۲ھ (۵) غزوۂ بدر عظمیٰ رمضان سنہ ۲ھ (۶) غزوہ بنی قینقاع شوال سنہ ۲ھ (۷) غزوہ سویق ذی الحجہ سنہ ۲ھ (۸) غزوۂ قرقرۃ الکدر محرم سنہ ۳ھ (۹) غزوۂ ذی امر (غزوہ غطفان) ربیع الاول سنہ ۳ھ (۱۰) غزوۂ بحران یا غزوہ بنی سُلیم جمادی الاول سنہ ۳ھ (۱۱) غزوہ احد شوال سنہ ۳ھ (۱۲) غزوۂ حمراء الاسد شوال سنہ ۳ھ (۱۳) غزوہ بنی النضیر ربیع الاول سنہ ۴ھ (۱۴) غزوہ بدر الموعد (غزوۂ بدر ثالث) ذی قعدہ سنہ ۴ھ (۱۵) غزوہ

---

[1] سیرت ابن ہشام اردو ص: ۵۸۲ مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی لاہور سنہ ۱۹۶۱ء طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۲۷ اردو ترجمہ مولانا عبداللہ عمادی جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۴۴ء التنبیہ الاشراف ص ۱۱۳ مسعودی بترجمہ مولانا عبداللہ عمادی۔ جامعہ عثمانیہ دکن سنہ ۱۹۳۶ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ذات الرقاع محرم ۵ھ (۱۶) غزوہ دومۃ الجندل ربیع الاول ۵ھ (۱۷) غزوہ المریسیع یا غزوہ بنی مصطلق شعبان ۵ھ (۱۸) غزوہ خندق (غزوہ احزاب) ذی قعدہ ۵ھ (۱۹) غزوہ بنی قریظہ ذی قعدہ ۵ھ (۲۰) غزوہ بنی لحیان ربیع الاول ۶ھ (۲۱) غزوہ الغابہ ربیع الاول ۶ھ (۲۲) غزوہ حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ (۲۳) غزوہ خیبر جمادی الاول ۷ھ (۲۴) غزوہ عام الفتح رمضان ۸ھ (۲۵) غزوہ حنین شوال ۸ھ (۲۶) غزوہ طائف شوال ۸ھ (۲۷) غزوہ تبوک رجب ۹ھ۔

مندرجہ بالا ۲۷ میں سے محض ان نو ۹ غزوات میں جدال و قتال کی نوبت آئی۔

(۱) بدر (۲) احد (۳) خندق (۴) قریظہ (۵) مصطلق (۶) خیبر (۷) عام الفتح (۸) حنین (۹) طائف ـــ باقی غزوات پر امن طور پر صلح یا معاہدات پر منتج ہوئے بعض میں دشمن مقابلہ سے پہلے ہی فرار ہو گیا اور قتال کی نوبت نہیں آئی۔[۱]

زیر نظر مقالہ میں غزوات کا ایک مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) غزوہ وُدّان یا غزوۃ الابواء

(صفر ۲ھ مطابق اگست ۶۲۳ء)

یہ غزوہ شروع صفر ۲ھ میں پیش آیا۔ حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کو آپؐ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور صرف ساٹھ مہاجرین کی ایک جماعت کے ہمراہ روانہ ہوئے حضرت حمزہؓ اس موقع پر پرچم اسلامی لیے ہوئے تھے۔[۲]

ابن سعد نے اس غزوہ کا مقصد قافلہ قریش کو روکنا بتایا ہے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ قریش اور بنی ضمرہ سے جنگ کا ارادہ تھا۔ لیکن قرین قیاس امر یہ ہے کہ بنی ضمرہ چونکہ قریش

---

[۱] طبقات ص ۱، ابن ہشام ص ۸۲-۵۸۲ التنبیہ والاشراف ص ۱۱۳ [۲] ابن سعد ج ۲، ص ۴، ابن ہشام ص ۲۸۶ ـ التنبیہ والاشراف ص ۲۷ ـ سیرت النبی ص ۳۱۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ہم نسب تھے۔ اس لئے ممکن ہے کہ قریشِ مکہ سے ان کی سازباز ہو رہی ہو اس بات کے امکانات اس لئے اور بھی روشن ہو جاتے ہیں کہ اس قبیلہ کی آبادی اس شاہراہ پر واقع تھی جس سے قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی راستے گذرتے تھے لہٰذا آتے جاتے قریش کو ان لوگوں سے ملنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا موقع ملتا ہوگا۔ رسول اللہؐ نے اس خطرہ کو محسوس کیا کہ دشمن کا ایک حلیف آپؐ کے اتنے قریب ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ضرورت محسوس کی کہ ان سے صلح کر کے اس خطرہ کا سدباب کر دیا جائے۔ اس مقصد کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپؐ نے خود تشریف لیجانا مناسب خیال فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس مہم کا مقصد قریش کی قوت کو کم کرنا تھا وہاں ان کو خائف کرنا بھی مقصود تھا تاکہ وہ اپنی ریشہ دوانیوں کو زیادہ شدت سے جاری نہ رکھ سکیں۔

بہرحال آپؐ مدینہ سے روانہ ہو کر ابوا پہنچے جہاں آپؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ پھر آپؐ مقام ودّان تشریف لے گئے۔ ان جگہوں کے درمیان صرف ۶ میل کا فاصلہ ہے۔ اور مدینہ سے یہ مقامات تقریباً اسّی میل دور ہیں۔ چونکہ اس مہم میں دونوں مقامات شامل تھے اس لئے اس غزوہ کو ودّان اور ابوا، دونوں سے نسبت دی جاتی ہے۔[1]

بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری نے بغیر کسی جدال وقتال کے آپؐ سے صلح کر لی۔ معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

"یہ محمد رسول اللہؐ کی تحریر ہے۔ بنو ضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان ومال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائیگی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کی مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئینگے۔

[1] ابن سعد ج ۲، ص ۴، سیرۃ النبی ص ۳۱۱، ابن ہشام ص ۲۸۶ [2] سیرۃ النبی ج ۱ ص ۳۱۱ بحوالہ زرقانی ج ۱ ص ۴۵۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۔ غزوۂ بواط

(ربیع الاول ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء)

ربیع الاول میں آپؐ تقریباً دو سو مہاجرین کے ہمراہ اس تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کی قوت کا رعب قائم کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ جو امیہ بن خلف الجمحی کی سرکردگی میں جا رہا تھا اس مرتبہ مدینہ میں سعد بن معاذ کو قائم مقام بنایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو رائت لشکر سپرد کیا[1] بواط جہاں آپؐ تشریف لے گئے مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۸ میل کے فاصلہ پر علاقہ جہینہ کا ایک پہاڑی مقام ہے۔ اور ملک شام کے تجارتی راستہ کے متصل واقع ہے۔[2]

اس مرتبہ بھی لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئی لہذا آپ تشریف لے آئے۔

۳۔ غزوۂ سفوان

(ربیع الاول ۲ھ مطابق ستمبر ۶۲۳ء)

یہ غزوہ مورخین کے نزدیک بالاتفاق ماہ ربیع الاول میں پیش آیا۔ صرف ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ذی العشیرہ کے بعد جمادی الآخر میں ہوا[3] ربیع الاول کی روایت متواتر اور قوی ہے۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ حضور صلعم غزوۂ بواط سے تشریف لائے تھے کہ عرب کا ایک رئیس کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہ جو وادی العقیق میں موضع سرح یا شرح کے متصل تھی حملہ آور ہوا۔ اور بہت سے مویشی لوٹ کر لے گیا۔ آپؐ کو اطلاع ہوئی تو اس کی تلاش میں چند مہاجر صحابہؓ کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ میں قائم مقام بنایا اور حضرت علیؓ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ آپؐ جابر کی تلاش میں نواح بدر کی ایک وادی سفوان تک تشریف لے گئے لیکن جابر ہاتھ نہ آیا۔ لہذا آپؐ نے مدینہ کی جانب رجعت فرمائی۔ چونکہ آپؐ جابر بن کرز کی تلاش میں نکلے تھے۔ اس لئے بعض سیرت نگار

---

[1] ابن سعد ص ۵ [2] ابن سعد ص ۵ [3] ابن ہشام ص ۲۸۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور مؤرخ اس کو غزوہ بطلب کرز بن جابر بھی کہتے ہیں [1]

۴۔ غزوہ ذی العُشَیرہ

(جمادی الآخر سنہ ۲ھ مطابق نومبر سنہ ۶۲۳ء)

اسی سال جمادی الآخر کے مہینے میں غزوہ ذی العشیرہ پیش آیا۔ اس کی وجہ مؤرخین نے یہ بتائی ہے کہ ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں قریش مکہ نے جو تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کیا تھا رسول اللہ اس کو روکنا چاہتے تھے لیکن یہ بات محل نظر ہے کہ موسم سرما میں تجارتی قافلہ پورے ساز وسامان کے ساتھ یمن کی بجائے شام کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ نص قرآنی رحلۃ الشتاء والصیف اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ سردی کے زمانہ میں قریش کا تجارتی قافلہ یمن جاتا تھا اور موسم گرما میں شام کی طرف۔

بہرحال اگر سبب یہی تھا تو پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ قریش نے عام حالات سے ہٹ کر یہ اقدام کیا تھا۔ انھوں نے غیر موسم میں ایک بڑا قافلہ روانہ کیا اور جیسا کہ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اس میں قریش کے تمام مردوں اور عورتوں نے اپنا روپیہ لگا دیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ہتھیار خریدے جائیں۔ علم ہو جانے کے بعد رسول اللہ قریش کی ان تیاریوں کو جو آپ ہی کے خلاف کی جا رہی تھیں کس طرح جاری رہنے دیتے۔ اور اپنے لئے ایسی مشکلات پیدا کرتے جن پر قابو پانا دشوار ہوتا لہٰذا آپ نے مناسب سمجھا کہ اس قافلہ کو راستہ ہی میں روک دیا جائے تاکہ بات آگے نہ بڑھے۔

آپ نے اپنے ہمراہ ڈیڑھ سو مہاجرین کو لیا، مدینہ پر حضرت ابوسلمہؓ کو قائم مقام بنایا۔ جھنڈا حضرت حمزہؓ کو سپرد کیا اور روانہ ہو گئے [2] مختلف مقامات سے گذرتے ہوئے جن کا ذکر ابن ہشام نے صراحت سے کیا ہے آپ مقام ذی عشیرہ جو ینبع کے قریب ہے فروکش

---

[1] ابن سعد ص ۵۔ التنبیہ والاشراف ص ۲۸ [2] ابن سعد ص ۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئے[1]۔ قافلہ ہاتھ نہیں آیا۔ آپؐ نے کچھ دن وہاں قیام فرمایا اور بنو مدلج سے جو بنو ضمرہ کے حلیف تھے معاہدہ کیا۔ چونکہ بنو ضمرہ پہلے ہی معاہدہ کر چکے تھے اس لئے بنو مدلج کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اور وہ بھی آسانی سے معاہدہ میں داخل ہو گئے۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسی غزوہ کے دوران کسی دن حضرت علیؓ کے جسم پر بہت سی مٹی لگی دیکھ کر ان کی کنیت ابو تراب مقرر کی تھی[2]۔

غرض بنو مدلج سے صلح کر کے حضورؐ جمادی الآخر ہی میں مدینہ لوٹ آئے۔

۵۔ غزوۂ بدر عظمیٰ

(رمضان سنہ ۲ھ مطابق مارچ سنہ ۶۲۴ء)

اس غزوہ کو بدر کبریٰ اور بدر القتال بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں جدال و قتال کی نوبت آئی۔ واقعات کے لحاظ سے تو یہ جنگ زیادہ عظیم نہیں معلوم ہوتی لیکن نتائج کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ یہ دُنیا کی اُن چند جنگوں میں سے ایک ہے جن کو فیصلہ کن کہا جا سکتا ہے۔ اس جنگ میں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام اب ایک قوت بن گیا ہے جس کو مٹانا ممکن نہیں۔ دراصل بدر کا یہ معرکہ اتنا مہتم بالشان ہے کہ تاریخ اسلام کی عظیم ترین جنگوں کے لئے اس کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔

اسباب: مورخین اسلام نے عام طور پر اس جنگ کا سبب یہ بتایا ہے کہ جو تجارتی قافلہ غزوہ ذی العشیرہ کے موقع پر شام جاتے ہوئے بچ کر نکل گیا تھا وہ جب شام سے واپس آنے لگا تو اس کو لوٹنے کے لئے رسول اللہؐ مع انصار و مہاجرین مدینے سے روانہ ہوئے۔ لیکن جب بدر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ تو بچ کر نکل چکا ہے۔ مگر قریش کا وہ لشکر جو ابو سفیان کی امداد کے لئے مکہ سے آیا تھا بہت نزدیک پہنچ گیا ہے۔

---

[1] ابن ہشام ص ۲۸۷ [2] اس روایت پر ابن ہشام ابن سعد اور طبری سب کا اتفاق ہے۔ اس کے راوی اول حضرت عمار بن یاسرؓ ہیں۔ ایک اور روایت ابن ہشام نے ابن اسحاق سے اور ایک دوسری طبری نے عمار بن یاسرؓ ہی کی بیان کی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس وقت آپؐ کو خیال ہوا کہ اب جنگ ناگزیر ہے۔ لہذا صحابہؓ کو جمع کر کے آپؐ نے صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اس سلسلہ میں اُن کی رائے دریافت کی پہلے مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ نے تقریریں کیں اور اپنی امداد کا یقین دلایا لیکن جب آپؐ نے کئی بار انصار کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ "مجھے مشورہ دو" تب حضرت سعد بن معاذؓ [1] سمجھ گئے کہ آپؐ کی مراد انصار سے ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی مدد کا پوری طرح یقین دلایا اور یہ تک کہہ دیا کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اس میں بھی دریغ نہیں کریں گے اس کے بعد حضرت مقدادؓ نے کہا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم میں سے نہیں ہیں کہ کہنے لگیں اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (آپؑ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں) ہم لوگ تو وہ ہیں جو آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے لڑیں گے' یہ تقریریں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ اور آپؐ آئندہ اقدام کے لئے تیار ہو گئے [2]

لیکن شبلی نے اس بیان کی تردید میں کئی دلیلیں پیش کی ہیں [3]

درصل ایک کمزور روایت اور اس پر متعدد مفروضوں کی عمارت کھڑی کرنے کی وجہ سے یہ الجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔ غزوۂ بدر کا اصل سبب ابوسفیان کے قافلہ تجارت کو قرار دینا ہی سرے سے بے اصل و بے بنیاد ہے۔ اس غزوہ کا اصل سبب ہمیں طبری کے یہاں ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ عروہ بن الزبیرؓ سے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جنگِ بدر کے بعض حالات دریافت کئے تھے۔ اس کے جواب میں عروہ بن الزبیرؓ نے لکھا:

" امابعد تم نے مجھ سے ابوسفیان کی نقل و حرکت اور کارروائی

---

[1] ابن ہشام میں سعد بن عبادہ ہے۔ [2] ابن ہشام ص ۲۹۷، ابن سعد ص ۱۳، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۲۶ ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو "عہد نبوی کے میدان جنگ" ص ۱۷، از ڈاکٹر حمید اللہ دکن ۱۳۵۸ھ

[3] دیکھئے سیرۃ النبی۔ شبلی۔ ج ۲ ص ۳۴۶ تا ۳۵۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو دریافت کیا ہے کہ وہ کیونکر ہے اس کا اصل واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان
بن حرب قریش کے تقریباً ستر شتر سواروں کے ساتھ جو سب تجارت
کے لئے شام گئے ہوئے تھے شام سے واپس آرہا تھا۔ اس کے ساتھ ان
کا تمام روپیہ اور سامانِ تجارت تھا۔ جب یہ حجاز واپس آنے لگے
تو ان کی خبر رسول اللہ صلعم اور ان کے صحابہ کو ملی۔ اس سے پہلے ان میں
لڑائی جاری تھی جس میں کئی آدمی مقتول ہو چکے تھے۔ ابن الحضرمی بھی
کئی آدمیوں کے ساتھ نخلہ میں قتل ہو چکا تھا۔ اور قریش کے چند
اشخاص قید بھی کر لئے گئے تھے۔ ان میں بعض مغیرہ کے بیٹے تھے۔
نیز ان میں ان کا مولا ابن کیسان تھا۔ جسے عبداللہ بن جحش اور واقد
بن عدی بن کعب کے حلیف نے چند صحابہ رضی رسولؐ کے ساتھ جن کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی معیت میں اس
مہم پر بھیجا تھا قتل اور اسیر کیا تھا۔ اسی واقعہ کی بناء پر رسول اللہ
صلعم اور قریش کے درمیان جنگ چھڑی۔ اور نخلہ کا یہ پہلا واقعہ
تھا جس میں ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں کے شام جانے سے قبل پیش
آیا تھا۔ پھر جب اس کے بعد وہ اور اس کے ساتھی قریش کے شتر سوار
شام سے حجاز آنے لگے جو انھوں نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔ رسول اللہ
صلعم کو جب ان کی اطلاع ہوئی انھوں نے اپنے صحابہ کو جنگ کی
دعوت دی اور بتایا کہ ان کے ساتھ کثرت سے دولت ہے اور
ان کی تعداد بھی تھوڑی ہے۔ اب مسلمانوں کی ایک جماعت ابوسفیان
اور اس کے قافلہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے جس کے متعلق ان کو
خیال تھا کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے وہ ان کے قبضہ میں آجائے گا مدینہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے چلے۔ اس کے متعلق اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم (اور تم چاہتے تھے کہ کمزور تم کو مل جائے) [1]

اگرچہ اس بیان میں بعض الجھنیں ہیں تاہم طبری نے اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے:

"عروہ بن الزبیرؓ کے بیان کے مطابق اس لڑائی اور نیز ان تمام دوسری لڑائیوں کا باعث جو مشرکین قریش اور رسول اللہ صلعم میں ہوئیں واقد بن عبداللہ التمیمی کا عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دینا ہوا۔"

حالات و واقعات کا جائزہ لینے اور ان پر غور کرنے سے یہی بات قرین صحت معلوم ہوتی ہے کہ "بدر کی لڑائی کا اصل سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل تھا۔"

واقعات کی مختلف کڑیوں کو ملانے کے لئے ضروری ہے کہ سریہ عبداللہ بن جحشؓ کا مختصر حال بتا دیا جائے جس میں عمرو بن الحضرمی کا واقعہ قتل ہوا۔

رجب ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کو بارہ[2] مہاجرین کے ہمراہ مقام نخلہ کی جانب بھیجا جو مسعودی کے زمانہ میں، اور آجکل بھی بستان ابی عامر کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ کو ایک تحریر بھی دی اور ہدایت فرمائی کہ یہ تحریر مدینہ سے روانگی کے دو دن بعد کھولنا۔ آپؐ کے حکم کی تعمیل میں حضرت عبداللہ

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول ۔ سیرۃ النبی ۔ کراچی ۱۹۶۷ء

[2] سیرت النبی جلد اول ص ۳۱۲ ۔ ابن سعد نے ان کی تعداد گیارہ بتائی ہے ۔ طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۷ ۔ مسعودی نے گیارہ اور آٹھ (التنبیہ والاشراف ص ۲۰۲) اور ابن ہشام نے آٹھ بتائی ہے اور ان کے یہ نام لکھے ہیں: (۱) ابوحذیفہ بن عتبہ ربیعہ (۲) عکاشہ بن محصین ۔ (۳) عتبہ بن غزوان (۴) سعد بن ابی وقاص (۵) عامر بن ربیعہ (۶) واقد بن عبداللہ (۷) خالد بن بکیر (۸) سہیل بن بیضاء (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۸۹)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے اس تحریر کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ اس میں لکھا تھا:

"جب تم میرا یہ کاغذ دیکھو تو سیدھے مقام نخلہ میں جو طائف اور
مکہ کے درمیان ہے جا پہنچنا اور وہاں قریش کی سرگرمیوں اور
مسلمانوں کے خلاف ان کی کارروائی کی دیکھ بھال کرنا اور ہمیں
اس کی خبر دینا۔"

حضورؐ کی یہ تحریر پڑھ کر حضرت عبداللہؓ مع جماعت مہاجرین آگے روانہ ہوئے اتفاق سے وہ اونٹ جس پر حضرت سعد بن وقاصؓ اور عتبہ بن غزوانؓ دونوں سوار تھے۔ کہیں گم ہوگیا۔ یہ دونوں اس کی تلاش میں گئے۔ باقی جماعت آگے بڑھ گئی۔ جب یہ لوگ مقام نخلہ پر پہنچے تو ان کو ایک تجارتی قافلہ ملا جس کے پاس کافی مقدار میں تجارتی سامان تھا اس قافلہ کے ساتھ عمرو بن الحضرمی عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان بھی تھے۔ پہلے تو قافلہ والے حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر ڈرے بعد میں عکاشہ بن محصین کا منڈا ہوا سر دیکھ کر کہنے لگے کہ لوگ تو یہیں کے رہنے والے ہیں اور عمرہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں ان سے ڈرنے کی کیا بات ہے۔ چنانچہ انھوں نے مطمئن ہوکر جانوروں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے وہ رجب کا آخری دن تھا۔ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو خیال ہوا کہ وہ شعبان کی پہلی تاریخ ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشورہ کرکے قافلہ پر حملہ کر دیا واقد بن عبداللہ التمیمی کے تیر سے عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان اسیر ہوئے۔ اور نوفل بن عبداللہ فرار ہوگیا۔ حضرت عبداللہ ان دو قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ مدینہ آئے تو آنحضرتؐ نے اظہار ناراضگی کیا اور فرمایا میں نے تو تمھیں قریش کی معاندانہ کارروائیوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا نہ کہ لڑنے کے لئے۔

قافلہ کے لٹنے اور عمرو بن الحضرمی کا واقعہ قریش مکہ کے لئے بہت اہم تھا ایک تو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ چند مسلمان ان کے علاقہ میں پہنچ کر اس قدر دلیری کا مظاہرہ کر جائیں جو ان کی شجاعت و خود داری کیلئے کھلا چیلنج تھا۔ دوسرے یہ کہ اس سے ان کو جانی اور مالی نقصان پہنچا۔ جس کا بدلہ لینا ان کے لئے ضروری تھا۔ اسی خیال کے تحت ان لوگوں نے عمرو بن الحضرمی کے بھائی کو اس کو لشکر میں پیش پیش رکھا تھا جو بدر کے میدان میں پہنچا اور وہاں پہنچ کر سب سے پہلا آدمی جو مبارز طلب ہُوا وہ عمرو بن الحضرمی کا بھائی ہی تھا۔

غرض یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جنگِ بدر کا اصل سبب عمرو بن الحضرمی کا واقعہ ہی تھا اور جب سے یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وقت سے قریش لڑائی کی تیاری کر رہے تھے۔ ممکن تھا کہ لشکر قریش کی روانگی میں کچھ تاخیر ہو جاتی لیکن ابو سفیان کی امداد طلبی نے انھیں فوری اقدام پر مجبور کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابو سُفیان نے قریش سے کس جگہ پہنچ کر امداد طلب کی تھی۔ اس کے لئے میجر جنرل محمد اکبر خاں کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے:

"نخلہ کے حملہ کی خبر سُنتے ہی ابو سُفیان نے تمام راستہ چھوڑ کر ساحل کا راستہ اختیار کیا۔ اور اس کے ساتھ ضمضم بن عمرو کو غازہ (غزہ) شام سے روانہ کر کے اہل مکہ سے مدد طلب کی اور یہ کہلا بھیجا کہ وہ اس کو بدر کے قریب مل جائیں"۔ (حدیث دفاع ص ۱۴۶)

اس بیان کی تائید ابن سعد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

"مشرکین کو شام میں یہ خبر پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی واپسی کی گھات میں ہیں۔ وہ لوگ جب شام سے روانہ ہوئے تو ضمضم بن عمرو کو قریش کے پاس روانہ کر کے انھیں اس بات کی خبر دی اور حکم دیا کہ وہ نکل کر قافلے کی حفاظت کریں"۔

ان دونوں بیانات کی روشنی میں یہی بات قابلِ قبول معلوم ہوتی ہے کہ ابوسُفیان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو حضرمی کے مارے جانے کی اطلاع شام ہی میں مل گئی تھی۔ ابوسفیان کو یہ بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ مسلمانوں نے اس کا تعاقب غزوہ ذی العشیرہ کے موقع پر کیا تھا۔ اور اگر نہیں بھی پتہ چلا ہوگا تو کم از کم اُسے یہ تو خیال ہوا ہوگا کہ مکہ کے قریب پہنچ کر وہ قافلہ کو لوٹ سکتے ہیں تو مدینہ کے قریب سے گذرنے والے ایسے قافلہ کو وہ کیسے چھوڑ دیں گے جو بیس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان لئے جارہا تھا۔ اسی ڈر اور پیش بینی کے تحت اس نے غزہ ہی سے قریش کو مطلع کیا۔ اور جب بدر کے قریب پہنچا تو قافلہ کو کچھ دُور پر چھوڑ کر خود مقام بدر پہ یہ معلوم کرنے کے لئے آیا جب اُسے بعض ایسے ثبوت مل گئے جن سے اُسے یقین ہو گیا کہ مسلمان بدر کے قریب ہیں تو وہ نہایت سرعت سے قافلہ میں واپس آ گیا۔ اور سب کو سا تھ لے کر ساحل سمندر کے قریب سے ہوتا ہُوا تیزی کے ساتھ مکہ کی جانب چلا گیا۔ یہ خیال حقیقت سے بعید ہے کہ اس نے بدر کے قریب پہنچ کر امداد طلب کی کیونکہ اگر وہ وہاں سے قریش کو مطلع کرتا تو امداد ہرگز اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

واقعات: الحضرمی کے واقعہ کو تقریباً ایک مہینہ ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ کی جانب آ رہے ہیں۔ آپؐ نے صحابہ کو جمع کیا۔ ان میں مہاجرین و انصار دونوں ہی شامل تھے ابھی تک جتنے غزوات و سرایا ہوئے تھے ان میں انصار کی امداد کی ضرورت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس مرتبہ ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا تھا جو جوش انتقام سے سرشار پوری تیاری کے ساتھ آ رہا تھا۔ اور اس لشکر کا رُخ بھی مدینہ ہی کی طرف تھا۔ لہٰذا آپؐ نے معاہدے کے مطابق انصار کو مشورہ اور مدد کے لئے بلایا۔ اگر آپؐ مدینہ ہی میں مقیم رہ کر مقابلہ کرتے تو انصار کے لئے امداد کرنا لازمی ہوتا۔ لیکن آپؐ نے بعض مصالح کے پیش نظر مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ اور اسی لئے انصار کو بار بار مخاطب کر کے ان کا مشورہ طلب کیا۔ انصار نے اسی کے جواب میں یہ بات کہی کہ "آپؐ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہمیں جہاں چاہیں لے چلیں ہم آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ آپ برک الغماد (یمن کا ایک مقام) تک بھی تشریف لے جائیں تو ہم آپؐ کے ساتھ چلیں گے۔"

چنانچہ انصار نے اپنی بات کو پورا کر دکھایا اور اگرچہ پہلے کسی موقع پر ایک بھی انصاری کسی غزوہ یا سریہ میں شریک نہ ہوا تھا لیکن اس مرتبہ ان کی تعداد مہاجرین سے چار گنی ہو گئی یعنی انصار ۲۳۱ (اوس ۶۱ + خزرج ۱۷۰) اور مہاجرین ۸۳ تھے[1] یعنی کل لشکر ۳۱۴ صحابہ پر مشتمل تھا۔ لیکن ان میں سے آٹھ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کاموں پر متعین کر دیا تھا۔ اور اس لئے وہ جدال و قتال میں شریک نہیں ہوئے اگرچہ مالِ غنیمت میں سے ان کو سب کے برابر حصہ ملا۔ ان آٹھ صحابہ میں سے تین مہاجرین تھے اور پانچ انصار۔ مہاجرین میں (۱) حضرت عثمانؓ (۲) حضرت طلحہؓ (۳) حضرت سعیدؓ اور انصار میں سے (۱) حضرت ابو لبابہؓ (۲) حضرت عاصم بن عدیؓ (۳) حضرت حارث بن حاطب العمریؓ (۴) حضرت حارث بن الصمہؓ (۵) اور حضرت خوات بن جبیرؓ تھے۔ اس طرح میدانِ جنگ میں موجود صحابہ کی کل تعداد ۳۰۶ تھی[2] (۸۰ مہاجرین اور ۲۲۶ انصار) سواری اور بار برداری کے اونٹوں کی تعداد ۷۰ تھی اور گھوڑے محض دو تھے۔

آنحضرتؐ نے اس موقع پر حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور حضرت عثمان کو ان کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ کی تیمارداری کے لئے چھوڑا۔ مدینہ سے روانگی کی تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں (۱) ۳ رمضان اور (۲) ۸ رمضان لیکن دوسرا قول جو ابن ہشام کا ہے صحیح ہے۔ اس لئے کہ اگر آپؐ ۳ رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوتے تو مقام بدر پر ۷ تاریخ کو پہنچ جاتے جس سے آپؐ کا دس یوم تک انتظار کرتے رہنا لازم آتا ہے حالانکہ واقعات سے ظاہر ہوتا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۱ [2] ابن سعد نے ان آٹھ صحابہ کو نکال کر شرکاء بدر کی تعداد ۳۰۵ لکھی ہے ملاحظہ ہو جلد ۲ ص ۱۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ آپؐ کے بدر کے مقام پر ورود کے بہت کم عرصہ بعد ہی جنگ ہو گئی۔
مدینہ سے روانہ ہو کر آپؐ مع لشکر مجاہدین عقیق، ذوالحلیفہ، ذات الجیش، تربان، ململ، عمیس الحمام، ہوتے ہوئے سیالہ میں وارد ہوئے۔ پھر فج روحا، عرق الطبیہ، سجع پہنچے یہاں سے آپؐ نے مکہ کا راستہ بائیں طرف چھوڑا اور بدر کی جانب چلے۔ نازیہ سے گذر کر وادی رحقان میں داخل ہوئے۔ اور آگے بڑھ کر صفراء کے قریب پہنچے۔ وہاں سے آپؐ نے اپنا راستہ بدل دیا اور دائیں جانب چل کر وادی ذفران کو عبور کیا اور وہیں اُتر پڑے۔

اکثر مورخین اور تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ یہاں پہنچکر آپؐ کو لشکر قریش کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا جس کی وجہ سے آپؐ نے صحابہ کو جن میں انصار کی تعداد بہت زیادہ تھی جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا اور وہ گفتگو ہوئی جو جنگ کے اسباب کے تحت شروع میں بیان کی گئی ہے لیکن اس روایت پر مؤرخین کی کثیر تعداد کے اتفاق کے باوجود ان دلائل کی بنا پر جو اوپر پیش کیے گئے ہیں اس کو قبول کرنے میں تامل ہے۔

وادی ذفران سے قدسیوں کی یہ جماعت چند ٹیلوں پر سے گذری جو اصافر کے نام سے موسوم ہیں۔ حنان نامی ٹیلے کو دائیں طرف چھوڑا۔ اور بدر کے قریب پہنچ کر قیام کیا۔[1]

ابن سعد نے مدینہ سے بدر کا فاصلہ ۹۸ میل بتایا ہے۔ کہتا ہے۔

"بدر اور مدینہ کے درمیان اٹھانوے میل کا فاصلہ تھا۔ وہ راستہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے الروحاء کا تھا۔ مدینہ اور الروحاء کے درمیان چار روز کا راستہ تھا پھر وہاں سے المنصرف تک بارہ میل کا۔ ذات اجذال تک بارہ میل کا پھر المعلاۃ تک جو السلم کا سیلابی میدان ہے ۱۲ میل کا۔ وہاں سے الاثیل تک بارہ میل کا پھر بدر تک دو میل کا فاصلہ تھا۔"[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۸ [2] طبقات کبیر جزو ثانی ص ۱۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گویا اگر ان منزلوں کے مطابق سفر کیا جاتا تو یہ فاصلہ ۸ دن میں طے ہوتا لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ لشکر اسلامی دو منزلوں کی ایک منزل کرتا ہوا گیا تو بدر کے قریب آپؐ کی آمد تقریباً ۴ دن میں ہوئی اور آپؐ ۱۲ رمضان سنہ ۲ھ کو اس مقام پر پہنچے ایک اور غزوہ میں جو بدر الموعد یا بدر ثالث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپؐ نے یہ فاصلہ جاتے اور آتے وقت ۴، ۴ دن میں ہی طے کیا تھا اس سے اس قیاس کو تقویت ہوتی ہے کہ آپؐ چار روز میں بدر کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

وہاں کے قیام کے دوران بسیس بن عمر انصاری اور عدی بن ابی الزعنا انصاری اونٹنیوں پر سوار ہو کر پانی لینے کے لئے بدر کی طرف گئے۔ چاہ بدر پر دو عورتوں کی آپس کی گفتگو سے ان کو پتہ چلا کہ "قافلہ کل یا پرسوں آئے گا" چنانچہ وہ یہ اطلاع دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ آئے۔

ممکن ہے اس موقع پر حضور صلعم اور صحابہ کے درمیان یہ گفتگو ہوئی ہو کہ پہلے قافلہ کو روکا جائے یا لشکر سے مقابلہ کیا جائے۔ اور اسی گفتگو کے دوران آپؐ نے وہ مشہور فقرہ کہا ہو۔

"چلو! اور خوش ہو جاؤ کہ خدا نے مجھ سے ان دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔"

یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ کی یہ گفتگو سن کر صحابہؓ نے یہ خیال کیا ہو کہ اگر قافلہ ہاتھ آجائے تو اچھا ہے اور اسی کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہو" و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم" (سورہ انفال۔ آیت: ۷)

بہر حال ادھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ اُدھر ابو سفیان جو کافی جہاں دیدہ و تجربہ کار تھا احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قافلہ کو کچھ دُور پر چھوڑ کر تنہا حالات کا جائزہ لینے کے لئے بدر میں وارد ہوا۔ وہاں مجدی بن عمرو نامی ایک بدوی سے گفتگو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے بعد اس نے ان دونوں انصاریوں کے اونٹوں کی مینگنیاں دیکھیں اور ان ہی سے اس نے پتہ لگا لیا کہ مسلمان قریب ہی کسی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ معلوم کرکے وہ نہایت تیزی سے اپنے قافلہ کی طرف واپس آیا اور ساحل بحر کے قریب سے سفر کرکے وہ اپنے قافلہ کو صحیح وسلامت نکال لے گیا۔

صحابہؓ سے گفتگو کے دوسرے دن آپؐ نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کی سرکردگی میں ایک جماعت کو قافلہ کے متعلق معلومات کرنے کے لئے بدر کی طرف بھیجا۔ وہاں چشمے پر انھیں دو سقّے پانی بھرتے ہوئے ملے۔ ان کو پکڑ کر رسول اللہ کے پاس لے آئے۔ اس وقت آپؐ نماز میں مشغول تھے صحابہ نے خود ان سے سوال وجواب شروع کر دیئے۔ سقّے بتاتے تھے کہ ہم لشکر قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کا گمان تھا کہ وہ ابو سفیان کے قافلہ کے آدمی ہیں۔ چنانچہ وہ یہی بات ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ اسی حیص بیص میں کچھ وقت گذر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا کہ ان کو تنگ نہ کریں۔ کیونکہ وہ یقیناً قریش کے لشکر سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی صحیح ہے۔ پھر آپؐ نے ان دونوں کو پاس بُلا کر ان سے کچھ سوالات کئے اور ان کے جوابات سے یہ نتیجہ نکالا کہ قریش کا لشکر بدر کے دوسری طرف عقنقل کے ٹیلہ کے پیچھے موجود ہے اور ان کی تعداد ۹۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان ہے۔

صحابہ کو جب دشمن کی اتنی تعداد کا علم ہوا ہوگا اور انھوں نے اپنی تعداد سے اس تعداد کا مقابلہ کیا ہوگا تو فطری طور سے بعض حضرات کے دل میں اسی طرح کچھ دہشت پیدا ہوئی ہوگی جیسی آئندہ چل کر اُحد کے موقع پر دو قبیلوں پر طاری ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انھیں اس بات کا ملال ہُوا ہو کہ بجائے قافلہ کے اب ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اور انھیں کے لئے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہو" کانما یساقون

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الی الموت" (سورہ انفال آیت - ۶) بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو تسلی دی اور آئندہ کے لئے مشورہ طلب کیا۔ حضرت حباب بن المنذر رضؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ یہ مقام جہاں آپ ہیں منزل نہیں ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ایسے مقام پر تشریف لے چلیئے جہاں پانی قوم کے قریب ہو مجھے اس جگہ کا اور وہاں کے کنوؤں کا علم ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کے پانی کی شیرینی میں جانتا ہوں جو ٹوٹتا نہیں۔ ہم اس پر حوض بنالیں گے۔ خود سیراب ہوں گے۔ قتال کریں گے۔ اور اس کے سوا باقی کنوؤں کو پاٹ دیں گے۔" [1]

مشورہ صائب تھا۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور یہاں سے اٹھ کر اس جگہ پڑاؤ ڈالا جو عدوۃ الدنیا کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ یہ مقام بلندی پر اور کسی قدر سخت پتھریلا تھا۔ وہاں ایک کاریز تھی۔ اس کے قریب صحابہ نے ایک حوض بنا کر کاریز سے کافی پانی بھر لیا۔ اور اس میں پانی نکالنے کے بہت سے برتن ڈال دیئے جس سے قریش کے لشکر کے بھی لوگوں نے پانی حاصل کیا اور حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔ [2]

صحابہ نے عدوۃ الدنیا کے پیچھے ایک پہاڑی ٹیلہ پر جہاں آج مسجد عریش واقع ہے آپؐ کے لئے ایک سائبان تیار کر دیا تھا تاکہ وہاں سے آپؐ جنگ کا پورا منظر دیکھتے رہیں۔ اور بوقت ضرورت حکم و احکام بھیجتے رہیں۔

ادھر تو یہ انتظامات ہو رہے تھے ادھر ابو سفیان منزلیں طے کرتا ہوا رابغ کے قریب مقام جحفہ پر پہنچا اور جب اسے قافلہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے ایک تیز رو قاصد بھیج کر لشکر کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیا لیکن ابو جہل اپنے غرور کے ہاتھوں لاچار تھا۔ اس نے واپسی سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر کو منتقل

---

[1] ابن سعد ص ۱۵ [2] ابن ہشام ص ۳۰۲ -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ٹیلے سے نکال کر بدر کے اس مقام پر پہنچ گیا۔ جو "عدوۃ القصویٰ" کہلاتا ہے۔ اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے پہنچ گئے۔ مجاہدین اسلام کو دیکھ کر ان لوگوں کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا کہ عتبہ بن ربیعہ، حکیم بن حزام وغیرہ نے جنگ سے پہلے پھر ابوجہل کو مشورہ دیا کہ وہ واپس لوٹ چلے اور خود کو اور تمام قریش کو جنگ کے شعلوں میں نہ جھونکے۔ لیکن وہ ان باتوں کو ماننے والا کہاں تھا۔ اس نے ان لوگوں کو ڈرپوک اور بزدل کہہ کر واپس کر دیا اور عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی جسے یہ لوگ ساتھ لائے تھے بلا کر اکسا دیا کہ "یہ لوگ سب تیرے بھائی کے خون کا بدلہ لینے سے ہچکچا رہے ہیں لہٰذا تو فریاد شروع کر دے"۔ چنانچہ عامر قریش کے درمیان کھڑا ہو کر اور کپڑے اُتار کر چلّانے لگا:

"واعمراہ! واعمراہ!!"

اس کے اس طرح چیخنے سے قریش جنگ پر آمادہ ہو گئے۔

۱۷ رمضان المبارک کی شب کے آخری حصے میں آنحضرت ﷺ نے اپنی مختصر سی فوج کی ترتیب قائم کی۔ صف بندی کر کے قطاروں کا خود معائنہ کیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے صفوں کو درست کیا۔ پھر مسلمانوں کو چند ہدایتیں فرمائیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ "مسلمان صف بندی کو کسی حالت میں نہ توڑیں اور جب تک حضور ﷺ حکم نہ دیں لڑائی شروع نہ کریں"۔ جب دشمن دور ہو تو تیر چلائیں۔ جب زد پر آ جائیں تو ان کو تیروں سے روکیں، جب دشمن اور قریب آ جائے تو پتھروں سے ماریں۔ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ جائے تو نیزوں اور پھر تلواروں کو کام میں لائیں"۔ یہ ہدایتیں دے کر آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اس ٹیلے پر تشریف لے گئے۔

مشرکین نے بھی اپنا میمنہ و میسرہ درست کیا۔ ان کی فوج میں تین جھنڈے تھے۔

قدرت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے ایک انتظام اچھا ہو گیا تھا۔ جنگ سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک دن پہلے موسلادھار بارش ہوئی جس کی وجہ سے اس حصہ کی مٹی جم گئی جس پر مسلمان تھے اور اس لئے ان کے واسطے مزید سہولت پیدا ہو گئی۔ اس کے برعکس اس حصہ میں ریت کی زیادتی کی وجہ سے دلدل بن گئی جہاں لشکر کفّار مقیم تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کو نقل و حرکت میں دشواری ہونے لگی۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہُوا کہ لشکر قریش سے تین آدمی عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ نکل کر مبازرت طلب ہوئے۔ ان کے مقابلہ کے لئے تین انصاری عوف بن حارث رضی اللہ عنہ، معوذ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نکلے۔ لیکن قریشی سرداروں نے ان سے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ ہم سے مقابلہ کرنے کے لئے قریش کے آدمی آئیں۔ چنانچہ یہ تینوں انصاری واپس ہو گئے اور ان کی جگہ حضرت علیؓ، حمزہؓ اور عبیدہؓ میدان میں آئے۔ تینوں مشرکین مارے گئے لیکن حضرت عبیدہ بھی شدید طور پر زخمی ہوئے جن کو علیؓ اور حمزہؓ میدان جنگ سے اُٹھا لائے اور وہ بدر سے واپسی کے وقت مقام صفرا میں انتقال کر گئے۔

قریش نے اپنے تین آدمیوں کو اس طرح ختم ہوتے دیکھا تو انھوں نے اپنے پورے لشکر کو آگے بڑھا کر جنگ مغلوبہ شروع کر دی۔ آنحضرتؐ نے بھی اپنے فوجی دستہ کو حکم دیا کہ وہ دشمن کے دائیں بازو پر حملہ کریں۔ اس دستے میں حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ جیسے بہادر موجود تھے۔ انھوں نے اپنی شجاعت اور شہامت کے وہ نمونے پیش کئے کہ دشمن گھبرا اُٹھے۔ بہت دیر تک میدان کارزار گرم رہا۔ عتبہ، شیبہ تو پہلے ہی مارے جا چکے تھے ان کے علاوہ ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ، امیہ بن خلف، نبیہ بن حجاج اور منبہ ابن حجاج وغیرہ سب ہی مارے گئے یہی مکہ کے وہ جگر پارے تھے جو حضورؐ کے ارشاد کے بموجب مکہ نے نکال کر آپؐ کے سامنے ڈال دیے تھے۔

سخت جنگ کے بعد قریش نے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ لوگ بھاگتے وقت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قتل کیے گئے کچھ قید ہوئے۔ غرض بعد میں دیکھا گیا تو ستر کفار تہ تیغ ہو چکے تھے۔ اور ستر مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر تھے۔

مسلمانوں میں سے شہید ہونے والوں کی تعداد ۱۴ تھی۔ ان شہداء کے اسماء گرامی یہ ہیں: مہاجرین: عبیدہ بن حارثؓ۔ عمیر بن ابی وقاصؓ۔ ذوالشمالین بن عمرو بن نضلہؓ عاقل بن بکیرؓ۔ مہجعؓ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام، صفوان بن بیضاءؓ (کل چھ حضرات)

انصار: سعد بن خثیمہؓ۔ مبشر بن عبدالمنذرؓ۔ یزید بن حرثؓ۔ عمیر بن حمام، رافع بن معلیؓ، حارثہ بن سراقہؓ، عوف بن حارثؓ (کل آٹھ حضرات)

مسلمانوں نے کچھ دور تک قریش کا تعاقب کیا۔ اس کے بعد واپس آکر مالِ غنیمت جمع کیا۔

رسول اکرم نے فوراً ہی عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ بھیجدیا کہ وہ وہاں فتح کی خوش خبری سُنا دیں۔ اور خود مع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تین دن مقام بدر میں قیام فرمایا۔ شہدا کو دفن کیا اور مشرکین کی لاشوں کو بھی ایک گڑھے میں بھروا کر پاٹ دیا۔

۲۰ رمضان کو آپؐ نے بدر سے مراجعت کی اور قطع منازل کرتے ہوئے وادیٔ صفرا میں تشریف فرما ہوئے۔ وہاں مال غنیمت تقسیم کیا اور ایک قیدی نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا جس کو حضرت علیؓ نے مارا۔ مقام عرق الظفیہ میں پہنچ کر عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر ڈالا۔

اسیران جنگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ اُن کے ساتھ آپؐ نے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس حکم پر اس حد تک عمل کیا کہ خود پیدل چلے اور ان کو سواریوں پر چلایا۔ خود کھجوروں پر اکتفا کی اور انھیں روٹی کھلائی غرض حسنِ اخلاق کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے ملے گی۔

مدینہ میں فتح کی خوش خبری اس وقت پہنچی جب وہاں پر مقیم مسلمان حضرت رقیہ بنتِ رسول اللہ کو دفن کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو یہ معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا کہ قریش کے سربرآوردہ لوگوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے آپؐ کے استقبال کی تیاری کی اور مدینہ سے نکل کر مقام روحا میں آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ آپؐ اپنے ان شیدائیوں کی معیت میں قیدیوں سے ایک دن پہلے مدینہ پہنچ گئے۔

اسیرانِ جنگ کا فدیہ چار ہزار روپے مقرر ہوا۔ جو لوگ لکھنا جانتے تھے اور فدیہ نہیں دے سکتے تھے یا دینا نہیں چاہتے تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اور جو نہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور نہ بوجہ ناداری فدیہ ادا کر سکتے تھے ان کو ویسے ہی چھوڑ دیا گیا غرض اس معاملہ میں بھی رسول اللہ نے اپنی رافت و رحمت کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔

نتائج : غزوہ بدر کا تفصیلی حال قرآن مجید کی ایک طویل سورۃ انفال میں بیان کیا گیا ہے۔

اس غزوہ کے کئی اچھے اور دُور رس نتائج نکلے:

(۱) قریش کے تمام سربرآوردہ لوگ جو اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے اس جنگ میں ختم ہو گئے۔

(۲) تمام سردارانِ قریش کے میدانِ بدر میں قتل ہو جانے کی وجہ سے قریش کی قیادت ابوسفیان کو ملی اور اموی خاندان کی سیادت مسلم ہو گئی۔

(۳) مجموعی طور پر قریش کی طاقت کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اور اب ان کا زور ٹوٹ گیا۔

(۴) دیگر قبائل عرب بھی مسلمانوں کی طاقت و قوت کا لوہا ماننے لگے۔ اور ان کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مخالف رہنے لگے۔

(۵) عبداللہ بن ابی اور اس کی ٹولی کے آدمی جو ابھی تک کافر تھے بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے گو عمر بھر نفاق میں مبتلا رہے۔

(۶) قریش کو اس جنگ میں جو نقصان عظیم ہوا اس کا بدلہ لینے کے لئے وہ کمزور ہو جانے کے باوجود مسلمانوں پر آئندہ بار بار حملہ کرتے رہے۔ ان ہی نتائج کی بنا پر بدر کو غزوات کی پوری تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

(۶) غزوۂ بنی قینقاع

(شوال سنہ ۲ھ مطابق اپریل سنہ ۶۲۴ء)

ابن سعد طبری اور مسعودی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ غزوہ بنی قینقاع شوال سنہ ۲ھ میں واقع ہوا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ غزوہ ماہ شوال کے نصف آخر سنہ ۲ھ میں ہوا۔

اسباب: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مقیم ہونے کے بعد یہودیوں سے صلح کے جو معاہدے کئے تھے ان میں دیگر یہودی قبائل کے ساتھ ساتھ بنو قینقاع بھی شامل تھے غزوۂ بدر تک وہ اس معاہدہ پر قائم رہے۔ جنگ بدر ہوئی تو ان لوگوں نے نافرمانی و حسد کا اظہار کیا اور عہد و میثاق کو توڑ دیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین"

(اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو آپ ان کے عہد کو مساوی طور پر واپس کر دیجئے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) [1]

ابن ہشام نے اس جنگ کا فوری سبب اس واقعہ کو بتایا ہے کہ ایک مسلمان عورت کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے سوق بنی قینقاع میں آئی اور ایک یہودی سنار کی دکان پر بیٹھ گئی۔ پہلے تو بعض یہودی لفنگے اس بات پر مصر ہوئے کہ وہ عورت ان کو اپنا چہرہ

---

[1] ابن سعد جزء ثانی ص ۳۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کھول کر دکھائے۔ جب اُس عورت نے ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی تو اُس سُنار نے شرارت کے طور پر اس عورت کے کپڑے کا نیچے کا سرا پچھلے حصہ کی طرف سے ایک کانٹے سے اس طرح اٹکا دیا کہ جب وہ عورت اُٹھی تو اس کا ستر کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے خوب تالیاں بجائیں اور مذاق اُڑایا۔ اُس عورت نے شور و غل کیا تو ایک مسلمان اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ بات بڑھ گئی۔ سنار مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہودیوں نے ہجوم کر کے اس مسلمان کو شہید کر دیا اس واقعہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے سوق بنی قینقاع میں پہنچ کر یہودیوں سے فرمایا "اے معشر یہود! خدا سے ڈرو کہیں تمھارے اوپر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جو بدر کی جنگ میں نازل ہوا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہودیوں نے یہ گستاخانہ جواب دیا "اے محمدؐ! تم قریش کو قتل کر کے اتراؤ نہیں۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے واقف نہیں تھے اس لئے تم نے انھیں ہرا دیا۔ ہم سے تمھیں جنگ کرنی پڑی تو حقیقت معلوم ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ تم کو کن بہادروں سے سابقہ پڑا ہے۔" [2]

واقعات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ جواب سُنا تو آپؐ نے مجبوراً ان پر چڑھائی کا اعلان کیا، مدینہ میں حضرت ابوالبابہ بن عبدالمنذر انصاریؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر وسط شوال ۲ھ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بنو قینقاع کی آبادی پر حملہ کر دیا۔ رائت لشکر حضرت امیر حمزہؓ کو سپرد کیا۔ پندرہ روز تک آپؐ نے ان کا محاصرہ کئے رکھا یہاں تک کہ ذی القعدہ کی چاند رات آ گئی۔ بنی قینقاع محاصرہ کی تنگیوں سے پریشان ہو کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہؐ نے ان کی شرارتوں اور گستاخیوں کی وجہ سے ان کی مشکیں کسوائیں۔ آپؐ کا ارادہ ان سب کو تہ تیغ کر دینے کا تھا۔ لیکن چونکہ بنو قینقاع

---

[1] ابن ہشام ص ۳۶۰ [2] ابن ہشام ص ۳۶۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے قبیلہ خزرج سے حلیفی کے تعلقات تھے۔ اس لئے ان کا سردار عبداللہ بن ابی سلول ان کی حمایت پر کھڑا ہو گیا اور بہت اصرار کر کے رسول اللہؐ سے ان کی جان بخشی کرائی۔

نتیجہ: حضورؐ نے بنی قینقاع کو قتل تو نہیں کیا لیکن آپؐ نے ان سب کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہو گیا کہ وہ اپنا مال و اسباب مسلمانوں کے حوالے کریں اور اپنے بیوی بچوں کو لے کر کسی دوسرے مقام کی طرف چلے جائیں۔ چنانچہ سات سو افراد نے جن میں سو زرہ پوش تھے مدینہ سے نکل کر اذرعات (شام) کا رُخ کیا۔ رسول اکرمؐ نے مالِ غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

۷۔ غزوۂ سویق

(ذی الحجہ ۲ھ مطابق جون ۶۲۴ء)

اسباب: غزوۂ بدر میں تمام بڑے بڑے قریش سرداروں کے مارے جانے کے بعد ابوسُفیان کے ہاتھ میں پورے قبیلہ کی قیادت آ گئی۔ چنانچہ اپنی سرداری کو مستحکم کرنے کے لئے اس نے بدر کے نقصانات کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا اور اس رُسواکُن شکست پر اس نے منت مانی کہ جب تک مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لوں گا نہ غسل کروں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔

واقعات: دو ماہ تک توقف کرنے کے بعد اس نے ذی الحجہ ۲ھ میں قریش کے دو سو شتر سوار ساتھ لئے اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ اور مدینہ سے تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر مقام صدر قناۃ میں لشکر کو ٹھہرا کر خود یہود بنو نضیر کی آبادی میں پہنچا پہلے حی بن اخطب سے ساز باز کرنا چاہا لیکن اس نے دروازہ تک نہ کھولا۔ بعدہٗ سلام بن مشکم سے ملا اس نے بڑی خاطر مدارات کی۔ رات بھر مشورہ ہوا۔ یہودی سردار نے مسلمانوں کے خفیہ راز اس کو بتا دیئے۔

سب باتیں معلوم کر کے ابوسفیان اپنے لشکر میں واپس آیا اور رات ہی کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقت مدینہ کے ایک حصہ عریض نامی پر حملہ کر دیا وہاں ایک انصاری صحابی کی کھیتی اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ ان میں آگ لگا دی اور ان انصاری اور ان کے ایک ساتھی کو سوتے میں شہید کر دیا اس کے بعد بڑی تیزی سے راہ فرار اختیار کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے بشیر بن عبدالمنذر کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ابو سفیان کا تعاقب کیا۔ اس وقت آپؐ کے ہمراہ دو سو صحابہؓ کی جمعیت تھی۔ بہت دور تک آپؐ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کیا لیکن وہ اپنی دانست میں اپنی منت کو پورا کر کے ایسا بھاگا کہ اس نے کسی جگہ قیام ہی نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ جلدی میں ستو (سویق) کے بہت سے بورے بھی جو بطور رسد ساتھ تھے راستے میں پھینکتا گیا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

نتیجہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ دن مدینہ سے باہر رہے دشمن فرار ہو چکا تھا اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ آپؐ پانچ دن بعد مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

چونکہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو ستو کے بہت سے بورے جو قریش پھینک گئے تھے ہاتھ لگے تھے۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہا جاتا ہے

بعض حضرات اسی کو غزوہ قرقرۃ الکدر بھی کہتے ہیں لیکن یہ غلط ہے۔ قرقرۃ الکدر کا غزوہ دوسرا تھا جو ۳ھ کے ماہ محرم میں پیش آیا۔

۸۔ غزوۂ قُرقرۃ الکدر یا قرارۃ الکدر

(محرم ۳ھ مطابق جولائی ۶۲۴ء)

قرقرۃ الکدر ایک آبگیر کا نام ہے جو علاقہ معدن بنی سُلیم کے نواح میں اس سڑک کے کنارے واقع تھا جو عراق اور مکہ معظمہ کے درمیان ہے۔ معدن بنی سلیم اور مدینہ کے درمیان کا فاصلہ تقریباً ۹۶ میل ہے۔ یہی فاصلہ قرقرۃ الکدر کا بھی سمجھنا چاہیئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسباب : اوائل ۳ھ میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ سلیم و غطفان کا ایک گروہ کچھ شرارت پر آمادہ ہے اور ان کے سرغنے دو آدمی سلیم بن منصور اور غطفان بن سعد ہیں۔ آپؐ نے ان کے کسی اقدام سے پہلے ہی ان کا استیصال کرنا چاہا۔

واقعات : محرم کا ابتدائی نصف حصہ گذر چکا تھا۔ آپؐ ان دونوں شرارتی کی تلاش میں نکلے۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔ رایت لشکر حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ اور دو سو صحابہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اس مقام پر پہنچے تو آپؐ نے چند چرواہوں اور مویشیوں کے سوا کسی کو نہ پایا۔ ان ہی میں ایک غلام یسار بھی تھا اسی سے آپؐ کو بعض حالات معلوم ہوئے۔ آپؐ نے ایک جماعت کو اس قبیلہ اور اس کے سرداروں کی تلاش میں وادی کے بلند حصّے کی طرف بھیجا مگر کچھ سراغ نہ ملا۔ مجبوراً آپؐ نہایت قلیل عرصہ ٹھہر کر واپس مدینہ کی جانب چل دیئے یسار کو بھی ساتھ لیتے آئے جو بعد کو مسلمان ہو کر آزاد کر دیئے گئے۔

نتائج : اس غزوہ میں جدال و قتال کی نوبت نہیں آئی البتہ دشمن کے ۵۰۰ سو اونٹ بطور مالِ غنیمت آپؐ کے ہاتھ آئے۔ ان میں سے خمس کے سو اونٹ نکال کر باقی چار سو اونٹ آپؐ نے صحابہ میں تقسیم کر دیئے۔ ہر ایک کو دو دو اونٹ ملے۔

آپؐ کے اس غزوہ میں پندرہ دن صرف ہوئے۔

۹۔ غزوۂ ذی امر یا غزوہ بنی غطفان

(ربیع الاول ۳ھ مطابق ستمبر ۶۲۴ء)

اسباب : ایک مہینہ سے کچھ ہی زیادہ ہوا تھا کہ رسول اللہ کو اطلاع ملی کہ نجد کے ایک مقام ذوامر میں ثعلبہ و محارب کی ایک جماعت نے آپؐ کو تمام اطراف سے گھیر لینے کا قصد کیا ہے۔ اور اس میں بنو محارب کا ایک شخص دعثور بن الحارث پیش پیش ہے آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور سب کے مشورہ سے ان پر حملہ آور ہونیکا قصد فرمایا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقعات: آپؐ نے مدینہ میں حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور چار سو پچاس صحابہؓ کے ہمراہ جن کے پاس گھوڑے تھے ۱۲ ربیع الاول کو روانہ ہوئے۔ آپؐ نے دور تک سفر کیا۔ پہاڑوں کی وادیاں اور چوٹیاں دیکھ ڈالیں مگر دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ ایک روز اتفاق سے کافی بارش ہوگئی جس سے آپؐ کے اور صحابہؓ کے کپڑے بھیگ گئے۔ آپؐ نے اپنے دونوں کپڑے اُتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے تاکہ وہ خشک ہو جائیں۔ خود اسی درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

اسی وقت ایک دشمنِ اسلام کسی طرف سے آنکلا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی رسول اللہ کے سرہانے تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا "آج آپؐ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

آپؐ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "اللہ!"

یہ سُن کر اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ آپؐ نے وہ تلوار اُٹھا کر اس سے پوچھا "اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟"

اس نے کہا کوئی نہیں۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر اپنے قبیلہ میں واپس جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگا۔

نتیجہ: اس غزوہ میں نہ کوئی مقابلہ ہوا نہ جدال و قتال کی نوبت آئی اور نہ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ ۱۰ دن باہر رہ کر ۲۳ ربیع الاول کو مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

۱۰۔ غزوہ بحران یا غزوہ بنی سلیم

(جمادی الاولیٰ ۳ھ مطابق اکتوبر ۶۲۴ء)

بحران مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ وہاں قبیلہ بنی سلیم آباد تھا۔

جمادی الاولیٰ میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ بنی سلیم کا مجمع آپؐ کے خلاف بحران کے مقام پہ ہو رہا ہے۔ آپؐ نے اس خطرہ کا سدباب کرنے کے لئے حملہ کا قصد کیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقعات: آپؐ نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنایا اور ۶ جمادی الاول کو تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ بحران کی جانب کوچ فرمایا۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دشمن آپؐ کی آمد کی اطلاع پاکر منتشر ہو گئے ہیں اور خطرہ رفع ہو گیا ہے۔

نتیجہ: اس غزوہ میں بھی جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آپؐ ۱۰ دن باہر رہ کر ۱۶ جمادی الاول ۳ھ کو مدینہ لوٹ آئے۔

۱۱۔ غزوۂ احد

۷ شوال ۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۶۲۵ء

اسباب: بدر کی جنگ میں قریش کو جو جراحت پہنچی تھی اس کا اندمال انتقام ہی سے ممکن تھا۔ ابوسفیان نے جو منت مانی تھی اس کو غزوہ سویق کے ذریعہ پورا کر دیا تھا لیکن اس عظیم نقصان کی تلافی ایسی باتوں سے کہاں ممکن تھی جو قریش کو میدانِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھانا پڑا۔ اس پہلے معرکہ میں وہ اپنے بہترین افرادِ قوم سے ہاتھ دھو چکے تھے اور جنگ میں بہت کچھ مالی نقصان بھی ہوا تھا۔ نیز اس کے بعد اسیرانِ جنگ کو رہا کرانے کے لئے بھاری تاوان ادا کرنا پڑا تھا۔ اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ ان کے عزت و وقار کے بڑے بُت کو ایک قلیل جماعت نے سرنگوں کر دیا تھا۔ جماعت بھی وہ جس میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جن کو حقیر کاشتکار سمجھ کر منہ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اور تھوڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو کچھ ہی دن پہلے ان کے رحم و کرم پر تھے۔ اور طرح طرح کی تکلیفیں ان کے ہاتھ سے اٹھا کر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے تھے۔ یہ چرکا ایسا لگا تھا کہ خورو خواب حرام کر دیا تھا اور وہ برابر اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح اس کا بدلہ چکایا جائے۔

بہرحال قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے کے بعد اب قوم کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اپنی جگہ کو مستحکم کرنے کے لئے کوئی کارگزاری دکھائے۔ اس کا ایک ہلکا سا نمونہ غزوہ سویق کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موقع پر دکھا چکا تھا۔ اب ضروری تھا کہ زیادہ تیاری کے ساتھ اس مہم کو سر کرے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت پر ضرب کاری لگا کر اپنی قوم کے دلوں پر اپنی جنگی مہارت کا سکہ جما دے۔ ادھر قریش کے دیگر افراد بھی جن کے قلوب اپنے عزیزوں کے جنگِ بدر میں مارے جانے سے مجروح ہوئے تھے جلد سے جلد اپنی آتش انتقام کو بجھانا چاہتے تھے اسی طرح اور بھی کئی لوگ تھے۔

قریش کی تیاریات: ابو سفیان جو تجارتی قافلہ شام کی طرف لے گیا تھا اس میں کافی نفع ہوا تھا۔ چنانچہ وہاں سے واپسی کے بعد راس المال کو حصہ داروں میں تقسیم کر کے زر منافع کو بطور امانت محفوظ رکھا اور اس سے جنگ کیلئے اسلحہ وغیرہ خریدے گئے۔ ایک سال کی مدت تیاری میں صرف ہوئی۔

عربوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے شعراء کی خدمات حاصل کی گئیں چنانچہ دو مشہور شاعروں عمرو بن جحی اور مسافع نے مکہ کے باہر قبائل میں گھوم پھر کر مسلمانوں کے خلاف غیر معمولی جوش پیدا کر دیا۔

ایک سال کی تیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین ہزار کا ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا جو سامانِ حرب سے پوری طرح لیس تھا۔ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو اپنے عزت و ناموس پر مر مٹنے کے لئے عورتوں کی بھی ایک اچھی تعداد اپنے ساتھ لے لی عربوں کا قدیم زمانے سے یہ شعار تھا کہ جب عورتیں ساتھ ہوتیں تو وہ جان پر کھیل کر مقابلہ کرتے تھے۔

مدینہ میں اطلاع اور مسلمانوں کی تیاری: حضرت عباسؓ نے جو اس وقت تک مکہ میں تھے لشکر قریش کی روانگی کی اطلاع ایک قاصد کے ذریعہ مدینہ بھیجدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ۵ شوال ۳ھ کو دو خبر رساں لشکر قریش کی تعداد اور ان کے دیگر حالات کا پتہ لگانے کے لئے بھیجے انھوں نے واپس آ کر فوج کی تعداد بتائی اور اطلاع دی کہ دشمن اتنے قریب پہنچ گیا ہے کہ ان کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گھوڑوں نے وادیٔ عقیق کی چراگاہوں کو صاف کر دیا ہے۔

یہ سُن کر رسول اللہ نے صحابہؓ کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ آپؐ کا خیال تھا کہ شہر میں بیٹھ کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی جو غزوۂ بدر کے بعد بظاہر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا تھا اس معاملہ میں آپؐ سے متفق تھا۔ کچھ اور صحابہ کی بھی یہی رائے تھی لیکن ایک بڑی تعداد صحابہ کی وہ تھی جو کہتی تھی کہ ہمیں شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول کیا اور تیار ہونے کے لئے گھر میں تشریف لے گئے جب زرہ پہن کر باہر آئے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر آپؐ کی رائے ہو تو شہر ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں لیکن آپؐ نے اب پہلے فیصلہ کو بدلنا مناسب نہ سمجھا۔

میدانِ جنگ میں دونوں لشکروں کی آمد: یہ جنگ احد نامی پہاڑ کے دامن میں ہوئی۔ یہ پہاڑ مدینہ کے شمال میں واقع ہے اس لئے پہلی نظر میں یہ بات عجیب سی دکھائی دیتی ہے کہ جو لشکر جنوب کی سمت سے آکر مدینہ پر حملہ آور ہوا اس کا مقابلہ شہر کے شمال میں کیا گیا لیکن جب شہر مدینہ کی طبعی حالت کا جائزہ لیا جائے تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی اور پورا مسئلہ آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔

شمالی حصہ پر جبل احد شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے اور اس کے جنوب میں وادی قناۃ ہے جو مدینہ کے شمال مغرب میں پہنچ کر وادیٔ بطحان اور وادی العقیق سے مل جاتی ہے۔ اور یہ متحدہ وادی شمال کی سمت کسیقدر آگے بڑھ کر ایک جھیل میں مل جاتی ہے جس کا نام بحیرہ ہے۔ ان تین وادیوں کے مقام اتصال کے آس پاس ایک وسیع کھلا میدان بن گیا ہے۔ اور یہیں سے کسی فوج کو آسانی سے گذار کر مدینہ میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ باقی اطراف پہاڑوں اور جنگلات سے گھرے ہونے کے سبب فوجوں کی نقل و حمل کے لئے دشوار گذار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت جب مدینہ میں داخل ہوئے تو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وادی رانوناسے گذر کر شہر میں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن اس راستہ سے ایک بڑی فوج کو بغیر نقصان اٹھائے گذرنا ناممکن تھا اس لئے قریشی لشکر نے جنوب سے شہر پر حملہ کرنے کی غلطی نہیں کی بلکہ وادی العقیق سے ہوتا ہوا یہ لشکر مدینہ کے شمال مغرب میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں کھلا میدان تھا۔ اور جہاں سے شہر میں داخل ہونا سب سے آسان تھا۔ اس لشکر نے اپنا پہلا پڑاؤ بجیرہ اور غابہ کے قریب ڈالا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا اور تین صحابہ کو جھنڈے عطا فرمائے۔ اوس کا جھنڈا اُسید بن حضیرؓ خزرج کا خباب بن المنذر یا سعد بن عبادہؓ اور عام جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کو[1] ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مشرقی حرہ کی طرف چلے۔ اور آطام الشیخین قبیلہ عبدالاشہل اور قبیلہ بنی حارثہ کی بستیوں کے پاس سے گذر کر وادی قناۃ میں پہنچ گئے۔ وادی کو جبل احد کے مشرقی سرے کے قریب سے پار کیا اور دامن کوہ میں جبل عقیق کے قریب اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ جبل احد آپؐ کی پشت پر تھا۔ اور مدینہ کی آبادی بائیں جانب۔

مدینہ سے احد کی طرف جاتے ہوئے ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے بعض مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ ہوا یہ کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مقام شوط پر پہنچ کر یہ بہانہ کیا کہ "تم لوگوں نے جنگ کے بارے میں میرے مشورے کو قبول نہیں کیا' اس لئے میں تمھارے ساتھ جانے اور جنگ میں شریک ہونے سے معذور ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد کل سات سو رہ گئی۔ ایک طرف تین ہزار کا لشکر جرار اور دوسری جانب کُل سات سو افراد۔ قدرتی بات تھی کہ بعض مسلمان اس حالت کو دیکھ کر ہراساں ہوئے۔ بلکہ دو قبیلوں بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے تو واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ اَن تَفْشَلَا (آل عمران ۱۲۲)

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ثانی ص ۴۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اطمینان دلایا اور نصرتِ خداوندی کا یقین دلا کر ان کی ہمت بندھائی۔ قرآن مجید میں اسی جانب اشارہ ہے" اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم (آل عمران۔۱۲۴)

فوجوں کی صف بندی اور جنگ کے واقعات: قریش مکہ نے غابا اور بحیرہ سے آگے بڑھ کر احد کے دامن میں اپنا مورچہ قائم کیا فوج کو ترتیب دے کر میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو تعینات کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی فوج کی ترتیب قائم کی۔ عام صف بندی کے ساتھ ساتھ آپؐ نے جبل علینین یا جبل رماۃ پر ایک صحابی حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں ۵۰ تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ جبل احد اور جبل رُماۃ کے درمیان واقع وادی قناۃ سے دشمن کی کسی فوج کو گذرنے نہ دیں اور اگر کوئی دستہ مسلمانوں کی پشت سے ان پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے تو انھیں تیروں سے روکیں نیز خواہ کچھ حالات رونما ہوں وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ رسول اللہ نے اپنی بصیرت سے یہ بات جان لی تھی کہ دشمن موقع ملنے پر جبل احد کا چکر کاٹ کر مسلمانوں پر پشت سے حملہ کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا آپؐ نے اس کا یہ تدارک فرمایا ایک اور مختصر دستہ آپؐ نے جبل احد پر اس جگہ متعین کیا جہاں پہاڑ خم کھا کر ایک درہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور دوسری طرف خود آپؐ نے جبل احد کے دامن میں اس درہ کے قریب ہی قیام فرمایا۔

جنگ ۷ شوال کو ہوئی لڑائی کی ابتداء دشمن نے کی۔ خالد اور عکرمہ اپنے اپنے دستے لے کر آگے بڑھے۔ حضورؐ نے فوراً اپنی فوج کے دو حصے کر کے ایک حصہ حضرت زبیرؓ کی ماتحتی میں دیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ آپؐ کے حکم کے بغیر حرکت نہ کرے دوسرے حصہ کو جبل علینین کی طرف بڑھا دیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عکرمہ اور خالد دونوں اس جنگی چال کو نہ سمجھ سکے۔ عکرمہ نے مسلمانوں کے دستے کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لئے تھوڑی دیر توقف کیا اس اثناء میں خالد نے آگے بڑھ کر دستہ پر حملہ کر دیا لیکن دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی اس لئے خالد کو پسپا ہونا پڑا۔ اسی وقت حضورؐ نے حضرت زبیرؓ کو حملے کا حکم دیدیا۔ اسلامی دستول نے عکرمہ کی فوج کو جو ابھی حرکت میں بھی نہیں آئی تھی۔ پیچھے دھکیل دیا۔ دونوں دستوں کی اس طرح پسپائی نے قریش کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے یکبارگی دشمن پر ہلہ بول دیا۔ اور جنگ کا ہنگامہ ایسا گرم ہوا کہ مشرکین کی خواتین جو پہلے ہی سے خائف ہو رہی تھیں میدانِ جنگ سے بھاگنے لگیں۔ دشمن کی فوج میں بھی ابتری پھیل گئی۔ مسلمان اسے اپنی فتح سمجھ کر لوٹ کھسوٹ کرنے لگے۔ تیراندازوں نے یہ حال دیکھا تو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے منع کرنے کے باوجود انھوں نے بھی مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ مع دس ساتھیوں کے اپنی جگہ جمے رہے۔ خالد نے موقع غنیمت سمجھا اور اپنے دستہ کے ہمراہ پہاڑ کا چکر کاٹ کر وادی قناۃ کی راہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے بھی اس حملہ میں خالد کا ساتھ دیا۔ ان لوگوں نے بقیہ تیراندازوں کو شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ بھی شہید ہو گئے[1]۔ باقی کفار نے خالد کے حملہ کی کامیابی دیکھی تو وہ بھی پلٹ پڑے اور مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔

اس حملہ سے مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں ان کے حواس جاتے رہے اور وہ خلاف قاعدہ قتال کرنے لگے۔ حیرانی و پریشانی کے عالم میں انھوں نے اپنے ہی بعض آدمیوں کو شہید کر دیا۔ حضورؐ نے یہ حال دیکھا تو آپ چودہ، پندرہ آدمیوں کو

---

[1] ابن سعد ص ۵۲ ج ۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جن میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے لیکر پہاڑ کی بلندی کی جانب بڑھے اور ایک جگہ مورچہ بنا کر مشرکوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کرنے لگے۔ دشمنوں نے آپؐ کو قتل کرنے کے ارادے سے کئی حملے کئے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ البتہ پتھر لگنے سے آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے چہرۂ مبارک اور پیشانی پر زخم آگیا۔ کفار میں سے ایک شخص ابن قمیہ آپؐ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے تلوار سے آپؐ پر حملہ کیا۔ لیکن حضرت طلحہ بن عبداللہؓ آپؐ کے قریب تھے انہوں نے تلوار کے اس وار کو اپنے ہاتھ سے روکا جس سے ان کی انگلیاں بیکار ہوگئیں۔ اسی افراتفری میں حضور ایک گڑھے میں گر گئے جس کی وجہ سے دشمنوں نے شور مچا دیا کہ محمدؐ مارے گئے (نعوذ باللہ) مسلمانوں نے بھی جب آپؐ کو سامنے موجود نہ پایا تو وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے اور سخت ہراساں ہوئے۔ بعض کی ہمت پست ہوگئی لیکن اکثر مسلمان بے جگری سے لڑتے رہے۔

مسلمانوں کے اس جوش کو دیکھ کر کفار کو خیال ہوا کہ ہم فتح حاصل کر چکے ہیں محمدؐ کا کام تمام کر دیا ہے لہٰذا اب لڑ کر اپنے آدمیوں کی جانیں ضائع کرنے سے کیا فائدہ چنانچہ انھوں نے ابوسفیان کے منع کرنے کے باوجود اپنے پڑاؤ کی جانب واپس ہونا شروع کر دیا۔

جو مسلمان پریشانی کے عالم میں میدان سے فرار ہو چکے تھے انھوں نے اپنے بھائیوں کو بہادری سے لڑتے دیکھ کر مراجعت کی اور انھوں نے بھی دشمنوں پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں کا پلہ بھاری دکھائی دینے لگا اور مسلمانوں کو جب اس بات کا علم ہوا کہ رسول اللہ حیات ہیں تو انکی ہمتیں عود کر آئیں۔

ادھر ابوسفیان نے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ رسول اللہ زندہ ہیں یا نہیں پہاڑ پر چڑھ کر آواز لگائی کہ محمدؐ ابوبکرؓ یا عمرؓ کوئی زندہ ہیں؟ اور جب اسے جواب ملا کہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ سب حیات ہیں۔ اُدھر مسلمانوں کا تازہ جوش و جذبہ دیکھا تو اُسنے راہ فرار اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا لیکن چلتے چلتے یہ کہتا گیا کہ "اگلے سال پھر ہمارا تمھارا مقابلہ بدر میں ہوگا"۔ مسلمانوں کی جانب سے اس کو جواب ملا کہ ہم بھی اس کے لئے تیار ہیں۔

غرض ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا حضورؐ نے بطور احتیاط حضرت علیؓ کو ایک دستہ فوج دے کر اس کے تعاقب میں بھیجا تاکہ وہ اسکے آئندہ ارادہ کا پتہ لگائیں۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر اطلاع دی کہ ان کا رُخ مکہ کی جانب ہے اور وہ مدینہ پر حملہ کا ارادہ نہیں رکھتے۔

غزوۂ احد میں بھی حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو حارثہؓ نے بہادری کے اعلیٰ نمونے دکھائے۔ حضرت حمزہؓ کی شجاعت و بہادری کو دیکھ کر جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشیؓ[1] کو آزادی کا لالچ دے کر زہر آلود خنجر سے شہید کرا دیا۔

اس غزوہ میں اسلامی جھنڈا سرنگوں نہیں ہونے دیا گیا۔ حضرت مصعبؓ جنکو شروع میں جھنڈا سپرد کیا گیا تھا شہید ہو گئے تو حضرت علیؓ نے جھنڈا لے لیا اور نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔

اس جنگ میں مشرکین نے مسلمان شہداء کا مثلہ کیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی جنگ ختم ہونے کے بعد چاہا کہ ہم بھی ان کے مقتولین کی بے حرمتی کریں مگر آپؐ نے ان کو اس فعل سے باز رکھا یہی نہیں بلکہ جب شہداءِ احد کو دفنا چکے تو قریش کے مُردوں کو دفن کرنے کا بھی انتظام کیا اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے۔

غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کے بھائی عمرو بن معاذؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے والد الیمان غلطی سے خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ شہداء احد میں چار مہاجر تھے باقی سب انصار۔

---

[1] اللہ کی شان ہے کہ یہی وحشی بعد کو شرف بہ اسلام ہوئے اور جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب ان ہی کی نوک خنجر کا نشانہ بنا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مشرکین کے کُل تیس آدمی مارے گئے۔

غزوۂ احد مسلمانوں کے لئے ایک المیہ کی حیثیت رکھتا ہے اس میں مسلمانوں کا جو جانی نقصان ہوا وہ کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس سانحہ کا ایک عجیب پہلو یہ ہے کہ کفار کے لئے بھی اس کو ایک کامیاب مہم نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ ان کا جانی نقصان نسبتاً کم ہوا۔ بظاہر ان کو کسی قدر فتح وکامیابی بھی ہوئی لیکن انھوں نے اس فتح کو تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی میدانِ جنگ سے فرار اختیار کیا۔ اور چلتی ہوئی جنگ کو نہایت غیر فیصلہ کن انداز میں چھوڑ دیا۔

ہماری نظر میں مسلمانوں سے اس غزوہ میں تین لغزشیں ہوئیں اول یہ کہ انھوں نے رسول اللہ کے اس مشورہ پر عمل نہیں کیا کہ مدینہ کے اندر ٹھہر کر ہی دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے اگرچہ انھوں نے بعد کو اپنی لغزش کو محسوس کر لیا تھا لیکن یہ ایک تیر جستہ تھا جس کی تلافی ممکن نہ ہوئی اور مسلمانوں نے شہر سے باہر جا کر بے سروسامانی کے عالم میں مقابلہ کیا جس کی وجہ سے انھیں نقصانِ عظیم اٹھانا پڑا۔ دوم یہ کہ تیراندازوں نے جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل رماۃ پر متعین کیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور اپنی جگہ کو کسی حالت میں نہ چھوڑیں۔ آپؐ کی ہدایت کو فراموش کر دیا اور اپنے سردار حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مالِ غنیمت کی جانب اپنی توجہ کو مبذول کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید کو پیچھے سے حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور مجاہدین کو چند افراد کی اس لغزش کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سوم یہ کہ مسلمانوں نے جنگ کا نقشہ ایسا جمایا کہ لڑنے والوں کو خواہ اس سے کتنا ہی فائدہ ہُوا ہو لیکن غور سے دیکھیئے تو شہر مدینہ اور وہاں کے دیگر باشندوں کے لیے یہ اقدام انتہائی خطرناک تھا۔ وہ علاقہ جہاں سے مدینہ پر آسانی سے حملہ کیا جاسکتا تھا شروع ہی سے قریش کے تصرف میں تھا۔ مُسلمانوں نے اس طرف سے ان کے حملہ کو روکنے کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لئے کوئی انتظام نہیں کیا تھا ممکن ہے جس عجلت میں مسلمانوں نے دفاع کا انتظام کیا۔ اس میں انھیں اس طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہ ملا ہو تاہم ان کی اس چوک سے فائدہ اٹھا کر اگر قریش اس وقت اپنے ایک دستہ فوج سے مدینہ پر حملہ کر دیتے جبکہ میدانِ کارزار گرم تھا تو مسلمانوں کے لئے حالات اور بھی ناگفتہ بہ ہو جاتے اور اس سے ان کو جو عظیم نقصان اٹھانا پڑتا اس کا اندازہ بھی آج مشکل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا خیال اس وقت ہوا جب کفار میدانِ جنگ سے مکہ کی جانب چل پڑے۔ اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو ایک دستہ فوج دے کر ان کے تعاقب میں یہی بات معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ ان کا منصوبہ مدینہ پر حملہ کرنے کا تو نہیں ہے بہر حال اس کو اللہ کا فضل و کرم ہی کہا جائے گا کہ قریش کے ذہن میں نہ جنگ کے دوران یہ بات آئی اور نہ اختتام جنگ پر یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے لئے دشواری پیدا کر دیتے۔ بعد میں رسول اللہ نے اپنی پیش بینی سے اس خطرہ کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے جنگ میں تھکے ہوئے اور غمزدہ مسلمانوں کو رات کے وقت تھوڑا سا آرام دے کر پھر ابو سفیان اور اس کے لشکر کے تعاقب کے لئے تیار کر لیا۔ اور خود آپؐ نے مجروح ہونے کے باوجود ایک اور مہم سر کی جو تاریخ میں غزوہ حمراء الاسد کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔

(۱۲) غزوۂ حمراء الاسد

(۸ شوال ۳ھ بمطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء)

یہ غزوہ دراصل غزوۂ احد کا تکملہ تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ جب رسول اللہ نے غیر متوقع طور پر لشکر کفار کو میدان جنگ سے جاتے ہوئے دیکھا تو خیال ہوا کہ ممکن ہے وہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہوں۔ لہٰذا آپؐ نے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ان کے عزم و ارادہ کی بابت پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے آکر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اطلاع دی کہ ان کا اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ وہ سیدھے مکہ کی جانب جارہے ہیں اگرچہ اس طرح وقتی طور پر آپؐ نے اطمینان کر لیا۔ پھر بھی آپؐ کو یہ خیال ہوا کہ "ممکن ہے آگے جاکر ان کی نیت خراب ہو جائے۔ اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پلٹ پڑیں"۔ یہ صرف آپؐ کا قیاس ہی نہیں تھا بلکہ حقیقت بھی تھی کہ ابوسفیان نے تھوڑی دور جاکر اپنی غلطی محسوس کی اور وہ سوچنے لگا کہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہو۔ وہ اسی فکر میں تھا کہ صفوان بن امیہ نے اس کو اپنی گفتگو سے بےحد مرعوب کر دیا اور وہ تذبذب میں پڑ کر یہ اقدام نہ کر سکا۔

بہرکیف آنحضرتؐ نے دوسرے دن صحابہ کی خستہ حال جماعت کو ساتھ لیا اور لشکر قریش کے تعاقب میں چل پڑے[1]۔ حمراء الاسد نامی مقام پر پڑاؤ ڈالا اور وہاں تین دن قیام فرمایا۔ جب یقین ہو گیا کہ اب دشمن واپس نہیں آئے گا تو آپؐ نے مدینہ کی جانب مراجعت کی۔ اس موقع پر آپؐ نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو قائم مقام بنایا اور رایت لشکر حضرت علیؓ یا حضرت ابوبکرؓ کو دیا۔

اس غزوہ میں اگرچہ جدال و قتال کی نوبت نہیں آئی تاہم اس سے آپؐ کی بصیرت پیش بینی اور جنگی مہارت کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ اس قسم کے معاملات کو حل کرنے کی بھی آپ میں غیر معمولی صلاحیت موجود تھی۔ یہ غزوہ جن حالات میں واقع ہوا ان کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وہ نظر عطا کی تھی جو صرف انبیاء ہی کے لئے مخصوص ہے۔ ورنہ اس خستہ حالی اور پریشانی کے عالم میں کوئی بڑے سے بڑا سالار بھی یہ اقدام نہ کرتا کہ اتنے بڑے لشکر کا تعاقب کرے وہ بھی اس صورت میں جب ایک دن پہلے ان کے ہاتھوں اتنا نقصان اٹھا چکا ہو۔

---

[1] ابن سعد نے غزوہ حمراء الاسد کے لئے روانگی کے وقت آپ کی حالت یہ بیان کی ہے "آپؐ اس حالت میں روانہ ہوئے کہ چہرۂ مبارک مجروح تھا اور پیشانی مبارک زخمی تھی دندان مبارک ٹوٹا ہوا تھا اور نیچے کا ہونٹ اندر کی جانب سے مجروح تھا داہنا شانہ ابن قمیہ کی تلوار کی ضرب سے سست تھا اور دونوں گھٹنے چھلے ہوئے تھے۔ طبقات کبیر جزو ثانی ص ۶۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غزوۂ حمرا الاسد واقعات کے لحاظ سے معمولی سہی لیکن اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے نہایت مہتم بالشان ہے۔

۱۳۔ غزوۂ بنی النضیر

(ربیع الاول ۴ھ مطابق اگست ۶۲۵ء)

واقعات: بئر معونہ کا واقعہ نہایت المناک تھا۔ اس میں کفار نے چالیس مسلمانوں کو تبلیغ کے بہانہ سے اپنے علاقہ میں لیجاکر شہید کر دیا تھا اس موقع پر ایک صحابی عمرو بن امیہ بچکر مدینہ واپس آرہے تھے تو اثنائے راہ میں انھوں نے بنی عامر کے دو شخصوں کو سوتے میں قتل کر دیا۔ جب مدینہ پہنچے اور حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے بہت افسوس ظاہر کیا۔ اس لئے کہ بنو عامر سے آپؐ کی صلح تھی اس کی بنا پر آپؐ نے دونوں مقتولوں کی دیت دینی چاہی چونکہ بنو نضیر بنو عامر کے حلیف تھے لہذا آپؐ نے بنو نضیر کو بیچ میں ڈال کر اس معاملہ کو طے کرانا چاہا۔

بنو نضیر یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ کی آبادی سے جنوب مغرب کی جانب پانچ میل کے فاصلہ پر مشرقی حرہ (حرۂ واقم) پر لبا ہوا تھا ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت اسید بن حضیر کو ہمراہ لے کر بنی نضیر کی بستی میں گئے اور وہاں ان سے گفتگو فرمائی کہ وہ اس معاملہ کو طے کرانے میں آپؐ کی مدد کریں۔ بظاہر تو انھوں نے آپ کو تعظیم سے بٹھایا اور مدد کا یقین دلایا۔ لیکن ساتھ ہی آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں جس سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی نیتوں میں فتور ہے۔

دراصل گفتگو کے دوران آپؐ ایک دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے ان لوگوں نے ایک شخص عمرو بن حجاش کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ پیچھے کی طرف سے دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے ایک بڑا سا پتھر گرا کر آپؐ کو شہید کر دے۔ ان کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور کہا کہ یہ اس عہد کے قطعاً خلاف ہے جو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہمارے اور ان کے درمیان ہوچکا ہے لیکن وہ لوگ اپنے ارادے سے باز نہ آئے اور بدعہدی پر آمادہ ہوگئے۔[1]

جب یہ بدسرشت یہ ارادہ کر رہے تھے اسی وقت حضور اکرم کو کشف سے معلوم ہو گیا۔ آپؐ وہاں سے نہایت تیزی سے اُٹھے اور اس طرح چل پڑے گویا کسی حاجت کا قصد ہے لیکن بغیر اپنے اصحاب کو مطلع کئے مدینہ تشریف لے آئے۔ جب آپؐ کی واپسی میں دیر ہوئی تو صحابہ کو تشویش لاحق ہوئی اور وہ آپؐ کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ کسی سے پتہ چلا کہ آپؐ مدینہ کی جانب تشریف لے گئے ہیں لہٰذا وہ لوگ بھی ڈھونڈتے ہوئے مدینہ پہنچے اور آپ کو مسجد نبوی میں موجود پایا۔ تب آپؐ سے یکایک چلے آنے کا سبب دریافت کیا آپؐ نے بتایا کہ "یہود نے بدعہدی کا ارادہ کیا تھا، مجھے پتہ چل گیا اس لئے چلا آیا"۔

اس کے بعد رسول اللہؐ نے حضرت محمد بن سلمہؓ کے ذریعہ یہود بنو نضیر کو کہلا بھیجا کہ تم نے جو بدعہدی کی ہے اس کی وجہ سے اب تمھیں مدینہ میں رہنے کا حق نہیں ہے۔ تمھیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے اس عرصہ میں تم اپنا انتظام کر کے جس طرف چاہو نکل جاؤ۔ اس کے بعد اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی فرد مدینہ کی حدود میں نظر آئے گا اسکو قتل کر دیا جائے گا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام پاکر مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوا تو اس کی رگِ منافقت پھڑکی۔ اور اس نے کہلا بھیجا کہ "تمہیں مدینہ سے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرے ساتھیوں کے علاوہ دو ہزار عرب اور بنو قریظہ اور غطفان کے لوگ تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ اگر تم ہمت سے کام لے کر اپنی جگہ جمے رہے تو مسلمان تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔[2]

عبداللہ بن ابی کی ان باتوں سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے بنو قریظہ کے سرداروں

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۲۔ [2] ایضاً ص ۴۳ جزو ثانی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے گفتگو کی۔ انھوں نے اپنی مدد کا پوری طرح یقین دلایا۔ غرض وہ لوگ دھوکے میں آگئے اور انھوں نے رسول اللہ کو کہلا بھیجا "ہمیں مدینہ سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ آپؐ کے جو جی میں آئے کیجئے"۔

واقعات: یہ جواب پاکر رسول اللہ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنا کر رائت لشکر حضرت علی کے سپرد کیا اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ محلہ بنی النضیر کی جانب روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر نماز عصر ادا فرمائی یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو پندرہ دن تک جاری رہا نہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بنو نضیر کی امداد کی اور نہ بنو قریظہ اور بنو غطفان میں سے کوئی فرد مدد کے لئے آیا۔ آنحضرتؐ نے چند روز بعد ان کے باغ کے کچھ درخت کٹوائیے جس پر یہ آیت نازل ہوئی ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا (حشر ۵) بنو نضیر پہلے ہی امداد سے مایوس ہو چکے تھے۔ اور محاصرہ کی سختی نے ان کے کس بل نکال دیئے تھے۔ مسلمانوں کے اس اقدام نے ان کو بالکل ہی بوکھلا دیا۔ اور وہ صلح پر آمادہ ہو گئے رسول اللہ نے ان کی پیش کش کو اس طرح قبول فرمایا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور جتنا سامان اونٹوں پر لاد کر لے جاسکیں لیجائیں لیکن اسلحہ آپؐ کے حوالے کر دیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے اور کہلا بھیجا کہ:-

> "ہم آپؐ کا شہر خالی کر کے چلے جائیں گے اور اپنی املاک میں سے اسلحہ اور زرہوں کے علاوہ صرف وہ چیزیں لیجائیں گے جو اونٹوں پر لاد سکتے ہیں۔ اور باقی تمام چیزیں۔ اسلحہ۔ زرہیں۔ نخلستان اور اراضی رسول اللہ کا حق ہوں گی"۔ [1]

نتیجہ: محاصرہ اٹھا لیا گیا اور ان کو شہر سے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۵ جزو اول ترجمہ سید ابوالخیر مودودی۔ دکن ۱۹۳۲ء

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے مال واسباب اونٹوں پر بار کیا۔ اپنے مکانوں کو خود ہی منہدم کر دیا اور گاتے بجاتے خوشیاں مناتے مدینہ سے نکل کر بعض لوگ شام کی طرف لیکن اکثر وبیشتر خیبر کی جانب چلے گئے۔ شرفاء بنو نضیر میں سے سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب جلا وطن ہو کر خیبر میں جا بسے[1]۔

رسول اللہ کو ان کے اموال میں سے زمینوں اور نخلستانوں کے علاوہ پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ملیں[2]۔ یہ تمام چیزیں آنحضرتؐ کے خالصہ میں شمار کی گئیں۔ آپؐ نے کچھ مال انصار سے یہ کہہ کر بعض مہاجرین کو دے دیا کہ

"تمھارے بھائی مہاجر نادار ہیں اگر تمھاری مرضی ہو تو میں یہ مال ان میں تقسیم کر دوں۔"

انصار نے نہ صرف اس بات کو بطیب خاطر منظور کیا بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہمارے مال میں سے بھی کچھ ان کو دے دیں۔

اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا "خدا تمھیں جزائے خیر دے"۔ مہاجرین کے علاوہ آپ نے دو انصاریوں سہیل بن حنیف اور ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی بوجہ ان کی ناداری کے کچھ مال عطا فرمایا۔

بنو نضیر کی جو زمینیں آپ کو ملیں ان میں زراعت فرما کر اس کے محاصل سے آپؐ اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کی روزی حاصل فرماتے[3]۔ بنو نضیر میں سے صرف دو آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے (۱) یامین بن عمیر بن کعب (۲) ابو سعد بن وہب چنانچہ ان کا اسباب ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا[4]۔

یہ تمام انتظامات فرما کر آپؐ مدینہ تشریف لے آئے۔

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۸ [2] ابن سعد ص ۷۵ [3] فتوح البلدان جزو اول ص ۲۵

[4] تاریخ طبری حصہ اول ص ۲۶۹۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ غزوۂ بدر الموعد یا غزوہ بدر ثالث

(ذی قعدہ ۴ھ مطابق اپریل ۶۲۶ء)

اسباب: غزوہ احد سے چلتے وقت ابوسفیان نے للکار کر کہا تھا کہ "ہمارے تمھارے درمیان آئندہ سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ ہو گا۔"

مسلمانوں نے بھی اس کے اس چیلنج کو قبول کر لیا تھا۔

ایک سال کی جو میعاد مقرر کی تھی جب وہ قریب آئی تو ابوسُفیان کو فکر لاحق ہوئی درصل وہ اس وقت جنگ کے لیے بالکل آمادہ نہیں تھا۔ اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس موقع پر طویل سفر اور جدال و قتال سے بچ جائے لیکن ساتھ ہی اپنی عزت کا بھی خیال تھا اس کی خواہش تھی کہ جنگ سے بیٹھ رہنے کا اظہار اُس کی طرف سے نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی جانب سے کوتاہی ظاہر ہو۔ چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود الاشجعی کو کچھ لالچ دے کر مدینہ بھیجا۔ کہ وہ کسی طرح آنحضرتؐ اور صحابہ کو جنگ کے لئے نکلنے سے باز رکھے نعیم نے مدینہ پہنچ کر مشہور کیا کہ ابوسفیان بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے آرہا ہے اور اس سے ٹکر لینا مسلمانوں کے لئے ممکن نہیں لہذا وہ جس طرح بھی ہو سکے جنگ سے گریز کریں بعض صحابہ اس کی گفتگو سے متاثر ہو کر کشمکش و پیچ میں پڑ گئے لیکن حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے تمام خطرات سے بلند ہو کر جہاد کا اعلان فرما دیا اور مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ سامان تجارت بھی ساتھ لے کر چلیں تاکہ ذی قعدہ کے پہلے ہفتہ میں بدر کے مقام پر جو بازار لگتا ہے اس میں شرکت کر سکیں[1]

آپؐ کے ارشاد کے بموجب مسلمان تیار ہو گئے۔ سامان تجارت بھی ساتھ لے لیا آپؐ نے اس مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ جھنڈا حضرت علیؓ کو سپرد کیا اور پندرہ سو صحابہ کی معیت میں بدر الصفراء کی جانب

[1] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۷۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

روانہ ہو گئے۔[۱]

ذی قعدہ کی چاند رات کو آپؐ مع لشکر بدر الصفراء میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن صبح سے وہاں بازار لگ گیا۔ مسلمانوں نے سامان تجارت جو ساتھ لے گئے تھے فروخت کر کے سو فیصدی منافع کمایا۔[۲]

ادھر ابوسفیان دو ہزار قریش کو لے کر مکہ سے روانہ ہوا۔ مر الظہران میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "اس مرتبہ خشک سالی کی وجہ سے ہمیں جانوروں کے لئے چارہ اور پانی کی فراہمی میں کافی دقت و دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ ہم اس مہم کو آئندہ کے لئے ملتوی کر دیں۔ اس کے بعد اس نے مع لشکر مکہ کی جانب مراجعت کی رسول اللہ آٹھ دن بدر الصفراء میں اس کا انتظار کر کے مدینہ واپس آ گئے۔ اور جدال و قتال کی نوبت نہیں آئی۔

اس غزوہ میں آپ سولہ دن مدینہ سے باہر رہے۔[۳] گویا آپؐ کی واپسی ۱۲ یا ۱۳ ذی قعدہ مطابق ۱۵ یا ۱۶ اپریل ۶۲۶ء کو ہوئی۔

۱۵۔ غزوہ ذات الرقاع

(محرم ۵ھ مطابق جون ۶۲۶ء)[۴]

رقاع کے معنی پیوند یا پٹیاں ہیں چونکہ اس غزوہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس علاقہ میں تشریف لے گئے وہاں کے پتھر اور چٹانیں مختلف رنگوں کے تھے کسی کا رنگ سرخ تھا کسی کا سفید اسی لئے یہ علاقہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے اس کی جائے وقوع

---

[۱] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۴۶۔ [۲] ایضاً۔ [۳] التنبیہ والاشراف ص ۵۱۔

[۴] ابن ہشام نے اس غزوہ کا زمانہ جمادی الاول ۴ھ بتایا ہے اور اس کا ذکر غزوہ بدر الموعد یا غزوہ بدر الاخریٰ سے پہلے کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام۔ ص ۴۰۷۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقاماتِ سعد اور شقرہ کے درمیان نجد میں ہے۔ [1]

ماہ محرم ۵ھ کے اوائل میں کوئی تاجر یا تجارتی قافلہ نجد کی طرف سے مدینہ آیا اور اس سے صحابہ کو اطلاع ملی کہ انمار اور ثعلبہ نامی قبیلوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے کچھ گروہ جمع کئے ہیں۔ یہ خبر حضور ؐ کو پہنچائی گئی تو آپؐ نے مدینہ پر حضرت عثمانؓ بن عفان کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ اور ۱۰ر محرم ۵ھ مطابق ۱۱ر جون ۶۲۶ء کو ۸ سو یا بعض روایات کے مطابق ۴ سو اصحاب کے ساتھ ذات الرقاع کی جانب روانہ ہوئے۔ تقریباً ۴ دن کے سفر کے بعد آپؐ منزلِ مقصود پر پہنچے۔ لیکن وہاں کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ تاہم آپؐ کو اطلاع ملی کہ دشمن بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھپ گئے ہیں۔ اور حملہ کے لئے موقع کے منتظر ہیں۔ اس خطرہ کے پیشِ نظر آپؐ نے پہلی مرتبہ صلوٰۃ الخوف ادا کی۔

اگرچہ تاریخوں سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ آپ اس مقام پر کتنے دن فروکش رہے تاہم جو مدت آپ کو اس سفر میں لگی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ ذات الرقاع میں کئی روز ٹھہرے۔ اس کے بعد بغیر جدال و قتال کے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی اور ۲۵ر محرم ۵ھ مطابق ۲۶ر جون ۶۲۶ء کو مدینہ سے تین میل دور مقام صرار میں پہنچ گئے۔ غالباً اسی دن مدینہ میں نزول اجلال فرمایا۔ اور اس طرح اس غزوہ میں ۱۵ دن صرف ہوئے۔

---

[1] ابن سعد ص ۷۸، التنبیہ والاشراف ص ۵۲/ ابن ہشام نے ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ کفار نے اپنے جھنڈوں پر کچھ لکھا تھا۔ ابن ہشام ص ۷۰۴۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ "ہم آنحضرت صلعم کے ساتھ جہاد کو نکلے اور ہم چھ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ تھا جس پر باری باری ہم چڑھتے تھے۔ بالآخر ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے اور میرے دونوں پیر زخمی ہو گئے۔ اور ناخن گر پڑے ہم نے ان زخموں پر چیتھڑے لپیٹے اسی وجہ سے اس جہاد کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑ گیا۔" صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر ص ۹۴۹ ان تینوں روایتوں میں (باقی آگے)

www.KitaboSunnat.com

۱۶۔ غزوۂ دومۃ الجندل

(ربیع الاول ۵ھ مطابق اگست ۶۲۶ء)

دومۃ الجندل دمشق کی جانب جزیرہ نما عرب کے شمال میں ایک سرے پر واقع ہے مدینہ سے اس کی مسافت ۱۳، ۱۴ دن کی ہے[1] وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک مذہبًا نصرانی اور ہرقل اعظم کا فرمانبردار تھا۔ وہ اور اس کے علاقہ کے آدمی مدینہ سے اس طرف جانے والے مسلمان تاجروں کو بیحد پریشان کرتے تھے۔

جب ان کی زیادتی کی مسلسل اطلاعات ملنے لگیں تو رسول اللہ نے ان کے خلاف جہاد فرمایا۔ اور مدینہ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری[2] کو اپنا قائم مقام بناکر ۲۵ ربیع الاول مطابق ۲۴ اگست ۶۲۶ء کو مع ایک ہزار صحابہ دومۃ الجندل کی جانب روانگی فرمائی۔ منزل مقصود پر پہنچے تو آپؐ کو چند چرواہے ملے جن کے کچھ اونٹ آپؐ کے ہاتھ آئے کوئی شخص مقابلہ کے لئے نہیں نکلا اور اس لئے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ محض ایک شخص گرفتار ہوا جس کی زبانی آپؐ کو معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں نے چرواہوں کے اونٹ پکڑے اسی وقت وہ لوگ جو مقابلہ کے لئے تیار تھے دوڑ کر بھاگ گئے۔ جو شخص گرفتار ہوا تھا وہ آپکی معمولی سی کوشش سے مشرف بہ اسلام ہوا۔

چند روز دومۃ الجندل کے قریب قیام فرما کر آپؐ مدینہ کی جانب لوٹے اور ۲۰ ربیع الآخر ۵ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۶۲۶ء کو واپس پہنچ گئے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ابن سعد اور مسعودی کی روایت قرین صحت معلوم ہوتی ہے یعنی اس علاقہ کی چٹانوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع ہوا۔[2] ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوذر غفاری کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا (ص ۴۲۰)

[1] ابن سعد نے ۱۵، ۱۶ دن بتائی ہے۔ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں دو روایتیں دی ہیں ایک ۵ اشبوں کی دوسری ۴ اشبوں کی لیکن دوسری ہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس غزوہ میں مجموعی طور پر آپکو تقریبًا ایک مہینہ لگا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ایک طرف کے سفر کی مدت ۱۳ دن سمجھی جائے۔ [2] ابن سعد (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۷۔ غزوۂ المریسیع یا غزوہ بنی المصطلق

(شعبان ۵ھ مطابق دسمبر ۶۲۶ء وجنوری ۶۲۷ء)

حیرت ہے کہ یہ غزوہ بعض واقعات کی وجہ سے جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کے زمانہ کے تعین میں مورخین اور سیرۃ نگاروں نے اختلاف کیا ہے۔ اور یہ اختلاف بھی اتنا خفیف نہیں کہ اسے بہ آسانی نظر انداز کر دیا جائے۔ یا جس میں آسانی سے تطبیق کی جا سکے۔ تاریخوں میں پورے ایک سال کا فرق ہے۔ ابن سعد اور مسعودی اسے شعبان ۵ھ کا واقعہ بتاتے ہیں اور ابن ہشام، طبری اور ابن خلدون نے شعبان ۶ھ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ لیکن بعض شواہد کی بنا پر ابن سعد اور مسعودی ہی کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اسباب: مریسیع ایک آبگیر کا نام ہے جو مقام قدید کے متصل واقع تھا[۱] قدید وہی مقام ہے جہاں سے ہو کر ہجرت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تھے۔ اس آبگیر کے قریب قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق آباد تھی۔ اس قبیلہ کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا اس نے اپنے قبیلہ میں گھوم پھر کر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر آمادہ کر لیا۔ آپؐ کو اس بات کا علم ہو گیا لہٰذا آپؐ نے بریدہ بن الحصیب الاسلمی کو صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا انھوں نے مطلع کیا کہ وہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں[۲]

واقعات: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہو گیا تو آپؐ نے صحابہ کو جنگ کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ بہت جلد ایک مختصر سا لشکر تیار ہو گیا۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کی جماعت کے اور بھی کئی لوگ ساتھ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ منافقین نے کسی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ص ۸۰ ابن ہشام ص ۷۰۰ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں حضرت ام ابن مکتوم کا نام لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۸۳

[۱] تاریخ طبری حصہ اول ص ۳۱۲ سیرۃ ابن ہشام ص ۷۲۸

[۲] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۸۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مہم میں شرکت کی بہرحال آپؐ اس لشکر کو لے کر نہایت پیچیدہ راہوں سے ہوتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچے۔ مدینہ سے آپ کی روانگی ۲ شعبان ۵ھ مطابق دسمبر ۶۲۶ء کو ہوئی اس مرتبہ آپ نے زید بن حارثہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور انصار کا حضرت سعد بن عبادہؓ کو دیا۔[۱] آپؐ کی معیت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ بھی تھیں۔

غرض آپؐ طویل سفر کر کے مریسیع کے آبگیر پر پہنچے اور وہاں اپنا خیمہ نصب کرایا۔

جن لوگوں کو حارث نے لڑنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔ وہ تو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پا کر ایسے بوکھلائے کہ بغیر مقابلہ کئے مع اپنے سردار کے فرار ہو گئے۔ البتہ وہاں کی آبادی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور مسلمانوں پر بے انتہا تیر برسائے۔ آخر کار رسول اللہؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ ان پر ایک ساتھ حملہ کر دیں۔ مسلمانوں کا حملہ کچھ ایسا اچانک اور شدید تھا کہ دشمن اس کی تاب نہ لا سکے۔ دس قتل ہوئے اور باقی گرفتار کر لئے گئے۔[۲]

نتائج: آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور تقریباً چھ سو افراد گرفتار ہوئے۔ ان ہی اسیرانِ جنگ میں سردار قبیلہ کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں جو بعد کو اُم المومنین بنیں۔ قیدیوں کے علاوہ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔[۳]

مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو حضرت جویریہ ایک صحابی ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انھوں نے حضرت ثابت سے مکاتبت کی بات طے کی اور طے شدہ رقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرما دی۔ حضرت جویریہ کی خواہش پر آپؐ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ حضرت جویریہ کا باپ حارث بھی آپؐ کے حُسنِ سلوک سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔[۴]

۱۔ طبقات ابن سعد جزء ثانی ص ۸۲ ۲۔ ایضاً ص ۸۱ التنبیہ والاشراف ص ۵۵ ۳۔ طبقات ابن سعد ص ۸۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحابہ نے بھی حضورؐ کی تقلید میں اپنے اپنے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت جویریہؓ کی اپنی قوم کے لئے یہی برکت تھی جس کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں "میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لئے جویریہؓ سے بڑھ کر برکت کا سبب بنی ہو۔"

جنگ ختم ہو گئی اور مالِ غنیمت تقسیم ہو چکا تو رسول اللہ نے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ اور ۲۸ روز باہر رہ کر ۳۰ شعبان ۵ھ مطابق ۲۴ جنوری ۶۲۷ء کو مدینہ میں داخل ہوئے۔[1]

غزوۂ بنی مصطلق کے چند واقعات ایسے ہیں کہ ان کا کم از کم حوالہ دینا بہت ضروری ہے

(۱) اس غزوہ ہی میں سب سے پہلے منافقین نے شرکت کی۔ اور کئی موقعوں پر اپنی منافقت کا مظاہرہ کیا۔

(۲) سب سے پہلے اس موقع پر عبداللہ بن ابی کی شرارت سے مہاجرین و انصار کے درمیان پانی کے معاملہ میں تلخ کلامی ہو گئی۔ جس پر عبداللہ بن ابی نے انصار کو طعنہ دیا کہ "یہ وہ ہے جو تم نے خود اپنے ساتھ کیا" یعنی یہ سب تمہاری اپنی غلطی ہے کہ نہ ان لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دیتے نہ ان کی اتنی آؤ بھگت کرتے اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔

(۳) اسی غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کو ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں وضو کے لئے پانی میسر نہیں تھا لہٰذا تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ بعض مؤرخین نے اس واقعہ کا تعلق کسی دوسرے غزوہ سے بتایا ہے۔ لیکن ابن سعد نے اس کا ذکر اسی موقع پر کیا ہے۔

(۴) اسی غزوہ میں حضرت عائشہ پر تہمت لگائی گئی جس کی وجہ سے ایک ماہ

---

[1] مدینہ میں رمضان کی چاندرات تشریف لائے۔ طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۸۴ سے ۵۳ ایضاً سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۹۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ بیحد رنجیدہ رہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور اتار کر ان کی برأت کا اعلان کیا اور صحابہؓ کو آئندہ احتیاط برتنے کی تاکید کی جن لوگوں نے یہ خبر اڑائی تھی ان پر حد قذف جاری ہوئی۔[1]

۱۸۔ غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

(شوال ۵ھ مطابق مارچ ۶۲۷ء)

چونکہ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور شہر مدینہ کے دفاع کے لئے ایک طویل خندق کا حصار قائم کیا تھا اس لئے اسی نام سے اس کی شہرت ہوئی لیکن دوسرے غزوات کے خلاف اس میں مشرکین عرب اور یہود کے مختلف قبائل کا اتحاد قائم ہوگیا تھا۔ اور ان سب قبیلوں کے ایک بڑے متحدہ لشکر نے مدینہ پر حملہ کیا تھا اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ احزاب بھی ہوگیا۔ یہ لفظ حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں۔

غزوۂ خندق یا احزاب میں عرب کے جن قبیلوں نے حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) قریش (۲) غطفان (۳) سُلیم (۴) اسد (۵) اشجع (۶) قریظہ (۷) نضیر۔ ان کے علاوہ بعض اور قبائل کے چند افراد نے شرکت کی تھی۔[2]

اس غزوہ کا سنہ بالاتفاق ۵ھ ہے۔ چنانچہ طبری اور مسعودی نے اس غزوہ کا ذکر ۵ھ کے واقعات میں کیا ہے۔ ابن ہشام، ابن سعد اور حافظ ابن قیم نے بھی اس کو ۵ھ کا ہی واقعہ بتایا ہے۔[3]

بہر حال دو ایک مورخین (مثلاً ابن خلدون[4]) کو چھوڑ کر سب سیرت نگاروں اور مورخوں کا یہی فیصلہ ہے کہ غزوۂ خندق ۵ھ میں ہوا اور یہی صحیح ہے۔ جہینہ کا اختلاف

---

[1] ایضاً سیرت ابن ہشام ص ۴۴۲ [2] التنبیہ والاشراف ص ۵۷ [3] زاد المعاد حصہ دوم ص ۹۱، ۳۰ مترجمہ رئیس احمد جعفری، کراچی ۱۹۶۳ء [4] تاریخ ابن خلدون حصہ اول (عہد رسالت) ص ۲۷ ج ۱۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غیر وقیع ہے۔ ——— اور بعض نے ماہ شوال بتایا ہے اور بعض نے ذی قعدہ۔ ان دونوں میں اس طرح تطبیق ہو جاتی ہے کہ ماہ شوال میں غزوہ شروع ہوا اور ذی قعدہ میں اختتام کو پہنچا۔

اسباب: غزوۂ احد میں ابوسفیان نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ سال بدر کے مقام پر نبرد آزما ہوگا چنانچہ اس طے شدہ منصوبہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر ذی قعدہ ۴ھ میں بدر کے مقام پر پہنچ گئے لیکن ابوسفیان خشک سالی اور قحط کی وجہ سے اپنا عزم اور وعدہ پورا نہیں کر سکا اور مرالظہران سے واپس ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ دن بدر میں قیام کر کے مدینہ کی جانب مراجعت کی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن ابوسفیان کے نزدیک یہ واقعہ قریش کے لئے بے عزتی کا موجب تھا۔ لہٰذا وہ اس کی تلافی آئندہ کسی موقع پر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

ادھر ۴ھ میں یہود بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا تو وہ مسلمانوں سے اس کا بدلہ لینے کی فکر میں رہنے لگے۔ چنانچہ ان کے رئیس سلام بن ابی الحقیق، حی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بنی وائل کے چند آدمیوں کی معیت میں خیبر سے مکہ پہنچے اور قریش کو اپنی امداد و تعاون کا یقین دلا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسایا، اور خود اہل کتاب ہونے کے باوجود یہ تک کہہ دیا "محمد اور ان کے ساتھی (معاذ اللہ) گمراہ ہیں اور تم لوگ صحیح راستہ پر ہو اور تمہارا موقف درست ہے"۔

قریش اور ابوسفیان تو پہلے ہی سے تیار تھے۔ یہودیوں کی شہ پا کر وہ مدینہ پر حملہ کرنے اور ایک بڑی فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ اس قدیم تنازعہ کو نمٹانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اپنی اس کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے یہودیوں کے مذکورہ بالا رئیس خیبر واپس پہنچے تو انہوں نے بعض اور عرب قبائل کو بھی اپنے اس اتحاد میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شامل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ خیبر کے مشرق کی جانب ایک بڑے علاقہ میں عرب کا اہم قبیلہ بنو غطفان آباد تھا۔ اس کے سرداروں سے ملے اور ان کو یہ لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا کہ خیبر کی کھجوروں کی ایک سال کی پیداوار ان کی نذر کر دی جائے گی۔ بنو غطفان پہلے ہی سے مسلمانوں سے خار کھائے ہوئے تھے۔ لہٰذا اس پیش کش کو انھوں نے نہایت فراخدلی سے قبول کر لیا یہی نہیں بلکہ اپنے حلیف قبیلہ بنو اسعد کو بھی اس "کارِ خیر" میں حصہ لینے کے لئے آمادہ کر لیا۔ اُدھر قریش نے بنو سُلیم کو اور یہود نے بنو سعد کو شرکت کی دعوت دی اور بڑی آسانی سے ان کا تعاون حاصل کر لیا۔ اس طرح اتحادیوں کا ایک لشکر گراں نورِ ہدایت کو مٹانے کے لئے تیار ہو گیا۔ مؤرخین نے ان دشمنانِ دین کی تعداد بتانے میں خاصا اختلاف کیا ہے اور سات آٹھ ہزار سے چوبیس ہزار تک ان کی تعداد بتائی ہے۔ ابن سعد وغیرہ نے مختلف قبیلوں کے افراد کی الگ الگ تعداد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان اعداد و شمار میں سب سے زیادہ جس چیز پر محققین و مؤرخین کا اتفاق رہا ہے وہ یہ ہے کہ لشکرِ کفار کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔

مسلمانوں کی تیاریاں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ آپؐ کے گرد ایک طوفانِ عظیم پیدا ہو رہا ہے۔ جو کسی وقت بھی اُٹھ کھڑا ہو سکتا ہے۔ شوال ۵ھ کے اوائل میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ اب تمام تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں اور یہ طوفان اب چاروں طرف سے آپ کی طرف بڑھنے والا ہے۔ یہ اطلاع پا کر آپؐ نے صحابہؓ کے مشورہ سے دفاعی انتظامات شروع کر دیئے۔ غزوۂ احد کے موقع پر شہر سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا کچھ اچھا نتیجہ نہیں نکلا تھا اس لئے تجویز ہوئی کہ اس مرتبہ شہر کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو مختلف قلعوں میں بھیج دیا جائے اور مرد شہر کا دفاع کریں۔

شہر مدینہ مشرق اور مغرب کی جانب سے حرّہ سے اور جنوب کی طرف مشرقی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حرہ کی ایک شاخ اور جبل عیر سے گھرا ہوا ہے۔ اس زمانے میں اکثر حصے کھجور کے باغوں اور گھنے جنگلات سے ڈھکے ہوئے تھے جن سے ہوکر راستہ بنانا مشکل تھا، اور فوج کشی کرنا تو قطعاً ناممکن تھا۔ شمال کی جانب جبل احد اور وادی قناۃ کی وجہ سے شہر محفوظ تھا صرف شمالی مغربی علاقہ کھلا ہوا تھا جہاں وادی قناۃ، وادی بطحان اور وادی العقیق نے مل کر ایک ہموار وسیع میدان بنا دیا تھا۔ اور اس میدان سے فوج کو بہ آسانی گذار کر شہر پر حملہ کیا جاسکتا تھا لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اسی طرف کے استحکام کی تھی۔

اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ مشورہ کے دوران حضرت سلمان فارسیؓ[1] نے کہا کہ "ہمارے ملک میں ایسے موقعوں پر خندق کھودی جاتی ہے۔ اور اس کے پیچھے بیٹھ کر دشمن سے بچاؤ کیا جاتا ہے اس وقت بھی یہی تدبیر عمل میں لائی جائے تو مناسب ہوگا" حضور صلعم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور خندق کھودنے کی تیاری شروع کردی بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خندق کھودنے کے لئے آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حکم دیا تھا اور اسی کے بموجب یہ کام انجام دیا گیا تھا جو سرزمین عرب کے لئے قطعاً نیا تھا۔

بہرحال جب یہ بات طے پاگئی کہ خندق کھودی جائے تو آپؐ نے اس کے لئے نشانات قائم کئے۔ دیار بنی عبدالاشہل اس کا مشرقی سرا قرار پایا۔ وہاں سے شروع کر کے ساڑھے تین میل پر وادی بطحان کے پار حرۃ الوبرہ پر واقع کچھ پہاڑی ٹیلوں کو مغربی حد قرار دیا گیا (اس طرح لمبائی ساڑھے تین میل ہوئی۔ مدینہ کی آبادی اور جبل سلع کو

---

[1] واضح رہے کہ اس واقعہ سے پہلے حضرت سلمان فارسیؓ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ تقریباً پانچ سال تک ایک ایسے جوشیلے انسان کا اس طرح خاموشی کی زندگی بسر کرتے رہنا نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے اگرچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ایک شخص کا غلام ہونے کی وجہ سے وہ بدر و احد کے غزوات میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ لیکن یہ بات قابل فہم نہیں معلوم ہوتی کہ غزوۂ خندق سے پہلے ۲۷ غزوات میں سے کسی میں بھی ان کا نام دکھائی نہیں دیتا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے جنوب میں رکھا گیا۔ خندق کی چوڑائی اور گہرائی کا صحیح علم کسی تاریخ کی کتاب سے حاصل نہیں ہوتا۔ صرف اندازوں کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس کی چوڑائی اوسطاً دس گز (تیس فٹ) اور گہرائی ۵ گز (۱۵ فٹ) سے دس گز (۳۰ فٹ) تک تھی۔

نشانات قائم کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھودنے کا کام صحابہ کرام میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ دس دس آدمیوں کی جماعتیں بنا کر تقریباً بیس بیس گز لمبی سرنگ کھودنے کا کام ان کو سپرد کیا گیا۔ حضورؐ نے بھی اس کام میں ان کے ساتھ شرکت کی بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس جماعت کے ساتھ آپؐ کام کر رہے تھے اسی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی تھے۔ کھدائی کے دوران آپؐ کا خیمہ آبادی سے باہر اس جگہ لگا دیا گیا تھا جہاں اب مسجد ذباب ہے۔

صحابہ کرام نے نہایت تندہی اور مستعدی سے انجام دیا۔ بارہا ایسا ہوا کہ دو دو تین تین وقت تک کھانا نصیب نہیں ہوا لیکن فرض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال تھا۔ آپؐ نے معمولی مزدوروں کی طرح کام کیا اور کئی کئی وقت کے فاقے برداشت کیے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو جلدی میں ٹوکریاں نہ مل سکیں تو اپنے کپڑے ہی میں مٹی ڈھونے لگے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

> "مہاجرین راتج کی طرف سے ذباب تک کھود رہے تھے اور انصار ذباب سے جبل بنی عبید تک باقی مدینہ میں عمارتیں باہم ملی ہوئی تھیں جس سے ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا۔"[1]

مغربی جانب حرۃ الوبرہ اور وادی بطحان کے بعض حصوں میں مختلف خاندانوں نے اپنے محلوں کے آگے چھوٹی چھوٹی خندقیں کھود کر اس سلسلہ کو مسجد نبوی کے جنوب تک وسیع کر دیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص: ۸۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس پُر مشقت کام کو صرف تین ہفتوں میں پورا کر لیا گیا۔

شوال کے آخری ہفتہ میں لشکر کفار کی آمد کی اطلاع ملی تو تجویز کے مطابق عورتوں اور بچوں کو مختلف آطام اور قلعوں میں بھیج دیا گیا۔ اور ان کی حفاظت کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے مقرر کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ بنو حارثہ کے قلعہ میں بھیج دی گئیں۔ یہ قلعہ حرہ واقم کے شمال میں ایک محفوظ جگہ پر واقع تھا۔

عورتوں اور بچوں کا انتظام کرنے کے بعد آپؐ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھی جبل سلع پر مقیم ہو گئے۔ آپؐ کا خیمہ جو کھدائی کے دوران جبل ذباب پر تھا، منتقل کر کے جبل سلع کے ایک محفوظ حصہ میں پہنچا دیا گیا۔ اس موقع پر مدینہ میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو آپؐ نے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا حضورؐ نے صرف شمالی جانب ہی کے استحکامات کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ دیگر اطراف میں بھی جہاں سے دشمن کے گذرنے کا کچھ خطرہ ہو سکتا تھا آپؐ نے فوجی دستے متعین کر دیئے۔ بنو قریظہ کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہیں تھا اس لئے صحابہ کی ایک جماعت آپؐ نے انکی نقل و حرکت دیکھنے پر مقرر کر دی۔

واقعات: اگرچہ لشکر کفار کی آمد کی تاریخوں کا سیرۃ اور تاریخ کی کتابوں سے قطعاً کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اور محاصرہ کی مدت بھی مختلف مؤرخوں نے مختلف بتائی ہے۔ تاہم قرین صحت یہ روایت ہے کہ جنگ کی مجموعی مدت جو بیس دن تھی جس میں فوجوں کی آمد ان کا اجتماع اور محاصرہ اور جنگ سب ہی چیزیں شامل ہیں۔

اگر ابن سعد کی اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ بنو قریظہ کا محاصرہ ۲۳، ذی قعدہ کو شروع ہوا تھا تو پھر جنگ خندق کی تاریخ اختتام ۲۱، ۲۲، ذی قعدہ سمجھی جائے گی۔ اور کفار کی فوجوں کی آمد ۲۷، ۲۸، شوال ۵ھ سے شروع ہوئی ہوگی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لشکر کفار کے ڈیرے پڑاؤ یہ تھے۔ قریش، بنو کنانہ اور اہل تہامہ کا پڑاؤ جبل احد کے مغرب کی طرف وادی رومہ میں جرف اور رغابہ کے درمیان تھا۔ بنو غطفان، بنو اسد اور نجد کے دیگر قبائل مقام ذنب نقمی سے جبل احد تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں جانوروں کے لئے پانی اور چارہ کی کافی سہولتیں تھیں [1]

جب دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل اپنے اپنے مورچوں پر جم گئے تو انھوں نے ایک دوسرے پر تیر چلانے شروع کر دیئے کئی دن تک یہ سلسلہ جاری تھا آخر کار ایک دن کفار کے کچھ سوار جنگ کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھے۔ ان سواروں میں قریش کے یہ مشہور لوگ بھی تھے: عکرمہ بن ابی جہل۔ نوفل بن عبداللہ، ضرار بن الخطاب ہبیرہ بن ابی وہب اور عمرو بن عبدود آخر الذکر کی عمر اس وقت ۹۰ سال تھی۔ وہ اپنے عہد جوانی میں نہایت شجاع وبہادر سمجھا جاتا تھا اور بڑے بڑے دلیروں کے پتے اس کا نام سُن کر پانی ہوتے تھے۔ اس وقت پیرانہ سالی کی وجہ سے اس کا وہ زور و قوت تو باقی نہیں رہا تھا پھر بھی جوش و ولولہ اور لڑائیوں کا تجربہ اتنا تھا کہ میدان جنگ میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔

سواروں کی یہ جماعت مسلمانوں کی طرف بڑھی اور جب قریب پہنچی تو خندق کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ لوگ کہنے لگے:

"یہ ہم نے نیا مکر دیکھا ہے۔ ایسا مکر عرب میں کوئی نہیں جانتا" [2]

اور واقعی عرب کے لوگ اس فن سے ناواقف تھے اور اس سرزمین پر یہ تدبیر پہلی مرتبہ اختیار کی گئی۔

جب قریش کے ان سواروں نے خندق کو پار کرنا چاہا تو مسلمانوں نے دوسرے کنارے سے تیر برسا کر انھیں روک دیا۔ وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگتے پھرے اور اس کوشش میں رہے کہ کہیں سے خندق کو عبور کرنے کا موقع مل جائے لیکن مسلمانوں نے بہت دیر

---

[1] ابن ہشام ص: ۲۱۳ ج۲ [2] ابن ہشام ص ۲۱۶ ج۲، طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۴۸ -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اتفاق سے ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی وہاں سے ان سواروں نے اسے عبور کرلیا۔ اور خندق اور جبل سلع کے درمیان جولانی کرنے لگے۔[1]

حضرت علیؓ نے چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس جگہ قبضہ کرلیا۔ جہاں سے ان سواروں نے خندق کو پار کیا تھا۔ اب اُن کے لئے واپسی کا راستہ مسدود ہو گیا۔[2]

جب یہ لوگ اس طرح مجبور ہو گئے تو حضرت علیؓ نے عمرو بن عبدود کے سامنے تین باتیں پیش کیں کہ وہ :

(۱) اسلام قبول کرلے۔

(۲) مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرے اور مکہ واپس چلا جائے۔

(۳) حضرت علیؓ سے مقابلہ کرے۔

پہلی بات اس نے یہ کہہ کر مسترد کردی کہ مجھے تمھارے اسلام اور اللہ و رسول کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میں اسے قبول نہیں کرسکتا۔ واپس اس لئے نہیں ہوسکتا کہ خناتونان قریش طعنے دیں گی۔ رہا حضرت علیؓ سے مقابلہ کرنے کا سوال، پہلے تو اس نے اس سے کچھ بچنا چاہا لیکن جب حضرت علیؓ کا اصرار بڑھا تو وہ اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حضرت علیؓ پر تلوار سے وار کیا حضرت علیؓ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا مگر وار اتنا بھرپور تھا کہ تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی حضرت علی کی پیشانی میں جالگی اگرچہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا تاہم اس کا نشان عمر بھر کے لئے ان کی پیشانی پر رہ گیا اس کے بعد حضرت علیؓ نے تلوار سے عمرو بن عبدود پر وار کیا جو اتنا سخت تھا کہ تلوار اسکے شانہ کو کاٹ کر نیچے اُتر گئی۔ اور اس طرح قریش کے ایک نامی پہلوان کی شمع حیات بجھ گئی۔

عمرو کو گرتا دیکھ کر ضرار اور جبیر نے مقابلہ کیا لیکن زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے اور راہ فرار اختیار کی۔ یہ حالت دیکھی تو نوفل نے اپنے لشکر کی طرف لوٹ جانا چاہا

---

[1] تاریخ طبری، حصہ اول ص: ۲۸۶ [2] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی لیکن اس جگہ خندق اتنی چوڑی تھی کہ گھوڑا اسے عبور نہ کر سکا۔ اور خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے نوفل پر پتھر برسانے شروع کر دیئے لیکن جب اس نے چیخ کر کہا کہ "مسلمانو! میں شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں" تو حضرت علیؓ خندق میں اترے اور انھوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔[1]

اس تلخ تجربہ کے بعد کفار کے کسی اور آدمی کو خندق پار کرنے کی جراُت نہیں ہوئی اور دونوں طرف تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت سعد بن معاذؓ کے جن کی زرہ بہت بوسیدہ تھی چھوٹا سا ایک تیر آ کر لگا۔ اور ان کی نبض کی رگ میں پیوست ہو گیا اسی سے ایک ماہ بعد ان کی شہادت واقع ہوئی۔

ایک طرف تو جنگ کا ہنگامہ جاری تھا دوسری جانب گھر کے اندر ہی کئی دشمن موجود تھے۔ ان میں منافق تو شروع ہی سے اپنے نفاق کا اظہار کر رہے تھے نہ خندق کھودنے میں انھوں نے دلچسپی لی اور نہ دوران جنگ کوئی نمایاں کام انجام دیا ان کی طرف سے ہر وقت ہی خطرہ رہتا تھا ان ہی کے اکسانے سے ایک مرتبہ بنو حارثہ نے بھی یہ کہہ کر اپنی جان بچانی چاہی کہ ہماری آبادی ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں ہر وقت دشمن کا خطرہ رہتا ہے لہذا ہمیں اپنے گھروں کی حفاظت کی اجازت دی جائے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ نے بڑی تدبیر سے روکا۔

اس موقع پر بنو قریظہ کی جانب سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا یہودیوں کا یہ قبیلہ جنگِ خندق تک رسول اللہ کے معاہدہ کے مطابق عمل کرتا رہا۔ اس وقت بھی شروع میں ان کا رویہ ٹھیک رہا لیکن بنو نضیر نے جو اس جنگ کے خاص طور پر محرک ہوئے تھے یہ دیکھ کر کہ بنو قریظہ ابھی تک مسلمانوں سے وفاداری نبھا رہے ہیں حی بن اخطب کو بھیجا کہ وہ انھیں مسلمانوں کے خلاف مشتعل کرے۔

---

[1] تاریخ طبری حصہ اول ص ۲۸۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حیّ بن اخطب بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آیا اور اسے طرح طرح سے پھسلا کر مسلمانوں سے برگشتہ کرنا چاہا کعب نے پہلے تو بہت انکار کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ

"تم منحوس اور بدبخت ہو۔ میں نے محمدؐ سے معاہدہ دوستی کیا ہے اس لئے میں اسکی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ انھوں نے اس معاہدہ کی صداقت اور دیانت سے پابندی کی ہے"[1]

لیکن یہ لعن طعن اور سخت سست باتیں سننے کے باوجود حیّ بن اخطب کعب کے پیچھے پڑا رہا اور آخر کار اسے ورغلانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب کعب بن اسد اور بنو قریظہ نے صاف طور پر معاہدہ شکنی کا اعلان کر دیا۔ شدہ شدہ یہ اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہؓ، سعد بن معاذؓ، عبداللہ بن رواحہؓ وغیرہ کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔

یہ حضرات بنو قریظہ کی بستی میں پہنچے تو وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا دیکھا۔ پورا قبیلہ مخالفت پر تُلا ہُوا تھا۔ ان لوگوں نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ہر چند ان لوگوں کو راہِ راست پر لانا چاہا۔ کعب کو رسول اللہؐ کی طرف سے پیغام دے کر کہا کہ وہ نقضِ عہد کا مرتکب نہ ہو۔ لیکن اس نے نہایت بے رخی کا اظہار کیا اور متکبرانہ انداز میں کہہ دیا کہ

"میں نہ محمدؐ کو جانتا ہوں اور نہ ان کو رسول مانتا ہوں۔ اور نہ میں نے ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے۔"

اس کی ان لایعنی باتوں سے مایوس ہو کر یہ لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہلے سے جو ہدایت دے چکے تھے اس کے بموجب آپؐ کو اشاروں میں حقیقتِ حال سے مطلع کر دیا۔

یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑا سخت تھا محاصرہ کی سختیاں ہی کچھ کم نہیں تھیں۔

---

[1] طبری، ص: ۲۸۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرب کی تاریخ میں اتنا بڑا لشکر کبھی جمع ہو کر حملہ آور نہیں ہوا تھا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان فوجوں کی دہشت ناکی کا نقشہ ان الفاظ میں بتایا ہے۔

اذ جاءوکم من فوقکم ومن اسفل ...... وزلزلوا

زلزالا شدیدا (احزاب ۱۰)

(ترجمہ) "جب دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی جانب سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈھلنے لگیں اور کلیجے منہ کو آگئے اور تم خدا کی طرف طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے۔"

ان خطرات سے منافقین کی تو قلعی کھل گئی۔ انھوں نے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا کہ "محمد تو قیصر و کسریٰ کے مالک اور خزانے دلوانے کا وعدہ کرتے تھے یہاں تو ہم اس کے برعکس حالت دیکھ رہے ہیں۔ اور ہم پر عرصۂ حیات اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ ہم رفع حاجت کے لئے باہر بھی نہیں جا سکتے۔"[1]

لیکن ان سختیوں سے مسلمانوں کے ایمان میں اور بھی جلا پیدا ہو گئی۔ اور ان کو آخر تک کوئی بات بھی بار خاطر معلوم نہیں ہوئی۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی پریشانیوں کو دیکھ کر اس جانب مائل ہوئے کہ بنو غطفان کو کسی طرح مخالف لشکر سے توڑ لیا جائے تاکہ محاصرہ کی شدت کچھ کم ہو جائے۔ اس کے لئے آپ نے یہ بات سوچی کہ ان کو مدینہ کی کھجوروں کے ایک تہائی حصہ پر راضی کر کے میدان جنگ سے لوٹ جانے کے لئے کہا جائے۔ انھوں نے یہ تجویز مان بھی لی لیکن جب معاہدہ لکھا جانے لگا تو آپ نے حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا انھوں نے عرض کیا کہ "اگر اللہ کی مرضی اور آپ کی خواہش ہے تو ہمیں کوئی عذر نہیں لیکن اگر

---

[1] طبری ص ۱۴۷۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپؐ سیاسی مصلحت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں تو پھر ہمیں اس پر اعتراض ہے۔ وہ لوگ ہم سے اُس وقت بھی جب ہم کفر کی حالت میں تھے زبردستی ایک کھجور بھی نہیں لے سکتے تھے ایسی صورت میں اس وقت کہ ہم آپؐ کے ذریعہ راہ ہدایت پا چکے کیسے اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں۔" غرض معاہدہ نہ ہو سکا اور کفار کے مختلف قبیلوں کا اتحاد برابر باقی رہا۔

جب سے بنو قریظہ نے بدعہدی کی تھی ان کی جانب سے خطرہ سب باتوں پر حاوی ہو چکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خطرہ کے دفعیہ کا نہایت اچھا انتظام کر دیا۔ ایک نو مسلم نعیم بن مسعود نے ایک اعلیٰ تدبیر سے کام لے کر ان میں اور حملہ آور لشکر میں پھوٹ ڈلوا دی اُن سے تو جا کر یہ کہا کہ "تم قریش اور بنو غطفان کے ساتھ مل کر کیوں اپنے لئے دشواری پیدا کر رہے ہو۔ یہ قبیلے تو چند روز ٹھہر کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے لیکن تمھیں تو یہیں رہنا اور بسنا ہے اس لئے مسلمانوں سے دوستی کر کے رہو۔ دشمنی کر کے کوئی فلاح نہ پاؤ گے۔ وہ جب موقع پائیں گے تمھیں دبا لیں گے۔ اور تمھارے لئے اس دیار میں رہنا دشوار ہو جائے گا لہٰذا تم تھوڑا سا اپنا اطمینان کر لو اور قریش سے کہو کہ وہ تمھیں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ اپنے کچھ آدمی بطور یرغمال تمھارے پاس بھیج دیں۔"

چونکہ نعیم بن مسعود کی تبدیلی مذہب سے یہ لوگ واقف نہیں ہوئے تھے اس لئے انھیں ان کے مشورہ پر کوئی شبہ نہیں ہوا اور وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بنو قریظہ کے پاس سے رخصت ہو کر نعیم قریش مکہ اور بنو غطفان کے پاس گئے اور اُن سے کہہ دیا کہ بنو قریظہ کا مسلمانوں سے خفیہ معاہدہ ہو گیا ہے اور آپس میں یہ طے پایا ہے کہ بنو قریظہ تمھارے کچھ آدمیوں کو کسی بہانہ سے بُلا کر مسلمانوں کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پر کردیں۔ لہٰذا تم ان کی طرف سے ہوشیار رہو ایسا نہ ہو کہ دوستی کے پردے میں دشمنی کر جائیں

قریش اور بنو غطفان نے بھی نعیم کی بات کا یقین کیا اور بنو قریظہ کو آزمانے کے لئے ان سے کہلا بھیجا کہ "ہم یہاں پڑے پڑے پریشان ہو گئے ہیں لہٰذا کل محمدؐ پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے تم لوگ بھی اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

بنو قریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ

"کل سبت کا دن ہے ہم اس دن کسی طرح نہیں لڑ سکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم ہمارے پاس اپنے چند آدمی بطور یرغمال بھیجدو گے تو ہم محمدؐ سے جنگ کریں گے ورنہ نہیں۔"

یہ جواب پاکر قریش اور بنو غطفان کو یقین ہو گیا کہ جو کچھ نعیم بن مسعودؓ نے کہا تھا وہ صحیح ہے۔ اس لئے بنو قریظہ پر سے ان کا بھروسہ اٹھ گیا۔ اور جو خطرناک اتحاد ان کے مابین ہو گیا تھا وہ حسنِ تدبیر سے ختم ہو گیا۔[1]

یہ نتیجہ تو انسانی تدبیر کا تھا اس کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہو گئی تو کفار کو محاصرہ اٹھا کر بھاگنے ہی میں عافیت دکھائی دی۔

اپریل کا مہینہ تھا جب نہ شدید سردی کا موسم تھا اور نہ سخت آندھیوں کا زمانہ لیکن ایک دن یکایک ایسی آندھی چلی کہ دشمن کی فوج جو کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے پڑی تھی انتشار میں مبتلا ہو گئی۔ خیمے اکھڑ گئے۔ ہانڈیاں اور برتن اُلٹ گئے اور کھانے پینے کا سارا سامان خراب ہو گیا اسی کے ساتھ سردی اتنی بڑھی کہ کفار کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔[2]

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر کفار کی اس حالت کا علم ہوا تو آپؐ نے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو بُلا کر فرمایا:

---

[1] ابن ہشام۔ ص ۴۱۹، طبری ۲۹۱۔ [2] ابن ہشام ص ۴۱۹، ۴۲۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"حذیفہ تم جا کر دیکھو مشرک کیا کر رہے ہیں۔ تم حالات معلوم کرنے کے بعد کسی سے کچھ مت کہنا اور ہمارے پاس چلے آنا"۔

حضرت حذیفہؓ لشکر کفار میں پہنچے تو دیکھا کہ "آندھی نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ نہ آگ جلتی ہے نہ خیمہ کھڑا ہوتا ہے"۔

ابوسفیان نے بنو قریظہ کی عہد شکنی اور آفات ارضی و سماوی سے پریشان اور کبیدہ خاطر ہو کر واپسی کا ارادہ کیا اور اپنے لشکر کو مخاطب کر کے کہا:

"ایسی صورت میں تو میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اب تم مکہ واپس چلو"۔ [1]

یہ کہہ کر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور تیزی سے مکہ کی طرف چل دیا اس کے پیچھے پیچھے اس کا لشکر بھی روانہ ہو گیا۔ قریش کی واپسی کی اطلاع بنو غطفان کو ہوئی تو وہ بھی اپنے علاقہ کی طرف چل دیئے اور اس طرح کفر کے جو بادل تقریباً ایک ماہ سے دیار رسول کو گھیرے ہوئے تھے کہر کے بادلوں کی طرح یک بیک چھنٹ گئے اور مطلع صاف ہو گیا۔ اسی کی جانب قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے۔

وکفی اللہ المؤمنین القتال (اور جنگ میں اللہ ہی مومنین کے لئے کافی ہو گیا) (احزاب۔ ۲۵)

نتیجہ: غزوہ احزاب مختلف حیثیتوں سے نہایت اہم ہے۔

(۱) اتنے طویل محاصرہ کے باوجود مسلمانوں کا زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا صرف حضرت سعد بن معاذؓ کے تیر لگا جس کی وجہ سے وہ تقریباً ایک ماہ بعد وصال کر گئے۔

(۲) کفار مکہ کی یہ آخری زبردست کوشش تھی جو ناکامی پر منتج ہوئی اسکے بعد ان کی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ تنہا یا دوسرے قبائل کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کریں۔

---

[1] ابن ہشام ص ۴۰۹ ۔ ۴۲۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) اس بے نتیجہ فوج کشی اور محاصرہ نے عرب کو یہ یقین دلادیا کہ ملت مسلمہ اب ایک ایسی قوت بن گئی ہے جس کو مختلف قبائل کا اتحاد بھی بہ آسانی نہیں توڑ سکتا۔

(۴) بنو قریظہ کے نقضِ عہد سے یہودیوں پر سے بھروسہ بالکل اٹھ گیا۔

اسی کے نتیجہ میں اگلا غزوہ جو غزوہ بنی قریظہ کہلاتا ہے رونما ہوا اور مدینہ کے یہودیوں کے اس آخری قبیلہ کا پوری طرح استیصال ہوگیا۔

۱۹۔ غزوۂ بنی قریظہ

(ذی قعدہ ۵ھ مطابق اپریل ۶۲۷ء)

اسباب: بنو قریظہ نے نقضِ عہد کر کے اس معاہدہ کو کالعدم کردیا تھا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱ھ میں میثاق مدینہ کی ترتیب کے وقت مدینہ میں آباد تمام قبائل کے ساتھ کیا تھا۔ جنگِ احزاب جو مسلمانوں کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی بنو قریظہ کی بدعہدی کی وجہ سے انتہائی خطرناک شکل اختیار کرگئی تھی۔ حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے تو مسلمانوں نے حضور کی قیادت میں مناسب انتظامات کرلئے تھے اور وہ ان کا کامیابی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن بنو قریظہ کا معاملہ دوسرا تھا۔ ان کی حیثیت اس وقت مارِ آستین کی سی تھی، وہ آبادی کے اندر رہ کر ہی جس وقت چاہتے مسلمانوں کے لئے مشکل پیدا کرسکتے تھے چنانچہ اس کا ظہور ہوا اور ان کے اس نامناسب رویہ نے مسلمانوں کو سخت الجھن میں ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے انہیں اس خطرہ کے دفعیہ کے لئے نئے انتظامات کرنے پڑے۔ اس موقع پر نعیم بن مسعود کی تدبیر کارگر نہ ہو جاتی اور اللہ کی نصرت نہ آگئی ہوتی تو نہ معلوم ان لوگوں کی شرارت کی وجہ سے واقعات کیا رُخ اختیار کرتے۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی سے وہ معاہدہ تو ختم ہو ہی چکا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مابین ہوا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے اس طرزِ عمل سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ کسی صورت میں اعتبار کے قابل نہیں ہیں اور یہ ان کی پیدا کردہ مشکلات اگر اس وقت ٹل گئی ہیں تو وہ آئندہ کسی موقعہ پر پیدا کی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا ان کا سدباب کرنے کے لئے ضروری معلوم ہوا کہ فوری طور پر اس قبیلہ کو اس کی سرکشی کی سزا دی جائے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس اندرونی دشمن کو ہمیشہ کے لئے خارج البلد کر دیا جائے۔

چنانچہ جیسے ہی حملہ آور فوجیں مدینہ سے رخصت ہوئیں اور ان کی جانب سے اطمینان ہو گیا تو اس اندرونی دشمن کی طرف توجہ کی گئی۔

واقعات: ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ سے واپس ہو کر اپنے گھروں میں آئے ہی تھے اور ہتھیار کھول کر تھوڑی دیر بھی آرام نہیں کرنے پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ منادی کرادی کہ "سب لوگ دوبارہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ بنو قریظہ کی بستی کا محاصرہ کرنا ہے"۔ اس موقع پر آپؐ نے اتنی عجلت سے کام لیا کہ لوگوں کو مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ حکم فرمایا کہ سب لوگ بنو قریظہ کے محلہ میں چل کر نماز (عصر) پڑھیں۔

مدینہ میں اس مرتبہ بھی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ہی کو رسول اللہ نے اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ رایت لشکر حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ اور تین ہزار مسلمانوں کا لشکر آپؐ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ ان کے ساتھ محض ۳۶ گھوڑے تھے۔ جس روز بنو قریظہ کے خلاف لشکر کشی ہوئی وہ چہار شنبہ کا دن تھا قمری مہینوں کے اعتبار سے تاریخ ۲۳ ذی قعدہ ۵ھ اور عیسوی تقویم کے مطابق ۱۵ اپریل ۶۲۷ء تھی۔

بنو قریظہ کی بستی میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر انا کے قریب فروکش ہوئے۔ مسلمان بھی وہیں آکر جمع ہونے لگے۔ یہ سلسلہ عشاء کے بعد تک جاری رہا۔ چونکہ حضورؐ نے حکم فرما دیا تھا کہ نماز بنو قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ادا کریں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس لیے اُس روز عصر کی نماز عشاء کے بعد ادا کی گئی[1]

رسول اللہ کے ساتھ بنو قریظہ نے سخت کلامی کی اور کھلم کھلا گالیاں دیں اور اس طرح صلح و آشتی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ مجبوراً آپؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ حیی بن اخطب (بنو نضیر) نے جو قریظہ کی اس سرکشی کا سبب ہوا تھا اپنے وعدہ کو نبھایا اور اس وقت اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر ان کے پاس آگیا۔ اور انکے ساتھ محصور ہو گیا۔[2]

محاصرہ کی مُدت کے بارے میں مورخوں اور سیرۃ نگاروں کے مابین اختلاف ہے۔ ابن ہشام نے پچیس ۲۵ دن کی مدت بتائی ہے[3]۔ طبری کا اندازہ ایک ماہ یا پچیس دن کا ہے[4]۔ ابن سعد اور بلاذری کے نزدیک صحیح مدت ۱۵ دن ہے[5] اور یہی درست معلوم ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے برابر تیر چلتے رہے لیکن یہودیوں کو باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ایسے سخت محاصرہ کی وجہ سے وہ بیحد پریشان ہوئے۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی "کہ آپؐ ابولبابہ بن عبدالمنذر کو ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم ان سے مشورہ کر لیں"۔ رسول اللہ نے حضرت ابولبابہ انصاری کو ان کے پاس بھیجدیا جب وہ پہنچے تو یہودیوں نے ان کا استقبال کیا۔ ان کی عورتیں اور بچے ابولبابہ کے گرد جمع ہو گئے اور رونے لگے۔ چونکہ حضرت ابولبابہ کے ان سے حلیفی کے تعلقات تھے اس لیئے وہ اس منظر سے کافی متاثر ہوئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب یہودیوں نے اُن سے مشورہ طلب کیا کہ "مقابلہ جاری رکھیں یا خود کو رسول اللہ

---

[1] ابن ہشام ص: ۴۲۲ [2] طبری ص: ۳۹۶ [3] ابن ہشام ص ۴۲۲۔

[4] طبری ص: ۴۹۹ [5] ابن سعد ص ۷۷، فتوح البلدان جزاول ص ۳۲۔ بلاذری کے الفاظ یہ ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵ھ کی ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی راتوں میں بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا جو ۱۵ راتوں تک جاری رہا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ لڑائی ۲۱ شب ہوتی رہی مغازی الرسول ۲۹۳۵

www.KitaboSunnat.com

کے سپرد کر دیں"۔ ابولبابہ نے انھیں یہ رائے دیتے ہوئے کہ "بہتر ہے خود کو رسول اللہ کے سپرد کر دو" اضطراری طور سے گلے پر انگلی رکھ کر یہ بھی اشارہ کر دیا کہ "اگر اطاعت قبول کر لو گے تو سب کے سب قتل کر دیئے جاؤ گے"۔ بعد میں انھیں بڑی ندامت ہوئی کہ وہ رسول اللہ کے پاس بھی واپس نہ گئے اور سیدھے مسجد نبوی میں پہنچ کر خود کو ایک ستون سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میری اس خطا کو معاف نہیں کرے گا اس وقت تک یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ کئی روز بعد بذریعہ وحی ان کو معافی ملی اور رسول اللہ نے اپنے دست مبارک سے ان کی رسی کھولی۔ مسجد نبوی کا وہ ستون جہاں انھوں نے خود کو باندھا تھا آج بھی استوانہ ابولبابہ کہلاتا ہے اور اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔

بنو قریظہ نے حضرت ابولبابہ کے چلے جانے کے بعد قبیلہ اوس کے توسط سے بارگاہ رسالتماب میں درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ حضرت سعد بن معاذؓ سے کرایا جائے وہ جو کچھ کہہ دیں گے وہی ہمیں منظور ہوگا۔

حضورؐ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ حضرت سعد بن معاذؓ کو جنگ خندق کے موقعہ پر زخمی ہونے کے بعد سے آپؐ نے مسجد نبوی کے صحن میں ایک خیمہ کے اندر رکھا تھا۔ بنو قریظہ کے فیصلہ کے لئے انھیں ایک گدھے پر زین ڈال کر سوار کیا گیا اور محلہ بنو قریظہ میں پہنچایا گیا۔ ان کے قبیلہ اوس کے بنو قریظہ سے حلیفی کے تعلقات تھے لہٰذا قبیلہ اوس کے بہت سے آدمی دور تک ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلے اور ان کو سمجھاتے رہے کہ "آپ بنو قریظہ کے معاملے میں نرمی برتیئے اور ان کی جان بچانے کی کوشش کیجئے"۔ لیکن حضرت سعدؓ نے صاف صاف جواب دے دیا کہ "اس وقت میں حق کی بات کہوں گا"۔[1] چنانچہ جب وہ محلہ بنو قریظہ میں پہنچے تو سب لوگوں کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں، انھوں نے دیرینہ تعلقات کا خیال کئے بغیر فیصلہ دے دیا۔

---

[1] طبری۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنائے جائیں اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے"[1]

رسول اللہ نے یہ فیصلہ سُنا تو فرمایا "تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا"[2]

نتیجہ ۹: حضرت سعدؓ کے اس فیصلہ کے مطابق بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کر دیئے گئے اور نابالغ چھوڑ دیئے گئے۔ ان ہی قتل ہونے والوں میں حیی بن اخطب اور اس کا بیٹا بھی تھا۔ حیی اگرچہ قبیلہ بنو نضیر کا فرد تھا اور ۴ھ میں اپنے قبیلہ کے ساتھ خیبر کی جانب جلاوطن کر دیا گیا تھا لیکن اپنی بدبختی کی بنا پر وہاں سے آ کر بنو قریظہ کے ساتھ مل گیا۔ اور کیفر کردار کو پہنچا۔ اس نے اللہ کو ضامن ٹھہرا کر رسول اللہ سے عہد کیا تھا کہ "میں آپ کی مخالفت پر کسی کی مدد نہیں کروں گا" چنانچہ جب اُسنے بنو قریظہ کا طرفدار بن کر مخالفت کی اور گرفتار کر کے رسول اللہ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس کو مخاطب کر کے نہایت بلیغ فقرہ فرمایا:

"ضامن نے اپنی ضمانت پوری کر دی"

اور اس کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا گیا۔[3]

ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ بنو قریظہ کے جو آدمی قتل کئے گئے ان کی تعداد چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی۔ اور وہ مدینہ منورہ کے بازار میں لا کر قتل کئے گئے تھے[4] ابن سعد ہی نے رسول اللہ کی بنو قریظہ کے محلہ سے مدینہ کو واپسی کی تاریخ، ذی الحجہ (۵ھ) اور دن پنجشنبہ بتایا ہے[5] عیسوی تقویم کے مطابق اس واقعہ کی تاریخ ۱۲ اپریل ۶۲۷ء ہوتی ہے۔

---

[1] فتوح البلدان جزو اول ص ۳۱۔ [2] ایضاً ص ۳۲ [3] ایضاً [4] طبقات ابن سعد ص ۹۸ [5] ایضاً ص ۹۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مالِ غنیمت میں جو سامان ہاتھ لگا اس میں ۱۳ سو زرہیں، پندرہ سو تلواریں اور دو ہزار نیزوں کے علاوہ بہت سا دوسرا سامان اور کپڑے برتن تھے شراب کے بہت سے مٹکے بھی ہاتھ آئے ان میں بھری ہوئی تمام شراب بہا دی گئی، پانی کھینچنے والے اور چلنے والے بہت سے اونٹ بھی ملے۔[1]

آپ نے اسباب اور قیدیوں میں سے خمس نکالا باقی سامان نیلام بولی لینے والے کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور قیمت کو مسلمانوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا کہ سوار کو تین حصّے اور پیدل کو ایک حصہ ملا۔ اس طرح مالِ غنیمت کے کل تین ہزار بہتر حصّے ہوئے۔[2]

بنو قریظہ کے واقعہ کے بعد مدینہ سے یہودیوں کی آبادی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ قوم جو ہزاروں سال سے وہاں رہ رہی تھی محض اپنی ناسمجھی اور غیر رواداری کی بنا پر کلیتاً خارج ہو گئی۔

۲۰۔ غزوۂ بنی لحیان

(ربیع الاول سنہ ۶ھ مطابق جولائی سنہ ۶۲۷ء)

بنو لحیان ایک قبیلہ کا نام ہے جو الرجیع کے مقام پر عسفان کے قریب آباد تھا۔

---

[1] ایضاً

[2] ابن ہشام ص ۲۲۸، ابن سعد ۹۸۔ حیرت ہے کہ واقدی نے ان دونوں کے خلاف یہ لکھا ہے کہ بنو قریظہ کے اموال تقسیم نہیں کئے گئے بلکہ جب حضرت عمرؓ نے تجویز کیا کہ خمس نکال کر باقی مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے تو حضورؐ نے ان کی بات نہیں مانی اور خود رسول خدا صلعم نے اسباب بنو قریظہ میں سے ستر گھوڑے لے لئے اور ان کو اپنے اہل میں تقسیم کر دیا۔ اور باقی مال اور قیدیوں کے دو برابر حصّے کئے ایک حصّہ حضرت سعد بن عثمانؓ کو سپرد کر کے شام کی طرف روانہ کیا اور دوسرا حصہ انس بن قیظی کو دے کر بنی غطفان کے علاقے کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان کے بدلے میں گھوڑے لے آئیں۔ اور جب عمدہ قسم کے بڑے بڑے گھوڑے آ گئے تو آپ نے ان کو مومنین کے لئے جہاد کے موقعوں کے واسطے مخصوص کر لیا اور آپ نے فرمایا کہ خمس جو میرا حصہ تھا وہ میں نے مومنین کی طرف لگا دیا اور خمس ڈیڑھ سو روپے کا مال تھا۔“ مغازی الصادقہ ترجمہ مغازی الرسول ص ۲۹۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس قبیلہ نے رسول اللہؐ کو دھوکہ دے کر چند مسلمانوں کو اپنے علاقے میں بلایا تھا اور چار دن وہاں سے گھیر کر ان کو شہید کر دیا تھا۔

اسباب: اس غزوہ سے کچھ عرصہ پہلے عضل اور قارہ سے چند لوگ آئے اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہماری قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن اسلامی تعلیم سے پوری طرح واقف نہیں ہے لہٰذا آپؐ کچھ صحابہ کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام سکھائیں"[1]

آپؐ نے ان کی درخواست پر دس آدمی روانہ کئے جن میں عاصم بن ثابتؓ مرثد بن ابی مرثدؓ عبداللہ بن طارقؓ، خبیب بن عدی وغیرہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ الرجیع پہنچے تو انھوں نے ان صحابہ کے ساتھ بدعہدی کی۔ اور بنو لحیان کو بلا کر ان سے قتال کیا۔ سات صحابہ شہید ہو گئے۔ تین گرفتار ہوئے جن میں سے عبداللہ بن طارق کو ان لوگوں نے مرالظہران کے مقام پر لیجا کر پتھر مار کر شہید کر دیا۔ خبیبؓ اور زید کو دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کیا۔ یہ دونوں بھی بعد میں اذیتیں دے کر اور تکلیفیں پہنچا کر شہید کر دیئے گئے۔

رسول اللہ کو اپنے ان صحابہؓ کے اس طرح قتل و شہید کئے جانے کا بہت صدمہ تھا اور آپؐ بنو لحیان سے اس کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ لیکن غالباً دیگر مسائل کی وجہ سے ابھی تک اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ بنو لحیان سے اس سلسلہ میں بات چیت ہو رہی ہو اور جب وہ بات چیت بے نتیجہ رہی ہو تو آپؐ نے مجبوراً ان کے خلاف فوج کشی کی ہو۔ مورخین نے اس غزوہ کے اسباب تلاش کرنے اور ان کے بیان کرنے کی کوشش نہیں کی صرف ابن سعدؓ نے اتنا لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابت اور ان کے ساتھیوں کا سخت صدمہ محسوس کیا۔ لیکن

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۷۰

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس بات سے کہ آپؐ کے پہنچنے سے پہلے اس قبیلہ کے لوگ اپنے مقام سے فرار ہو چکے تھے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "پہلے سے کوئی معاملہ چل رہا تھا جس میں بنو لحیان خود کو مجرم سمجھتے تھے اور آپؐ کا حملہ ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔"

واقعات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو لحیان کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو مدینہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور دو سو آدمیوں کو جن کے ہمراہ بیس گھوڑے تھے ساتھ لے کر ربیع الاول کی چاند رات (۲۰ جولائی ۶۲۶ء) کو کوچ کیا۔ لیکن دشمن سے اپنے ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے آپؐ نے ملک شام کا قصد ظاہر فرمایا۔ ابن ہشام[1] ابن سعد[2] اور طبری[3] نے اس سفر کی منزلیں دی ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپؐ مدینہ سے نکلے غراب مخیض اور البتر کے راستے ہوتے ہوئے ذات الیسار کی طرف گھومے پھر بین کے راستے پر نکلے اور صخیرات الشمام سے ہوتے ہوئے السیار کا سیدھا راستہ اختیار کیا۔ آپؐ نے رفتار بہت تیز کر دی اور غران میں اُترے جہاں بنو لحیان کے مکانات تھے۔ یہاں معلوم ہوا کہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر محفوظ ہو گئے۔"

حیرت ہے کہ واقدی نے اس کے برخلاف لکھا ہے:

"حضرتؐ نے خروج کیا اور ارادہ کیا طرف بنو لحیان کے تاآنکہ اُن سے مقابلہ کیا اور خدا نے ان کو شکست دی اور ان کو قتل کیا اور پراگندہ کر دیا اُن کو مسلمانوں کے گردھسے"[4]

لیکن دوسرے تمام مؤرخین اور سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ لڑائی نہیں ہوئی اور دشمن نے آپؐ کی آمد کی اطلاع پا کر راہ فرار اختیار کی۔

حقیقت یہی ہے کہ جب بنو لحیان کو خبر پہنچی کہ آپؐ مع صحابہ تشریف لا رہے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۴۳۵، [2] طبقات ص ۱۰۳ [3] تاریخ طبری ص ۳۰۶۔
[4] مغازی الرسول ص ۲۹۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیں تو وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور قلعوں میں جا کر روپوش ہو گئے آپؐ نے ایک دو دن قیام کر کے ہر طرف تلاش کیا مگر وہ نہ ملے۔ جب حضورؐ نے دیکھا کہ دشمن دسترس سے باہر ہو چکے ہیں تو آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ:

"ہم لوگ خود عسفان جائیں تا کہ قریش مکہ ہماری آمد کی اطلاع پا کر خائف ہوں"

چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر آپؐ عسفان پہنچے پھر خود عسفان میں قیام فرمایا اور حضرت ابو بکرؓ کو دس سواروں کے ساتھ آگے بھیجا۔ یہ لوگ الغمیم تک گئے مگر انھیں کوئی نہیں ملا۔

آخر کار نہایت قلیل عرصہ عسفان اور اس کے قرب وجوار میں ٹھہر کر آپؐ ۱۴ ربیع الاول ۶ھ مطابق ۱۳ اگست ۶۲۷ء کو ۱۴ دن باہر گذار کر مدینہ واپس آگئے۔

۲۱۔ غزوۂ غابہ یا غزوہ ذی قَرَد

(ربیع الاول ۶ھ مطابق اگست ۶۲۷ء)

غابہ مدینۂ منورہ کے شمال میں شام کے راستے پر ایک جنگل تھا جہاں چراگاہیں تھیں جن میں چرنے کے لئے مدینہ کے بعض آدمی اپنے جانور چھوڑ دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی دودھ دینے والی بیس اونٹنیاں اسی جگہ چھوڑ رکھی تھیں اور ان کی نگرانی پر ابو ذر کے بیٹے مامور تھے۔ غابہ کا مدینہ سے فاصلہ بارہ میل یا ایک دن کی مسافت کے بقدر تھا۔[1]

ذی قرد، خیبر کے راستہ میں ایک جگہ تھی جس کا فاصلہ مدینہ سے دو دن کی مسافت کے بقدر تھا[2] یہ جگہ اپنے چشمہ کی وجہ سے مشہور اور اہم تھی۔ اس غزوہ

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۸۰، التنبیہ والاشراف ص ۶۱ [2] التنبیہ والاشراف ص ۶۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی چشمے تک تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ اس غزوہ کا تعلق غابہ اور ذی قرد دونوں سے ہے اس لئے بعض مؤرخ اس کو غزوۂ غابہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور بعض کے یہاں اس کا تذکرہ غزوہ ذی قرد کے نام سے ملتا ہے۔

مؤرخین غزوہ غابہ یا غزوہ ذی قرد کا زمانہ متفقہ طور پر ربیع الاول ۶ھ بتاتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ جنھوں نے اس غزوہ میں نمایاں حصہ لیا اس کو صلح حدیبیہ کے بعد یعنی ذی قعدہ ۶ھ کا واقعہ بتاتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان کی روایت یہ بھی ہے کہ اس غزوہ سے واپس آکر "صرف تین دن ہم نے مدینہ میں قیام کیا اور پھر ہم خیبر کو چلے"۔[1] حالانکہ غزوۂ خیبر کو ابن ہشام طبری، مسعودی، وغیرہ نے محرم ۷ھ اور ابن سعد نے جمادی الاولیٰ ۷ھ کا واقعہ بتایا ہے۔ ان دونوں تاریخوں میں سے اگر کسی کو بھی صحیح سمجھ لیا جائے تب بھی وسط ذی قعدہ ۶ھ میں ہونے والے غزوۂ غابہ اور محرم یا جمادی الاول ۷ھ کی مہم غزوۂ خیبر کے درمیان کسی طرح بھی تین دن کا فصل نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بنی لحیان کے بجائے حضرت سلمہ کو صلح حدیبیہ یاد رہا اور غزوۂ غابہ اور غزوۂ خیبر کی درمیانی مدت کے بیان کرنے میں بھی انھیں اسی قسم کا تسامح ہوا۔ صحیح روایت ربیع الاول ۶ھ ہی کی ہے۔ جس پر جملہ مؤرخین اور تذکرہ نگار متفق ہیں۔

اسباب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴ ربیع الاول ۶ھ مطابق ۱۳ اگست ۶۲۷ء بروز دوشنبہ غزوہ بنی لحیان سے واپس آئے۔ ابھی آپؐ کو لوٹے ہوئے مشکل سے دو دن ہوئے تھے کہ ۱۶ ربیع الاول ۶ھ مطابق ۱۵ اگست ۶۲۷ء شب چہارشنبہ کو عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری بنو غطفان کے چالیس سواروں کو لے کر الغابہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوذر کے بیٹے کو قتل کر دیا اور

[1] التنبیہ والاشراف ص ۶۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ کی بیس اونٹنیاں جو اس چراگاہ میں چرتی تھیں ہنکا کر لے گیا۔

غالباً یہ واقعہ رات کے آخری حصہ میں ہوا کیونکہ صبح کے وقت حضرت سلمہ بن عمرو بن اکوع رضؓ اسلمی حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضؓ کے غلام کے ساتھ اپنی تیر کمان لگائے ہوئے کسی ضرورت سے جارہے تھے انھوں نے سب سے پہلے ان لٹیروں کو اونٹ لیجاتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے اہل مدینہ کو مطلع کرنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ کر الفزاع! الفزاع! چلّانا شروع کر دیا[1] اور خود پیدل ہونے کے باوجود ان کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ چونکہ بہت تیز رفتار تھے اس لئے برابر ان کا تعاقب کرتے رہے۔ اور تیر برساتے ہوئے ذی قرد تک پہنچ گئے۔

واقعات: ۶ ربیع الاول بروز چہارشنبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر رومال باندھے ہوئے تشریف لائے اور سوار ہو کر الحدید پہنچ گئے۔ مدینہ سے روانگی سے قبل حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کو ان کی قوم کے تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا۔[2]

آپؐ نے حضرت سلمہ رضؓ کی آواز سنتے ہی تمام مدینہ میں اعلان کرا دیا تھا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے چلو۔ اعلان ہوتے ہی لوگ جوق در جوق آئے اور آپؐ کے گرد جمع ہونے لگے۔ سب سے پہلے مقداد بن عمرو جن کی شہرت مقداد بن الاسود کے نام سے ہے زرہ و خود پہنے اور اپنی تلوار برہنہ کئے ہوئے آئے۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے مقداد کے نیزے پر جھنڈا باندھ دیا اور ان کو سردار

---

[1] یہ بات قابل فہم نہیں معلوم ہوتی کہ الغابہ سے جو جانور چرائے گئے اور مدینہ کی مخالف سمت میں لیجائے گئے ان کی اطلاع مدینہ میں موجود ایک شخص نے ثنیۃ الوداع یا جبل سلع پر کھڑے ہو کر اہل مدینہ کو کیسے پہنچادی۔ اور اگر یہ الغابہ کے قریب کوئی اور ٹیلہ تھا تو وہاں سے الفزاع! الفزاع کی آواز مدینہ میں کیسے پہنچی۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۱۰۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بنا کر پوری جماعت کو حکم دیا کہ:

"لیٹروں کی تلاش میں جاؤ میں بھی تم سے آکر ملتا ہوں۔"

حضرت سلمہ بن اکوعؓ برابر لیٹروں کے تعاقب میں چلے جا رہے تھے اور ان پر تیر برسا رہے تھے۔ جب دشمن ان کے پیچھے دوڑتے تو وہ بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ جاتے یہاں تک کہ اپنی قدر اندازی سے لیٹروں کو اتنا تنگ کیا کہ وہ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس اونٹنیاں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بلکہ بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اپنے تیس سے زیادہ نیزے اور تیس سے زیادہ چادریں بھی چھوڑتے گئے۔ حضرت سلمہؓ نے ان چیزوں کو پیچھے چھوڑا اور ان کا تعاقب جاری رکھا۔

جب ذی قرد کے چشمے کے قریب پہنچے تو ان لیٹروں نے وہاں ٹھہر کر پانی پینا اور جانوروں کو پلانا چاہا لیکن حضرت سلمہؓ نے تیروں کی بارش کر کے ان کو وہاں بھی نہ ٹھہرنے دیا۔ وہ ابھی جدوجہد میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ سب سے آگے محرز بن فضلہؓ تھے جن کو اخرم اور قمیر بھی کہتے ہیں۔ ان کو سلمہؓ نے ہر چند منع کیا کہ تنہا آگے نہ بڑھیں مگر وہ شوقِ شہادت میں دشمنوں کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک عبدالرحمٰن بن عینیہ سے ان کا مقابلہ ہوا۔ انھوں نے عبدالرحمٰن کو زخمی کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ اور ان کا گھوڑا اپنے قبضہ میں کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی حضرت قتادہؓ پہنچ گئے۔ ان کا اور عبدالرحمٰن کا مقابلہ ہوا اس میں عبدالرحمٰن مارا گیا۔ اور اخرم کا گھوڑا حضرت قتادہؓ کے قبضہ میں آ گیا۔

اسی اثنا میں لشکر کے اور آدمی بھی پہنچ گئے۔ اور سلمہ بن اکوعؓ بھی ان سے جا ملے اتنے آدمیوں کو دیکھ کر لٹیرے فرار ہو گئے۔ مسلمانوں نے بہت دور تک ان کا پیچھا کیا اور کئی آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آخر کار جب لٹیرے نظروں سے اوجھل ہو گئے

---

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے سعد بن زید الاشہلی کو امیر بنایا تھا ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ص ۱۴۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تو یہ لوگ واپس ہوئے۔

ذی قرد کے چشمے پر پہنچے تو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۰۰ آدمیوں کے ساتھ فروکش ہیں اور حضرت بلالؓ وغیرہ جنھوں نے اس اثنا میں ایک اونٹ ذبح کیا تھا آپؐ کے لئے اس کی کلیجی اور اس کا کوہان بھون رہے ہیں۔[1] حضرت سلمہؓ نے حضورؐ کو تنے ہمراہیوں کے ساتھ دیکھا تو ان کو پھر جوش پیدا ہوا۔ اور آپؐ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا:

"یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے اور اپنے اصحاب میں سے سو آدمی منتخب فرما دیجئے تو بے خبری کی حالت میں کفار پر حملہ کر دوں، ان میں سے کوئی خبر دینے والا بھی نہ ہوگا جسے میں قتل نہ کردوں"۔[2]

آپؐ نے فرمایا "اے سلمہ! کیا تم ایسا کرنے والے ہو؟" انھوں نے کہا "ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو بزرگی دی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ یہاں تک کہ بقول حضرت سلمہؓ میں نے آگ کی روشنی میں آپؐ کے دانت چمکتے ہوئے دیکھے"

پھر آپؐ نے فرمایا "وہ لوگ تو اس وقت بنو غطفان کی زمین میں پناہ گزین ہوں گے۔"[3]

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت قتادہؓ اور حضرت سلمہؓ کی دلیری و شجاعت کی تعریف کی۔

نتیجہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی قرد میں ایک شبانہ روز مقیم رہے وہاں آپؐ نے صلواۃ الخوف ادا کی۔ سو سو اصحاب میں ایک ایک اونٹ تقسیم کر دیا۔ جسے وہ ذبح کرتے اور کھاتے تھے۔ اس اثنا میں حضرت سعد بن عبادہ نے مدینہ سے آپؐ کی خدمت میں کئی بورے کھجور کے اور دس اونٹ روانہ کئے اس طرح

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۱۰۹۔ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسد کی کوئی کمی نہیں ہوئی۔

مال غنیمت کو آپؐ نے تقسیم فرمایا تو حضرت سلمہؓ کو ایک حصہ پیدل کا اور ایک سوار کا دیا۔ ایک دن، رات ذی قرد کے چشمے کے قریب قیام کر کے ۹ ربیع الاوّل ۵ھ کو آپؐ نے مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ حضرت سلمہؓ کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار ہونے کا شرف بخشا۔ ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۱۰ اگست ۶۲۷ء کو چاشت کے وقت مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے مدینہ میں داخل ہو گئے۔

۲۲۔ غزوہ (صلح) حدیبیہ

(ذی القعدہ ۶ھ مطابق مارچ ۶۲۸ء)

اس واقعہ کو غزوہ ان معنوں میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس میں شریک ہوئے۔ ورنہ دراصل یہ کوئی جنگی مہم نہیں تھی بلکہ آپؐ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

اسباب: مکہ سے مسلمانوں کو نکلے ہوئے تقریباً چھ سال ہو گئے تھے لیکن وطن کی یاد اکثر ان کے دلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی۔ بعض صحابہؓ تو مکہ کو یاد کر کے روتے تھے۔ ادھر حج کی تمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دلوں میں شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ حج زمانہ جاہلیت سے ہی عربوں کا ایک قومی شعار سمجھا جاتا تھا۔ دشمنوں تک کو اس کی ادائیگی سے نہیں روکا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کو بھی پورا حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کو ادا کر سکیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اہل مدینہ کو اس امر سے مطلع کیا بلکہ آس پاس کی اور بستیوں میں بھی اعلان کرا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمع رسالت کے ۱۴۰۰ پروانے اس سفر سعادت میں آپؐ کے ہمرکاب ہو گئے۔ قریش مکہ کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ مسلمانوں کا ارادہ محض عمرہ کرنے کا ہے لڑنے جھگڑنے کا نہیں آپؐ کے حکم سے سب نے مدینہ سے ہی احرام باندھے۔ قربانی کے جانور ساتھ لئے۔ سوائے نیام کی ہوئی تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہیں لیا۔ اور ذی قعدہ کی چاندرات یعنی ۳۰ شوال سنہ ۶ھ مطابق ۱۴ مارچ سنہ ۶۲۸ء بروز دوشنبہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔

تمام صلح جویانہ تدابیر کے باوصف قریش مکہ کو آپؐ کی آمد سخت ناگوار ہوئی۔ انھوں نے جمع ہو کر طے کیا کہ آپؐ کو اور کسی مسلمان کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لئے وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے باقاعدہ سوار فوج خالد بن ولید کی سرکردگی میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دی۔ آنحضرتؐ کو ان باتوں کی اطلاع عسفان کے مقام پر ملی۔ لہٰذا آپؐ نے مکہ کا عام راستہ چھوڑ کر ثنیۃ المرار کی راہ اختیار کی اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر قیام فرمایا۔

حدیبیہ مکہ مکرمہ کے مغرب کی طرف ۱۲ میل[1] کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا۔ اسی کے نام پر آبادی کو بھی حدیبیہ کہنے لگے تھے۔ آجکل اس مقام کو شمیسی یا شمیسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ اُس سڑک پر واقع ہے جو مکہ کو جدّہ سے ملاتی ہے۔

حُدَیبیہ میں سب سے پہلے رسول اللہؐ کی خدمت میں خزاعہ کے سردار بُدیل بن ورقاء مع اپنے چند ساتھیوں کے حاضر ہوئے۔ اُن کے ذریعہ آپؐ نے اپنے

---

[1] ابن سعد اور مسعودی نے یہ فاصلہ ۹ میل بتایا ہے۔ ظاہر ہے ان کی مراد عربی میل سے ہوگی جو ۲۱۰۲ گز کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے یہ مسافت تقریباً ۱۲ میل ہوتی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقصدِ سفر سے قریش مکہ کو مطلع کیا اور کہلا بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں اور ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا نہیں اور نہ کسی قسم کا ہنگامہ ہے۔ جب یہ پیغام قریش کو ملا تو انھوں نے اپنے ایک رئیس عروہ بن مسعود الثقفی کو مزید گفت گو کے لئے بھیجا اس کا انداز نہایت گستاخانہ اور توہین آمیز تھا لیکن آپؐ نے خاموشی سے برداشت کیا اور متانت و سنجیدگی سے تمام باتوں کا جواب دیا۔ البتہ عروہ کی بعض حرکتوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ برداشت نہ کر سکے اور ان دونوں نے عروہ کو کچھ سخت سُست باتیں کہیں۔

عروہ نے مکہ واپس جاکر حضور صلعم کی پوری گفت گو قریش کے سامنے دہرا دی۔ اور رسول اللہ کی شان و عظمت اور صحابہ کی اطاعت کیشی کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیا۔ لیکن غالباً قریش اس کی باتوں سے متاثر نہیں ہوئے کیونکہ کچھ عرصہ تک اُنکے پاس سے کوئی جواب نہیں آیا۔ تب آنحضرتؐ نے خراش بن امیہ خزاعی کو قاصد بناکر قریش کے پاس بھیجا۔ لیکن انھوں نے خراش کے قاصد ہونے کا بھی کچھ خیال نہیں کیا۔ اور اس کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لوگوں نے کہا سُنا تو باز رہے خراش وہاں سے چھوٹ کر رسول اللہ کے پاس آئے۔

قریش نے ایک شرارت اور کی وہ یہ کہ اپنے چالیس پچاس آدمیوں کو اسلامی لشکر کی طرف روانہ کیا کہ اگر حضورؐ کے صحابہ میں سے کوئی ہاتھ لگ جائے تو اسکو گرفتار کر لائیں [1] ان لوگوں نے مسلمانوں کے قریب پہنچ کر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ صحابہ نے ان کو گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن حضورؐ نے ان کو معافی دے کر چھوڑ دیا۔

آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ پھر مفاہمت کی کوشش کی۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ

---

[1] ابن ہشام ص ۴۵۱ - ۴۵۲ -

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے فرمایا کہ تم قریش کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہمیں عمرہ کرنے دیں اور کسی قسم کی ناخوشگوار فضا پیدا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مزاج کی تیزی اور قریش کی اپنے ساتھ دشمنی کا حال بتاکر عرض کیا کہ "آپؐ بجائے میرے عثمانؓ بن عفان کو بھیجیں کہ وہ حلیم الطبع بھی ہیں اور قریش کے نزدیک مجھ سے زیادہ بہتر اور عزیز بھی ہیں"۔

حضورؐ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو اشراف قریش کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مقصد محض کعبہ کی زیارت ہے۔ لہٰذا وہ مزاحم نہ ہوں"۔ [1]

حضرت عثمان نے مکہ پہنچ کر حضورؐ کا پیغام قریش کو دیا۔ وہ کہنے لگے:

"اے عثمان! ہم محمدؐ اور ان کے اور ساتھیوں کو ہرگز زیارت نہیں کرنے دیں گے۔ تم اگر چاہو تو خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہو"۔

عثمان نے کہا: "میں حضورؐ کے بغیر طواف و زیارت نہیں کر سکتا"۔

ان کے اس جواب پہ قریش بہت برہم ہوئے انھوں نے ان کو پکڑ کر بٹھا لیا اور حضورؐ کے پاس واپس نہیں جانے دیا۔ مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی کہ عثمان شہید کر دیے گئے ہیں۔ اس پر مسلمان عموماً اور آنحضرتؐ خصوصاً بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک عثمانؓ کے خون کا بدلہ مشرکین سے نہیں لے لوں گا۔

اس کے بعد آپؐ ببول کے ایک درخت سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور جملہ صحابہ سے قصاص عثمانؓ کے لئے بیعت لینے لگے۔ تمام صحابہ نے نہایت جوش و خروش سے آپؐ کے دستِ مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی۔ اسی بیعت کو قرآن حکیم نے بیعتِ الرضوان کہا ہے۔ اور سورہ فتح میں ان الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے:

---

[1] ابن ہشام ص ۴۵۱، ۴۵۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا۔ (فتح - ۱۸)

(خدا مسلمانوں سے راضی ہوا جب وہ (اے محمدؐ) درخت کے نیچے تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا حال جان لیا۔ ان پر تسلی نازل فرمائی اور ان کی قریبی فتح عطا فرمائی۔)

بیعت رضواں کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ چونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مصدقہ نہیں تھی اس لئے حضورؐ نے اس موقع پر ان کی جانب سے بھی بیعت کی اور اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر اس کو اپنے دائیں ہاتھ پہ مارا اور فرمایا کہ "وہ اللہ کی حاجت اور اس کے رسولؐ کی حاجت میں گئے ہیں"۔ [1]

قریش نے بیعت کا حال سنا تو وہ ذرا نرم پڑے اور اپنے قاصد بھیج کر مفاہمت و مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے سہیل بن عمرو عامری کو چند آدمیوں کے ہمراہ آپؐ کی خدمت میں بھیج کر کہلوایا کہ:-

"آپؐ اس سال واپس چلے جائیں ورنہ تمام عرب یہ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زبردستی عمرہ کر لیا اور قریش کچھ نہ کر سکے اس میں ہماری بڑی بدنامی ہو گی"۔ [2]

سہیل بن عمرو مکہ سے روانہ ہو کر آپؐ کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ نے دور سے دیکھ کر ہی سمجھ لیا کہ صلح کا پیغام لے کر آ رہا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ سے بھی فرما دیا کہ "ان کو قریش نے صلح کے لئے بھیجا ہے۔

بہرحال سہیل آیا اس نے حضورؐ کے سامنے ایک لمبی چوڑی تقریر کی آپؐ سنتے رہے

---

[1] ابن سعد ص ۱۲۸ [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۲۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب وہ ختم کر چکا تو پھر صلح کی بات چیت شروع ہوگئی۔ اس نے کچھ تجویزیں پیش کیں جن کو حضورؐ نے تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد مان لیا۔ زبانی طے ہو جانے کے بعد ان باتوں کو تحریر میں لایا جانا تھا۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے لیکن جب حضورؐ نے جواب میں فرمایا کہ "میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں خدا کے حکم سے کر رہا ہوں" تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ بعد میں وہ اپنی اس آزادانہ گفتگو پر بےحد پشیمان ہوئے اور بطور کفارہ "بکثرت نمازیں پڑھیں اور بہت کچھ صدقہ دیا۔" [1]

صلح کی بات چیت کو تحریر میں لانے کے لئے حضورؐ نے حضرت علیؓ کو طلب کیا انھوں نے لکھنا شروع کیا تو اپنے قاعدہ کے مطابق پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی سہیل نے اعتراض کیا اور کہا ہم اللہ کو تو پہچانتے ہیں مگر الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتے لہٰذا اس کی جگہ "باسمک اللھم" لکھو۔ حضورؐ کے فرمانے سے حضرت علیؓ نے یہ تبدیلی کر دی۔ اس کے بعد یہ عبارت شروع ہوئی: "یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے ہوا۔"

اس پر پھر سہیل معترض ہوا اور کہنے لگا کہ ہماری اور آپؐ کی لڑائی اسی بات پر تو ہے کہ ہم آپؐ کو خدا کا رسول نہیں مانتے۔ لہٰذا آپ بجائے محمد رسول اللہ کے اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے۔ حضورؐ نے مصالحت کے پیش نظر حضرت علیؓ سے یہ تبدیلی کرنے کو کہا لیکن حضرت علیؓ نے عرض کیا "میں یہ الفاظ نہیں بدل سکتا۔" اس پر حضورؐ نے خود "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیئے اور ان کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوایا۔ غرض پورا صلح نامہ اس طرح مرتب ہوا:

"یہ وہ (صلح نامہ) ہے جس پر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی۔ دونوں نے دس سال

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۷۵۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک ہتھیار رکھ دینے کا عہد کیا کہ لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں اس طور پر کہ نہ خفیہ چوری ہو نہ خیانت ہو۔ یہ معاہدہ ہمارے درمیان ایک بند صندوق کا حکم رکھتا ہے جو چاہتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذمہ داری میں داخل ہو تو وہ ایسا کر سکے گا۔

جو شخص یہ پسند کرے کہ قریش کے عہد میں داخل ہو وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ ان میں جو شخص بغیر اپنے ولی کی اجازت کے محمدؐ کے پاس آئے گا تو وہ اُسے اسکے ولی کے پاس واپس کر دیں گے۔ اس سال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب کو ہمارے پاس سے واپس لے جائیں گے۔ اور سال آئندہ وہ ہمارے پاس مع اپنے اصحاب کے اس طرح آ کر مکے میں تین دن قیام کریں گے کہ ہمارے یہاں سوائے ان ہتھیاروں کے کوئی ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں گے جو مسافر کے ہتھیار ہوتے ہیں۔ اور وہ تلواریں ہیں جو چمڑے کے میان میں ہوتی ہیں"۔

ابوبکرؓ بن ابی قحافہؓ، عمرؓ بن الخطابؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاصؓ، عثمانؓ بن عفان۔ ابوعبیدہؓ بن الجراحؓ، محمدؓ بن مسلمہ۔ حویطب بن العزیٰ اور مکرز بن حفص بن الاحیف اس کے گواہ ہوئے[۱]

ویسے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا ہی کافی ملال تھا کہ وہ بغیر عمرہ کئے واپس جا رہے ہیں مگر زیادہ تکلیف انھیں صلح نامہ کے اس فقرہ سے ہوئی:

---

[۱] طبقات ابن سعد جزء ثانی ص ۱۲۸ - ۱۲۹۔ ابن ہشام نے محمد بن مسلمہ کی جگہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کا نام لکھا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

• ان میں جو شخص بغیر اپنے ولی کی اجازت کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے پاس آئے گا تو وہ اسے اس کے ولی کے پاس واپس کر دیں گے۔"

اور جب فوراً ہی اس کا عملی نمونہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے آیا تو وہ بے چین ہو گئے۔ ہوا یہ کہ صلح نامہ کے فریق ثانی سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندلؓ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور اس جرم کی پاداش میں قریش مکہ کے پاس قید تھے وہ صلح نامہ لکھے جانے کے دوران بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور کھڑے ہو گئے۔ سہیل نے اپنے بیٹے کو وہاں کھڑا دیکھ کر ان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اور حضورؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ کے مطابق میں اپنے بیٹے کو تمھارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔"

حضورؐ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے سہیل نے یہ جواب سن کر ابو جندل کو کھینچ کر قریش کے پاس لیجانا چاہا۔ ابو جندل حسرت و یاس کے لہجے میں کہنے لگے۔

" یا رسول اللہ! اور اے مسلمانو! کیا میں کافروں میں پہنچا دیا جاؤں گا تاکہ وہ مجھے تکلیفیں دیں۔"

مسلمان یہ سن کر تڑپ گئے۔ رسول اللہ کو بھی قلق ہوا لیکن آپؐ نے نہایت ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں فرمایا:

ابو جندل! تم چند روز اور صبر کرو۔ عنقریب خداوند تعالیٰ تمھارے واسطے کشادگی کرے گا۔ میں مجبور ہوں کہ میں نے عہد کر لیا اور عہد کے خلاف نہیں کر سکتا۔" [۱]

حضرت عمرؓ نے بھی ابو جندلؓ کے پاس پہنچکر ان کو بہت کچھ تسلی دی۔

صلح نامہ کی تحریر سے فراغت ہوئی تو حضورؐ صلعم کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۴۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے اُونٹ کو قربان کیا اور خراش بن امیہ سے سر منڈوایا۔ آپؐ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی قربانیاں کر کے سر منڈائے۔

صلح نامہ کی ایک شق کے مطابق اسی وقت بنو خزاعہ جو پہلے ہی حضور کی جانب مائل تھے آپؐ کی حمایت میں آ گئے ان کے مقابلہ میں بنو بکر نے قریش کی حمایت حاصل کر لی۔ آگے چل کر اس کے نہایت دور رس نتائج برآمد ہوئے۔

دس روز اور بعض روایتوں کے مطابق بیس دن آپؐ الحدیبیہ میں مقیم رہے اس کے بعد امام زہری کی روایت کے بموجب آپؐ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے جب آپؐ مقام ضجنان میں تھے تو "انا فتحنا لک فتحاً مبینا" نازل ہوئی جس میں اس صلح کو اللہ تعالیٰ نے جو ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ [۱]

جب یہ سورۃ (فتح) نازل ہوئی اور آپؐ نے صحابہ کو بتایا تو اُن سب نے آپؐ کو مبارک باد دی۔

سفر پورا کر کے آپؐ غالباً ذی قعدہ کی آخری تاریخوں میں مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے جہاں آپؐ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

صلح نامہ کے مطابق آپؐ نے دوسرے سال ذی قعدہ کے مہینہ میں عمرہ ادا کیا۔ یہ عمرہ 'عمرۃ القضاء' کہلاتا ہے۔ اس کے لئے ۶/ ذی قعدہ ۷ھ مطابق ۶/ مارچ ۶۲۹ء بروز دوشنبہ آپؐ ان تمام صحابہ کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ساتھ تھے اور بغیر عمرہ کئے واپس آ گئے تھے لیکر مدینہ سے روانہ ہوئے حضرت سباع بن عرفطہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ مکہ پہنچ کر آپؐ نے اور صحابہؓ نے

---

[۱] سورہ فتح۔ آیت: ۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عمرہ کیا. قربانی کی اور سر منڈایا. تین روز مکہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران میں حضرت میمونہؓ بنت الحارث الہلالیہ سے نکاح کیا۔ پھر آپؐ مقام سَرِف میں پہنچ گئے ، وہیں اور لوگ بھی آپؐ سے آملے بشام کو ابو رافع بھی جو مکہ میں ٹھہر گئے۔ حضرت میمونہؓ کو لے کر آگئے۔ رات آپؐ نے سرف میں گذاری۔ شب کے آخری حصہ میں وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ آگئے۔

صلح حدیبیہ اپنے نتائج کے اعتبار سے فتح مبین کہی جاتی ہے اس سے مسلمانوں کو کئی فائدے ہوئے۔ ان میں سے حسب ذیل بہت اہم ہیں جن کو ابن خلدون نے امام زہری کے حوالے سے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

(۱) صلح حدیبیہ سے پہلے جنگ و جدال کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے تھے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا انتظام با قاعدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صلح کے بعد امن قائم ہوا تو لوگوں کو ملنے جلنے کا موقع ملا تبادلہ خیالات سے لوگوں پر اسلام کی حقانیت ظاہر ہوئی اور وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ دو سال میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے اُتنے آغاز اسلام سے اس وقت تک کی طویل مدت میں بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۲) سلاطین کو تبلیغی مراسلات صلح حدیبیہ کے بعد ہی بھیجے گئے جس کی وجہ سے آفتاب اسلام کی شعاعیں عرب کی حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پڑنے لگیں۔ اور وہاں کے لوگ بھی اس نئے دین سے متعارف ہونے لگے۔

(۳) صلح حدیبیہ کے بعد ابو بصیر عتبہ بن اسید کے مکہ سے مدینہ بھاگ آنے اور پھر وہاں سے ساحل سمندر کے قریب ایک مقام عیص میں مقیم ہو جانے سے مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو کفار کے دستِ تظلم سے بچ نکلنے کا ایک ٹھکانا مل گیا، اور وہ بھاگ بھاگ وہاں پہنچنے لگے۔ کچھ دنوں میں ان کی جمعیت اتنی ہو گئی کہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے وہ ایک مستقل خطرہ بن گئے۔ مجبوراً قریش کو معاہدہ کی وہ شق ختم کر دینی پڑی کہ اگر "مکہ کا کوئی شخص بھاگ کر رسول اللہ کے پاس آئے گا تو وہ واپس مکہ بھیجدیا جائے گا"۔ اس کے ختم ہوتے ہی رسول اللہ نے تمام آوارہ وطن اور مکہ میں مقیم مسلمانوں کو لکھ دیا کہ وہ مدینہ چلے آئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو بصیر اور انکے ساتھی مقام عیص سے اور دیگر مظلوم مسلمان مکہ سے رسول اللہ کے پاس چلے آئے اس سے قریش کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کا تجارتی راستہ کھل گیا۔ اور مسلمانوں کو یہ آرام نصیب ہوا کہ وہ قریش کے ظلم و تعدی سے بچکر اپنے مسلمان بھائیوں سے آملے۔

(۴) عقبہ بن ابی معیط کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ جو مسلمان ہو چکی تھیں ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے۔ انھوں نے آنحضرت سے درخواست کی کہ انھیں واپس مکہ بھیجدیا جائے۔ لیکن آپؐ نے انکار فرما دیا۔ اسی کے ساتھ یہ حکم بھی نازل ہو گیا کہ کافرہ عورتیں مسلمانوں کی زوجیت میں نہیں رہ سکتیں۔ لہذا جن صحابہ کی بیویاں ابھی تک کافرہ اور مکہ میں مقیم تھیں اس حکم کے بموجب ان سب نے ان بیویوں کو طلاق دے دی۔[۱]

۲۳۔ غزوۂ خیبر

(محرم سنہ ۷ھ مطابق مئی سنہ ۶۲۸ء)

خیبر مدینہ کے شمال میں ایک بستی ہے۔ یہ ایک حرہ پر واقع ہے اس لئے کافی زرخیز ہے۔ یہاں کھجور کے باغات اور کھیت ہیں جنمیں کئی اجناس پیدا ہوتی ہیں مدینہ سے اس کا فاصلہ قدیم مؤرخین اور جغرافیہ دانوں نے آٹھ منزل بتایا تھا جو ۹۶ میل ہوتا ہے۔ لیکن شبلی نے یہ قول نقل کر کے یورپین سیاح ڈاؤٹی کے متعلق لکھا

---

[۱] تاریخ ابن خلدون جلد اول، سیرۃ النبیؐ ص ۳۶۲ - ۳۶۳، سیرۃ النبی ج ۱ ص ۴۶۰ - ۴۶۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کردہ مدینہ سے خیبر کا فاصلہ ۲۰۰ میل بتاتا ہے لیکن عرب کے نقشوں پر دیکھنے اور پیمائش کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاؤٹی کا یہ اندازہ ٹھیک نہیں۔ اگر ناہموار اور پہاڑی علاقے کی وجہ سے راہیں پر پیچ ہوں تب بھی یہ فاصلہ سوا سو میل سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیبر یہودیوں کا ایک مرکزی مقام تھا۔ وہاں انھوں نے کئی مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ جن میں سے بعض کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان قلعوں کی تعداد مؤرخین نے مختلف بتائی ہے۔ لیکن ابن سعد نے جو نام دیئے ہیں وہ سب ملا کر کل تعداد ۹ ہوتی ہے۔ ان ۹ قلعوں کے نام یہ ہیں

(۱) النطاۃ (۲) الصعب بن معاذ (۳) ناعم (۴) الزبیر (۵) اُبَی (۶) النزار (۷) القموص (۸) الوطیح (۹) سُلالم [1]

ان میں زیادہ مشہور النطاۃ، ناعم، القموص، الوطیح اور سُلالم تھے۔ ان میں بھی اپنے استحکامات کے لحاظ سے القموص کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ کی نگرانی کا کام ایک بہادر شخص مرحب کے سپرد تھا۔ جو جنگ خیبر میں قتل ہو کر ہمیشہ کے لئے مشہور ہو گیا۔

خیبر میں یہودیوں کی قدیم آبادی کے علاوہ قبیلہ بنی نضیر کے وہ لوگ بھی آکر آباد ہو گئے۔ جن کا ۴ھ کے غزوہ بنی نضیر کے بعد اخراج ہوا تھا ان میں سے تین آدمی جو مدینہ میں سر برآوردہ خیال کئے جاتے تھے۔ خیبر میں پہنچ کر بھی اپنی سیادت وقیادت کو قائم کئے رہے۔ چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ القموص الوطیح اور سلالم ابو الحقیق کے بیٹوں کے قلعے تھے۔

ان تین یہودی سرداروں میں سے حُیَی بن اخطب تو اپنی بدبختی کی وجہ سے

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۳۹۔ شبلی نے خیبر کے قلعوں کی تعداد ۶ بتائی ہے۔ اور ان کے نام سالم قموص نطاۃ۔ قصارۃ۔ شق۔ مربطہ لکھے ہیں۔ یہ فہرست ان کو یعقوبی کے یہاں سے ملی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آخر وقت تک مدینہ کے یہودیوں سے مل کر رسول اللہ کے خلاف سازش کرتا رہا۔ اور غزوۂ بنی قریظہ کے بعد کے دوسرے یہودیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اس کی بیٹی صفیہؓ جو بعد میں ام المومنین بنیں کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں۔ اور ابن ابی الحقیق کے خاندان کے ساتھ قلعہ قموص میں رہتی تھیں۔ سلام بن مشکم خیبر کی جنگ کے موقع پر بیمار تھا۔ تاہم اس نے لڑائی میں نمایاں حصہ لیا۔ اور خود قلعہ النطاۃ میں آکر فوج میں شرکت کی۔

ابن ابی الحقیق کا خاندان خیبر میں پہنچ کر سب سے زیادہ ترقی کر گیا۔ اس نے وہاں ایک بڑی ریاست حاصل کرلی۔ اور قموص۔ وطیح اور سلالم جیسے مضبوط قلعوں کا مالک بن بیٹھا۔

غزوۂ خیبر مختلف اعتبار سے نہایت اہم ہے لیکن جتنا یہ غزوہ اہم ہے اتنی ہی زیادہ اس کے بعض واقعات میں مبالغہ کی چاشنی ہے۔ اور حقائق تک پہنچنے کے لئے روایتوں کی بے شمار پرتوں کو ہٹانا پڑتا ہے جو امتداد زمانہ کی وجہ سے پڑ گئی ہیں۔

اسباب: خیبر میں جو یہودی آباد تھے اُن میں ایک بڑا حصہ بنو نضیر کے اس قبیلہ کا تھا جو اپنی شرارت کی وجہ سے ۴ھ میں مدینہ سے خارج البلد کر دیا گیا تھا ان یہود بنی نضیر کو مسلمانوں سے جو دشمنی اور مخالفت تھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسی دشمنی کا اظہار انھوں نے غزوۂ احزاب پر کیا تھا جبکہ انھوں نے قریش مکہ بنو غطفان بنو قریظہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسا کر مدینہ پر ایک ٹڈی دل لشکر لا چڑھایا تھا۔ حُیی بن خطب کے قتل کئے جانے کے بعد جب یہود بنو نضیر کی قیادت سلام بن ابی الحقیق کو ملی تو اس نے مسلمانوں کے خلاف پھر ایک بڑا لشکر جمع کرنے کی طرح ڈالی۔ خود قبیلہ غطفان میں جا کر اُن کو اور آس پاس کے دیگر قبیلوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابھارا۔ سلام کے مارے جانے کے بعد ایک اور یہودی سردار اسیر بن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رزام نے بھی اس کی پالیسی کو جاری رکھا۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کرتا رہا۔ ادھر بنو غطفان جو کئی مرتبہ خود مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کر چکے تھے۔ اور اب بھی انکی یہی کوشش تھی کہ جتنا ممکن ہو سکے مسلمانوں کو زک پہنچائی جائے۔ غطفان کا ایک مشہور اور طاقت ور قبیلہ بنو فزارہ اس معاملہ میں اس قدر پیش پیش تھا کہ جب انھوں نے خیبر کے یہودیوں کی تیاریوں کا حال سُنا تو وہ خود ان کے پاس پہنچے اور انکو یقین دلایا کہ اگر تم مسلمانوں پر لشکر کشی کرو گے تو ہم تمھارا پوری طرح ساتھ دیں گے۔ بنو غطفان کی شرارتوں کا ایک ادنیٰ مظہر وہ واقعہ تھا جب انھوں نے غابہ میں پہنچکر ڈاکہ ڈالا تھا اور رسول اللہ کی ۲۰ اُونٹنیاں لوٹ کر لے گئے تھے اور جس کے نتیجہ میں غزوہ غابہ یا غزوہُ ذی قرد واقع ہوا تھا۔

بہرحال صلح حدیبیہ کے کچھ ہی دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ خیبر کے یہودیوں اور بنو غطفان کا گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے اور انھوں نے مل کر ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے جس کو لے کر وہ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیج کر اس خبر کی تصدیق کرائی اور جب آپؐ کو یقین ہو گیا کہ مدینہ پر بہت جلد ایک بڑا حملہ ہونے والا ہے تو آپ نے خیبر پر لشکر کشی کی تیاری شروع کر دی اور اعلان عام کر دیا کہ:

"ہمارے ساتھ جہاد میں وہ لوگ چلیں جو طالب جہاد ہوں"

چنانچہ جلد ہی ۱۴۰۰ مجاہدین کی ایک فوج جمع ہو گئی جس میں دو سو سوار تھے۔

واقعات: حضور صلعم نے مدینہ میں حضرت سباع بن عُرفطہؓ انصاری کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور محرم کی آخری تاریخوں میں ۱۴۰۰ مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور عصر اور صہبا نامی مقامات سے گذرتے ہوئے ایک میدان میں پہنچے جس کو رجیع کہتے ہیں۔ یہ میدان علاقہ غطفان اور خیبر کے درمیان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

واقع ہے یہاں قیام کرنے سے آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں اور بنو غطفان دونوں کو پتہ نہ چل سکے کہ آپؐ کا ارادہ کس پر حملہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ آپؐ کی اس تدبیر کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ بنو غطفان یہودیوں کی مدد کے لئے ایک بڑا لشکر روانہ کر چکے تھے، لیکن جیسے ہی انھیں آپؐ کی آمد کی اطلاع ہوئی انھوں نے وہ لشکر واپس بلا لیا اور اس طرح ان دونوں کا یہ تعلق منقطع ہو گیا۔

اس طرف سے مطمئن ہو کر حضورؐ نے خیبر کی جانب کوچ کیا اور رات کے وقت قلعہ کے چاروں طرف جو میدان پڑا ہوا تھا اس میں پہنچ کر قیام فرمایا۔ رات بھر آرام فرمانے کے بعد صبح ہوتے ہی آپؐ نے حملہ کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب خیبر کے باشندے ہل، پھاوڑے کھرپیاں وغیرہ لے کر کھیتوں پر جانے کے لئے آبادی سے نکل رہے تھے۔ انھوں نے غیر متوقع طور پر مسلمانوں کا لشکر دیکھا تو یہ آوازیں لگاتے ہوئے بے تحاشہ بھاگے۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر لیکر آگئے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر لیکر آگئے۔
اور قلعوں کے اندر پہنچ کر ان کے پھاٹک بند کر لئے۔"

حضور صلعم نے سب سے پہلے حصن ناعم کا محاصرہ کیا۔ حملہ آور فوج کا سردار محمود بن مسلمہ کو بنایا۔ پانچ دن تک جنگ ہوتی رہی۔ وہ بڑی بہادری سے لڑتے رہے گرمی کا موسم تھا۔ ایک دن تھک کر قلعہ کی دیوار کے سایہ میں لیٹ گئے کنانہ بن الربیع یا مرحب[1] نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا ایک پاٹ گرا دیا۔ جس کی وجہ سے وہ اسی وقت فوت ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کے فوجی دستہ کی قیادت ان کے بھائی محمد بن مسلمہ کو سپرد کی اور ناعم کا قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔

---

[1] ممکن ہے دونوں کی سازش ہو۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد اور کئی قلعے آسانی سے فتح ہو گئے۔ آخر میں قلعہ قموص کی باری آئی۔ یہ قلعہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ خیبر کے قلعوں میں سب سے زیادہ مستحکم تھا اور چونکہ سردار قوم کنانہ بن ابی الحقیق کا پورا خاندان اسی قلعہ میں موجود تھا اس لئے غالباً اس کی حفاظت کے کافی انتظامات کئے گئے تھے۔ مشہور پہلوان مرحب اس قلعہ کا محافظ تھا۔ لہٰذا اس کا فتح ہونا ایک دشوار کام تھا۔ چونکہ قموص کے قلعہ کی اہمیت سب سے زیادہ تھی اس لئے بعض مورخین نے اس کی فتح کے سلسلہ میں نہایت مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کے گرد کمزور روایتوں کا ایک جالا بُن دیا ہے۔ بہر حال مختصر یہ کہ قموص کا قلعہ حضرت علیؓ کی قیادت میں فتح ہوا۔ البتہ ایک دن میں نہیں کئی دن کے محاصرہ کے بعد۔ پھر چونکہ یہ قلعہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے سب سے مضبوط تھا اور یہودیوں نے اپنی پوری قوت اسکو بچانے میں صرف کر دی تھی اس لئے حضرت علیؓ کا یہ کارنامہ یقیناً نہایت وقیع ہے اور اسی لئے انھیں فاتح خیبر کہا جاتا ہے۔

رہا مرحب سے مقابلے اور اس کو قتل کرنے کا واقعہ اس میں بھی دو روایتیں ہیں۔ مسلم، حاکم اور ابن سعد نے حضرت علیؓ کو مرحب کا قاتل بتایا ہے اور ابن ہشام یا ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ، واقدی، احمد بن حنبل وغیرہ نے محمد ابن مسلمہ کو چنانچہ ابن ہشام نے واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے۔[۱] یہی روایت حافظ ابن قیم نے بھی بہ تغیر الفاظ زاد المعاد[۲] میں بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ:

"صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا ایک اور (حضرت جابرؓ کی) روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ نے اسے قتل کیا۔"

یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مرحب کی غیر معمولی طاقت جو زبان

---

[۱] سیرت ابن ہشام ص ۴۶۱ [۲] زاد المعاد حصہ دوم ص ۲۳۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زد خاص و عام ہو گئی ہے۔ مبالغہ آمیز ہے۔ مستند مورخین کے
بیانات سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بہادر پہلوان تھا۔"

مرحب یہودی کے بعد اس کا بھائی یاسر میدان میں آیا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت زبیرؓ گئے اور وہ ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ غرض مختلف مقابلوں، جھڑپوں اور لڑائیوں کے بعد ۲۰ دن کے محاصرہ میں قموص کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا قموص کے بعد وطیح اور سلالم کے دو قلعے رہ گئے تھے دس دن سے زیادہ ان کا محاصرہ رہا اور آخر کار وہ بھی فتح ہو گئے۔

نتیجہ: اب خیبر کی پوری آبادی حضورؐ کے رحم و کرم پر تھی اس کو مکمل طور پر زیر کرنے کے لئے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت لگی۔ غزوات میں کسی مہم نے بھی اتنا طول نہیں کھینچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی کا سلسلہ صفر کے اوائل سے شروع ہو کر ربیع الاول کے آخر تک جاری رہا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ربیع الآخر تک خیبر، فدک اور وادی القریٰ کے تمام معاملات سے فارغ ہو کر جب آپؐ مدینہ میں واپس پہنچے ہوں تو جمادی الاول کا مہینہ شروع ہو گیا ہو۔ اسی بناء پر ابن سعد نے اس غزوہ کو جمادی الاولیٰ کا واقعہ بتایا ہو اور دوسرے مورخین اس کو محرم تک ہی محدود رکھتے ہوں۔

اس جنگ میں یہودیوں کے ۹۳ آدمی مارے گئے اور مسلمان ۱۷ شہید ہوئے مسلمان شہداء کی پوری فہرست طبقات ابن سعد میں دی گئی ہے۔ اور آخر میں لکھ دیا ہے کہ ۱۵ میدان جنگ میں مقتول ہوئے۔ بشر بن البراءؓ بن معرور زہریلی بکری کے گوشت سے اور عامر بن الاکوعؓ اپنے ہی خنجر سے ہلاک ہوئے۔

یہودیوں کے رئیس اور سردار کنانہ بن ابی الحقیق کو حضورؐ نے حضرت محمود بن مسلمہؓ پر چکی کا پاٹ گرا کر شہید کر دینے کے عوض قتل کرا دیا۔ اس کے علاوہ ایک یہودی عورت جس نے حضرت بشر بن البراءؓ معرور اور آنحضرت صلعم کو بکری کے گوشت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں زہر ملا کر دیا تھا قتل کر دی گئی۔

مالِ غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی اشیا فروخت کر دی گئیں اور ان کی قیمت کو اٹھارہ حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ پھر ہر حصہ سو سو آدمیوں میں تقسیم کیا گیا۔ چار حصے دو سو گھوڑوں کے لئے مخصوص کئے گئے۔ اس طرح ہر پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو تین حصے ملے۔

خیبر کی اراضی کے دو حصے کئے گئے ان میں سے ایک نصف بیت المال، مہمانی سفارت وغیرہ کے لئے مخصوص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین میں اس طرح تقسیم کر دیا گیا جس طرح دیگر مالِ غنیمت کو کیا گیا تھا۔ یعنی پیدل کو ایک حصہ ملا اور سوار کو تین۔

اراضی کا انتظام اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے مسلمان خود نہیں کر سکتے تھے اس لئے بٹائی پر یہودیوں کو ہی دے دی گئی۔ نصف نصف پر معاملہ طے ہو گیا۔ ابتداءً کھیتوں اور پھلوں کی پیداوار کے اندازہ اور اس کی تقسیم کا کام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ کو تفویض کیا گیا۔ وہ ایک سال ہی یہ کام انجام دے سکے تھے کہ جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے بعدہٗ اس خدمت پر جبّار بن صخر بن اُمیہ کو مقرر کیا گیا اور وہ کافی عرصہ تک اس فرض کی انجام دہی کرتے رہے۔[1]

قموص کے قلعہ کی فتح کے بعد حیی بن اخطب کی صاحبزادی اور رئیس قوم کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ صفیہؓ حضورؐ کے سامنے لائی گئیں۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا اور اس طرح وہ امہات المومنین میں شامل ہو گئیں۔

ابھی حضورؐ مع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خیبر ہی میں تھے کہ حضرت جعفر طیارؓ مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ حضرت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۴۷۲، ۴۷۳۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ ہر سال جب بٹائی کا وقت آتا تو عبداللہ بن رواحہ پھلوں کا تخمینہ کرنے خیبر جاتے (فتوح البلدان۔ جزو اول ص ۳۷) غالباً مصنف کے ذہن سے حضرت عبداللہ کی جنگِ موتہ میں شہادت کا واقعہ محو ہو گیا۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جعفر طیار سے مل کر اس قدر خوش ہوئے کہ بے ساختہ یہ فقرہ زبان مبارک سے نکلا

ما ادری بایھما انا اسر بفتح خیبر ام بقدوم جعفر

(یہ دو خوشیاں ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس سے مجھے زیادہ مسرت ہوئی ہے۔ خیبر کی فتح سے یا جعفر کے آنے سے؟) [1]

غزوۂ خیبر کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سے فقہی احکام نازل ہوئے۔ جن میں خاص خاص یہ ہیں:

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہو گئے۔

(۲) درندے حرام کر دیئے گئے۔

(۳) پلے ہوئے یا شہری گدھے اور خچر حرام قرار دیئے گئے۔

(۴) لونڈیوں کے لئے احکام نازل ہوئے۔

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام قرار پایا۔ [2]

جس طرح صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو قریش مکہ کی جانب سے کسیقدر مطمئن کر دیا تھا۔ اور وہ آزادی سے تبلیغ دین کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اسی طرح فتح خیبر سے بھی خطرہ ختم ہو گیا۔ اور اب فقہی احکام کی نہایت باقاعدہ ترتیب اور ان پر عمل کا دور شروع ہوا۔ اسی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی طرح فتح خیبر بھی اسلامی تاریخ کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔

خیبر کی فتح کے بعد فدک کے لوگوں نے بغیر لڑے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نصف آراضی پیش کر کے آپؐ سے صلح کر لی البتہ وادی القریٰ کے یہودیوں نے تھوڑی سی مزاحمت کی۔ لیکن جلد ہی ہتھیار ڈال دیئے اور ان ہی شرائط پر صلح کر لی جن پر خیبر والوں نے کی تھی [3]

---

[1] التنبیہ والاشراف ص ۱۷ [2] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۵۰۱ ۔ [3] اسکے بعد جنگ موتہ کا ذکر آنا چاہیئے تھا مگر چونکہ اس میں آنحضرتؐ نے خود شرکت نہیں کی تھی اس لئے ہمارے نزدیک غزوات میں اسکا شمار نہیں کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اکثر مؤرخین اور اصحاب حدیث و سیر نے اسے غزوہ لکھا ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

۲۴۔ غزوہ عام الفتح

(رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء)

صلح حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اسکی اہم ترین شرق یہ تھی کہ ۱۰ سال تک وہ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے اور مکمل طور پر صلح داشتی سے رہیں گے اس امر کے وہ لوگ بھی پابند ہوں گے جو مسلمانوں اور قریش کی حمایت میں ہوں گے۔ اس صلح نامہ کے لکھے جانے کے وقت ہی قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت حاصل کی اور بنو بکر نے قریش کی۔ لہٰذا وہ دونوں اسی وقت سے اس معاہدہ کے پابند ہو گئے۔ لیکن بنو بکر اور قریش اس عہد کو پورے دو سال بھی نہ نبھا سکے۔ انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی نتیجتاً معاہدہ ٹوٹ گیا اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔

اسباب: خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان ایام جاہلیت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں خزاعہ نے بنو بکر کے ایک حلیف مالک بن عباد حضرمی کو مار ڈالا تھا۔ اور اس کا بدلہ لینے کے لئے بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر کے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ پھر خزاعہ نے اسود بن رزن کے تین بیٹوں کو مار ڈالا۔ اور بنو بکر اس کا بدلہ چکانے کی فکر میں لگ گئے۔ یکایک بطحا کی گھاٹیوں سے آفتاب اسلام طلوع ہوا اور اس نے ان سب کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیا وہ اپنی آپس کی مخالفتوں اور رقابتوں کو بھول گئے۔ اور الکفر ملۃ واحدۃ کا صحیح مصداق بن کر مسلمانوں کی ایذا رسانی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ صلح حدیبیہ تک ان کی توجہ سوائے اس ایک مسئلہ کے اور کسی جانب نہ ہو سکی کہ جس طرح ہو مسلمانوں کو نیچا دکھایا جائے جب ۶ھ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی اور وقتی طور سے مشرکین کی توجہ مسلمانوں کی طرف سے ہٹی تو پھر ان کی پرانی رقابتیں ابھر آئیں۔ چونکہ اس مرتبہ بنو بکر کی باری تھی کہ وہ اپنے تین مقتولین کا بدلہ لیں جو سالہا سال سے واجب چلا آرہا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔

(۳) اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قریش نے جوش میں آکر تیسری شرط منظور کر لی۔ لبعد میں اپنی عجلت پر پچھتائے اور ابو سفیان کو مدینہ کی طرف دوڑایا کہ "جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتھ معاہدہ کی تجدید کرائے"۔

ابو سفیان نے مدینہ پہنچ کر بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور جنگ کا دروازہ جو قریش نے اپنی حماقت وجہالت سے ایک بار پھر کھول دیا تھا، بند نہ ہو سکا۔

واقعات: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی، قبائل عرب اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور سلیم کو اطلاعیں بھیج دی گئیں۔ ان میں سے بعض مدینہ پہنچ کر ہی شامل ہو گئے اور بعض راستے میں آملے۔ اس طرح اسلامی لشکر دس ہزار ہو گیا۔

مہاجرین وانصار کے علاوہ قبیلہ سلیم کے ایک ہزار، قبیلہ مزینہ کے ایک ہزار قبیلہ غفار کے چار سو اور قبیلہ اسلم کے چار سو آدمی تھے۔ اسد، تمیم، اشجع اور جہینہ کے بھی کافی افراد شریک ہوئے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپؐ کے حملہ کی اطلاع قریش مکہ کو نہ ہو اس لئے آپؐ نے اپنی تیاریوں کو انتہائی راز میں رکھا تھا لیکن آپؐ کے مشہور صحابی حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ کے بیوی بچے اور دیگر اہل خاندان مکہ میں تھے ان کے خیال سے انھوں نے ایک بڑھیا کو خط دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا جس میں قریش کو حملہ کی اطلاع دی گئی۔ یہ خط پکڑا گیا حضرت حاطبؓ سے باز پرس ہوئی انھوں نے حقیقت حال واضح کر دی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی اس بات پر غصہ آیا لیکن رسول اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۲ جنوری ۶۳۰ء بروز چہار شنبہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد نماز عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینہ میں آپؐ نے ابو رہم غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔[1] مقام صلصل پر پہنچ کر دو سو مسلمانوں کے ہمراہ حضرت زبیر بن العوامؓ کو آگے بھیجا۔ ذوالحلیفہ یا جحفہ کے مقام پر حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے جو ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ انھوں نے اپنا سامان مدینہ بھجوا دیا اور خود اسلامی لشکر کے ساتھ مکہ کی طرف واپس چل دیئے۔[2]

لشکر اسلامی مقام قدید میں وارد ہوا تو حضورؐ نے مختلف حضرات کو لواء اور رائت لشکر عطا فرمائے۔ ہر قبیلہ کا جھنڈا جداگانہ تھا۔

یہاں سے روانہ ہو کر آپؐ ۱۷، ۱۸ رمضان کو عشاء کے وقت مرالظہران پہنچے اور وہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا آپؐ کے حکم سے مسلمان کافی بڑے علاقہ میں پھیل گئے۔ اور جگہ جگہ چولہے بنا کر آگ روشن کی۔ رات کو پہرے پر حضرت عمرؓ کو عامل بنایا گیا۔

اُدھر باوجودیکہ قریش کو مسلمانوں کے حملے کی خبر آخر وقت تک نہیں ہوئی تاہم وہ ابو سفیان کی ناکام کوشش کی بنا پر نہایت فکرمند تھے۔ اور انھیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان کسی نہ کسی وقت مکہ پر ضرور حملہ کریں گے۔ لہٰذا وہ حملہ احتیاطی تدابیر اختیار کر رہے تھے اور دو دو چار چار آدمی رات کو گھوم پھر کر معلوم کرتے رہتے تھے کہ اسلامی لشکر تو نہیں آ گیا ہے۔

اتفاق سے جس روز مسلمان مرالظہران میں اُترے اسی شب کو ابو سفیان حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا گشت کرتے ہوئے مرالظہران کی طرف جا نکلے دُور سے انھوں نے جابجا آگ روشن دیکھی تو بیحد پریشان ہوئے۔ اور آپس میں

---

[1] ابن سعد نے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کا نام لکھا ہے طبقات ص ۱۷۵، [2] تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۲۸۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قیاس آرائیاں کرنے لگے۔

ادھر حضرت عباسؓ نے سوچا کہ اگر قریش پر یکایک حملہ کر دیا گیا تو ان کا زبردست نقصان ہوگا۔ لہٰذا وہ رسول اللہؐ کے خچر پر سوار ہو کر ان کو خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے چل پڑے۔ مقام اراک پر پہنچے تو ابوسفیان اور بُدیل کی آوازیں کان میں پڑیں۔ حضرت عباسؓ تیزی سے ان کی طرف بڑھے اور دونوں کو مخاطب کر کے کہا "یہ رسولِ خدا کا لشکر ہے اس لئے تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ"[1] پھر ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لیا اور اس کا اور اس کے دونوں ساتھیوں کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے فرمایا" اس وقت ان کو اپنے ڈیرے میں رکھو۔ میں کل صبح ان سے گفتگو کروں گا۔"

دوسرے دن پھر حضرت عباسؓ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ سے کچھ سوال جواب ہوئے آخر حضرت عباسؓ کے کہنے سے ابوسفیان اور اس کے دونوں ساتھی اسلام لے آئے۔ اور اس طرح دربار نبوت سے اُس شخص کو بھی معافی کا پروانہ مل گیا جس نے بار بار اسلام کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ نے اس موقع پر اس کو وہ امتیاز بخشا جو کسی کو بھی نصیب نہیں آپؐ نے اعلان کرایا[2] کہ "جب ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے تو صرف اُن لوگوں کو امان ملے گی جو (۱) حرم میں داخل ہوگا یا (۲) ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے گا یا (۳) اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے گا۔

جب ابوسفیان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اس کے دل پر اسلام کی شان و عزت کا نقش گہرا کرنے کے لئے آپؐ نے حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے لے کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو جائیں اور اس ٹیلے کے نیچے سے اسلامی لشکر

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۳۸۴ [2] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قیاس آرائیاں کرنے لگے۔

ادھر حضرت عباسؓ نے سوچا کہ اگر قریش پر یکایک حملہ کر دیا گیا تو ان کا زبردست نقصان ہوگا۔ لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر ان کو خطرہ سے آگاہ کرنے کے لئے چل پڑے۔ مقام اراک پر پہنچے تو ابوسفیان اور بدیل کی آوازیں کان میں پڑیں۔ حضرت عباسؓ تیزی سے ان کی طرف بڑھے اور دونوں کو مخاطب کر کے کہا "یہ رسول خدا کا لشکر ہے اس لئے تم لوگ ہوشیار ہو جاؤ۔"[1] پھر ابوسفیان کو اپنی پناہ میں لیا اور اس کا اور اس کے دونوں ساتھیوں کو لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے فرمایا "اس وقت ان کو اپنے ڈیرے میں رکھو۔ میں کل صبح ان سے گفتگو کروں گا۔"

دوسرے دن پھر حضرت عباسؓ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ سے کچھ سوال جواب ہوئے آخر حضرت عباسؓ کے کہنے سے ابوسفیان اور اس کے دونوں ساتھی اسلام لے آئے۔ اور اس طرح دربار نبوت سے اُس شخص کو بھی معافی کا پروانہ مل گیا جس نے بار بار اسلام کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ نے اس موقع پر اس کو وہ امتیاز بخشا جو کسی کو بھی نصیب نہیں آپؐ نے اعلان کرایا[2] کہ "جب ہم مکہ میں داخل ہو جائیں گے تو صرف اُن لوگوں کو امان ملے گی جو (۱) حرم میں داخل ہوگا یا (۲) ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے گا یا (۳) اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے گا۔

جب ابوسفیان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اس کے دل پر اسلام کی شان و عزت کا نقش گہرا کرنے کے لئے آپؐ نے حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے لے کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو جائیں اور اس ٹیلے کے نیچے سے اسلامی لشکر

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص ۳۸۳ [2] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گذارا جائے۔ حضرت عباسؓ اس ارشاد کی تعمیل کے لئے ابوسفیان کو لے کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آہن پوش لشکر کے ساتھ اس کے سامنے سے گذرے۔ آپؐ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار ابوبکرؓ اور اسید بن حضیرؓ کے درمیان تھے ابوسفیان نے یہ شان دیکھی تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھا:

"ابوالفضل (عباسؓ) تمھارے بھتیجے کی سلطنت تو بہت بڑھ گئی ہے"۔

حضرت عباسؓ نے کہا "تمھاری خرابی ہو۔ یہ سلطنت نہیں ہے۔ یہ تو نبوت ہے"۔ ابو سفیان نے جواب دیا: "بے شک"۔ [۱]

۲۰ رمضان ۸ھ مطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء کو لشکر اسلامی کی ترتیب قائم کی گئی۔ میمنہ پر خالد بن ولیدؓ کو، میسرہ پر حضرت زبیر بن عوامؓ کو اور مقدمۃ الجیش پر ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو مقرر فرمایا۔[۲] ایک لشکر حضرت سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں تھا۔ یہ ترتیب قائم کرنے کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ سعد بن عبادہ کدار کے راستے سے زبیرؓ مکہ کے بالائی جانب سے اور خالدؓ نچلی سمت (مسفلہ) سے شہر میں داخل ہوں اور جب تک کوئی آڑے نہ آئے اس وقت تک جنگ نہ کریں۔

لشکر اسلامی ان ہدایتوں کے بموجب چل کر شہر میں داخل ہوا۔ خود حضورؐ نے اذاخر کا پہاڑی راستہ اختیار کیا اہل مکہ کی جانب سے کسی جگہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی البتہ الخندمہ میں قریش کی ایک جماعت کے ساتھ صفوان بن امیہ سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل نے حضرت خالدؓ کی فوج کو اندر آنے سے روکا اور ہتھیار لے کر مقابلہ پر آگئے۔ کچھ لوگ تیر برسانے لگے۔ مجبوراً حضرت خالدؓ کو بھی مدافعت کے لئے ہتھیار کام میں لانے پڑے۔ تھوڑی دیر تک دست بدست جنگ ہوتی رہی۔ قریش کے چوبیس اور ہذیل کے چار آدمی مارے گئے جو باقی

---

[۱] تاریخ ابن خلدون ص ۳۸۴ [۲] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بچے وہ بھاگ گئے۔ تین مسلمان شہید ہوئے۔

اذاخر کی پہاڑی سے اُترتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپؐ نے فرمایا "میں نے تو قتال سے منع کیا تھا۔" لیکن جب آپؐ کو بتایا گیا کہ پہلے اہلِ مکہ مقابلہ پر آئے تھے بعد میں خالدؓ کو بھی شمشیر زنی کرنی پڑی" تو آپؐ نے فرمایا

"اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔" [۱]

قتال و جدال کے اس معمولی سے واقعہ کی وجہ سے مؤرخین میں دو رائیں ہوگئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ بزور شمشیر فتح ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ صلح و امن کے ساتھ قبضہ میں آیا۔ الغرض ۲۰ رمضان ۸ھ مطابق ۱۲ جنوری ۶۳۰ء کو مکہ فتح ہوگیا حضورؐ کے لیے حجون میں چمڑے کا ایک خیمہ لگا دیا گیا اور اُسی میں آپؐ نے قیام فرمایا۔ مکہ میں داخل ہو کر آنحضرتؐ نے سواری پر ہی سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کُنجی لی۔ اور اندر تشریف لے گئے کعبہ کے اندر اور باہر جتنی تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی تھیں وہ سب مٹا دی گئیں اس سے آپؐ کو انتہائی خوشی ہوئی اور آپؐ بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شُکر بجالائے۔ کعبہ کے گرد قریش کے ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اُس سے ایک ایک بُت کو گراتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے:

"جاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا" [۲]

کعبہ سے باہر آکر آپؐ نے دروازہ بند کر دیا اور کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ

"یہ کنجی ہمیشہ تمھارے خاندان میں رہیگی اور سوائے ظالم کے کوئی تم سے

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ۱۷۷ [۲] سورہ اسراء آیت: ۸۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں لے سکے گا۔" ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپؐ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ آپؐ نے نماز پڑھائی۔

دوسرے دن ۲۱ رمضان ۸ھ کو بعد نماز ظہر آپؐ نے خطبہ دیا۔

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا ہی توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات، تمام خونبہا۔ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔"

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔"

اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثی ...... (سورہ الحجرات، آیت ۱۳)

فتح کے بعد آپؐ نے سب کو امان دے دی۔ صرف چھ مردوں اور چار عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

مرد: (۱) عکرمہ بن ابی جہل (۲) ہبار بن الاسود (۳) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۴) مقیس بن صبابہ اللیثی (۵) حویرث بن نقید (۶) عبداللہ بن ہلال بن خطل الادرمی

عورتیں: (۱) ہند بنت عتبہ (۲) سارہ عمرو بن ہاشم کی آزاد کردہ لونڈی (۳) فرتنا (۴) قریبہ۔

ان میں سے ابن خطل، حویرث بن نقید، مقیس بن صبابہ اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ کو قتل کر دیا گیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عکرمہ بن ابی جہل نے اسلام قبول کرلیا۔ بعد کو دینِ متین کی وہ خدمات انجام دیں کہ رہتی دُنیا تک ان کی یاد تازہ رہیگی۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں جنگِ یرموک میں شہید ہوئے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ پھر کفر اختیار کرلیا جب رسول اللہ نے قتل کا حکم دے دیا تو حضرت عثمان کی سفارش سے ان کی جاں بخشی ہوئی اور وہ دوبارہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑی ذمہ داری کی جگہوں پر فائز رہے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کیا ان ہی کے تعاون سے حضرت معاویہؓ نے بحیرہ روم میں ایک بڑا جہازی بیڑہ تیار کرکے ذات السواری کی جنگ میں رومیوں کو شکستِ فاش دی تھی اور ان کا جہازی بیڑہ تباہ کردیا تھا۔

ہند بنت عتبہ نے اسلام قبول کیا اور جاں بخشی ہوگئی۔ سارہ کی لوگوں نے سفارش کی اس لئے اس کو معاف کردیا گیا۔ فرتنا کو بھی معافی مل گئی اور وہ حضرت عثمان کے عہدِ خلافت تک زندہ رہی۔

اس کے بعد لوگ اسلام لانے کے لئے بیعت کی غرض سے مکہ میں جمع ہوئے حضورؐ ایک منبر پر بیٹھے۔ حضرت عمرؓ ایک درجہ نیچے بیٹھ کر لوگوں سے بیعت کراتے رہے مردوں کی بیعت سے فراغت ہوئی تو عورتوں کی باری آئی۔ ابتداءً ان سے بیعت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ پانی کے ایک برتن میں پہلے رسول اللہ ہاتھ ڈالتے پھر وہ عورت ہاتھ ڈال کر اقرار کرتی۔ اس کے بعد صرف اقرار ہی کو کافی سمجھا گیا۔[1] غرض اس طرح مکہ کی بڑی آبادی مشرف بہ اسلام ہوگئی۔

فتح مکہ کے بعد پندرہ دن آپؐ نے وہاں قیام فرمایا ۶ شوال ۸ھ کو غزوۂ حنین کے لئے تشریف لے گئے اور مکہ میں عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن

---

[1] تاریخ طبری۔ حصہ اول ص ۳۰۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالشمس کو اپنا قائم مقام بنایا۔

۲۵۔ غزوۂ حنین یا غزوۂ ہوازن

شوال ۸ھ مطابق جنوری، فروری ۶۳۰ء

حنین ایک وادی کا نام ہے جس کی جائے وقوع کے بارے میں مورخین اور جغرافیہ دانوں میں کافی اختلاف رہا ہے عام طور پر اسے مکہ اور طائف کے درمیان کی ایک وادی بتایا جاتا ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے تو اس حد تک مبالغہ کیا ہے کہ اسے مکہ کے قریب کا ایک مقام قرار دیا ہے۔ ابن خلدون نے اس کو تہامہ کی وادیوں میں شمار کیا ہے۔ ابن سعد نے مکّہ سے حنین کا فاصلہ تین دن کی مسافت کے بقدر بتایا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ غزوۂ حنین کے لئے مکّہ سے ۶ شوال یوم شنبہ کو روانہ ہوئے اور شب سہ شنبہ ۱۰ شوال (؟) کو حنین پہنچے[1] اس کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقام مکہ سے کافی فاصلہ پر تھا ڈاکٹر حمید اللہ نے اس جگہ کا پتہ لگانے کے لئے کافی تحقیق سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ حنین طائف کے جنوب مشرق میں جبل اوطاس کے درمیان کوئی وادی ہے جس کے اس نام کو امتداد زمانہ کی وجہ سے لوگ بھول گئے ہیں[2] تاریخی واقعات پڑھنے سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حنین مکہ کے جنوب مشرق کی جانب جبل اوطاس کی ایک کھلی وادی تھی جس کا فاصلہ مکّہ سے کم از کم پچاس میل تھا۔

زمانہ قدیم سے حنین اور اس کے گرد و نواح میں ہوازن اور ثقیف کے دو قبیلے آباد تھے۔ ہوازن ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں اور وہ سب تین خاندانوں پر مشتمل تھیں۔ بنو سعد بن بکر بنو معاویہ بن بکر اور بنو منبہ بن بکر۔ رسول اکرم صلی اللہ نے بنو سعد بن بکر کے ہاں پرورش پائی تھی اور حلیمہ سعدیہ جن کا آپؐ نے دودھ پیا تھا اسی قبیلہ کی تھیں۔ قبیلہ ہوازن کے یہ خاندان ایک بڑے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔

---

[1] ابن سعد جزو ثانی، ص ۱۹۱ [2] عہد نبوی کے میدان جنگ (ڈاکٹر حمید اللہ) ص ۴۹، ۵۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ثقیف بھی ایک بڑا قبیلہ تھا جو طائف اور اس کے گرد و نواح میں بہت دور تک آباد تھا۔ اس قبیلہ میں بہت سی مشہور تاریخی ہستیاں ہوئی ہیں جن میں سب سے اہم صحابی رسول حضرت عروہ بن مسعود ثقفی ہیں ان کے علاوہ حجاج بن یوسف ثقفی ابو عبید بن مسعود ثقفی اور ابو محجن ثقفی بھی اسی قبیلے کے مشہور افراد ہیں[1]

غرض یہ دو بڑے قبیلے تھے جو نہایت بہادر اور جنگجو تھے۔ اور زمانہ دراز سے اس علاقہ میں اپنا اثر و اقتدار جمائے ہوئے تھے۔

اسباب: مکہ کی فتح مسلمانوں کے لئے نہایت اہم واقعہ تھا۔ اس کے دو مختلف اثرات عرب قبائل پر پڑے۔ اکثر قبیلے تو یہ دیکھ کر کہ ان کا مرکزی مقام مسلمانوں کے قبضہ میں پہنچ گیا ہے خود بخود حضور کی رسالت و حقانیت کے قائل ہو گئے۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن ہوازن و ثقیف کے قبائل پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ انھوں نے اس کو اپنے لئے ایک سانحہ سمجھا اور ضروری خیال کیا کہ جلد از جلد اسلام کے اس سیلاب کو روک دیا جائے تاکہ وہ ایک دن خود انھیں نہ بہا لیجائے۔ چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے رؤسا جمع ہوئے اور باہم مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک عام حملہ کر دیا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد نہایت زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں سوائے کعب اور کلاب کے ہوازن اور ثقیف کی تمام شاخیں اس معرکہ میں شریک ہوئیں۔ قبیلہ ہوازن کے رئیس اعظم مالک بن عوف کو اس متحدہ لشکر کا سردار بنایا گیا۔ لیکن اس کو مشورہ دینے کے لئے عرب کے مشہور شاعر اور قبیلہ جشم کے سردار درید بن الصمۃ کو بھی ساتھ کر دیا گیا۔ اس کی عمر سو سال سے متجاوز اور بعض لوگوں کے نزدیک دو سو سال تھی۔ اور اگرچہ اپنی جسمانی طاقت کے اعتبار سے وہ مشت استخواں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن اپنی عقل اور تجربہ کی بنا پر تیس سالہ اور جوشیلے سردار

---

[1] تاریخ ابن خلدون حصہ اول مترجمہ مرتبہ ڈاکٹر عنایت اللہ ص ۲۲۴، ۲۲۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مالک بن عوف کی عنان سنبھالنے کے لئے اس کا ہونا نہایت ضروری تھا چنانچہ میدانِ جنگ میں معرکہ شروع ہونے سے پہلے اس کے اور مالک بن عوف کے درمیان جو مکالمہ ہوا اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کہن سال شاعر کی گفتگو کتنی حکیمانہ تھی۔ مالک بن عوف نے اپنی کوتاہ عقلی کا ایک ثبوت یہ دیا تھا کہ لشکر کے ساتھ مال مویشی کے علاوہ قبیلہ کی عورتیں اور بچے بھی میدانِ جنگ میں لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ چیزیں ساتھ ہوں گی تو لوگ ان کی حفاظت کی غرض سے ثابت قدم رہیں گے۔ لیکن جب یہ لاؤ لشکر مقام اوطاس پر پہنچ کر مقیم ہوا اور بچوں کے رونے بکریوں کے ممیانے، گدھوں کے رینکنے اور اونٹوں کے بلبلانے کی آواز بڈھے درید بن صمہ نے سنی تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ کعب نے جواب دیا کہ یہ "عورتیں بچے، بکریاں، گدھے اور اونٹ وغیرہ ہیں جن کو اس لئے ساتھ لے لیا ہے کہ لوگ قدم جما کر لڑیں۔ اور بھاگنے کی کوشش نہ کریں"۔ یہ جواب سن کر کہنے لگا:

"پاؤں جب اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ میدانِ جنگ کی روک محض تلوار ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپؐ کو تعجب ہوا کیونکہ آپؐ نے ان قبائل سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن ابی حدرد کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ وہ تحقیق و تصدیق کے لئے جاسوس بن کر کئی دن تک دشمن کی فوج میں رہے اور تمام حالات معلوم کر کے واپس آئے اور رسول اللہ کو حقیقتاً حال سے مطلع کر دیا۔

مجبوراً حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مقابلہ کی تیاری کرنی پڑی واقعات کا یہ پہلو یقیناً سب کے لئے حیران کن ہوگا کہ شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی بھی رقم نہیں تھی کہ اس سے اپنے چند ہزار ساتھیوں کے لئے رسد اور سامانِ جنگ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فراہم کرسکتے۔ حالانکہ چند ہی روز پیشتر آپؐ نے ایک بڑی فتح حاصل کی تھی مکہ کی پوری آبادی آپ کی محکوم بن چکی تھی وہاں کے دولت مندوں پر دباؤ ڈال کر جتنا چاہتے روپیہ حاصل کر لیتے۔ لیکن اس ضرورت کے موقع پر بھی آپؐ نے عدل سے ایک قدم ادھر اُدھر نہیں بڑھایا۔ عبداللہ بن ربیعہ سے ۳۰ ہزار اور بعض روایتوں کے بموجب دس ہزار درہم قرض لئے صفوان بن اُمیہ سے سو یا چار سو زرہیں مع دیگر لوازمات حاصل کیں۔

آپؐ نے بارہ ہزار کا ایک لشکر تیار کیا جن میں دس ہزار وہی قدوسیوں کی جماعت تھی جو مدینۂ طیبہ سے چل کر مکۂ معظمہ آئی تھی۔ اور جس کے ہاتھوں دُنیا کا یہ مقدس ترین شہر بغیر کسی قتل و خونریزی کے فتح ہوا تھا۔ اور دو ہزار افراد مکہ کے نو مسلم تھے۔

بعض صحابہ کے دل میں اتنے بڑے لشکر اسلامی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ جب ہم نے تھوڑے آدمیوں سے اتنی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی ہے تو اب کہ ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔ بشریت کے تقاضہ سے کسی کی زبان سے یہ فقرہ بھی نکل گیا کہ " آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے"۔

ابن اسحٰق کی روایت یہ ہے کہ " جب حضورؐ مکہ سے حنین کی طرف چلے ہیں اور اپنے لشکر کی کثرت ملاحظہ کی ہے تو فرمایا کہ " ہم مغلوب نہ ہوں گے" اور بعض کہتے ہیں یہ بات بنی بکر میں سے کسی نے کہی تھی۔[1]

ابن سعد کا کہنا ہے" ابو بکرؓ نے کہا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہونگے"۔[2] حضورؐ یا حضرت ابو بکرؓ کی طرف اس بات کی نسبت کو تو کوئی بھی باور نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ ہستیاں تو وہ ہیں جن کا اللہ پر توکل اس منزل پر پہنچا ہوا تھا کہ اُنکے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۱۲ [2] ابن سعد ص ۱۹۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دل میں بھی اس طرح کا خیال پیدا ہونا ممکن نہیں تھا چہ جائیکہ زبان سے ایسی بات ادا ہو۔ البتہ ابن ہشام نے جو دوسری روایت بیان کی ہے کہ "یہ بات بنی بکر میں سے کسی ایک شخص نے کہی تھی"۔ قرین صحت معلوم ہوتی ہے۔

بہر کیف یہ فقرہ کسی کے منہ سے بھی نکلا ہو اس میں عجب وغرور کی جھلک ضرور موجود تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک ترین بندوں کی اتنی لغزش بھی پسند نہیں کرتا تھا وہ تو چاہتا تھا کہ ان کے خیالات، اقوال اور اعمال کی تعلیم ہوجائے جو عام جو دن رات بڑی خطائوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اُن کے نزدیک یہ کوئی ایسی معاصی نہیں تھی جس کی تعزیر ضروری ہو لیکن خدا کے خاص بندوں کی گرفت اس سے بھی چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر ہوتی ہے۔ صوفیہ کا یہ مقولہ "چھوٹوں کی حسنات بڑوں کی سیئات ہیں"۔ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ چنانچہ بارگاہ رب العزت میں اس خطا کو کافی اہمیت دی گئی اور اس جنگ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کی پسپائی کا اسی کو واحد سبب قرار دیا گیا۔

اسلامی لشکر مکہ سے ۶ شوال ۸ھ مطابق ۲۸ جنوری ۶۳۰ء کو روانہ ہوا اور شب سہ شنبہ ۱۰ شوال ۸ھ مطابق ۳۱ جنوری ۶۳۰ء کو حنین پہنچ گیا[1]۔ مکہ میں حضور صلعم نے عتابؓ بن اسید اموی کو اپنا قائم مقام بنایا۔

مالک بن عوف نے تین آدمیوں کو اسلامی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا لیکن ان پر اتنا رعب طاری ہوا کہ جب وہ واپس پہنچے تو ان کے جوڑ جوڑ کانپ رہے تھے[2]۔

جب رات ہوئی تو مالک بن عوف نے اپنے ساتھیوں کی ترتیب قائم کی۔ ان کو مختلف پہاڑوں اور پہاڑیوں پر متعین کر کے بہت سے مورچے تیار کئے اور حکم دیا کہ

---

[1] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۱۹۱ ۔ [2] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ سب اسلامی لشکر پر یکبارگی حملہ کردیں۔

دوسرے دن صبح رسول اللہ صلعم نے صحابہ کی صف بندی کی اور اُن کو کئی چھوٹے بڑے جھنڈے مرحمت فرمائے۔ مقدمۃ الجیش کی کمان حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو سپرد کی۔ خود حضور سرور کائنات ایک سفید خچر دُلدُل پر سوار اور دو زرہیں اور مغفر و خود پہنے ہوئے تھے۔

اسلامی لشکر نہایت ترتیب تنظیم سے آگے بڑھا۔ یکایک تنگ راستوں اور گھاٹیوں سے لشکر کفار نکل کر اس پر حملہ آور ہوا۔ چاروں طرف سے تیر برسنے لگے مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بُری طرح پسپا ہوئے۔ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چند جانباز میدانِ جنگ میں کھڑے رہ گئے۔ ابن سعد نے نہ بھاگنے والوں میں عباسؓ، علیؓ، فضل بن عباسؓ، ابوسفیان بن الحارثؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور اسامہ بن زید کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔[1]

لوگوں نے اس وقتی پسپائی کے ظاہری اسباب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی ایک طویل فہرست مرتب کرلی ہے۔ لیکن سچ پوچھئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ظاہر بینوں کو عبرت دلانے کے لئے یہ واقعہ رونما کیا جس کی کسی کو بھی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کا عملی نمونہ دکھانے کے بعد صاف اور صریح لفظوں میں جتا بھی دیا۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا
وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ
مُدْبِرِينَ ٥[2]

(اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہونے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۹۳ [2] توبہ ۲۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھاگ نکلے)

مسبب الاسباب کے اتنے واضح ارشاد کے بعد اب کوئی ظاہری سبب تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ لغزش جرم عجب و تکبر ضروری تھی وہ دی گئی۔ تازیانہ عبرت لگانا لازمی تھا لگایا گیا۔ لیکن یہ سب منظر تھوڑی دیر کے لئے تھا۔ دل کے بھیدوں کو جاننے والا، ظاہر و باطن پر نظر رکھنے والا تو اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ محض ایک سہو اور ایک لغزش تھی جس پر محض ایک دفعہ جھنجھوڑنا کافی ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی لمحہ کیفیت بدل گئی۔ حضورؐ جو پیکر استقامت بنے ہوئے اپنے چند شیدائیوں کے درمیان کھڑے تھے جب کہ دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا، نہایت اطمینان و سکون سے یہ کلمات دہرا رہے تھے:

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب

(میں پیغمبر ہوں، یہ بات جھوٹ نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)

آپؐ نے اسی کے ساتھ ساتھ بھاگنے والوں کو روکنے کے لیے آوازیں بھی دیں لیکن اس ہنگامہ میں کسی نے آپؐ کی آواز نہیں سنی۔ آخر آپؐ نے حضرت عباسؓ کو جو آپؐ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور جن کی آواز کافی بلند تھی کہا کہ تم ان لوگوں کو پکارو۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے ندا دی:

یا معشر الانصار و یا اصحاب الشجرہ

(اے گروہ انصار اور اے اصحاب شجرہ یعنی بیعت رضوان میں شرکت کرنیوالو)

یہ آواز فضا میں گونجی اور ایک دم بھاگتے ہوئے قدم پلٹ پڑے یہاں تک کہ جن کی سواریاں نہ مڑ سکیں وہ ان پر سے کود کر واپس آئے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہی جان نثاری اور جاں بازی کے نمونے پیش ہونے لگے۔ ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ حضورؐ جنگ کی حالت ملاحظہ کرنے کے لئے ایک ٹیلے پر چڑھے صحابہؓ اس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقت خوب تیزی سے جنگ میں مصروف تھے۔ حضور نے فرمایا:

"اب لڑائی کا میدان گرم ہوا ہے۔" [1]

کفار مسلمانوں کے اس تازہ جوش کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ مختلف اطراف میں منتشر ہو گئے۔ بعض طائف پہنچے بعض نخلہ کی طرف اور ان کی ایک جماعت اوطاس روانہ ہوئی۔ بنو مالک آخر تک میدان میں جمے رہے۔ انکے ساتھ بہت دیر تک قتل و قتال کرتے رہے۔ پہلے ان کا جھنڈا ذی الخمار کے پاس تھا۔ وہ مارا گیا تو عثمان بن عبداللہ نے سنبھالا جب وہ بھی لڑتا ہوا مارا گیا تو بنو مالک بھی فرار پر مجبور ہو گئے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے۔

درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ اوطاس میں جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر اشعری کو جھنڈا دے کر اس کے تعاقب میں بھیجا۔ ان کے ہمراہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور سلمہ بن الاکوعؓ بھی تھے۔ مسلمان جب مشرکین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ رک رہے ہیں۔

ابو عامر نے ان میں سے ۹ جنگجوؤں کو تہ تیغ کیا۔ دسواں آدمی درید بن الصمہ کا بیٹا سلمہ تھا ان پر غالب آ گیا اور انھیں شہید کر دیا۔

ابو عامرؓ نے گرتے گرتے جھنڈا ابو موسیٰ اشعری کو دے دیا۔ ابو موسیٰ نے شدید حملہ کر کے درید کے بیٹے سلمہ کو قتل کر دیا۔ خود درید بھی ربیعہ بن رفیع کے ہاتھ سے مارا گیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ حضورؐ کو حضرت ابو عامر کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا۔

"اے اللہ! ابو عامر کی مغفرت فرما۔ اور انھیں جنت میں میری امت کے اعلیٰ طبقہ میں کر۔" آپؐ نے ابو موسیٰ کے لئے بھی دعا فرمائی۔ [1]

غرض ایک ہاری ہوئی جنگ اللہ کی نصرت و حمایت سے مسلمانوں نے جیت

[1] طبقات ابن سعد جزو ثانی ص ۱۹۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لی اور یہ اس تھوڑی سی آزمائش کے بعد تھا جس میں مسلمان اپنی خفیف سی لغزش کی وجہ سے پڑ گئے تھے۔ چنانچہ: ثُمَّ اَنزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○ (اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے (قلب) پر اور دوسرے مومنین کے (قلوب) پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل کئے جن کو تم نے نہیں دیکھا۔ اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔)

لشکر کفار کے حنین اور اوطاس کی جنگ میں کل ۷۲ آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں میں سے حسب ذیل حضرات اس جنگ میں شہید ہوئے۔

(۱) ایمن بن عبید بن زید الخزرجیؓ جو ام ایمن کے بیٹے اور حضرت اسامہؓ بن زید کے رضاعی بھائی تھے (۲) سراقہ بن الحارثؓ (۳) رقیم بن ثعلبہؓ (۴) یزید بن زمعہ بن اسودؓ (۵) ابو عامر اشعری۔

جب فوج مخالف سے میدان صاف ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اموال غنیمت اور قیدیوں کو جمع کیا گیا اور ان کو الجعرانہ میں منتقل کر دیا۔ اس کی تقسیم اس وقت تک ملتوی رہی جب تک آپؐ طائف کا محاصرہ اٹھا کر واپس لوٹے اسیران جنگ اور مال غنیمت کی تفصیل حسب ذیل تھی۔

قیدی چھ ہزار۔ اونٹ چوبیس ہزار۔ بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ چاندی چار ہزار اوقیہ۔

اسیران جنگ میں حضورؐ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بنت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں جب آپ کو اس کا علم ہوا تو فرط محبت سے آپؐ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ نہایت محبت سے گفتگو فرماتے رہے کچھ اونٹ اور بکریاں ان کو عطا فرمائیں اور ان سے کہا اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو اور اگر

لہ سیرۃ ابن ہشام ص ۵۱۲ ۔ ٢ہ طبقات ابن سعد ص ۱۹۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے عزیز و اقارب کے پاس جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ انھوں نے گھر جانا پسند کیا چنانچہ نہایت عزت و احترام سے انھیں ان کے وطن پہنچا دیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے فیصلہ میں اس لئے دیر کردی کہ شاید ان کے عزیز و اقارب لینے آئیں۔

غنائم میں سے خمس بیت المال کے لئے علیحدہ کر کے باقی چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے لیکن نومسلموں کی تالیف قلب کے خیال سے آپؐ نے مکہ کے رؤساء کو خوب دل کھول کر مال اور جانور دیئے سب سے زیادہ حصہ ابوسفیان بن الحارث اور ان کے دونوں بیٹوں یزیدؓ بن ابی سفیان اور معاویہؓ بن ابی سفیان کو ملا یعنی ان تینوں کو ملا کر ۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی دی گئی اور سرداران قریش کو بھی اسی طرح نوازا گیا چنانچہ حکیم بن حزام، نضر بن الحارث بن کلدہ وغیرہ کے حصوں کی تفصیل طبقات ابن سعد میں ملتی ہے۔[1]

اہل مکہ کے ساتھ رسول اللہ کی یہ نوازشات و مراعات دیکھ کر بعض انصاریوں کو رنج ہوا اور بعض نے دبی زبان سے کہہ بھی دیا کہ رسول اللہ نے اپنی قوم کو خوب نوازا اور ہمیں یکسر نظر انداز کر دیا باوجودیکہ ہم نے آپؐ کی ہر موقع پر مدد کی اور کبھی آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا بعض کو یہ بھی خیال ہوا کہ اب رسول اللہ اپنے وطن میں ہی قیام فرمائیں گے۔ اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ باتیں سنیں تو آپؐ کو بیحد ملال ہوا۔ آپؐ نے جملہ انصاریوں کو ایک چرمی خیمے میں جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ "کیا تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟" انھوں نے جواب دیا "یا رسول اللہ! ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے کوئی ایسا ذکر نہیں کیا ممکن ہے بعض ناسمجھ لوگوں کی زبان سے کوئی بات نکل گئی ہو۔"

آپؐ نے یہ جواب سن کر ایک طویل خطبہ دیا جو بلاغت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ثانی ص ۱۹۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"اے گروہ انصار! کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ

لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم رسول اللہ کو لے کر اپنے کجاووں کی طرف

واپس جاؤ" انھوں نے کہا یا رسول اللہ ہم تقسیم اور حصے پر راضی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے لئے دعا فرمائی:

"اے اللہ! انصار پر رحم فرما۔ انصار کے بیٹوں پر رحم فرما انصار

کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔"

پھر آپ وہاں سے رخصت ہو گئے اور مجمع بھی متفرق ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵ ذی قعدہ ۸ھ مطابق ۲۶ فروری ۶۳۰ء کو جعرانہ

پہنچے تھے وہاں آپ نے تیرہ دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

۲۶۔ غزوۂ طائف

(شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء)

طائف مکہ معظمہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ۷۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۶۰۰۰ فٹ ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ مقام اپنی خوش آئند و صحت بخش آب و ہوا اور زرخیزی کے لئے مشہور ہے۔ چنانچہ یہاں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور اپنے عمدہ قسم کے گلاب کی پیداوار کے لئے یہ مقام کافی شہرت پا گیا ہے مکہ معظمہ میں پھلوں اور ترکاریوں کی فراہمی کا ایک اہم مرکز طائف ہی ہے۔ اور اس کی حیثیت اہل مکہ کے لئے تفریح گاہ کی سی رہی ہے۔ چنانچہ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے مکہ معظمہ کے اکثر اہل ثروت لوگ موسم گرما میں طائف چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مزار پُرانوار یہاں ہونے سے اس جگہ کو ایک خاص شرف حاصل ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں بھی طائف کو خاص اہمیت حاصل تھی چنانچہ ابو طالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب اہل مکہ کی طرف سے حضورؐ مایوس ہو گئے تھے تو آپؐ نے اہل طائف کی طرف توجہ کی تھی اور ایک دن اپنے غلام کو ساتھ لے کر آپؐ تبلیغ دین کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن وہاں کے لوگوں نے اپنی سیاہ بختی کی وجہ سے آپؐ کی بات سننے کے بجائے آپؐ کو سنگ باری کر کے زخمی کر دیا تھا۔

غزوۂ حنین کے بعد آپؐ کو پھر طائف سے واسطہ پڑا اور شوال ۸ھ ہی میں غزوۂ طائف پیش آیا۔

اسباب: ہوازن و ثقیف کی متحدہ فوج کا سالار مالک بن عوف جب حنین میں پسپا ہوا تو اس نے لشکر کے ایک بڑے حصہ کے ساتھ جس میں اکثر لوگ بنی ثقیف کے تھے، طائف کی راہ لی۔ اور وہاں پہنچ کر قلعہ بند ہو گیا۔ چونکہ حنین کے ان مفرورین نے اطاعت قبول نہیں کی تھی بلکہ اب بھی مقابلہ کے لئے تیار تھے اس لئے آپؐ نے اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کو جعرانہ کے مقام پر مسعود بن عمرو غفاریؓ کی نگرانی میں چھوڑا اور مع جماعتِ صحابہ طائف کی جانب روانہ ہو گئے۔ [1]

واقعات: وادیٔ حنین سے نخلہ یمانیہ، قرن اور ملیح ہوتے ہوئے بحرۃ الرغاء پہنچے وہاں آپؐ کے لئے ایک مسجد تیار کی گئی جس میں آپؐ نے نماز ادا کی۔ اسی مقام پر مالک بن عوف کا ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جس کو آپؐ کے حکم سے منہدم کر دیا گیا۔ پھر آپؐ براہ ضیقہ مقام نخب ہوتے ہوئے طائف پہنچ گئے [2] اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دشمن نے

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۳۹۵ ۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۱۹، ڈاکٹر حمید اللہ نے ابن ہشام ہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نخلۂ یمانیہ اور قرن سے ہوتے ہوئے پہلے مقام لیہ پہنچے جو طائف سے تقریباً جنوب مشرق میں کوئی چھ میل پر ایک زرخیز اور آباد گاؤں ہے وہاں آپؐ نے ایک گڑھی کو منہدم کرایا۔ ملاحظہ ہو "عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ"۔ ص ۵۰ معلوم ہوتا ہے کہ لیہ اور بحرۃ الرغاء دونوں ایک ہی مقام کے نام ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مورچوں اور فصیلوں سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ صحابہ جوش میں آ کر بڑھتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے جس کے نتیجہ میں کئی شہید اور زخمی ہوئے۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے اپنا پڑاؤ اس مقام پہ ڈالا جہاں اب مسجد طائف بنی ہوئی ہے[۱]۔ اس غزوہ میں آپؐ کے ہمراہ دو ازواج حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ بھی تھیں۔ دونوں کیلئے الگ الگ خیمے نصب ہوئے اور آپؐ پورے محاصرہ کے دوران ان دونوں خیموں کے درمیان نماز ادا کرتے رہے[۲]

طائف کا محاصرہ اٹھارہ دن تک جاری رہا۔ آپؐ نے منجنیقیں اور دبابے استعمال کیے جن سے قلعہ اور فصیل شہر پر سنگ باری ہوتی رہی۔ محصورین نے اتنے تیر برسائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہوا میں ٹڈیاں اُڑ رہی ہیں۔ مسلمانوں کی سنگ باری سے فصیل شہر میں ایک سوراخ ہو گیا۔ جن سے ہو کر تیروں کی بارش کی پروا کیے بغیر کچھ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے سوراخ کو بڑا کرنے کی کوشش کی تاکہ اور مسلمانوں کو بھی اندر داخل کر لیں لیکن طائف والوں نے ان مسلمانوں پر لوہے کے ٹکڑے گرم کر کے پھینکنے شروع کیے جس کی وجہ سے وہ باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے لشکر کی طرف لوٹتے ہوئے دشمن کے تیروں سے کئی مسلمان شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ محاصرہ طول کھینچتا جا رہا ہے تو یہ سمجھتے ہوئے کہ ان لوگوں کی سب سے بڑی دولت ان کے باغات ہیں اور ان باغات سے انھیں بے انتہا محبت ہے لہٰذا اگر باغات کو کاٹا جائے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی قلعہ بندی ختم کر کے باہر نکل آئیں۔ اور کھلے میدان میں جنگ کی جا سکے۔ یا یہ لوگ اطاعت قبول کر لیں۔ آپؐ نے ان کے انگور کے باغوں کو کاٹنے اور اجاڑنے کا حکم دے دیا اس سے وہ لوگ کافی پریشان ہوئے اور اللہ کا واسطہ دے کر باغوں کو چھوڑ دینے کی درخواست کی رسول اللہ نے ان کی درخواست پر باغوں کو کاٹنے کا کام

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۱۹ ، [۲] طبقات ابن سعد ص ۲۰۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ترک کر دیا[1]

اس ترکیب کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہوا۔ قلعہ بندی اور محاصرہ جاری رہا تاہم اس دوران میں دس سے زیادہ غلام جن میں ابو بکرہؓ بھی شامل تھے قلعہ سے نکل کر اسلامی لشکر میں آ گئے۔ حضورؐ نے اپنے اعلان کے مطابق ان کو آزاد کر دیا۔

جب اٹھارہ دن تک بھی محاصرہ کا کچھ نتیجہ نہ نکلا تو آپؐ نے نوفل بن معاویہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ انھوں نے جواب دیا:

"ایک لومڑی اپنے بھٹ میں گھسی ہوئی ہے اگر آپؐ اس کو پکڑنے کے لیے کوشش جاری رکھیں گے تو ایک دن کامیاب ہو جائیں گے، اور اگر چھوڑ دیں گے تب بھی وہ آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"[2]

آپؐ نے ان کے جواب کے دوسرے حصہ کو پسند فرمایا اور اس کے مطابق حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ محاصرہ اٹھانے کا اعلان کر دیں۔ حضرت عمرؓ کے اعلان کرنے پر لوگوں نے احتجاج کیا کہ فتح مکمل ہونے سے پہلے ہم محاصرہ کیسے اٹھا سکتے ہیں لیکن جب حضورؐ نے ان کو سمجھایا اور تسلی دی تو محاصرہ اٹھا لیا گیا اور واپسی کی تیاری شروع ہو گئی۔

اگرچہ تاریخوں سے پتہ نہیں چلتا کہ محاصرہ کس تاریخ تک جاری رہا چونکہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپ ۵ ذی قعدہ ۸ھ (مطابق ۶۳۰ء) کو جعرانہ پہنچے اس لئے خیال ہوتا ہے کہ محاصرہ شوال کی آخری یا ذی قعدہ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو اٹھایا گیا ہوگا۔

نتیجہ: طائف کی جنگ تکمیل کی منزل تک نہ پہنچائی جا سکی لیکن پھر بھی اس کو مسلمانوں کی ناکامی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جو بات ان کو لڑ کر حاصل نہ ہو سکی وہ بعد میں خود بخود مل گئی۔ دوسرے سال طائف کا وفد بارگاہ نبویؐ میں باریاب

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۰۲، سیرۃ ابن ہشام ص ۵۲۱ [2] طبقات ابن سعد ص ۲۰۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ اور پورا قبیلۂ ثقیف مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

طائف کی جنگ میں کل ۱۲ مسلمان شہید ہوئے جن میں سے ۷ قریش تھے ۴ انصار اور ایک بنی لیث سے تھے۔

طائف سے چل کر اسلامی لشکر ۵۔ ذی قعدہ کو مقام جعرانہ میں پہنچا وہاں مال غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی ۔۱۳ دن آپؐ جعرانہ میں مقیم رہے جب مدینہ کی جانب مراجعت کا ارادہ ہوا تو ۱۸۔ ذی قعدہ کو آپؐ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرہ کا احرام باندھا۔ طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈایا۔ پھر الجعرانہ تشریف لے گئے۔ رات وہاں گذاری دوسرے دن ۱۹۔ ذی قعدہ ۸ھ مطابق ۱۲ مارچ ۶۳۰ء کو علی الصباح روانہ ہوئے اور براہ سرف اور مر الظہران قطع منازل کرتے ہوئے تقریباً ۲½ ماہ کی غیر حاضری کے بعد ۲۵ یا ۲۶۔ ذی قعدہ کو آپؐ مدینہ پہنچ گئے۔

۲۷۔ غزوۂ تبوک

(رجب یا رمضان ۹ھ مطابق اکتوبر تا دسمبر ۶۳۰ء)

تبوک حجاز کے شمال میں مدینہ سے ۴۶۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے مسعودی نے تبوک اور مدینہ کے درمیان بارہ دن کی مسافت بتائی ہے۔ شبلی کے نزدیک یہ فاصلہ ۱۴ منزل ہے یہاں پانی کے تین چشمے ہیں جن سے باغات اور کھیت سیراب کئے جاتے ہیں۔

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تبوک رومی سلطنت کی حد کے قریب واقع تھا۔ ۹ھ میں رومیوں کی طرف سے حملہ کا کچھ خطرہ ہوا تو آپؐ نے یہ سفر صعب اختیار کیا۔ اگرچہ جنگ کی نوبت نہیں آئی تاہم آپؐ کو تبوک میں ۲۰ روز قیام کرنا پڑا۔ اور کل غزوہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کی مدت صرف ہوئی۔ اس کے بعض اچھے نتائج بھی مرتب ہوئے ایلہ دومۃ الجندل وغیرہ سے تعلقات قائم ہو گئے اور اس طرح

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کے اثرات عرب کے شمالی حصہ تک وسیع ہو گئے یہ آپؐ کا ستائیسواں اور آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں لشکر کی زیادتی۔ پیسے اور رسد کی کمی۔ فاصلہ کی طوالت، راستہ کی صعوبت یہ سب چیزیں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو تمام غزوات کے مقابلہ میں زیادہ تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور نہایت خستہ حالی اور عسرت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے اس لشکر کو جو اس غزوہ کے لئے تیار ہوا جیشِ عسرت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسباب: ذی قعدہ ۸ھ سے رجب ۹ھ تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں قیام پذیر رہے اس کے بعد آپؐ کو غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہونا پڑا۔

سریہ موتہ کے بعد سے رومی دیارِ رسولؐ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے ان کا ماتحت غسانی خاندان مذہباً عیسائی تھا۔ قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا تھا چنانچہ کافی عرصہ سے مدینہ میں رومیوں کے حملہ کی افواہیں اڑتی رہتی تھیں اور مسلمانوں کو بیحد چوکنا رہنا پڑتا تھا۔

اتفاق سے شام کے کچھ نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آئے انھوں نے اطلاع دی کہ "رومی مدینہ پر ایک بڑے حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک لشکر گراں جمع کیا جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں۔ فوج کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ دی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس فوج کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے"۔

اس خبر کی تصدیق اور بھی کئی ذرائع سے ہو گئی جس کی وجہ سے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

واقعات: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح یقین ہو گیا تو آپؐ نے صحابہ کو جمع کر کے ایک تقریر فرمائی۔ جہاد کی فضیلت بیان کی اور ان سے جانی ومالی امداد کی اپیل کی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سے پہلے تمام غزوات میں آپؐ نہ صرف توریہ سے کام لیتے تھے بلکہ اپنی منزل کو صحابہ سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ چونکہ خاص طور پر تیاری کرنی تھی اس لئے آپؐ نے وہ مقام بھی بتادیا جہاں آپؐ کو جانا تھا اور خاص طور پر ایک ایک آدمی سے اس مہم میں شریک ہونے کے لئے فرمایا۔ مدینہ کے باہر بھی اس چیز کا اعلان کرادیا گیا۔ اس مرتبہ بھی منافقین و مومنین کا فرق واضح ہوگیا۔ منافقین خود بھی جی چراتے پھرنے لگے اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر روکنے لگے کہ :

"اس قحط سالی اور گرمی میں اتنے طویل سفر پر نہ جاؤ اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو" چنانچہ قرآن حکیم نے بھی یہ کہہ کر ان کے اس نفاق کا پردہ چاک کیا ہے :

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (توبہ۔ ۸۱)

(خوش ہوئے پیچھے رہ گئے رسول اللہ سے جدا ہو کر اپنے بیٹھ رہنے پر اور ناپسند کیا انھوں نے یہ کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں اور کہنے لگے مت کوچ کرو گرمی میں۔)

ایک جانب یہ گروہ تھا دوسری طرف وہ جماعت مومنین تھی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک آواز پر اپنا جان و مال آپؐ کے قدموں پر لاڈالا یہ جبر و اکراہ نہیں بلکہ نہایت خوشی و خوش دلی سے۔ اس موقع پر سب سے زیادہ مالی امداد حضرت عثمان غنیؓ نے کی۔ انھوں نے ایک ہزار اشرفیاں۔ دوسو اوقیہ چاندی۔ سو گھوڑے اور سو اونٹ پیش کئے۔ جب حضورؐ کے سامنے یہ چیزیں آئیں تو خوشی سے آپؐ کا چہرہ دمکنے لگا۔ آپؐ اشرفیوں کو دونوں ہاتھوں سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور ان کے حق میں یہ دعا کرتے جاتے تھے :

"اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو۔"

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اپنی بساط سے بڑھ کر امداد کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں سے نصف لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ گھر میں تھا سب ہی لے آئے اور جب رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ "گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے" تو انھوں نے نہایت مختصر جواب دیا کہ "گھر والوں کے لئے خدا اور خدا کا رسول کافی ہیں"۔ بقیت اللہ و رسولہ (اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں)

یہ تو مالدار لوگوں کا حال تھا۔ اس کے مقابلہ میں غرباء کی یہ کیفیت تھی کہ ایک صحابی ابو عقیل انصاریؓ نے رات بھر کھیت میں پانی دے کر چار سیر چھوہارے پائے تھے۔ دو سیر بیوی بچوں کو کھلا دیے جو بالکل بھوکے تھے اور دو سیر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آپ ﷺ اس ایثار سے بے انتہا خوش ہوئے اور وہ چھوہارے تمام جمع شدہ مال پر بکھیر دیئے۔

مال کے علاوہ مخلصین نقد جاں کی بھی پیش کش کر رہے تھے۔ بعض ایسے تھے کہ ان کے پاس سامان نہیں تھا لیکن جہاد میں شرکت کی بے پناہ آرزو سینہ میں موجزن تھی سات آدمی جن کے نام سالم بن عمیر، ہرمی بن عمرو، علبہ بن زید، ابو لیلیٰ المازنی، عمرو بن حمہ، سلمہ بن صخر اور عرباض بن ساریہؓ تھے، خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم بھی جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں مگر ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں آپ ﷺ ہمارے لئے سواریوں کا انتظام کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا تو وہ لوگ روتے ہوئے چلے گئے۔ ان کو روتا ہوا دیکھ کر یامین بن عمیر نضری برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے ابو لیلیٰ المازنی اور عبداللہ بن المغفل کے لیے سواری کا بندوبست کر دیا۔[2]

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۱۰۔ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض روایتوں کے موجب ان میں عبداللہ بن مغفل اور معقل بن یسار بھی تھے۔ [2] تاریخ ابن خلدون ج اول ص ۸۰۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اسّی[80] منافقین نے بغیر کسی سبب کے آپؐ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے اجازت دے دی[1]

بیاسی اعرابی بھی جھوٹا عذر کر کے پیچھے رہ جانا چاہتے تھے مگر آپؐ نے عذر قبول نہ فرمایا[2]

چند مسلمان بھی بغیر کسی شک و شبہ کے پیچھے رہ گئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) کعب بن مالکؓ (۲) ہلال بن ربیعؓ (۳) مرارہ بن الربیعؓ (۴) ابوخثیمہ السالمیؓ۔ ان میں سے ابوخثیمہؓ مع عمیر بن وہبؓ بعد کو پہنچ گئے۔ باقی تین کی اس کوتاہی پر آنحضرتؐ اور صحابہ نے ان سے گفت گو کرنی چھوڑ دی جس کے رنج و غم میں وہ اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ آخر کار پچاس دن بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کی۔ تب مسلمانوں نے ان سے بولنا چالنا شروع کیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیلات سیرۃ ابن ہشام میں دی گئی ہیں[3]

روانگی سے پہلے حضورؐ نے محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا[4] اور حضرت علیؓ کو امہات المومنین اور دیگر اہل بیت کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑا۔

یہ انتظام فرما کر حضورؐ رجب کی آخری تاریخوں میں روانہ ہوئے۔ صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ حضرت کعب کی ایک روایت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی روانگی کا دن پنجشنبہ تھا۔

---

[1] ابن سعد ص ۲۱۰ [2] ایضاً [3] سیرۃ ابن ہشام ص ۷۴۳ تا ۷۴۸ [4] قائم مقامی کے بارے میں مورخین اور سیرت نگاروں میں خاصا اختلاف ہے جن کو معودی نے التنبیہ والاشراف میں جمع کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چار حضرات کا نام لیا جاتا ہے (۱) محمد بن مسلمہ (۲) سباع بن عرفطہ (۳) علی بن ابی طالب (۴) ابوذر غفاری۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ ثابت و محقق یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ کو اس موقع پر قائم مقام مقرر فرمایا۔ یہی روایت صحیح ہے حضرت علی اہلبیت کی دیکھ بھال کیلئے چھوڑے گئے تھے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لشکر اسلامی میں اس وقت تیس ہزار آدمی اور دس ہزار گھوڑے تھے[1] گویا تین آدمیوں کے لئے ایک ایک سواری تھی۔ چودہ دن کا طویل سفر، سواریوں کا ناکافی انتظام، رسد کی کمی، پانی کی قلت، گرمی کی شدت، صحرائی علاقہ۔ غرض کوئی دقت ایسی نہیں تھی جس کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو رسد کی قلت کی وجہ سے ان مقدس ہستیوں کو درختوں کے پتے کھانے پڑے لیکن راہ خدا کے یہ مجاہدین ان میں سے کسی چیز سے پریشان نہیں ہوئے۔ اور نہایت خندہ پیشانی سے یہ تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔

لشکر اسلامی کے ساتھ عبداللہ بن ابی بھی اپنی جماعت منافقین کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوا تھا لیکن تھوڑی ہی دور سے یہ سب واپس لوٹ آئے تھے۔ اور اب صرف مخلصین کی جماعت باقی رہ گئی تھی۔ جو قطع منازل کرتی ہوئی اپنے ہادی و رہنما کی قیادت میں بڑھتی رہی۔ اثنا سفر میں حضور اور صحابہ مقام حجر سے بھی ہو کر گذرے یہ وہی مقام ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی اور وہ اپنی نافرمانیوں کی پاداش میں تباہ ہو گئی تھی۔ اب یہ مقام مدائن صالح کے نام سے موسوم ہے۔ اور العلا کے قریب واقع ہے۔ وہاں آج بھی قوم ثمود اور قوم انباط کے چٹانوں میں تراشے ہوئے مکانات موجود ہیں جو آئندہ آنیوالوں کو درسِ عبرت دیتے رہیں گے۔

بہر حال چودہ دن میں جماعتِ مجاہدین تبوک پہنچی وہاں بیس دن قیام رہا لیکن اس اثنا میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ نہ عیسائیوں کا کوئی لشکر مقابلہ میں آیا اور نہ لڑائی ہوئی البتہ آپؐ نے تبوک کے قیام کے دوران حضرت خالد بن الولیدؓ کو سواروں کا ایک دستہ دیکر اکیدر بن عبدالملک حاکم دومۃ الجندل کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ ایسے وقت میں پہنچے کہ چاندنی رات کھلی ہوئی تھی اور اکیدر اپنے بھائی حسان کیساتھ قلعہ سے نکل کر ایک نیل گائے کا شکار کھیل رہا تھا۔ خالد بن ولیدؓ کے لشکر نے ایک دم

[1] غالباً سواری کے جانور ہوں گے جن میں اونٹ اور گھوڑے شامل ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس پر حملہ کر دیا۔ حسان لڑتا ہوا مارا گیا۔ اکیدر قید کر لیا گیا۔ اس کے آدمی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت خالدؓ نے اس سے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ ان کو دو ہزار اونٹ آٹھ سو دیگر جانور، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے اور حضرت خالدؓ اس کو رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کر کے اس کی جان بخشی کرا دیں۔ اور دومۃ الجندل کی حکومت واپس دلا دیں چنانچہ خالد بن ولیدؓ اکیدر اور اس کے دوسرے بھائی مصاد کو جو قلعہ میں تھا نیز وہ تمام سامان جس پر صلح ہوئی تھی لیکر روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر اس کو رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اکیدر نے آپؐ کو ہدیہ دیا آپؐ نے اس سے جزیہ پر صلح کر لی وہ اور اس کا بھائی مصاد دونوں محفوظ رہے۔ دونوں کو آزاد کر دیا گیا۔ اور اکیدر کو ایک فرمان دربار رسالت سے عطا ہوا جس میں دونوں بھائیوں کیلئے امان اور شرائط صلح کا ذکر تھا۔ اس پر آپؐ نے اپنے انگوٹھے کا نشان بھی بنایا تھا۔

تبوک کے قیام کے دوران ایلہ (موجودہ عقبہ) کا عیسائی حکمران یوحنا آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سفید خچر بطور تحفہ حضورؐ کو پیش کیا۔ آپؐ نے بھی اپنی چادر مبارک اس کو مرحمت فرمائی۔ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا اس کے علاوہ جربا اور اذرح کے عیسائیوں سے جزیہ پر صلح ہو گئی۔

بیس دن تبوک میں مقیم رہ کر آپؐ غالباً شروع رمضان میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

نتائج: تبوک کا غزوہ اپنے نتائج کے اعتبار سے نہایت اہم اور کامیاب غزوہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جس مقصد سے آپؐ وہاں تشریف لے گئے تھے اس کو پورا کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ نہ رومیوں کی فوج مقابلہ میں آئی اور نہ آپؐ کی اس سے آویزش ہوئی۔ بیس دن اسی انتظار میں مقیم رہ کر آپؐ نے مدینہ کی جانب مراجعت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زمانی کہ ممکن ہے ہفتہ عشرہ میں وہ صورت پیدا ہو جائے جس کے دفعیہ کے لئے یہ طویل و پر صعوبت سفر اختیار کیا گیا تھا لیکن حالات نے قطعاً کوئی رُخ نہیں بدلا اور یہ فضا جیسی پُرسکون تھی ویسی ہی رہی۔ البتہ اسی دوران دومۃ الجندل ایلۂ جربہ اور اذرح کے حکمرانوں اور باشندوں کا آپؐ کی سیادت کو تسلیم کر لینا اور آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جزیہ پر صلح کر لینا ایسے اہم واقعات ہیں جنھوں نے آپؐ کے اثر کو حرمین کی حدود سے نکال کر جزیرہ نمائے عرب کی انتہائی شمالی حد تک وسیع کر دیا۔ اور آئندہ کے لئے وہ شاہراہیں کھول دیں جن سے گذر کر اسلامی لشکر نے قیصر و کسریٰ کے وسیع علاقوں پر پرچم اسلام لہرا دیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرست غزوات

نمبر شمار	نام غزوہ	تاریخ روانگی	تاریخ واپسی	مدینہ میں قائم مقام	اسلامی لشکر کی تعداد	جنگ ہوئی یا نہیں مدت۔ تاریخ	کتنے مسلمان شہید	کتنے دشمن ہلاک	کیفیت
۱	غزوۃ الابوا یا غزوۂ ودان	شروع صفر ۲ھ م اگست ۶۲۳ء	تقریباً ۱۵ر صفر ۲ھ م اگست ۶۲۳ء	حضرت سعد بن عبادہ خزرجی		جنگ نہیں ہوئی	×	×	پندرہ روز آپ ﷺ مدینہ سے باہر رہے
۲	غزوہ بواط	ربیع الاول ۲ھ م ستمبر ۶۲۳ء	ربیع الاول ۲ھ م ستمبر ۶۲۳ء	” سعد بن معاذؓ	۲۰۰ (دو سو مہاجرین)	”	×	×	
۳	غزوۂ بدر اولیٰ یا غزوۂ طلب کرز بن جابر	شروع ربیع الاول ۲ھ م ستمبر ۶۲۳ء	ربیع الاول ۲ھ م ستمبر ۶۲۳ء	” زید بن حارثہؓ	—	”	×	×	
۴	غزوہ ذوالعشیرہ	جمادی الاخریٰ ۲ھ م نومبر ۶۲۳ء	جمادی الاخریٰ ۲ھ م دسمبر ۶۲۳ء	” ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی	۲۰۰ (دو سو) مہاجرین	”	×	×	
۵	غزوۂ بدر عظمیٰ	۸ر رمضان ۲ھ م ۴ر مارچ ۶۲۴ء	۲۷ر رمضان ۲ھ م ۲۳ر مارچ ۶۲۴ء	” ابولبابہ بن المنذر العمری	۳۰۵ (تین سو پانچ)	۱۷ر رمضان ۲ھ م ۱۳ر مارچ ۶۲۴ء کو جنگ ہوئی	۱۴	۷۰	ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضور ۱۲ر رمضان کو یعنی شنبہ کے دن مدینہ سے روانہ ہوئے بدر کی جنگ ۱۷ر رمضان کو ہوئی
۶	غزوۂ بنی قینقاع	۱۵ر شوال ۲ھ م ۱۰ر اپریل ۶۲۴ء	۳۰ر شوال ۲ھ م ۲۵ر اپریل ۶۲۴ء	”	—	۱۵ دن تک محاصرہ رہا	×	×	
۷	غزوۂ سویق	۵ر ذی الحجہ ۲ھ م ۹ر مئی ۶۲۴ء	۱۰ر ذی الحجہ ۲ھ م ۳ر جون ۶۲۴ء	”	۲۰۰ (دو سو)	جنگ نہیں ہوئی	×	×	
۸	غزوۂ قرقرۃ الکدر	نصف محرم ۳ھ م عشرہ اول جولائی ۶۲۴ء	آخر محرم ۳ھ م آخری عشرہ جولائی ۶۲۴ء	” عبداللہ بن ام مکتومؓ	” ”	”	×	×	
۹	غزوۂ ذی امر یا غزوۂ بنی غطفان	۱۲ر ربیع الاول ۳ھ م ۲ر ستمبر ۶۲۴ء	۲۳ر ربیع الاول ۳ھ م ۱۳ر ستمبر ۶۲۴ء	” عثمان بن عفان	۳۰۰ (تین سو)	”	×	×	
۱۰	غزوۂ بحران یا غزوۂ بنی سُلیم	۶ر جمادی الاولیٰ ۳ھ م ۲۵ر اکتوبر ۶۲۴ء	۱۶ر جمادی الاولیٰ ۳ھ م ۳ر نومبر ۶۲۴ء	” عبداللہ ابن ام مکتوم	۴۵۰ (چار سو پچاس)				

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

								x	x	
۱۱	غزوۂ احد	۶ر شوال ۳ھ م ۲۱ مارچ ۶۲۵ء	۷ر شوال ۳ھ م ۲۲ مارچ ۶۲۵ء	//	//	۷۰۰ (سات سو)	لڑائی ۷ر شوال ۳ھ ۲۲ مارچ ۶۲۵ء کو ہوئی	۷۰	۲۳	
۱۲	غزوۂ حمراء الاسد	۸ر شوال ۳ھ م ۲۳ مارچ ۶۲۵ء	۱۳ر شوال ۳ھ م ۲۸ مارچ ۶۲۵ء	//	//	//	لڑائی نہیں ہوئی	۲	x	
۱۳	غزوۂ بنی النضیر	ربیع الاول ۴ھ م اگست ۶۲۵ء	ربیع الاول ۴ھ م اگست ۶۲۵ء	//	//	—	۱۵ دن محاصرہ رہا	x	x	غالباً ۸ ربیع الاول سے ۲۲ ربیع الاول تک محاصرہ رہا
۱۴	غزوۂ بدر الموعد یا بدر ثالث	۲۷ر شوال ۴ھ م ۲۱ مارچ ۶۲۶ء	۱۲ ذی قعدہ ۴ھ م ۵ اپریل ۶۲۶ء	//	عبداللہ بن رواحہؓ	۱۵۰۰ (پندرہ سو)	جنگ نہیں ہوئی	x	x	
۱۵	غزوۂ ذات الرقاع	۱۰ر محرم ۵ھ م ۱۱ جون ۶۲۶ء	۲۵ر محرم ۵ھ م ۲۶ جون ۶۲۶ء	//	عثمان بن عفانؓ	۴۰۰ یا ۷۰۰ (چار یا سات سو)	//	x	x	
۱۶	غزوۂ دومۃ الجندل	۲۵ر ربیع الاول ۵ھ م ۲۴ اگست ۶۲۶ء	۲۰ر ربیع الآخر ۵ھ م ۱۸ ستمبر ۶۲۶ء	//	سباع بن عرفطہ	۱۰۰۰ (ایک ہزار)	،	x	x	
۱۷	غزوۂ المریسیع یا غزوۂ بنی مصطلق	۲ر شعبان ۵ھ م ۲۷ دسمبر ۶۲۶ء	۳۰ر شعبان ۵ھ م ۲۴ جنوری ۶۲۷ء	//	زید بن حارثہ	۳۰ (تیس اور کچھ منافقین)	جنگ ہوئی	۱	۱۰	تیمم کی آیت اتری۔ افک کا واقعہ پیش آیا۔
۱۸	غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب	۲۷ر/۸ر شوال ۵ھ م ۲۲/۲۳ مارچ ۶۲۷ء	۲۲ر ذی قعدہ ۵ھ م ۱۴ اپریل ۶۲۷ء	//	عبداللہ ابن ام مکتوم	۳۰۰۰ (تین ہزار)	تقریباً ۲۴ دن جنگ جاری رہی۔	۱	۲	حضرت سعد بن عبادہ کے تیر لگا جس سے ایک ماہ بعد وہ فوت ہوگئے۔
۱۹	غزوۂ بنی قریظہ	۲۳ر ذی قعدہ ۵ھ م ۱۵ اپریل ۶۲۷ء	۷ر ذی الحجہ ۵ھ م ۳۰ اپریل ۶۲۷ء	//	//	۳۰۰۰ (تین ہزار)	۱۵ دن بنو قریظہ کی بستی کا محاصرہ رہا۔	۱	۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان	جنگ میں کوئی نہیں مرا بعد میں حضرت سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے مطابق قتل کیے گئے۔
۲۰	غزوۂ بنی لحیان	۲۹ر صفر ۶ھ م ۲۰ جولائی ۶۲۷ء	۴ر ربیع الاول ۶ھ م ۳ اگست ۶۲۷ء	//	//	۲۰۰ (دو سو)	لڑائی نہیں ہوئی	x	x	
۲۱	غزوۃ الغابہ یا غزوۂ ذی قرد	۶ر ربیع الاول ۶ھ م ۵ اگست ۶۲۷ء	۱۲ر ربیع الاول ۶ھ م ۱۱ اگست ۶۲۷ء	//	//	۵۰۰ یا ۷۰۰ (پانچسو یا سات سو)	صرف حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے تیر برسائے اور حضرت قتادہ نے ایک آدمی مارا	۲	۱	
۲۲	غزوۂ حدیبیہ	آخر شوال ۶ھ مطابق مارچ ۶۲۸ء	آخر ذی قعدہ ۶ھ شروع اپریل ۶۲۸ء	//	//	۱۴۰۰ (چودہ سو)	لڑائی نہیں ہوئی	x	x	
۲۳	غزوۂ خیبر	آخر محرم ۷ھ مئی ۶۲۸ء	وسط ربیع الاول ۷ھ آخر جولائی ۶۲۸ء	//	سباع بن عرفطہؓ	۱۴۰۰ (چودہ سو) یا ۱۶۰۰ (سولہ سو)	تقریباً ڈیڑھ ماہ تک صفر اور ربیع الاول ۷ھ میں مختلف قلعوں کا محاصرہ رہا	۱۷	۹۳	قرین صحت ۱۴ سو آدمی اور ۲ سو گھوڑے یا اونٹ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

۲۴	غزوۂ عام الفتح	۱۰ر رمضان ۸ھ م ۲ر جنوری ۶۳۰ء	۲۰ر رمضان ۸ھ م ۱۲ر جنوری ۶۳۰ء	″ ابورہم غفاریؓ	۱۰،۰۰۰ (دس ہزار)	حضرت خالد کے ساتھ الخندمہ میں جھڑپ ہوئی ۲۰ر رمضان ۸ھ م ۱۲ر جنوری ۶۳۰ء	۳	۲۸	۴ قتل کئے گئے (۳ مرد ایک عورت)
۲۵	غزوۂ حنین	۶ر شوال ۸ھ م ۲۷ر جنوری ۶۳۰ء	۱۱ر شوال ۸ھ م یکم فروری ۶۳۰ء	″ ″	۱۲،۰۰۰ (بارہ ہزار)	لڑائی نہیں ہوئی	۶	۷۲	
۲۶	غزوۂ طائف	۱۳ر شوال ۸ھ م ۳ر فروری ۶۳۰ء	یکم ذی قعدہ ۸ھ م ۲۱ر فروری ۶۳۰ء	″ ″	۱۲،۰۰۰ (بارہ ہزار)	۱۸ دن تک محاصرہ رہا	۱۲	×	
۲۷	غزوۂ تبوک	آخر رجب ۹ھ م آخر اکتوبر ۶۳۰ء	اوائل رمضان ۹ھ م اوائل دسمبر ۶۳۰ء	″ محمد بن مسلمہؓ	۳۰،۰۰۰ (تیس ہزار)	حضرت خالد کی اکیدر حاکم دومۃ الجندل سے جھڑپ ہوئی جس میں اس حاکم کا بھائی مارا گیا	×	۱	

www.KitaboSunnat.com
"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرب اسلام کے سائے میں

○ ڈاکٹر محمد سلیم ○

ظہور اسلام کے وقت عرب محض ایک جغرافیائی حد کا نام تھا۔ وہاں نہ تو کوئی حکومت تھی اور نہ کسی قسم کا کوئی قانون یا ضابطہ تھا۔ پوری آبادی قحطانیوں اور عدنانیوں پر مشتمل تھی۔ اول الذکر عموماً جنوبی عرب میں اور آخر الذکر شمالی عرب میں آباد تھے قبائلی گروہ بندیوں کے علاوہ یہ بدوی (خانہ بدوش صحرائی) اور حضری (شہری) میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے شیخ کی ماتحتی میں آزاد و خود مختار تھا ان میں سے بعض قبائل شادی بیاہ، حلیفی اور تجارتی تعلقات کی بنا پر ایک دوسرے سے متعلق تھے۔

البتہ مکہ کی نوعیت مختلف تھی وہاں پہلے اعیانی حکومت تھی جس کے تقریباً سولہ یا سترہ انتظامی شعبے قریش کی دس شاخوں کے درمیان تقسیم تھے۔ کعبہ کے محافظ و متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو عرب میں سب سے اونچا مقام حاصل تھا اور انہیں چند خصوصی مراعات حاصل تھیں۔ صرف یہی لوگ ایسے تھے جو تجارت کی غرض سے عرب کے ہر گوشہ میں ان ایام میں بھی بغیر کسی خوف کے جا سکتے تھے جن میں جنگ و جدال، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب ظہور اسلام کے وقت مکہ نراجی حالت سے دوچار تھا جان و مال شہر میں محفوظ نہ تھے۔ قافلے اور دوکاندار دن دہاڑے بغیر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کسی مزاحمت کے لوٹ لئے جاتے تھے۔ یمن اور اس کے ہمسائے علاقے سلطنت فارس کے زیر اثر تھے۔ جہاں ایرانی گورنر سلطنت ایران کی طرف سے حکمرانی کرتے تھے۔

عرب میں یہودی اور عیسائی بھی آباد تھے لیکن جزیرہ نما کی فلاح و بہبود سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں صرف اپنا مطلب حاصل کرنے سے غرض تھی۔ یہودیوں کو صرف اس چیز سے دلچسپی تھی کہ دولت اکٹھا کریں اور قبائلی اختلافات کو ہوا دیں۔ عیسائی اس ملک کے وفادار نہ تھے بلکہ وہ پڑوسی علاقوں کی عیسائی طاقتوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ عیسائی اور یہودیوں میں جماعتی عداوت بھی موجود تھی۔ خصوصاً جنوبی علاقے میں عیسائیوں اور قریشیوں کے تعلقات بھی خوشگوار نہیں تھے کیونکہ ابرہہ کے حملے کی یاد ابھی تک قریشیوں کے ذہنوں میں تازہ تھی —— اس لئے وہ نہ صرف عیسائیوں سے نفرت کرتے تھے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی ان کے دل میں کوئی احترام نہیں تھا۔

چونکہ وہاں کوئی ایسی مرکزی طاقت نہیں تھی جو مجرم قبائل کو لوٹ مار سے روک سکے اس لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر بالکل غیر محفوظ تھا اور قتل خونریزی بالکل عام بات تھی معمولی معمولی باتوں پر قبائلی جھگڑے بھی عام تھے اسی لئے ملک میں امن و امان مفقود تھا عربوں کی پوری قوت یا تو لوٹ مار میں یا پھر باہمی جھگڑوں میں ضائع ہوتی تھی۔ پڑوس کی دو زبردست ایرانی اور بازنطینی سلطنتوں کے اثرات عرب کے مشرقی اور شمالی سرحدوں پہ بہت زیادہ تھے اور وہ ان علاقوں کو ہڑپ کرنے کی فکر میں تھیں اگر اسلام نہ آتا تو اس بات کے قوی امکانات تھے کہ ان میں سے ایک نہ ایک ان کو فتح کر کے اپنے مقبوضات میں شامل کر لیتا۔ مجموعی حیثیت سے عرب کی اس غیر معمولی صورت حالات کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ "اور تم اللہ کے اس فضل کو یاد کرو جو تم پہ اس وقت ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور اس کے فضل سے تم بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(گڑھے) تھے لیکن خدا نے تم کو (اس میں گرنے سے) بچا لیا[1]

اس جائزہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سے قبل پورے عرب کے اتحاد کے لئے سرے سے کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ اس کی کوشش کی اور آپؐ کے وصال سے قبل ہی اس اتحاد کی تکمیل ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے صرف اس لئے مبعوث نہیں کیا تھا کہ وہ انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیں بلکہ یہ بھی مقصد تھا کہ اس کی فرماں روائی زمین پر قائم کریں آپ اُمی ضرور تھے لیکن پھر بھی آپ کو دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا آپ کو کام کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا اور ان مشکلات سے بھی واقف تھے جو راہ میں حائل تھیں اور عربوں کے انتشار کے سبب کو بھی اچھی طرح جانتے تھے آپ یہ بھی جانتے تھے کہ لوگ اپنے خاندان، حسب و نسب اور آزادی پر مغرور ہیں اور وہ کسی ایک آدمی کی اطاعت پر تیار نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس بیماری کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے آپؐ نے پورے معاشرہ کی تطہیر کے لئے قدم اٹھایا۔ اس وقت معاشرہ کی بنیاد رشتہ داری اور خونی برادری پر تھی اسلام نے دین کو بنیاد بنا کر معاشرہ کے پورے ڈھانچے کو بدل دیا جس کا تقاضہ یہ تھا کہ ہر ایک خدا پر اور اس کی کتاب، اس کے پیغمبروں، فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے جنہوں نے اس دین کو اختیار کر لیا وہ اس نئے معاشرے کے رکن بن گئے اور ان کے لئے لازمی ہو گیا کہ وہ پرانے مذہب سے کوئی سروکار نہ رکھیں قریش نے اس معاشرے کی مخالفت نہ صرف مذہبی بنیاد پر کی جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ سیاسی وجوہات کی بناء پر بھی مخالفت کی ان کو اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کعبہ کی تولیت ان سے نہ چھن جائے جو ان کے عز و شرف کے علاوہ آمدنی کا ایک اہم ذریعہ غلاموں پر قابو رکھنے کا وسیلہ اور ہمسایہ ممالک سے تجارت کا موقع فراہم کرتا تھا

---

[1] آل عمران ع ۱۱-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اس نوزائیدہ معاشرے کو ختم کرنے کے لئے ہر طریقہ اور حربہ آزما لیا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ادھر پیغمبر اسلام اور دیگر مسلمان مدینہ ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گئے جہاں اسلام کی اشاعت اور نئے معاشرے کے پروان چڑھنے کے اچھے مواقع موجود تھے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے ایک مسجد کی تعمیر کی جہاں مہاجرین اور انصار پانچ وقت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے اس سلسلے میں دوسرا قدم حضور نے یہ اٹھایا کہ مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم فرما دی، نماز اور مواخات نے ان لوگوں کو یکجان کر دیا اور حضور کو اس بات کا موقع فراہم کیا کہ آپ مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ کریں اس چیز نے مدینہ کی شہری ریاست کو وجود بخشا اس کے بعد حضور نے مدینہ کے پڑوسی قبائل سے معاہدات کئے۔

قریش مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر جانے سے خوش نہیں تھے۔ وہ اور مشکل میں پڑ گئے انہوں نے عبداللہ ابن ابی کو ایک خط لکھا کہ پیغمبر اور مہاجرین کو مدینہ سے نکال دے لیکن یہ ابن ابی کے امکان سے باہر تھا اس لئے وہ خاموش رہا۔ کچھ ہی عرصہ میں قریش کی ایک جماعت نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور چند اونٹ پکڑ کر لے گئے جب مسلمانوں کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ نکلے ان حالات کے تحت حضور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے آپ رات کو خود مدینہ کے گرد گشت کرتے تاکہ قریشیوں کی نقل و حرکت سے باخبر رہیں اور ان کے قافلوں کو بھی خوفزدہ کریں آپ نے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو مکہ کی طرف روانہ کیا ایک جماعت نے نخلہ کے قریب قریش کے قافلہ پر حملہ کر دیا حالانکہ حضور نے حملہ کا حکم نہیں دیا تھا ان میں سے دو مارے گئے اور باقی بھاگ گئے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا اور جب جماعت کے سردار مدینہ واپس آئے تو حضور اور آپ کے صحابہ نے ان کو زجر و تنبیہ کی اس واقعہ نے قریشیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کر دیا چنانچہ اسی کے نتیجہ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں قریش کو زبردست شکست کھانی پڑی ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی گرفتار ہوئے۔ اس شکست نے قریش کے وقار کو سخت مجروح کیا لیکن مسلمانوں کی عزت اور بڑھ گئی۔ یہود اور دوسرے مخالف قبائل تو خوفزدہ ہو گئے لیکن مسلمانوں کے خلاف قریشیوں کے جذبات بھڑکتے رہے دوسرے سال انہوں نے پھر مدینہ پر حملہ کیا اور جنگ احد کا واقع پیش آیا۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ یہودی اور دوسرے مخالف قبائل کے حوصلے بلند ہو گئے۔ یہودی قبیلہ (بنونضیر) نے سرکشی کی اور اس کے نتیجے میں جلاوطن ہونا پڑا۔ ان میں سے بعض خیبر جا کر آباد ہو گئے۔ یہودی چونکہ دولت مند اور اثر و رسوخ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے خیبر کے یہودیوں، قریشیوں غطفان کے علاوہ دیگر قبائل کو بھی بھڑکا دیا جس کے نتیجہ میں تقریباً دس ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا لیکن ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ اس ناکامی نے ان کی قوت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ حضور نے اس صورتحال کا اچھی طرح اندازہ کر کے پورا پورا فائدہ اٹھایا آپ نے سمجھ لیا کہ آئندہ نہ تو وہ یکجا ہوں گے اور نہ کوئی بڑا حملہ کریں گے اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ ۶ھ میں حضور ۱۴ سو جانثاروں کے ہمراہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو قریشیوں نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا اور صلح حدیبیہ پر مجبور کیا جس کی مدت دس سال تھی اس معاہدے کے تحت انہوں نے مسلمانوں کے عمرہ اور حج کے استحقاق کو تسلیم کیا اور اس حق کو بھی تسلیم کر لیا کہ قبائل مسلمانوں یا قریش میں سے جس سے چاہیں معاہدۂ دوستی کر سکتے ہیں یہ صلح اتحادِ عرب کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اس کے بعد لوگوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا مسلمانوں کا اپنا علاقہ بڑھنا شروع ہوا ان کی روز بروز بڑھنے لگی لیکن قریش کی قوت روبہ زوال ہو گئی۔ اب مسلمان اس قابل بھی ہو گئے کہ مدینہ کے قریب خیبر کے یہودیوں پر ضرب کاری لگائیں۔ خیبر کے آس پاس کے قبائل نے بھی اسلام کی بالادستی قبول کر لی اس کے فوراً بعد مکہ کی باری آ گئی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ایک معمولی سی مزاحمت کے بعد مکہ مسلمانوں کے زیر تسلط آ گیا۔ مکہ کی اس فتح نے پورے عرب کے اتحاد کے لئے راہ ہموار و ہموار کر دی۔

میور کہتا ہے کہ "فتح مکہ نے اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ اس نے عملی طور پر یہ طے کر دیا کہ عرب میں برتری کس کو حاصل ہوئی۔ پھر فوراً بعد حنین کی فتح نے صرف یہی نہیں کہ مدینہ پر حملے کے ہر خطرے کا ہمیشہ کے لئے سدباب کر دیا بلکہ اس نے فطری طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ارفع مقام پر سرفراز کر دیا جہاں سے تمام عرب پر فرمانروائی و حکمرانی کو تسلیم کیا جا سکتا تھا۔[1]

فتح مکہ کے بعد عرب کے مختلف علاقوں سے متواتر وفود کے بعد وفود حضور کی خدمت میں آنے گئے اور آپ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے گئے۔ آپ کی امارت و سیادت کو ہر جگہ تسلیم کیا گیا اور جزیرہ نما کے دور دراز علاقوں مثلاً یمن حضرموت، مہرہ، عمان، بحرین، سرحد شام اور فارس وغیرہ سے قبائل مدینہ آ کر آپ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اظہار اطاعت میں سبقت کرنے لگے ان کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ اور ان کو واپسی کے لئے اخراجات بھی فراہم کئے گئے۔[2]"

وہ قبائل جو دومۃ الجندل کے قریب آباد تھے انھیں بھی غزوۂ تبوک کے موقع پر زیر اطاعت لایا گیا۔ اس طرح نجران کے عیسائیوں سے بھی ایک معاہدہ کیا گیا جنہوں نے اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کر لی۔

اس طرح پورا عرب ایک حکمران، ایک حکومت اور ایک قانون کے ماتحت متحد ہو گیا۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہو گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا خواب پورا ہوا اور خدا کی مرضی زمین پر بھی اس طرح پوری ہونے لگی جس طرح آسمانوں پر ہوتی ہے۔

---

[1] سر ولیم میور۔ حیات محمدؐ۔ ایڈیشن ۱۸۹۴ء ص ۴۱۷۔

[2] میور ص ۴۲۳، ۴۲۴۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن اس سے پہلے کہ اس اتحاد کو استحکام نصیب ہو، حضورؐ کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ اس استحکام کا سہرا حضرت ابو بکرؓ کے سر ہے جو آپؐ کے بعد اسلامی ریاست کے جانشین بنے۔

یہ اتحاد تاریخ عالم میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے اس اتحاد نے ایک نئی امت کو، نئے انداز، نئے زاویہ اور خدائی قانون پر مبنی نئے طرز حکومت کے ساتھ وجود بخشا جہاں تک عربوں کا تعلق ہے یہ انقلاب ان کے لئے بہت سی برکتیں ساتھ لایا۔ اس نے ان کو مادی خوشحالی بخشی اور روحانی مسرت سے ہمکنار کیا۔ اس نے تدبیر منزل کے ذریعے ان کے معاشی حالات کو بہتر بنا دیا۔ اس نے معاشرہ اور اس کے افراد کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کیا۔ اس نے قانونی مساوات کے ذریعہ عورت اور غلام کا معاشرہ میں مقام بلند کر دیا۔ اس نے ہر شخص کو حصول علم کا یکساں موقع عطا کیا اور اس انقلاب نے ان کو تہذیب و تمدن کا علمبردار اور دنیا میں مادی، اخلاقی اور روحانی ترقی کا مشعل بردار بنا دیا۔ اور اس نے ان کو موجودہ تہذیب و تمدن اور سائنسی تخلیقات کا امام بنایا اس نے ان کے اندر ایک نیا جوش و ولولہ اور حیات تازہ بخشی جس کے آگے بازنطینیوں اور ایرانیوں کی قوت و شوکت گرد ہو کر رہ گئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کیسے متحد کر دیا جو اپنی انفرادیت، انانیت، سرکشی اور نافرمانی میں مشہور تھے ایک مسلمان کے نزدیک تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ اللہ کا حکم اور اس کا فعل تھا۔ قرآن بھی اس کی تائید کرتا ہے لیکن ساتھ ہی قرآن یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کریں"[1] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب اپنی حالت بدلنا تو چاہتے تھے لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب اس لئے نہ ہو سکے کہ ایک تو ان کو موافق اور سازگار حالات میسر نہ آئے اور دوسرے انہیں ایسا کوئی رہبر و رہنما بھی نہ ملا جو اس معاملے میں ان کی مدد کرتا۔ پھر اللہ نے ان کی مدد

---

[1] رعد ۱۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی ان کے درمیان ایک نبی کو مبعوث فرمایا۔ ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا پھر رسول خدا نے قرآنی ہدایات کے بموجب ان کی رہنمائی فرمائی اور یوں ان کی حالت بدل گئی۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان کو توحید کی تعلیم دی اس تعلیم نے ان کے اندر اتحاد اور مساوات کی روح پھونک دی، خوف خدا نے ان کو ہر شے سے محفوظ کر دیا اور رسول خدا کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا۔ توحید کے عقیدہ نے ان کے اندر تنظیم، اطاعت رسول، مساوات اور ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا۔ مختصراً توحید نے ان کے نظریۂ حیات اور مزاج کو یکسر بدل ڈالا۔ اب ان کے سامنے صرف ایک نصب العین تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کا قرب۔ نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کے کردار و عمل نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ ملک میں امن و امان کی فضا بھی قائم ہوتی گئی اس چیز نے لوگوں کی صرف مذہبی اور سیاسی زندگی ہی میں تغیر پیدا نہیں کیا بلکہ ان کے معاشی و اقتصادی حالات کو بھی تبدیل کر دیا۔ منظم و مستحکم حکومت کی بدولت تجارت و زراعت کو فروغ ہوا۔ اور لوگوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی ان لوگوں کے لئے بھی انتظامات کئے گئے جو غریب اور محتاج تھے ان اقدامات نے ان علاقوں کو بھی متاثر کیا جو اسلام کے دائرہ اختیار سے باہر تھے چنانچہ وہاں کے لوگوں نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا پھر اسلامی ریاست کے باج گذار بن گئے۔ پھر بے لاگ عدل اور بلا تفریق مذہب و ملت انصاف رسانی نے لوگوں کو بے انتہا متاثر کیا اور اس کی وجہ سے اتحاد عرب میں مدد ملی بہت سے مستشرقین ایسے ہیں جو یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کا مذہب ہے اس کی اشاعت بھی طاقت کے بل پر ہوئی اور عربوں کی یکجہتی اور اتحاد کا سبب بھی یہی طاقت ہے اور اپنے اس خیال کی تائید اور جواز کے لئے وہ یہ سمجھاتے ہیں کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پالیسی اور آپ کا کردار حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا رہا وہ مکہ میں ایک پیغمبر کی حیثیت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے رہے لیکن جب مدینے کیطرف ہجرت کی تو وہ ایک سیاستداں بن گئے یا یوں کہیئے کہ پیغمبر کم سیاست داں زیادہ ہو گئے ان کے اس نظریہ کی وجہ دراصل یہ ہے کہ وہ مذہب (چرچ) اور ریاست (اسٹیٹ) کو دو مختلف چیزیں تصور کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کا کام صرف مذہب سے تعلق تھا اور سیاست ان کے فرائض منصبی میں شامل نہیں تھی حالانکہ وہ اس چیز سے باخبر ہیں کہ اس قسم کی کوئی تفریق اسلام میں موجود نہیں ہے اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا وہ سب عوام کے لئے تھا اور اگر ان کی بات مان لی جائے تو سوال یہ ہے کہ آپؐ نے قریش کی ان تمام پیش کشوں کو کیوں ٹھکرا دیا تھا جس کے حصول کی ایک انسان خواہش کر سکتا ہے دراصل آپ ان ہی کی بھلائی کے لئے یہ کہتے تھے کہ ایک خدا کی عبادت کرو شروع میں انہوں نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا اس لئے آپؐ کی مخالفت کی اور اذیتیں پہنچائیں لیکن آپ ساری مصیبتیں بڑی خندہ پیشانی اور اس یقین کے ساتھ برداشت کرتے رہے کہ حق بالآخر غالب آئے گا

یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ رسول اللہؐ کو ۱۳ سال تک مکے میں ہی ہر قسم کے مصائب والم کا سامنا محض اپنی کمزوری اور کسی مقصد کے بغیر کرنا پڑا بلکہ اسلام کی تبلیغ کے لئے سب سے زیادہ مناسب جگہ تھی صرف اس لئے نہیں کہ وہاں کعبہ موجود تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک بڑی اور مرکزی تجارتی منڈی کی بھی تھی وہاں دور دور سے لوگ حج ادا کرنے اور تجارت کے لئے آتے تھے رسول خدا اور آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ بہت اچھا موقع تھا کہ عازمین حج اور تجار کو اسلام کی دعوت دیں کیونکہ اگر وہ اس وقت اسلام قبول نہ بھی کرتے تو اسلام کا ایک تاثر ضرور اپنے ساتھ لے جاتے یہ اسلام کی اشاعت کا ایک ذریعہ بن گیا۔ اور اس قسم کے واقعات موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی بعض دور دراز کے علاقوں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اتحاد عرب کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب مال غنیمت کے لالچ میں ایرانی اور رومی حکومتوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے لیکن یہ دونوں اسباب ایسے ہیں جن کی تائید تاریخ سے نہیں ہوتی جس وقت اہل عرب نے اسلام لانا شروع

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں مال وغنیمت کے حاصل ہونے کی کوئی امید ہو اور جن طاقتوں کو کمزور بتایا جاتا ہے وہ اس وقت بھی اور شیخین کے دور میں بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ طاقتور تھیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام اپنے اصولوں اور رسول اللہ اور صحابہ کے اخلاق وکردار، تدبر اور اصابت رائے کی وجہ سے پھیلا۔ کسی فرد یا کسی قبیلہ کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ ہمیشہ رسول اللہ اور صحابہ کے پیش نظر "لا اکراہ فی الدین" کا اصول رہا نیز ان اصولوں کا اثر اتحاد عرب کے سلسلے میں بھی بہت گہرا پڑا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حجۃ الوداع

نثار احمد

(۱)

ذو قعدہ میں[1] اعلان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر دفعتاً پھیل گئی۔ اور شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب امنڈ آیا۔ سنیچر کے دن ذو قعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ نے غسل فرمایا[2]۔ اور چادر اور تہہ باندھی نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواجِ مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے یہاں پہنچ کر شب بھر اقامت فرمائی، دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عائشہ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے جسم مبارک میں عطر ملا[3] اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

لبیک اللھمّ لبیک اللھمّ لبیک لا شریک لک لبیک۔ ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک۔ اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں اے

---

[1] یہ حصہ سیرت النبی (ج ۲ ص ۱۵۱ تا ۱۶۹) سے ماخوذ و ملخص ہے (مرتب) [2] غسل کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجۃ الوداع میں ہے۔ ص ۱۲۴ - [3] صحیح بخاری صحیح مسلم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خدا تیرا کوئی شریک نہیں ہم حاضر ہیں۔ تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے۔ اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، داہنے بائیں، جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں نماز ادا کرتے جاتے تھے سرف پہنچ کر غسل فرمایا۔ دوسرے دن (اتوار۔ ۴ ذی الحجہ، صبح کے وقت) مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا۔ خاندانِ ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے آپ نے فرطِ محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا لیا۔ کعبہ نظر آیا تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا پھر صفا پر پہنچے۔ صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے یہاں بھی دعا و تہلیل کی اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے۔ صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے[۳] عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے

۱۔ کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے۔

۲۔ نسائی باب استقبال الحج ۳۔ صحیح بخاری باب الوقوف لعرفہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہاں آپؐ نے ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ (قصواء) پہ سوار ہوکر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر سے ہی خطبہ پڑھا۔

خطبہ سے فارغ ہوکر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر ناقہ پر سوار ہوکر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہوکر دیر تک قبلہ رخ دعائیں مصروف رہے جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی تھوڑی دیر کے بعد تمام قافلہ کے ساتھ آپ مزدلفہ پہنچے، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاؤ ——— پہ جاکر سواریوں کو بٹھایا۔ ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشاء کی تکبیر ہوئی نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لئے بیدار نہ ہوئے۔ صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی اور سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ کیا۔ یہ ذالحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباسؓ آپؐ کے برادرِ عم ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہل حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لئے آرہے تھے۔ آپ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ وادی محسّر کے راستہ سے آپ جمرہ کے پاس آئے، کنکریاں پھینکیں اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔ یہاں سے فارغ ہوکر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے۔ داہنے بائیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلال کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی حضرت اسامہ بن زیدؓ پیچھے کپڑا تان کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے زمین سے آسمان تک قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واعترافِ حق کا نورِ ضوفشاں تھا۔ دلوانِ قضا میں انبیائے سابقین کے فرائضِ تبلیغ کے کارناموں پہ فتحِ رسالت کی مہر ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دینِ فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کی زبان سے سن رہی تھی پھر ارشاد فرمایا جس میں سب سے آخر میں اسلام کے فرضِ اولین یاد دلائے۔ یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ الا ھل بلّغت؟ (کیوں میں نے پیغام خداوندی سنا دیا؟) سب بول اٹھے، ہاں فرمایا۔ اللّٰھم اشھد! (اے خدا تو گواہ رہنا) پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، فلیبلغ الشاھد الغائب (جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں) خطبہ[1] کے اختتام پہ آپ نے تمام مسلمانوں کو الوداع[2] کہا۔

اس کے بعد آپ قربان گاہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے کچھ تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے کہ وہ ذبح کریں۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے معمرؓ بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اس کے بعد مکہ معظمہ تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اس سے فارغ ہو کر چاہِ زمزم کے پاس آئے، کھڑے کھڑے پانی پیا پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی[3]

بقیہ ایام تشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی میں

---

[1] ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا۔ صحیح مسلم (حج) میں روایت ہے کہ قال قولا کثیرا۔ آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں۔ صحیح بخاری (حجۃ الوداع) میں ہے کہ آپ نے اس میں دجّال کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ لیکن یہ یقین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا۔ [2] ۔ صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منیٰ۔

[3] حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز حسبِ دستور اس دن منیٰ میں پڑھی۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نماز ظہر مکہ میں پڑھی۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں پہلی روایت کو مرجح ثابت کیا ہے[4]۔ ابوداؤد باب الخطبہ (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی راہ میں ایک مقام خم پڑا۔ جو جحفہ سے تین میل پر ہے یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لئے اسکا عام نام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ مدینہ کے قریب پہنچکر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔

(۴)

خطبۂ بزبان رسالت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نتوب الیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یھد اللہ فلا مضل لہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) بمنیٰ میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبوں میں گذرے ہیں اسی کا دوسرا نام الطبع اور خیف بنی کنانہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے کے منتشر حصے تو مختلف کتب احادیث و سیر میں ملتے ہیں لیکن کسی ایک جگہ مکمل صورت میں اسے جمع نہیں کیا گیا۔ مرتب نے اس خطبہ کو مختلف ماخذوں سے اخذ کر کے مرتب کیا ہے اس سلسلے میں تکرار کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک ہی مضمون کے ٹکڑوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ مکمل حوالے اور اسناد بھی مذکور ہیں تاکہ اگر ضرورت ہو تو انکی طرف مراجعت کی جاسکے (ن۔ و)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ومن یضلله فلا هادی له - واشهد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله، واوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ، واحثکم علی طاعته واستفتح بالذی هو خیر، اما بعد! ایها الناس! اسمعوا منی ابین لکم. فانی لا ادری لعلی القاکم بعد عامی هذا بهذا الموقف ابدا[1]- ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم، وآدم من تراب، اکرمکم عند اللہ اتقاکم. ولیس لعربی علی عجمی فضل[3] الا بالتقوی[2]- الا کل شیء من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوع[5]- وان مآثر الجاهلیة موضوعة غیر السدانة والسقایة والعمد قود، وشبه العمد ما قتل بالعصا والحجر وفیه مائة بعیر فمن زاد فهو من اهل الجاهلیة[6]- یا معشر قریش! لا تجیئوا بالدنیا تحملونها علی رقابکم ویجیئ الناس بالآخرة فلا اغنی عنکم من اللہ شیئا[7] معشر قریش! ان اللہ قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة وتعظمها بالآباء-

---

[1] جمهرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاهرۃ- ص ۵۷- الجزء الاول احمد زکی صفوت- طبع اول بمصر ۱۹۳۳ء مصطفیٰ البابی [2] - ابن ہشام- السیرۃ النبویہ- الجزء الرابع ص ۲۵۰ مصر ۱۹۳۶ء مصطفیٰ البابی- [3] سیرۃ النبیؐ میں یہ الفاظ بھی ہیں- ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی (ج ۲ ص ۱۵۵ بحوالہ مسند احمد) [4] جمہرۃ ص ۵۹ [5] سیرۃ النبیؐ ص ۱۵۴ بحوالہ صحیح مسلم وابوداؤد [6] قصاص [6] جمہرۃ ص ۵۸-

[7] - یہ فقرے خطبہ حجۃ الوداع کے اس کتابچہ میں ہیں جس کی تدوین مفتی محمد شفیع صاحب کی زیر نگرانی ہوئی- جس کا اردو ترجمہ حکیم محمد نعیم الدین صاحب نے کیا اور جسے حکیم محمد سعید صاحب نے شائع کیا- مرتب کو اس کا حوالہ نہیں مل سکا- غالباً یہ فقرہ (معشر قریش ان اللہ قد اذہب ..... الخ) فتح مکہ کے موقع پر خطبہ کا ہے- دیکھئے جمہرۃ- ص ۵۲-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایھا الناس! ان دماءکم واموالکم[1] علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا وکحرمۃ شھرکم ھذا، وانکم ستلقون ربکم، فیسألکم عن اعمالکم[2] الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض[3] وقد بلغت۔ فمن کانت عندہ امانۃ فلیؤدھا الی من ائتمنہ علیھا وان کل ربا موضوع۔ ولکن لکم رؤس اموالکم، لا تظلمون ولا تظلمون۔ قضی اللہ انہ لا ربا وان ربا عباس بن عبد المطلب موضوع کلہ، وان کل دم کان فی الجاھلیۃ موضوع وان اول دمائکم اضع دم ابن ربیعۃ بن الحارث بن عبد المطلب کان مسترضعا فی بنی لیث فقتلتہ ھذیل۔ ایھا الناس! ان اللہ قسم لکل انسان نصیبہ من المیراث فلا تجوز لوارث وصیۃ[4]۔ الا وان الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ الا ومن ادعی الی غیر ابیہ او تولی الی غیر موالیہ رغبۃ عنھم فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین[5] لا یقبل منہ صرف ولا عدل[6]۔ الدین مقضی والعاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والزعیم غارم[7]۔ الا لا یجنی جان الا علی نفسہ الا لا یجنی جان علی ولدہ ولا مولود علی والدہ[8]

ایھا الناس! فان الشیطان قد یئس من ان یعبد بارضکم ھذہ ابدا ولکنہ ان یطع فیما سوی ذلک فقد رضی بہ مما تحقرون من اعمالکم فاحذروہ علی دینکم۔ ایھا الناس! ان النسیء زیادۃ فی الکفر یضل بہ

---

[1] ایک روایت میں اعراضکم (عزت وآبرو) کا لفظ بھی ہے (مرتب) [2] ابن ہشام ج ۴ ص ۲۵۰ [3] بخاری۔ باب حجۃ الوداع۔ عن ابی بکرۃ [4] ابن ہشام۔ ص ۲۵۱ [5] صاحب جمہرۃ (ص ۵۹) نے اس فقرے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ولا یجوز وصیۃ فی اکثر من الثلث۔ [6] ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ المجلد الثانی ص ۱۸۳۔ بیروت ۱۹۵۷ء دار صادر [7] جمہرۃ ص ۵۹ [8] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۵۸، ۱۵۹ [9] ایضاً ص ۱۶۴ بحوالہ ابن ماجہ و ترمذی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الذین کفروا یحلونه عاماً ویحرمونه عاماً، لیواطئوا عدة ما حرم اللّٰه، فیحلوا ما حرم اللّٰه، ویحرموا ما احل اللّٰه، وان الزمان قد استدار کہیئته یوم خلق اللّٰه السموات والارض، وان عدة الشهور عند اللّٰه اثنا عشر شهراً منها اربعة حرم، ثلاثة متوالیة، ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان[1]

ایها الناس! فان لکم علی نسائکم حقا، ولهن علیکم حقاً، لکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم احداً تکرهونه، وعلیهن ان لا یاتین بفاحشة مبینة، فان فعلن فان اللّٰه قد اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع واضربوهن ضرباً غیر مبرح[2] فان انتهین فلهن رزقهن وکسوتهن بالمعروف[3]، فاتقوا اللّٰه فی النساء[4] واستوصوا بالنساء خیراً، فانهن عندکم عوان[5] لا یملکن لانفسهن شیئاً، وانکم انما اخذتموهن بامانة اللّٰه، واستحللتم فروجهن بکلمات اللّٰه[6] الا لا یحل لامرأة ان تعطی من مال زوجها شیئاً الا باذنه[7] فاعقلوا ایها الناس قولی، فانی قد بلغت، وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابداً، امراً بیناً، کتاب اللّٰه وسنة نبیه[8]. وایاکم والغلو فانما هلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین[9]۔

ایها الناس! اسمعوا قولی واعقلوه، ان کل مسلم اخ المسلم، و ان المسلمین اخوة فلا یحل لامرئ من اخیه الا ما اعطاه عن طیب نفس منه[?] فلا تظلمن انفسکم[?]۔ ارقاءکم! ارقاءکم! اطعموهم مما تاکلون واکسوهم مما تلبسون وان

---

[1] یہ اس لئے کہا کہ قبیلہ ربیعہ رمضان کو حرام قرار دیتا تھا اور اس کا نام رجب رکھا تھا حضورؐ نے یہ تصریح کردی کہ یہ رجب، رجب مضر ہے رجب ربیعہ نہیں یعنی وہ مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے (مرتب) [2] یعنی ہلکی مار جو شدید نہ ہو (مرتب) [3] ابن ہشام ص ۲۵۱ [4] جمہرہ ص ۵۹ [5] عانیہ کی جمع ہے یعنی عاجز و پابند [6] ابن ہشام ص ۲۵۱ [7] سیرۃ النبیؐ (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ھا ئو ایذنب لا ترید ون ان تغفروہ فبیعوا عبا داللہ ولا تعذبوھم وایاکم والغلو۔

ایھا الناس! انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم۔ الا فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وادوا زکوۃ اموالکم طیبۃ بھا انفسکم و تحجوا بیت ربکم واطیعوا ولاۃ امرکم تدخلوا جنۃ ربکم[2]

یا ایھا الناس! اسمعوا واطیعوا وان امر علیکم عبد حبشی مجدع اقام فیکم کتاب اللہ[3]۔ ایھا الناس! خذوا مناسککم، فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ[4]۔ الا لیبلغ الشاھد منکم الغائب فلعل بعض من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض من سمعہ۔ الا! ھل بلغت؟[5] قالوا: نعم! فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللھم اشھد[6]! وانتم تسالون عنی فماذا انتم قائلون؟ قالوا، نشھد انک قد ادیت الامانۃ وبلغت الرسالۃ ونصحت۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصبعہ السبابۃ یرفعھا الی السماء وینکتھا الی الناس اللھم اشھد! اللھم اشھد!! اللھم اشھد!!!

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ج ۲ - ص ۱۵۸ [ش] ابن ھشام ص ۲۵۱

[۹] ابن سعد ص ۱۸۱ [۱] ابن ہشام ص ۲۵۱ حاشیہ صفحہ ہذا [۱] ابن سعد ص ۱۸۵

[۲] مسند احمد، مستدرک حاکم۔ رحمۃ للعالمین۔ قاضی سلیمان منصورپوری (ج ۱ ص ۳۰۳) بحوالہ معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۱۰۸، ۱۱۰۹ عن ابی الامامہ، رواہ ابن جریر وابن عساکر [۳] صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوا دیکھیے سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۶۴) [۴] ابن سعد ص ۱۸۵ [۵] ایضاً ص ۱۸۱ [۶] ایضاً ص ۱۸۶ [۷] ابن ہشام ص ۲۵۲ [۸] رحمۃ للعالمین (ج ۱ ص ۲۶۲) بحوالہ صحیح مسلم باب حجۃ النبی بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۳)

اپنی زبان میں

سب تعریف خدا کے لئے ہے۔ ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس سے مدد و مغفرت چاہتے ہیں اس کے سامنے توبہ کرتے ہیں اس کے دامن میں اپنے نفس کی خرابیوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ بندگانِ خدا! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں اور اپنے خطبہ کا آغاز نیک بات سے کرتا ہوں۔ لوگو! سنو! میں تمہیں وضاحت کے ساتھ بتاتا ہوں کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد کبھی تم سے اس جگہ نہ مل سکوں۔

لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں اور جاہلیت کے تمام آثار و مفاخر ختم کئے جاتے ہیں صرف سدانہ (کعبہ کی نگرانی و نگہبانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے۔ قتل عمد کا بدلہ قصاص ہے۔ عمد کے مشابہ وہ قتل ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے اس کی دیت سو اونٹ مقرر ہے۔ جو زیادہ چاہے گا وہ اہل جاہلیت میں سے ہوگا۔ اہل قریش! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر دنیا کا بوجھ لدا ہو جبکہ دوسرے لوگ سامانِ آخرت لیکر پہنچیں گے اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اہل قریش! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو خاک میں ملا دیا ہے اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے تفاخر کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔

لوگو! تمہارا خون اور تمہارا مال تمہارے لیے حرام (محترم) ہے یہاں تک کہ قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہو جس طرح اس دن اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے نزدیک مسلّم ہے۔ اور عنقریب تم سب خدا کے آگے جاؤ گے، پس وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس فرمائے گا۔ دیکھو! میرے بعد کہیں گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں گردنیں مارنے لگو! دیکھو! میں نے حق پہنچا دیا ہے! پس اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

اور تمام سودی کاروبار آج سے ممنوع قرار پاتا ہے۔ البتہ تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا نقصان۔ اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں اور جہاں تک عباسؓ (ابن عبدالمطلب) کے سود کا تعلق ہے تو میں اس تمام سود کو باطل کرتا ہوں اور زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ اور (اپنے خاندان میں سے) پہلا انتقام جسے میں معاف کرتا ہوں، ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا ہے جسے بنو ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔

لوگو! خدا نے میراث میں سے ہر وارث کا جداگانہ حصہ مقرر کر دیا ہے اس لئے اب وارث کے حق میں (ایک تہائی سے زائد میں) کوئی وصیت جائز نہیں۔ جان لو کہ لڑکا اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا سنگ ہے! خبردار! جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ اپنی نسبت قائم کرے گا، اس پر خدا کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اور قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیئے تحفے کا بدلہ دینا چاہیئے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے تو اسے تاوان ادا کرنا چاہیئے۔ دیکھو! اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہی ذمہ دار ہے اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

لوگو! شیطان اس بات سے تو مایوس ہو چکا کہ اس زمین میں اس کی پرستش کی جائے گی لیکن اس بات پر بھی راضی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے اشاروں کی تعمیل کی جائے اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرو۔ لوگو نسئی (مہینے کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا) کفر میں (کچھ اور) اضافہ کر دینا ہے۔ کافر اس سے گمراہی میں پڑے جاتے ہیں۔ کہ ایک سال تو (اپنی نفسانی غرض سے) اسے حلال ٹھہراتے ہیں پھر دوسرے سال (جب کوئی ذاتی غرض نہ ہو) اس کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ نے جو گنتی (حرام مہینوں کی) مقرر رکھی ہے اسے پورا کرلیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالےٰ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور اس کے حلال کئے ہوئے مہینہ کو حرام اور زمانہ گھوم پھر کر اسی جگہ آگیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا۔ مہینوں کی گنتی خدا کے پاس (سال میں) بارہ ہے۔ ان میں سے چار محترم ہیں کہ تین ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم) تو متواتر ہیں اور ایک الگ آتا ہے یعنی رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے

لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ سلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی کام کھل کر بے حیائی کا نہ کریں پس اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں بستروں پر اکیلا چھوڑ دو، اور ایسی مار مارو جو زیادہ تکلیف دہ نہ ہو پھر اگر وہ باز آجائیں تو (حسب حیثیت) ان کا کھانا کپڑا تمہارے ذمہ ہے۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور ان سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے کچھ نہیں کرسکتیں تم نے ان کو خدا کی امانت کے طور پر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حاصل کیا ہے اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں اور کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

لوگو! میری بات سمجھ لو! میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اس پر قائم رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنّت!! اور تم لوگ غلو (زیادتی کرنے) سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کے باعث ہلاک ہو گئے۔

لوگو! میری بات سنو اور سمجھو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جو اس کا بھائی برضا و رغبت عطا کر دے اپنے نفس پر اور دوسروں پر زیادتی نہ کرو اور ہاں! تمہارے غلام! ان کا خیال رکھو، جو تم کھاؤ اس میں سے ان کو کھلاؤ جو تم پہنو اسی میں سے انہیں پہناؤ اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو! انہیں فروخت کر دو اور انہیں سزا نہ دو

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر یا نبی ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت ہے۔ خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج ادا کرو اپنے حکام کی اطاعت کرو اور اس طرح اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ

لوگو! سنو اور اطاعت کرو! اگرچہ تم پر کوئی ایسا نکٹا حبشی غلام ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے جو تم میں کتاب اللہ کو قائم کرے۔ لوگو! حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے اچھی طرح سن لو! تم میں سے جو حاضر ہے اسے چاہیئے کہ یہ باتیں وہ غائب کو پہنچا دے شاید ان سے وہ جسے یہ پہنچے اس کا زیادہ محافظ ہو بہ نسبت ان لوگوں کے جنہوں نے اسے سن لیا ہے۔ ہاں! بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے؟ لوگ کہتے گئے ہاں بیشک! پس رسول اللہ صلعم نے

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

فرمایا۔ "اے اللہ گواہ رہ! اور ہاں قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دو گے سب نے کہا ہم اس کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت پہنچادی، اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیئے۔ نیز رسالت و نبوت اور نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو تین بار آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکایا، پھر فرمایا کہ اے خدا سن لے! (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ لوگ کیا گواہی دے رہے ہیں) اے خدا شاہد رہ کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں)۔

(۴)

توضیحات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ متفرق طور پر احادیث کی مختلف کتابوں مثلاً صحیح بخاری و مسلم (باب حجۃ النبیؐ و باب الدیات) اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرم و حجۃ النبی) وغیرہ میں (حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابوامامہ باہلی، جابر، ابوبکرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ صحابہ کی روایتوں سے) مذکور ہے۔ روایتوں میں بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض باتیں الگ ہیں، احادیث کے علاوہ دوسری مغازی و سیر کی کتابوں میں بھی کچھ باتیں مذکور ہیں اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا۔ ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اس کی اس نے روایت کر دی[۲]

صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو، ۱۰ ذی الحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو۔ ان خطبوں میں اصولی طور پر کچھ باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام ہیں۔ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا اس لئے

---

[۱] مثلاً ان دماءکم و اموالکم حرام ۔۔۔۔ الخ [۲] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۵۴ ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ نے اپنی تقریر کے بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے[۳] اوپر کا خطبہ ان تینوں خطبات کو شامل ہے۔

۲۔ یہ خطبہ جس حج کے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اسے حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ[۱] حجۃ الاسلام، اور حجۃ التمام[۲] بھی کہتے ہیں۔

۳۔ آپؐ کا یہ خطبہ اسلام کی بنیادی تعلیمات، عقائد و عبادات، اخلاق و معاشرت اور اصولِ شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے۔ یہ انسانیت کے نام آخری رسول کا آخری پیغام ہے اور حقوقِ انسانی کے ایک دائمی اور عالمی منشور[۴] کی حیثیت بھی رکھتا ہے جو آج سے کوئی چودہ سو سال پہلے جاری کیا گیا۔ حضورؐ کے اس خطبہ کا ایک ایک فقرہ اپنے دامن میں گلشنِ معانی رکھتا ہے جس کا ہر پھول ابھی تک تر و تازہ ہے۔ آپؐ کے اس خطبہ سے کم نگاہوں میں وسعتِ نظر پیدا ہوئی، انسانیت پر نکھار آیا، زندگی کا حسن بے حجاب دکھائی دیا، امن و آشتی، صلح و عافیت، علم و حلم، رافت و رحمت، عدل و مساوات کا دور دورہ ہوا اور لوگ فریبِ حیات سے گزر کر حقیقتِ حیات تک پہنچے۔

۴۔ اس خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام دیا، جن اصلاحات کو تجویز کیا، جاہلیت کے جن رسائیر کو موقوف کیا، جن مراسمِ جاہلیت کی ممانعت فرمائی اور جو اصول احکام و قوانین عطا

---

[۱] ایضاً ص ۱۵۵۔ [۲] ابن ہشام [۳] طبری ص ۵۱۲۔

[۴] یورپ کے ایک مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے فرانس کے منشورِ حقوقِ انسانی کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ پرزہ دنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی ہے (دیکھئے مضمون از پروفیسر خلیق احمد نظامی بعنوان حضورؐ کا آخری خطبہ اور اس کی تاریخی اہمیت۔ ماہنامہ فاران سیرت نمبر جنوری ۱۹۵۶ء ص ۱۴۰) لیکن خطبہ حجۃ الوداع اس پر بھی بھاری ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہو گی کہ یہ خطبہ نہ تو کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار۔ منشور کے لفظ سے یہاں یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ آجکل کے سیاسی قائدین کی طرح اپنے آئندہ کے کام کا خاکہ اور خطوط واضح کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ دراصل یہ پچھلے تیئس ۲۳ سالہ دورِ نبوت و رسالت کا خلاصہ اور دعوت و تبلیغ کا اتمامِ حجت ہے (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمائیے ان کی عظمت و اہمیت اور اطلاقات کا اندازہ کرنے کے لیئے فی الحقیقت اس معاشرہ اور ان کوائف و حالات کا علم ضروری ہے جو دنیا میں بعثت نبوی کے وقت عموماً اور عرب میں خصوصاً پائے جاتے تھے جب امن و سکون، صلح و آشتی ناپید تھی جب مالک حقیقی کے علاوہ ہر معبود و طاغوت کی عبادت اور ہر صاحب جبروت کی اطاعت کی جاتی تھی جب پورا معاشرہ خونریزی و سفاکی اور خود غرضی و خود فریبی کا شکار تھا جسمیں جان و مال اور عزت و آبرو دن کی روشنی میں سر بازار لوٹ جاتی تھی، بات بات پر انسانی خون بہانا، لوٹ مار کرنا، صدیوں انتقام کی آگ میں جلنا معمول بن گیا تھا۔ عورت[1] اول تو بے وقعت تھی ورنہ پھر جائداد منقولہ یا ایک جواری کی بازی تھی جو ہاری او جیتی جاتی تھی۔ لونڈی، غلام[2] ذلت واہانت کے انتہائی درجہ پر انصاف و مساوات سے محروم تھے جن کا مقصد وجود صرف یہ تھا کہ آقا کے لیئے عیش و نشاط کے سامان مہیا کریں۔ جب ذات پات، رنگ و نسل اور اونچ نیچ کے سینکڑوں امتیازات شراب کے پیمانوں کی طرح ہر انسانی مجلس میں پلٹے جاتے تھے غرض ایک مشرکانہ، کافرانہ اور غیر الہی معاشرہ میں جو کچھ خرابیاں سوچی جا سکتی ہیں وہ سب کی سب اس وقت موجود تھیں[3]۔ اس پس

---

[1] ۔ اس زمانے میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ مثلاً ایران میں دو قسم کی بیویاں (زن پاد شاہی ہا اور زن چیگاری ہا) ہوتی تھیں۔ پہلی کو اولاد کی جائداد میں سے حصہ ملتا دوسری محروم رہتی تھی قانون کی نظر میں عورت کا کوئی حق یا مرتبہ نہ تھا۔ بیویاں آپس میں بدلی جا سکتی تھیں قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔ عرب میں عورت وراثت کی حقدار نہ تھی اور وہ بدترین مخلوق نیز منحوسیت کی دلیل تھی اسی لئے دختر کشی کی رسم جاری تھی، ہندوستان میں عورت کو تمام برائیوں کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا۔ قانون یہ تھا کہ جس عورت کے صرف لڑکیاں پیدا ہوں اس سے ہم بستری نہ کی جائے (خلیق احمد نظامی ص ۱۵۲ بحوالہ ایران بعہد ساسانیان، تفسیر طبری، مالوز ہندو لا اینڈ کسٹم، کتاب الہند وغیرہ) [2] غلام کی حیثیت پالتو جانور کی تھی۔ آقا کو اختیار تھا کہ اس کو زندہ رکھے یا مار ڈالے (ایضاً ص ۱۵۳ بحوالہ کیمبرج ہسٹری)

[3] دنیا اور عرب کے مفصل حالات کے لیئے کتاب ہذا کے ابتدائی ابواب ملاحظہ فرمائیے۔ (مرتب)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

منظر میں اس خطبہ کو ملاحظہ کیجیے تب کہیں اس کی گیرائی وگہرائی کا اندازہ ہو گا اور یہ پتہ چلے گا کہ اس خطبہ کا ایک ایک جملہ قرونِ وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے اس میں سماج سے طبقاتی تقسیم کا تصور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی خوشخبری ہے عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت ہے، غلاموں کے لئے نویدِ آزادی ہے اور انسانیت کے لئے پیغام صلاح وفلاح ہے۔

۵۔ جیسا کہ ابتداً اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیادی تعلیمات اخلاق و شریعت اور معیشت و معاشرت کا ایک جامع ضابطہ اور انکے اہم اصول بیان فرما دیئے ہیں البتہ چونکہ وقت بہت تھوڑا تھا، اشراف الناس کو نکلے اپنے گھروں سے نکلے کافی دن ہو چکے تھے اور حج کی تقریب اختتام کو پہنچ رہی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب نکات کی وضاحت کے لئے مختصر اشاروں اور کنایوں کو کافی سمجھا اور تفصیل چھوڑ دی۔ ویسے بھی ہر خطبہ کی بلاغت کے لئے اختصار ضروری ہوتا ہے اور اس خطبہ میں تو بلاغتِ نبویؐ کی معراج ہے بہرحال اوپر کے اجمال کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل اشارات قابل غور ہیں۔

(الف) خطبہ کی ابتدا آپؐ نے اللہ کی حمد وثنا سے کی اس سے امداد و استعانت طلب فرمائی اور انابت و استعاذہ کے بعد بنیادی طور پر یہ واضح کر دیا کہ جاہلیت کا زمانہ اور جاہلیت کے سارے دستور ختم ہو چکے ہیں اب اسلام کفر کی ظلمتوں سے نکل کر آفتاب عالمتاب بنکر چمکنے لگا ہے نیز دین کی تکمیل ہو چکی اب نہ تو کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی امت، امت مسلمہ کے بعد آئے گی آپؐ نے اعتصام کتاب وسنت کی ہدایت فرمائی اور شیطان سے بچنے کی تلقین کی پھر نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور اطاعت اولی الامر کا حکم دیا۔

(ب) معاشرہ جن بے شمار افراد سے مل کر بنا ہے وہ سب کے سب ایک خالق کی مخلوق ہیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اس لئے پیدائشی طور پر سب برابر ہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں، کوئی پاک اور ناپاک نہیں، کالے اور گورے، سفید سرخ سب ایک درجہ کے، ایک طرح کے حقوق رکھنے والے انسان ہیں، زبان، نسل، رنگ، حسب نسب اور وطن کی تفریق صرف تعارف کے لئے ہے حقیقی امتیاز کی بنیاد صرف ایک ہے یعنی تقویٰ، آپؐ کی ہدایت کے مطابق افراد کے تعلقات کسی گروہی یا طبقاتی کشمکش کے بجائے بھائی چارگی، ہمدردی، تعاون اور ایثار پر قائم ہوں گے۔

(ج) انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے ان ہی دونوں انسانوں سے ملکر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے اس لئے اس اجتماعی دائرہ کی صلاح و فلاح پر فی الحقیقت تمدن کی اصلاح بھی موقوف ہے اس خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی وحدت کے ان دونوں ارکین کی ذمہ داریاں اور حقوق و فرائض کا تعین بہت واضح طور پر کیا ہے اور ایسی ہدایات دی ہیں جنہیں اختیار کرنے کی صورت میں معاشرہ افراط و تفریط سے بچکر حسن و اعتدال کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو ایکدوسرے کے حقوق و فرائض پورے کرنیکی ہدایت اور اچھا معاملہ کرنے کی نصیحت کی گئی ہے اور ایسے تمام سرچشموں کو بند کرنے کا حکم دیا ہے (مثلاً زنا) جن سے صنفی برائیاں ابل ابل کر معاشرے میں پھیل جاتی ہیں۔

(د) اسلام کے نظام اخلاق میں سب سے اہم چیز امانت و دیانت ہے۔ امانت کا لفظ وسیع معانی کا حامل ہے جس میں انسانی زندگی کے بیشتر گوشے سمٹ آتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں معاشرتی نظام اور عائلی نظام دونوں میں امانت و دیانت برتنے اور خیانت سے بچنے کی خصوصی ہدایت دی ہے۔

(ہ) اسلام نے اپنے معاشی نظام میں روزی کمانے اور دولت پیدا کرنے کی پوری اجازت دی ہے مگر کاروبار میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنے کی ممانعت کی ہے جس سے دوسرے افراد کو یا پورے معاشرہ کو نقصان نہ ہو۔ نیز دولت کو بلا روک ٹوک

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ سودی کاروبار کو اس خطبہ میں قطعی ممنوع قرار دیا گیا اور کسی شکل اور کسی درجہ میں اس کی رخصت نہیں دی گئی۔

(۶) اس خطبہ پر ایک اور انداز سے غور کیجئے تشریع او قانون سازی کے پانچ مقاصد ہیں یعنی حفاظت دین، حفاظت جان، حفاظت مال، حفاظت عزت و آبرو اور حفاظت نسل۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں ان پانچوں مقاصد کی تکمیل و تحفظ کے لئے اصولی اشارات کر دیئے ہیں۔ حفاظتِ دین کے لئے توکل علی اللہ، اعتصام کتاب وسنت، نماز روزہ حج زکوٰۃ، اطاعت اور شیطان سے بچنے کا حکم ہے۔ حفاظت جان و مال اور آبرو کے لئے یہی حکم ہے کہ تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو محترم ہے حفاظت مال کے سلسلے میں وراثت، قرض کی ادائیگی، سود سے امتناع، اور ظلم سے احتراز کا حکم ہے حفاظت نسل کے لئے ایک طرف تو مرد و عورت کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین ہے اور دوسری طرف زنا سے بچنے کی تاکید ہے۔

(۷) انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے نیز انسان کے تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے دینے کا ہے۔ جس قانون اور مذہب میں اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ نہ تو مہذب انسانوں کا مذہب و قانون بن سکتا ہے اور نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پرامن زندگی بسر کر سکتی ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی جان اور اس کے خون کو حرام و محترم قرار دیکر انسانیت کو نہ صرف تمدنی حقوق و فرائض سے آگاہ کیا بلکہ انسانی زندگی کی تہذیب و ترتیب کی اور انہیں ایک اعلیٰ مقصد (آخرت اور لقائے رب) کے لئے جینا اور مرنا سکھایا آپ نے فرمایا کہ انسان کا اصل مفاد آخرت کا ہے ایک مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دے اور اسی کو اپنا اصل مرکز توجہ بنائے رکھے۔

---

[۱] الجہاد فی الاسلام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۸) اسلام ایک دین اور تحریک ہے وہ دنیا میں نافذ ہونے، قائم ہونے اور غالب ہونے کے لئے آیا ہے لیکن یہ غلبہ طویل جدوجہد مسلسل تبلیغ اور صبر واستقلال کا متقاضی ہے یہ خطبہ وہ نقطہ آخر ہے جہاں پہنچ کر اس دین اور تحریک کا اتمام و اکمال ہوگیا۔ ایک وہ وقت تھا جب کفر غالب تھا لیکن اس وقت جبکہ آپؐ یہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تقریباً سوا ' ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا سیلاب حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ۲۳ سالہ دعوت وتبلیغ کے نتائج و ثمرات سامنے تھے اسلام اپنی روحانی اور عددی قوت دونوں اعتبار سے غالب آچکا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغِ حق کی ابتدا میں چاہے کتنے زہرہ گداز مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑے لیکن آخر میں جیت "حق" کی ہی ہوتی۔

(۹) حجۃ الوداع محض ایک بڑی مذہبی تقریب ہی نہ تھی بلکہ وہ ایک مثالی اجتماع بھی تھا جس میں اسلام لانے والوں کی ایک بڑی تعداد داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوکر خدا کے حضور اپنی بے مثل کامیابی پر سجدۂ شکر ادا کررہی تھی۔

(۱۰) اس خطبہ سے جن احکام ومسائل کا علم ہوتا ہے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں :

۱۔ خطبہ اہم اور عظیم الشان مواقع پر دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ خطبہ دیتے وقت کسی بلند مقام یا کسی سواری پر چڑھنا جائز ہے۔

۳۔ اصل مقرر ومخاطب کے علاوہ دوسرا شخص مکبّر کی خدمت انجام دے سکتا ہے۔

۴۔ خدا نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دیدیا ہے۔

۵۔ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا۔

۶۔ نسب یا نسبت بدلنا قابلِ لعنتِ خلائق ہے۔

۷۔ عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔

۸۔ قرض ادا کیا جائے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۹۔ عطیہ لوٹایا جائے۔

۱۰۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

۱۱۔ مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔

۱۲۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

۱۳۔ قتل عمد کی دیت سو اونٹ ہے۔

۱۴۔ اچھے کاموں کی تکمیل پر دوسروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

۱۵۔ ایسے رواج و رسوم جائز ہیں جو شریعت سے نہیں ٹکراتے۔

۱۶۔ باپ دادا کے کارناموں پر فخر و مباہات مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔

۱۷۔ سود قطعی حرام ہے۔

۱۸۔ انتقام باطل ہے۔

۱۹۔ نسئی (مہینے کو اپنی خواہش کے مطابق اپنی جگہ سے ہٹا دینا) کفر ہے۔

۲۰۔ ایک مسلمان کے لئے امانت و دیانت ضروری ہے۔ خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

۲۱۔ تبلیغ کرنا ایک مسلمان پر واجب ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آخری لمحات[1]

○ چودھری افضل حق (مرحوم) ○

آیت "اتمام نعمت"[2] اتری تو محسن انسانیت نے سمجھ لیا کہ رحلت کا وقت آگیا۔ اب عہد زریں کا آغاز ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کی ظلمت اسلام کے نور سے کافور ہو گئی۔ اپنے مشن میں کامیابی کتنی خوشی کا باعث ہوتی ہے سرکار دو عالم نے اطمینان کی نظر سے اپنی کاوشوں کے نتیجہ کو دیکھا۔ وہ احباب یاد آ گئے جن کی موت نے اسلام کو زندگی بخشی تھی۔ کاش وہ زندہ ہوتے اور آج کی خوشیوں میں شریک ہوتے۔ اور یہ دیکھ کر خوش ہوتے کہ اسلام کی ضیا باری سے تمام عرب روشن ہو گیا۔ اور اللہ اکبر کی صدائے بازگشت سے یثرب و بطحا کی پہاڑیاں گونجتی ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رفتگاں نے بیتاب کر دیا۔ وہ بار بار دامن خاک میں منہ چھپائے ہوئے دوستوں کے پاس جا کر دعا کر کے اپنی محبت کی بے تابی کو کم کرتے تھے۔ ان کی مفارقت کے داغ کو تازہ کرتے اور ان کے لئے مغفرت چاہتے۔[3]

---

[1] یہ حصہ مرحوم کی کتاب "محبوب خدا" (مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور۔ ص ۲۵۳ تا ۲۵۹) سے ماخوذ و ملخص ہے۔ حوالے اور حواشی کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔ [2] مائدہ آیت ۳ [3] روایات میں آتا ہے کہ مرض الوفات سے قبل آپ اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کرنے تشریف لے گئے تھے (ابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۱۔ مصر ۱۹۳۶ء۔ طبری (ترجمہ سید محمد ابراہیم۔ کراچی ۱۹۶۷ء) گھر واپس آئے تو سر میں شدید درد محسوس ہوا یہی بعد کو جان لیوا (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موت سے کس کو مفر ہے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ عیادت کے لئے لوگ آتے جاتے رہے اور نصیحتوں[1] کے انمول موتی لیجاتے رہے۔ نبیوں اور نیکوں کو شرک سے کتنا خوف ہوتا ہے۔ بستر مرگ پر استعمال شرک سے کتنا خوف ہوتا ہے۔ شرک انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور ہر قسم کی کمزوری کو دور کرنا نبوت کا مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ وصال سے پانچ روز قبل فرمایا۔ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔[2] دیکھو میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ میں تبلیغ کر چکا۔ خدایا تو اس کا گواہ رہ! خدایا اس کا گواہ رہ! یہ چھوٹے چھوٹے فقرے کتنے گہرے اور کیسی بڑی بیتابی کی شہادت ہیں۔

بیماری کے حملے سے نڈھال نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لائے[3] فرمایا۔ کسی کا مجھ پر حق ہو تو کہے۔ کسی نے عرض کیا حضور! ایک سائل کو آپ نے تین درہم دلوائے تھے وہ واجب الادا ہیں۔ یہ قرض فی الفور ادا کر دیا گیا۔[4] وفات سے قبل عشاء کی نماز کے لئے تین دفعہ تیاری کی۔ ہر بار طاقت نے جواب دے دیا آپ وضو کرتے کرتے بے ہوش ہو گئے۔ نماز باجماعت میں نیکیوں کے لئے کتنی کشش ہے۔ بڑی حسرت سے فرمایا۔ اچھا ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔[5] تعمیل حکم[6] میں حضرت ابوبکرؓ مصلے پر تو کھڑے ہو گئے۔ مگر طبیعت پر رقت طاری ہو گئی۔ ان کی اور اصحاب کی

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)... ثابت ہوا۔ (ابن ہشام ۲۹۲۔ طبری ۵۱۷) بیماری کا سلسلہ تقریباً چودہ ۱۴ دن جاری رہا۔ درد کا آغاز ۲۸ یا ۲۹ صفر کو ہوا تھا۔ [1] اس دوران متعدد بار لوگوں سے گفتگو کے دوران وصیتیں فرمائیں اور ہدایات دیں۔ [2] ابن اثیر۔ اردو ترجمہ مقصود علی۔ ص ۵۱۹ کراچی ۱۹۶۶ء۔ صحیح بخاری ذکر وفات اور صحیح مسلم باب مذکور۔ [3] ابن ہشام ۲۸۹۔ یہ دو آدمی فضل بن العباسؓ اور حضرت علیؓ تھے (طبری ص ۵۱۷)۔ [4] طبری ۵۱۸۔ ابن اثیر ص ۵۰۲۔ [5] ابن ہشام ص ۱۳۱ طبری ۵۲۵۔ ابن خلدون ص ۲۰۹۔ [6] حضرت ابوبکرؓ نے کل ۱۷ نمازوں کی امامت فرمائی (طبری ص ۵۲۶)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اصحاب کے رونے کی آواز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیتاب کر دیا اور آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ بعد نماز فرمایا:

"مسلمانو میں تمھیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ اور نگہداشت اور نصرت کے حوالے کرتا ہوں۔ خدا تم پر میرا خلیفہ ہے۔ تمھارے تقویٰ اور اطاعت سے وہ تمھاری نگرانی فرمائے گا بس میں اب دنیا سے علیحدہ ہونے والا اور چھوڑنے والا ہوں۔"

اب اخیر کا دن آپہنچا۔ کمزوری نے مسجد جانے کی سکت نہ چھوڑی تھی۔ اس لئے صبح آپ کے حجرہ کا پردہ اُٹھا دیا گیا۔ تاکہ مسجد کے رکوع وسجود کا پاک نظارہ آنکھوں کے سامنے رہے آپ نے دیکھا کہ صفیں درست ہیں۔ اس جنت نگاہ نظارے نے چہرے کی زردی کو بشاشت سے بدل دیا۔ اور ہونٹوں پر پاک مسکراہٹ کھیلنے لگی[1] آپ ہمت کر کے اُٹھے فجر کی نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء میں ادا کی۔ حجرہ میں واپسی پر نزع کی حالت طاری ہو گئی۔ رنگ آنے جانے لگا اور طبیعت کا اضطراب بڑھ گیا۔ اس حال میں فرما رہے تھے لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات۔ اب آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ مگر خدا کا فرستادہ درد وکرب کی شدت کے باوجود خلقِ خدا کی محبت کا خیال دل سے نہیں بھلاتا۔ او روقتِ آخر[2] حضرت علیؓ کو لونڈی غلام سے حُسنِ سلوک کی نصیحت ہوتی ہے۔ فرمایا "علیؓ لونڈی غلام کے بارے میں خدا کو یاد رکھو۔ انھیں خوب کھلاؤ پہناؤ۔ ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے بات کرو" کشورِ دل کے فرمانروا آخری نبی کا یہی آخری فرمان ہے۔

آفتاب رسالت ۶۳ برس کے لعد غروب ہو گیا۔[3] ایک عالم گواہ ہے کہ اُمی نے

---

[1] طبری ۵۲۶ [2] روایات میں آخری وصیت کے لیے یہ الفاظ آتے ہیں الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم (نماز اور غلام) شبلی ج ۲ ص ۱۸۳، بحوالہ ادب المفرد ص ۳۴، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح

[3] تاریخ وفات عموماً مورخین ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بتاتے ہیں (طبری ۵۲۷، ابن اثیر ۵۲۸ وغیرہ) (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علم کے دریا بہا دیئے۔ اور اس کے فیضِ صحبت سے ذرّے آفتاب بن گئے۔ سب سے اہم یہ کہ مسلمانوں کے عمل کی بنیاد جہد للبقا کے شر انگیز اصولوں پر نہ رکھی گئی بلکہ خدمتِ خلق ہی بہترین عمل قرار پائی۔

آؤ یثرب و بطحا کے امیر اور عرب کے آقا کی جائداد کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حضورؐ نے وصال کے بعد زر و جواہر کے کتنے ڈھیر گھر میں چھوڑے۔ کونہ کونہ چھان مارنے کے بعد سرورِ عالم کا سرمایہ کچھ نہ نکلا۔ نہ لونڈی نہ غلام نہ بھیڑ نہ بکری۔ سارے عرب کے بلا شرکت حکمراں کا اثاث البیت بجز چند ہتھیاروں کے کچھ نہ تھا۔ ہادی برحق نے عمر بھر مبتلائے مصیبت رہ کر بنی نوع انسان کو قعرِ مذلت سے نکالا۔ آقائے عرب کی زندگی ہر مسلمان کے لئے مشعلِ ہدایت ہے اور ہر مومن کا فرض ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لئے اپنے اوقات کو وقف کر دے۔

یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

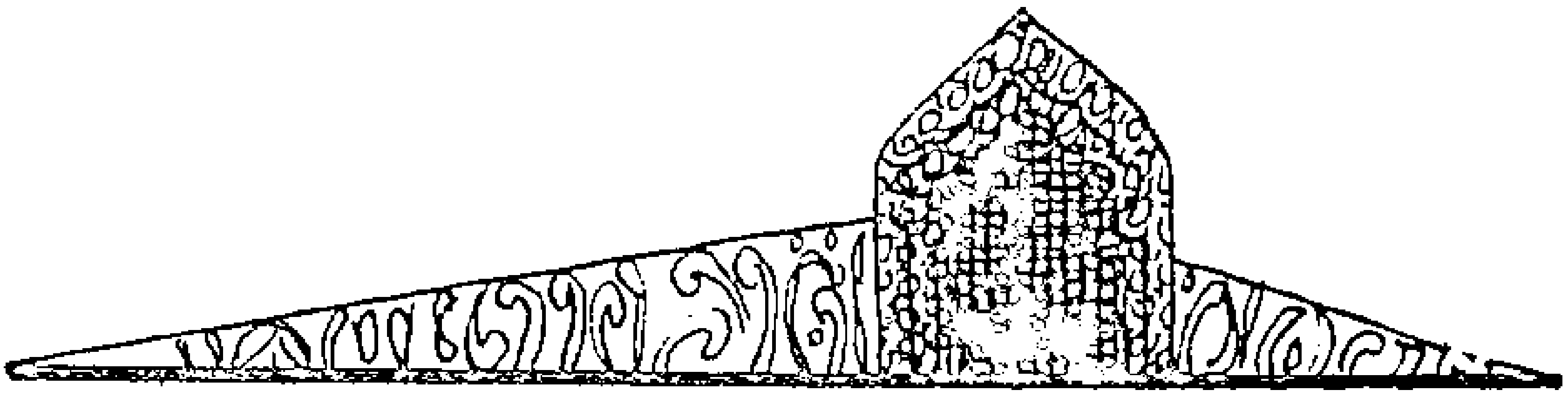

(بقیہ حاشیہ۔ گزشتہ سے پیوستہ)

لیکن صاحب سیرۃ النبی کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح تاریخ وصال یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہے۔ (ج ۲ ص ۱۷۴)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وما اتکم الرسول فخذوہ
وما نھکم عنہ فانتھوا
(حشر: ۷)

اور رسول جو کچھ تمھیں دیں وہ لے (اختیار کر) لو
اور جس چیز سے تم کو روکیں اس سے
باز رہو (رک جاؤ)

سیرت رسول کا ہر نقش اتباع و عمل کا مطالبہ کرتا ہے!

(انجمن پریس، کراچی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصۂ ہفتم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

(احزاب : ۲۱)

نقوش حیات

☆ بیشک رسول اللہ (کی زندگی) میں تمھارے لئے بہترین نمونہ ہے ☆

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- ☆ پیغمبرانہ زندگی
- ☆ معاشرتی زندگی
- ☆ ازدواجی زندگی
- ☆ سیاسی زندگی
- ☆ معاشی زندگی
- ☆ عسکری زندگی
- ☆ معلمانہ زندگی
- ☆ جامعیت کبریٰ

سید ابوالاعلیٰ مودودی — مفتی محمد شفیع

سید سلیمان ندوی — ڈاکٹر بشارت علی

امین احسن اصلاحی — شبلی نعمانی

ابن حسن جارچوی — میجر جنرل اکبر خان

سید فخر الحسن — ڈاکٹر محمد حمید اللہ

عبد القدوس ہاشمی — محمد کلیم

نثار احمد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیغمبرانہ زندگی

(۱)

داعی کی حیثیت سے[1]

دنیا میں انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہمیشہ ایسے پاک نفوس پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے اپنی زبان اور اپنے عمل سے اس کو حق و صداقت کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ لیکن انسان اکثر ان کے اس احسان کا بدلہ ظلم ہی کی شکل میں دیتا رہا ہے۔ ان پر ظلم صرف ان کے مخالفوں نے ہی نہیں کئے کہ ان کے پیغام سے بے رُخی برتی، ان کی صداقت سے انکار کیا، ان کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کو تکلیفیں دے کر راہ حق سے پھیرنے کی کوشش کی بلکہ ان پر ظلم ان کے عقیدت مندوں نے بھی کیا کہ ان کے بعد ان کی تعلیمات کو مسخ کیا، ان کی ہدایتوں کو بدل ڈالا، ان کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریف کی اور خود ان کی شخصیتوں کو اپنی عجائب پسندی کا کھلونا بنا کر الوہیت اور خدائی کا رنگ دے دیا۔ پہلی قسم کا ظلم تو ان نفوس قدسیہ کی زندگی تک، یا حد سے حد اس کے چند سال بعد تک ہی محدود رہا مگر یہ دوسری قسم کا ظلم ان کے بعد صدیوں تک ہوتا رہا۔ اور بہت سے بزرگوں کے

---

[1] یہ حصہ ایک مجموعہ مضامین سے ماخوذ ہے جسے مولانا مودودی کی "تفہیم القرآن" سے اخذ کر کے ادارہ مطبوعات طلبہ کراچی نے شائع کیا تھا۔ یہاں اس کے صرف ایک مضمون کی تلخیص پیش خدمت ہے۔ (ن۔ا)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساتھ اب تک ہوئے جا رہا ہیں۔

دُنیا کے تمام ہادیوں میں یہ خصوصیت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کی شخصیت ۱۳ صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہے۔ انسان کی اوہام پرستی اور عجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی جو کمال کے سب سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی تھی، افسانہ بنا کر الوہیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بجائے محض ایک تحیر و استعجاب اور عبادت و پرستش کا موضوع بنا لیتی لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثتِ انبیاء کے آخری مرحلہ میں ایک ایسا ہادی و رہنما بھیجنا منظور تھا جس کی ذات انسان کے لئے دائمی نمونۂ عمل اور عالمگیر سرچشمۂ ہدایت ہو اس لئے اس نے محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا جو جاہل معتقدوں کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیانِ اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے اول تو آپؐ کے صحابہ اور تابعین اور محدثین نے پچھلی امتوں کے برعکس اپنے نبی کی سیرت کو محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے جس کو ہم آپؐ کی شخصیت کو ساڑھے تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی آج تقریباً اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے خود آپؐ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دُنیا سے مٹ جائے جو ائمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث و سیر کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہو، اور صرف کتاب اللہ (قرآن) ہی باقی رہے تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

ایک نہایت بنیادی بات جس کا بڑی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا ہے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں ہیں بلکہ جماعتِ انبیاء کے ایک فرد اور اس سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی ہیں جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آپ کی بعثت تک جاری رہا اور جس میں ہر قوم اور ہر زمانہ کے انبیاء و رسل شامل ہیں۔ قرآن حکیم نبوت و رسالت کو کسی ایک ذات یا ایک ملک یا ایک قوم سے مخصوص نہیں کرتا بلکہ وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے مقدس نفوس پیدا کئے ہیں جنھوں نے انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی ہے اور گمراہی کے بُرے نتائج سے ڈرایا ہے:-

کوئی قوم ایسی نہیں گذری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو (فاطر-۳)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا جس نے پیغام دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔ (النحل۔ ۵)

اور انہی پیغمبروں اور ڈرانے والوں میں سے ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

یہ ایک ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں میں سے (النجم۔۳)

اے محمدؐ! یقیناً تم پیغمبروں میں سے ہو (یٰس۔۱)

اے محمدؐ! کہو، میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ برتا جائے گا۔ اور تمھارے ساتھ کیا سُلوک کیا جائے گا۔ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ اور میں محض ایک ڈرانے والا ہوں صاف صاف۔ (احقاف۔ آیت ۹)

محمدؐ کچھ نہیں ہے مگر ایک رسول اور اس سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔ (آل عمران۔۱۵)

یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ رسولِ عربی کی دعوت وہی دعوت ہے جس کی طرف

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابتدائے آفرینش سے ہر داعیٔ حق بلاتا رہا ہے اور آپؐ اسی دین فطرت کی طرف تلقین کرتے ہیں جس کی تلقین ہمیشہ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے کی ہے۔

کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کی تعلیم پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰق یعقوب اور ان کی اولاد پر اتاری گئی تھی اور جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم انکے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اللہ کے مطیع فرمان ہیں پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو وہ سیدھے راستے پر ہیں (بقرہ۔ ۱۶)

قرآن مجید کی یہ تصریحات اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہنے دیتیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے پیغمبروں میں سے کسی کی تکذیب یا کسی کے لائے ہوئے پیغام کی تردید کرنے نہیں آئے تھے بلکہ اس لئے آئے تھے کہ اسی سچے مذہب کو جو اول دن سے تمام قوموں کے پیغمبر پیش کرتے آئے تھے، بعد کے لوگوں کی ملاوٹوں سے پاک کر کے پھر پیش کر دیں۔

اسی طرح قرآن مجید اپنے لانے والے کی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان کرتا ہے جن کے لئے اللہ نے اسے بھیجا تھا۔

یہ کام بحیثیت مجموعی دو شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شعبہ تعلیمی اور دوسرا شعبہ عملی۔

پہلے شعبے کے کام حسب ذیل ہیں:

(۱) تلاوت آیات، تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب وحکمت:۔

درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا رسول اٹھایا
جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں
کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی
میں پڑے ہوئے تھے۔ (آل عمران ۔ ۱۷)

تلاوت آیات سے مراد اللہ کے فرامین اور ارشادات جوں کا توں سنا دینا ہے
تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق اور ان کی زندگی کو بری صفات، بری رسموں
اور برے طریقوں سے پاک کیا جائے۔ اور ان کے اندر اچھے اوصاف، پاکیزہ اخلاق
اور صحیح طریقوں کو نشوونما دیا جائے۔ ان کے اندر ایسی بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ
کتاب کی اصل روح تک پہنچ سکیں۔ اور انھیں وہ حکمت سکھائی جائے جس سے
وہ اپنی زندگی کے تمام مختلف وسعت پذیر پہلوؤں کو کتاب اللہ کے مطابق ڈھلتے
جائیں۔

(۲) تکمیل دین:

آج میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت
تمام کر دی۔ اور تمھارے لئے اسلام کے طریقے کو پسند کیا۔
(المائدہ ۔ ۱۰)

دوسرے انداز میں قرآن کے بھیجنے والے نے اس کے لانے والے سے
صرف اتنی ہی خدمت نہیں لی کہ وہ اس کی آیات کی تلاوت کرے، نفوس کا تزکیہ
کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے بلکہ اس نے اپنے اسی نیک بندے کے ذریعہ
سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جو ہدایات نوع انسانی تک بھیجنا تھیں وہ سب
اس کے واسطہ سے بھیج دیں۔ جن خرابیوں سے انسانی زندگی کو پاک کرنا مقصود تھا
وہ سب اس کے ہاتھوں سے دور کرا کے دکھا دیں۔ جن خوبیوں کا نشوونما جس شان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ افراد اور سوسائٹی میں ہونا چاہیے تھا اس کا بہترین نمونہ اس کی رہنمائی میں پیش کر دیا اور کتاب و حکمت کی ایسی تعلیم اس کے ذریعہ سے دلوا دی کہ آنے والے تمام زمانوں میں مقصودِ کتاب کے مطابق انسانی زندگی کی تشکیل و تعمیر کی جا سکتی ہے۔

۳۔ ان تمام اختلافات کی حقیقت واضح کرنا جو اصل دین میں پچھلے انبیاء کی امتوں کے درمیان پیدا ہو گئے تھے۔ اور تمام پردوں کو ہٹا کر، تمام آمیزشوں کو چھانٹ کر، تمام الجھنوں کو صاف کر کے اس راہ راست کو پوری روشنی میں نمایاں کر دینا جس کی پیروی ہمیشہ سے خدا کی رضا کو پہنچنے کی ایک ہی راہ رہی ہے:۔

بخدا کہ ہم نے (اے محمد) تم سے پہلے مختلف امتوں کی طرف ہدایت بھیجی، مگر اس کے بعد شیطان نے ان کے غلط اعمال کو ان کے لئے خوشنما بنا دیا چنانچہ آج وہی انکا سرپرست بنا ہوا ہے اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے تم پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ اس حقیقت کو ان کے سامنے واضح کر دو جس میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور اس لئے کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہو ان لوگوں کے لئے جو اس کی پیروی قبول کر لیں۔ (النحل۔۸)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے سامنے بہت سی ان چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنھیں تم کتاب میں سے چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی پسند کے مطابق چلتے ہیں امن و سلامتی کی راہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دکھاتا ہے اور انھیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے (المائدہ ۳)

۴۔ نافرمانوں کو ڈرانا، فرمانبرداروں کو رحمتِ الٰہی کی خوش خبری دینا اور اللہ کے دین کی اشاعت کرنا۔

اے نبی! ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن آفتاب بنا کر بھیجا ہے (احزاب۔ ۶)

(۱) نیکی کا حکم دینا، بُرائی سے روکنا، حرام و حلال کی حدود قائم کرنا اور انسان کو خدا کے سوا دوسروں کی عائد کردہ پابندیوں سے آزاد اور ان کے لادے ہوئے بوجھوں سے ہلکا کرنا۔

وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور ان بندشوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔ (اعراف ۔ ۱۹)

(۲) بندگانِ خدا میں حق اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا:۔

اے محمد! ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرو اور خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) اللہ کے دین کو اس طرح قائم کر دینا کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اسی کے تابع ہو اور دوسرے سب طریقے اس کے مقابلے میں دب کر رہ جائیں۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری جنس حق پر غالب کر دے (الفتح۔۴)

اس طرح نبی کے کام کا یہ شعبہ سیاست، عدالت، اصلاح اخلاق و تمدن اور قیام تہذیب صالح کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کام کسی ایک قوم یا ملک یا دور کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے تمام زمانوں کے لئے عام ہے۔

اے محمد! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (السبا۔۳)

اے محمد! کہو، اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں، اس خدا کا جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں جو مارنے اور جلانے والا ہے، پس ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول نبی امی پر جو خدا اور اس کے فرامین پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو امید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے۔ (اعراف۔۲۰)

(اے محمد! کہو) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تم کو متنبہ کروں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔ (انعام۔۲)

یہ قرآن، تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لئے ہر اس شخص

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لئے جو تم میں سے راست رو بننا چاہے۔ (التکویر آیت ۲۷)

نبوتِ محمدی کی ایک اور خصوصیت جو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اس پر سلسلۂ نبوت و رسالت ختم کر دیا گیا اور اس کے بعد دنیا کو پھر کسی نبی کی حاجت باقی نہ رہی:

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں
مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے
ہیں۔ (احزاب۔ ۵)

یہ درحقیقت لازمی نتیجہ ہے نبوت محمدی کی عالمگیریت اور ابدیت اور تکمیل دین کا۔ چونکہ قرآن کے مذکورہ بالا بیانات کی رو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دُنیا کے انسانوں کے لئے ہے نہ کہ ایک قوم کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ کہ ایک زمانہ کے لئے، اور آپ کے ذریعہ سے وہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے جس کے لئے دنیا میں انبیاء کے آنے کی ضرورت تھی، اس لئے یہ سراسر معقول بات ہے کہ آپؐ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ اس مضمون کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اسلوب کے ساتھ ایک حدیث میں واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہی جیسے کسی شخص نے ایک نہایت خوبصورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو وہ خالی جگہ انھیں کھٹکنے لگی اور وہ کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہو جاتا سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوت کے محل میں باقی رہ گئی تھی میں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اس مثال سے ختم نبوت کی وجہ صاف سمجھ میں آتی ہے۔ جب دین کامل ہو چکا، آیات الٰہی پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکیں، اوامر و نواہی عبادات، تمدن و معاشرت، حکومت و سیاست غرض انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق پورے پورے احکام بیان کر دیئے گئے اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دنیا کے سامنے اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ اس طرح پیش کر دیا گیا کہ ہر قسم کی تلبیس و تحریف سے پاک ہے اور ہر عہد میں اس سے ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے تو نبوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی صرف تجدید و تذکیر کی ضرورت رہ گئی ہے جس کے لئے علمائے حق اور مومنین صادقین کی جماعت ہے۔

(۲)
مبلغ کی حیثیت سے[1]

مبلغ سے مراد اس جگہ وہ ذات ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کے ماتحت لوگوں کی ہدایت و رہبری کی خدمت انجام دے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تمام انبیاء و رسل کا اصل منصب ہی تبلیغ و ہدایت ہے اور جس رسول کو اللہ تعالیٰ نے سید الرسل ﷺ اور خاتم الانبیاء بنایا ہے اس کا اس خاص صفت میں بھی ممتاز اور فائق ہونا ضروری ہے لیکن اس وصف میں آپ کے کمالات کا کوئی حصہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے آپ یہ متعین کریں کہ ایک مبلغ میں کیا اوصاف ضروری ہیں تجربہ کرنے سے وہ مندرجہ ذیل معلوم ہوتے ہیں:۔

(۱) جس چیز کی طرف وہ قوم کی رہبری کرنا چاہتا ہے اس چیز کا اس کو مکمل علم ہو اور اس کے ہر پہلو میں پوری بصیرت رکھتا ہو[2]

(۲) وہ جس کام کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اس پر خود بھی عامل بلکہ نمونۂ عمل ہو[3]

---

[1] یہ حصہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا تحریر کردہ ہے جسے بعض جملوں کے تصرفات اور حوالوں کے اضافے کے ساتھ یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

[2] مشکوٰۃ بحوالہ دارمی عن جابرؓ۔

[3] تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ سجدہ آیت ۲۴۔ [4] تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء آیت ۷۳، ۹۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) وہ جن لوگوں کو تبلیغ کر رہا ہے ان پر شفیق و مہربان ہو۔

(۴) وہ حکیم اور دانشمند ہو۔ اپنی دعوت کو ایسی حکمت کے ساتھ پیش کرے کہ لوگوں کے قلوب میں اُتر جائے[1]

(۵) وہ تبلیغ کرنے میں ایسا ہمدردانہ عنوان اور ایسا ناصحانہ طریقہ اختیار کرے کہ لوگوں کو اس سے منافرت پیدا نہ ہو[2]

(۶) وہ مخاطب کے جذبات و نفسیات سے واقف بھی ہو اور ہر کام اور کلام میں ان کی رعایت پیش نظر رکھے۔[3]

(۷) وہ ان لوگوں سے اپنی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لے اور کوئی بار نہ ڈالے[4]

(۸) وہ مستقل مزاج ہو اور مخالفتوں سے نہ گھبرائے

(۹) جس قوم کی ہدایت کے لئے وہ اپنی بھرپور شفقت، حکمت و موعظت استعمال کر رہا ہے اگر اس کی طرف سے زبانی یا جسمانی ایذا پہنچ جائے تو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرے اور انتقام کے درپے نہ ہو[5]

(۱۰) وہ مقصد کی دھن اور دعوت و تبلیغ کے لئے انتھک کوشش کرنے والا ہو[6]

اب ان میں سے ایک ایک وصف کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالئے :

(۱) آپ کا علم میں فائق ہونا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے[7] آپ کو جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا وہ علم ہی کا معجزہ ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو جس

---

[1] سورۂ نحل ۔ ۱۲۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] قرآن میں جگہ جگہ وما اسئلکم علیہ من اجر کے الفاظ اسی مقصد کے لئے دہرائے گئے ہوں مثلاً ملاحظہ ہو سورۂ فرقان ۵۷ شعراء (آیت ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۳، ۱۸۰) وغیرہ [5] لقمان آیت ۱۷ ۔ [6] سورہ کہف ۶ ۔

[7] مثلاً قرآن میں صاف اشارات ہیں رحمٰن (۲)، نساء (۱۱۳) وغیرہ اور حدیث میں آتا ہے اوتیت علم الاولین والآخرین

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ماحول اور جن حالات میں پیدا کیا اور نشوونما فرمایا اس میں بھی آپؐ امی محض رہے اور عمر کے چالیس سال اسی امیت کی عالم میں گذرے۔ عرب کا جو فن خانہ زاد سمجھا جاتا تھا عورت مرد، بچہ بڑا ہر ایک اس میں ماہر ہوتا تھا یعنی شعر و سخن، قدرت ربانی نے آپ کو اس سے بھی خالی رکھا تھا کسی نے کبھی نہیں سُنا کہ آپ عرب کی مجلسوں میں جہاں شعر و شاعری کے مظاہرے ہوتے تھے نبوت سے پہلے شریک ہوتے ہوں۔ لیکن عمر کے چالیس سال گذرنے پر دفعتہً آپؐ کی زبان پر ایسا کلام جاری ہوتا ہے کہ بڑے بڑے فصحاء اور مقرر حیران رہ جاتے ہیں۔ آپؐ ساری دنیا کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر اس کلام کو میرا خود ساختہ کلام سمجھتے ہو تو تم فصاحت و بلاغت میں مجھ سے کم نہیں۔ اس کلام کی مثل ایک آیت ہی بنا لاؤ۔ یہ تنہا نہ ہو سکے تو سب مل کر بنا لاؤ[1] لیکن پورا عرب جو آپ کو شکست دینے کے لئے اپنی جان، مال، آبرو اور اولاد سب کچھ گنوانے کے لئے تیار تھا قرآن کی ایک آیت کی مثال پیش کرنے پر قادر نہ ہوا۔ پھر قرآن کے علاوہ بھی جو ارشادات اور کلمات انسانی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمائے ہیں وہ نہ صرف ہدایت کے لئے کافی اور جامع بلکہ آج تک دُنیا کے علماء، حکماء اور فلاسفروں کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہیں۔

(۲) عمل کے اعتبار سے یہ آپ کا خاص وصف ہے کہ انسانی زندگی کے جس جس پہلو کی لوگوں کو دعوت اصلاح دی اس پر سب سے پہلے خود ہی عمل کر کے دکھایا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر و فکر کی دوسروں کو ہدایت فرمائی، تو خود اپنا حال یہ تھا کہ نبوت سے پہلے بھی اہل و عیال، گھر بار چھوڑ کر مہینوں غار حرا میں اپنے مالک حقیقی کی یاد اور عبادت میں مشغول رہے۔ نبوت کے بعد ایک ایک لمحہ عبادت میں گذرا نماز و عبادت کا یہ عالم کہ ساری رات گذار دیتے تھے کھڑے کھڑے پاؤں متورم

---

[1] بقرہ ۲۳، یونس ۳۸، ہود ۱۳ وغیرہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتے تھے۔[1] ذکر اللہ میں آپؐ کی خاص شان یہ تھی کہ کان یذکر اللہ علی کل احیانہ
زکوٰۃ وصدقات کی لوگوں کو ہدایت فرمائی تو سب سے پہلے اپنا یہ وظیفہ بنا لیا کہ جو کچھ
اپنے پاس ہوتا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالتے خود بھوکے رہتے، دوسروں کو کھلاتے
مہینوں آپؐ کے گھر میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی، صرف کھجور اور پانی پر بسر ہوتی
تھی۔[2] جہاد کا حکم لوگوں کو دیا تو اس میں بھی سب سے زیادہ شجاعت، ثبات قدم اور صبر
واستقلال کا مظاہرہ آپ کا ہی حصہ تھا۔ غرض عمل کا کوئی گوشہ ہو اس میں آپ کی ذات
کامل اور نمونہ ہے۔

(۳) جہاں تک شفقت علی الخلق کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں تو خود
قرآن کی شہادت ہے کہ:

عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین
رؤف رحیم (توبہ: ۱۲۸)

پھر آپؐ کی شفقت وعنایت صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں اپنے
دشمنوں اور غیر مسلموں پر بھی رحمۃ للعالمین کی شفقت عام تھی۔ کفارِ مکہ جن کی ایذاؤں
کی وجہ سے آپ کو وطن اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا تھا۔ جب مکہ میں شدید قحط کی خبر
آپؐ کو پہنچتی ہے تو آپؐ مدینہ سے ان کو غلہ بھجوا دیتے ہیں۔[3] جس وقت مکہ فتح ہو
جاتا ہے اور یہ جانی دشمن گرفتار ہو کر آپ کے سامنے لائے جاتے ہیں تو آپ صرف یہی
نہیں کہ ان سے کوئی انتقام نہیں لیتے۔ بلکہ ان کے سابقہ معاملات پر کوئی ملامت
شکایت بھی پسند نہیں فرماتے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ لا تثریب علیکم الیوم[4]

---

[1] شمائل ترمذی باب ما جاء فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] ایضاً باب ما جاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشہؓ [3] اس کے علاوہ پانچ سو اشرفیاں بھی روانہ کی تھیں، دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ص ۸۶ کراچی ۱۹۶۱ء [4] سیرۃ النبی، جلد ۲، ص ۲۶۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اسلامی جہاد کوئی نئی تہذیب کی جنگ تو تھی نہیں جس میں ملک کے ملک ایک آن میں تباہ کر دیئے جاتے ہیں جس میں مرد، عورت، بوڑھے، بچے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اسلامی جہاد میں تو عین میدان کارزار میں بھی حقوق وحدود کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ دشمنوں کے انسانی حقوق کی حفاظت اس وقت بھی ایک اسلامی فریضہ ہوتا ہے۔ کسی جہاد میں کسی کی غلطی سے ایک غیر مسلم عورت قتل ہو گئی۔ آپؐ نے دیکھا تو ایسا اظہارِ افسوس کیا جیسے کوئی اپنے خاص عزیز یا پارٹی کے آدمی پر اظہارِ افسوس کیا کرتا ہے اور فرمایا ھاہ ھاہ ما کانت ھذہ تقاتل ۔ افسوس! افسوس یہ عورت تو جنگ نہیں کر رہی تھی اس کو کیوں مار دیا گیا۔

امت دعوت جس میں کافر، مومن سب داخل تھے ان پر محبت وشفقت کا یہ عالم کہ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ دنیا اپنے خالق ومالک کو بھلا بیٹھی ہے اور خدا کے سوا ہر ایک کی عبادت کر رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف آخرت کا دائمی عذاب ان کو گھیرنے والا ہے بلکہ دنیا میں بھی ایک عظیم تباہی کی لپیٹ میں آنے والے ہیں مگر ان کو آبائی رسوم نے ایسا اندھا بہرہ کر دیا ہے کہ کسی ناصح مشفق کی بات سننے کو تیار نہیں بلکہ اس ناصح کو اپنا دشمن قرار دے کر ایذائیں پہنچاتے ہیں لیکن فطری شفقت نے آپؐ کو اپنے گھر سے نکالا کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قبائل مکہ کو پکارا سب جمع ہو گئے تو آپؐ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی جس کے نتیجہ میں ابولہب وغیرہ کے سخت کلمات بھی سُنے لیکن اس شفیق امت کی ہمت میں اس سے بھی کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اب یہ وظیفہ بنا لیا کہ جہاں ان لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں پہنچتے اور اللہ کا کلمہ ان کو سناتے۔ اگر ایک طرف کلمۂ حق سُنانا آپؐ کا معمول تھا تو دوسری طرف ان لوگوں کی طرف سے زبانی اور جسمانی ایذائیں پہنچانا بھی معمول بن گیا تھا۔ لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ جیسے شفیق ومہربان باپؐ کے سامنے اس کی اولاد زہر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کھارہی ہو اور منع کرنے سے نہ مانتی ہو تو باپ ان کو چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتا بلکہ اپنی جان پر کھیل کر بھی ان کے ہاتھ سے زہر کا پیالہ گرا دینے کی فکر کرتا ہے۔ طائف کی مثال بھی آپ کے سامنے ہے جہاں زخمی ہو کر بھی یہی کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ لوگ آج نہیں تو کل مان لیں اور یہ نہ مانیں تو شاید ان کی نسلیں پیغام الٰہی کو قبول کر لیں چنانچہ آپ کی یہ امید جلد ہی حقیقت بن کر سامنے آ گئی۔

(۴) جہاں تک حکمت و دانش کا تعلق ہے تو اس میں بھی آپ کو انتہائی درجہ کا کمال حاصل تھا۔ آپ کو جن لوگوں سے سابقہ پیش آیا تھا ان کے ذہنوں اور دلوں میں کسی نئی بات کا اتار دینا آسان کام نہ تھا۔ ان کے اخلاق و اعمال کو بدلنا کھیل نہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت و شفقت ہی کا نتیجہ تھا کہ یہ ان پڑھ جاہل، بداخلاقیوں کے مجسمے چند ہی دنوں میں نہ صرف خود اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے پیکر بن گئے بلکہ دنیا کے لئے تہذیب و اخلاق کے معلم ثابت ہوئے۔

ایک بدو نے مسجد نبویؐ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ کرام دوڑے کہ اس کو مار کر نکالیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حکمت سے ان کو روکا۔ کیونکہ اس کو مار کر نکالنے میں پہلا نقصان تو یہ تھا کہ اب تو ایک جگہ ناپاک ہو رہی تھی وہ بھاگتا تو دور تک ناپاکی پھیلتی جاتی۔ دوسرے اگر مار پڑنے کی وجہ سے اس کا پیشاب بند ہو جاتا تو اس کو شدید تکلیف پیش آتی۔ اور مار پیٹ کے نتیجہ میں اس کو بھگایا تو جا سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کے سامنے تو بھگانا نہیں بلکہ بھاگنے والوں کو اپنی طرف بلانا تھا۔ جب وہ بدو فارغ ہو چکا تو شفقت کے ساتھ اس کو سمجھایا کہ یہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں انھیں ناپاک کرنا بڑی غلطی ہے۔ وہ سمجھ گیا اور دنیا بھر کو سمجھانے کا ذمہ دار بن کر وہاں سے گیا۔

پانچواں اور چھٹا یہ وصف ہے کہ تبلیغ و دعوت کا لہجہ ہمدردانہ اور مشفقانہ ہو، محض

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ناقدانہ یا معترضانہ نہ ہو، اور یہ کہ مخاطب کے جذبات و نفسیات سے واقف رہ کر ہر موقع پر اس کی رعایت رکھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اخلاق فاضلہ کا نمونہ بن کر تشریف لائے تھے ان کا یہ وصف خود قرآن نے بیان فرمایا ہے کہ اگر آپؐ (خدانخواستہ) تند خو، سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپؐ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

آپؐ کی عادت یہ تھی کہ اگر کسی خاص شخص کی کوئی غلطی یا عملی کوتاہی آپ کو معلوم ہوتی تو اس کو خصوصی طور پر خطاب کر کے اس کی غلطی بتانے سے آپؐ حیا کرتے تھے۔ بلکہ مجمع میں عام خطاب کے طور پر یوں ارشاد فرماتے کہ "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسا ایسا کرتے یا کہتے ہیں"۔ جس شخص نے کیا ہوتا وہ متنبہ ہو جاتا۔ اور آئندہ اس عمل سے باز رہتا۔

آج مبلغین اور مصلحین کی بات نہ چلنے اور مفاسد پیدا ہونے میں بڑا دخل اس چیز کو ہے کہ جن لوگوں کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ان پر نہ صرف یہ کہ تنقید و اعتراض کا عنوان اختیار کرتے ہیں بلکہ تمسخر و استہزا سے بھی باز نہیں رہتے وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نیابت رسول اللہ اور تبلیغ و دعوت کا کام انجام دے دیا اور حقیقت یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو دعوتِ رسول سے اور بھی دور کر کے انکو ضد اور مقابلہ کے لئے تیار کر دیتے ہیں۔

(۷) ساتواں وصف مبلغ کے لئے بلا معاوضہ خدمت ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں محسوس و مشاہد ہے یہاں تک کہ آپ اور آپؐ کی اولاد پر صدقات بھی حرام کر دیئے گئے کہ اس راہ سے بھی آپ عوام کے پیسہ سے منتفع نہ ہوں۔ قرآن میں جگہ جگہ آپ کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ وما اسئلکم علیہ من اجر۔

(۸) مبلغ کے لئے آٹھواں اور نواں وصف مستقل مزاجی اور لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرنا ہے یہ دونوں وصف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں اور زندگی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ہر دور اور ہر حال میں آپ کی طبیعت ثانیہ بنے ہوئے تھے جن کا مختصر سا خاکہ نیرے وصف کے ذیل میں اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

(۹) نواں وصف مقصد کی دُھن اور دعوت و تبلیغ کے لئے ان تھک کوشش ہے تو آپ کی ساری زندگی اور زندگی کے سب لمحات اسی کام کے لئے وقف تھے۔ وفات کے وقت جب کہ نزع کا عالم طاری تھا حضرت عائشہؓ کے زانو پر آپؐ کا سر مبارک تھا وہ فرماتی ہیں کہ اس وقت آپؐ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم[1] ۔ یعنی نماز کی پابندی رکھو اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے حقوق کی نگرانی رکھو۔

یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ آپؐ نے اس کو پہلے بیان نہ کیا ہو یا اس میں کوئی خفا یا ابہام رہ گیا ہو۔ اس لئے سکرات الموت کی شدید تکلیف کے وقت اس کے بیان کرنے کی فکر فرما رہے ہوں بلکہ یہ تو وہ مسئلہ ہے کہ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے بھی اس کے ہر پہلو کو واضح فرما دیا تھا۔ لیکن سید الرسل دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے بھی اس کی تاکید اس لئے فرما رہے ہیں کہ لوگ اس میں غفلت نہ برتیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ کلمات میں آپ کی زبانِ مبارک سے اس وقت تک سنتی رہی جب تک کہ آواز بند نہ ہوئی۔ یہ تھی وہ دھن اور لگن جو ایک رسول اور خصوصاً سید الرسل کے لئے امتیازی فضیلت تھی۔ یہ آپ کی تبلیغی زندگی تھی جس کا آغاز غار حرا سے ہوا[2] اور آخری لمحات تک اسکی ادائیگی ہوتی رہی۔

آپؐ کی ان تبلیغی مساعی کے نتائج و ثمرات خود آپؐ کی زندگی میں ہی حاصل

---

[1] سیرت النبیؐ ج ۲ شبلی ص ۱۸۴ بحوالہ الادب المفرد بخاری، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا۔

[2] دعوتِ عام کا حکم بعد میں ملا مگر دعوت الی الحق پر مامور غارِ حرا میں کیا گیا (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے تھے اسلامی ریاست اپنی پوری شان اور عظمت کے ساتھ قائم ہو ئی دین کو غلبہ حاصل ہوا اور کفر و باطل سرنگوں ہو گئے تھے۔ تبلیغ و دعوت کا دائرہ نہ صرف مکہ مدینہ بلکہ عرب اور عرب سے باہر کی دنیا تک وسیع ہو گیا اور آپؐ جس منصب پر فائز کئے گئے تھے اس کا حق آپؐ نے بدرجہ اتم اور اپنی ساری شرائط کے ساتھ ادا کر دیا۔ آپؐ نے دعوتِ حق کو من وعن لوگوں تک پہنچا دیا۔ اور اس پر ان کی گواہی بھی لے لی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ زبانیں یہ اقرار کر رہی تھیں کہ:

نشھد انک قد ادیت الامانۃ وبلغت الرسالۃ ونصحت

ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں (اور قیامت کے دن بھی دیں گے) کہ آپؐ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپؐ نے حقِ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:۔ اللھم اشھد! اللھم اشھد! اللھم اشھد![1] خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! (کہ تیرے یہ بندے کس طرح صاف گواہی دے رہے ہیں کہ میں نے حق رسالت ادا کر دیا ہے)

(۴۷)

پیغمبرانہ کام[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس مہتم بالشان

---

[1] صحیح مسلم، ابوداؤد۔

[2] یہ مضمون سیرت النبی ج ۴ (ص ۳۹۸ تا ۴۰۴) سے ماخوذ ہے۔ از سید سلیمان ندوی مرحوم۔ اعظم گڈھ ۱۹۵۹ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن وہ بھی جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے۔ پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف و شفاف ہوتے گئے۔ اور عوائق، موانع، شہادت، اور شکوک کی تہ بہ تہ ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب، اور عملی جماعت، خدا پرستی اخلاق، ایثار، تدین، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا۔ اور گویا یہی حقیقت تھی جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الوداع) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا:

الا ان الزمان قد استدار کہیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض (بخاری)	ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپؐ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پر درد وداعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے تھے قد ترکتم علی البیضاء لیلھا کنھارھا (میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اسکی رات بھی دن کے مانند ہے) اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ "آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔"[۲]

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائیدی شہادت بہت کم ملتی ہے لکھتے ہیں:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"محمدؐ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر کیا گیا تھا بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔" [۳]

ایک دور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جس کا علم عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے۔ خود ایک عرب عیسائی اہل قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے۔ بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داور مجاعص) نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس[۴] کے مختصر زمانہ میں ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت اور نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون بدل دیا، اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی لیکن ان تمام کارناموں کے باجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبد اللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا۔ اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جنکی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آ سکتی

---

[۱] سنن ابن ماجہ ابواب سنت و بدعت و مستدرک صالح جلد اول ص ۹۶ و مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۲۶ [۲] مائدہ ۱ [۳] لائف آف محمدؐ مارگولیتھ ص ۴۷۱ [۴] مراد ہے مدنی زندگی (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام انسانی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں، اپنی اُمّت پر زکواۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآنی زبان کو دُنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنا دیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے۔ اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے آسان کر دیا، نامسلموں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ "تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے"۔ خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے۔ عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے۔ بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مومن کا گمشدہ مال قرار دیا۔ اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا۔ کیا ان کارناموں کا انسان دُنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا؟"

انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنے "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہبوں کے بانیوں میں صرف محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا مضمون نگار آپؐ کی نسبت کہتا ہے۔ "قرآن اس شخص (محمدؐ) کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔ جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا"[1]

الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاءؑ میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہو گئی ہو اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی۔ اگر انسان کی عملی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی۔ حالانکہ آپ نے فرمایا کہ "میرے بعد کوئی نبی نہیں میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں"[2]

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے دور میں بھی تعجب ہوتا تھا۔ بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاق کیا کہ "تمھارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تک کہ تم کو قضائے حاجت کیونکر کرنی چاہیئے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا "ہاں یہ سچ ہے۔ آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رُخ نہ بیٹھیں اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں اور جن میں کوئی ہڈی یا گوبر نہ ہو"[3]

نبوت محمدیؐ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ طبع یازدہم، مضمون "قرآن" ج ۵، ص ۸۹۸۔

[2] صحیح بخاری، جلد اول باب خاتم النبیین و جامع ترمذی کتاب الامثال۔

[3] جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ کتاب الطہارت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہو۔ عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بعثت تھی اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کے برابر ہدایات ہیں۔ آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے۔ اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لئے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت نہیں پیش آتی۔ لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیسا کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں۔ عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں۔ اخلاق ہوں کہ آدابِ تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ، سب کا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

آپ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر مشتمل ہے، اور انہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق اپنے خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا تعلق اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ ہے۔ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رُخ تو آسمان کی طرف ہے اور دُوسرا زمین کی سمت۔ اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے۔ خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حالات سے ہے تو اس کا نام عقیدہ ہے۔ اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائیداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے۔ باہم انسانوں انسانوں میں، یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ اور رابطہ ہے اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے اور اگر انکی حیثیت قانون کی نہیں۔ بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے اور دوسرے، تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے۔ اور ان ہی دونوں کے مجموعہ پر کامل نجات کا انحصار ہے۔ عمل صالح کی تین قسمیں ہیں خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل۔ بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانونِ الٰہی کی پابندی۔ اور ان کے ساتھ محبت، الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ۔ اور گو اس لحاظ سے ان میں سے ہر ایک عمل کو جسمیں خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے۔ الغرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے وہ انہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، انہی کی اصلاح تعلیم اور تکمیل کے لیئے آپ کی بعثت ہوئی اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ھیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی زندگی

(۱)

ایک عام جائزہ

o ــــ ڈاکٹر لبشارت علی

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت وہ ممتاز شخصیت ہے جن کے تفصیلی حالات قرآن نے بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ وہ نبی برحق ہیں جن کے ذریعہ انسان کو معاشرتی زندگی کا واضح ترین علم حاصل ہو سکا۔

انسان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ معاشرتی حیوان ہے اور بطور خود معاشرتی اور ثقافتی نظاموں کو وجود میں لا سکتا ہے۔ لیکن قرآن[۱] بتاتا ہے کہ بامعنی و بامقصد انداز میں انسان معاشرہ اور ثقافت کو قطعاً وجود میں نہیں لا سکتا۔ تاوقتیکہ وہ خدائی احکام کی پیروی نہ کرے پھر احکام کا موجود ہونا بجائے خود کافی نہیں تاوقتیکہ نمونہ موجود نہ ہو۔ یہ نمونہ[۲] نبی کے عمل وکردار میں موجود ہوتا ہے۔ وہ قرآنی احکام کی پابندی اور عمل سے خود نمونۂ مجسم بن جاتا ہے جس کو دیکھ کر لوگ معاشرہ، ادارے اور ثقافت سب اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ پھر ہر شخص دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتا ہے اس طرح معاشرہ بھی تسلسل کے ساتھ نمونے کی اساس پر ڈھل کر ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ کی منتقلی کا یہ سلسلہ پیہم اگر منقطع ہو جاتا

---

[۱] نحل آیت ۶۶ تا ۷۰ [۲] احزاب - آیت - ۲۱۸

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے تو ظاہر ہے کہ معاشرہ، اس کے افراد اور ثقافتی نظام سب ایک ایک کر کے مٹ جاتے ہیں۔

جس طرح معاشرہ اور ثقافت الٰہی رشد و ہدایت کے اتباع اور عمل کے بغیر نہیں بن سکتے۔ اس طرح یہ ممکن نہیں کہ یہ دونوں بغیر نمونے کے صحیح اساس پہ ڈھل سکیں اور فروغ پا سکیں۔ اس لئے ہادی و مرسل اس بات پر مکلّف ہے کہ وہ جس معاشرہ اور ثقافت کو وجود میں لانا چاہتا ہے اس کے ہر جزو و کل کو عملاً پیش کرے چنانچہ حضورؐ نے مہد سے لے کر لحد تک کی زندگی کے تمام مراحل کا، خواہ ان کا تعلق افراد سے ہو یا معاشرے اور ذرائع سے ہے، عملی نمونہ بنا کر پیش کر دیا۔ اس قسم کا مکمل نمونہ سوائے حضورؐ کے کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں مل سکتا۔ منجملہ اور وجوہ کے ایک وجہ ادیانِ سابقہ کے منسوخ کئے جانے کی یہی تھی کہ قرآن سے پیشتر تمام صحیفے اور ان کے متعلقہ مرسلین کی زندگی معاشرتی، ثقافتی، علمی، معاشی اور روحانی نمونے بہم پہنچانے سے خالی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پیشتر کی زندگی بھی اگرچہ قرآن کے نزول سے قبل کی زندگی ہے لیکن اس کا ہر پہلو قرآن کے ہم معنی اور ہم زبان ہے۔ نزولِ قرآن اور بعثتِ رسول سے پیشتر یہ کہنا تو مناسب نہ ہوگا کہ معاشرتی افکار موجود نہ تھے یا معاشرتی نظاموں کا وجود نہ تھا لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علمی دستاویزی اور معنوی انداز میں کوئی معاشرتی اور ثقافتی ضابطہ موجود نہ تھا۔ قرآن وہ پہلا معاشرتی اور ثقافتی قانون ہے جس کی عین مطابقت میں حضورؐ نے مدینہ کا پہلا عملی اور اصلاحی نظامِ معاشرت قائم فرمایا۔ قرآن کا قانون اور اس کی اساس پر معاشرے و ثقافت کا عملی نظام جو مدینہ میں پہلی بار قائم ہوا، دونوں رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ و مثال بن گئے۔ اس معاشرتی اور ثقافتی نظام کی معنوی اور وجودی اساس توحید قرار پائی۔

زندگی کے مقصدیت اور بامعنی ہونے کا تصوّر بعثتِ نبویؐ سے پہلے دنیا میں شاید ہی موجود ہو۔ زندگی لہو و لعب کا نام نہیں ہے۔ حصولِ مقصد کے لئے زندگی عطا کی گئی ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے۔ جس کا ثبوت حضورؐ کی ابتدائی زندگی سے ملتا ہے۔ مراسم جہالت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور لہو ولعب سے فطری طور پر حضورؐ مجتنب رہے۔ یہ اجتناب خود اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آئندہ کا معاشرتی وثقافتی نظام نہ صرف با مقصد اور عینی ہو گا۔ بلکہ اس کا ہر پہلو علم اور سائنس کی حقیقتوں سے مالا مال ہو گا۔ حضورؐ کی زندگی ابتدا ہی سے ان حقائق سے معمور رہی۔ چونکہ دوسرے معاشرتی وثقافتی نظام لاعلمی (جہالت) اور مقصد ومعانی سے بے نیاز ہو کر وجود میں آئے تھے اس لئے وہ ابتدا ہی سے اسلام کے بامعنی اور علمی اساس پر شیرازہ بند نظام سے ٹکراتے رہے۔ مخالفت کا یہ سلسلہ حضورؐ کی ابتدائی زندگی سے شروع ہو کر آخرت وقت تک جاری رہا۔ یہ اس امر کا اظہار ہے کہ اسلام اور اسلام کے خلاف معاشرتی اور ثقافتی نظام کی ہمیشہ مخالفت جاری رہے گی۔

دنیا کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی اپنی نظیر آپ ہے کہ ماحول اگر ناسازگار اور مخالف ہو لیکن اس کے باوجود ایک مثالی معاشرہ اور ثقافتی نظام کا وجود میں لانا مقصود ہو تو اس مقصد کے لئے ترک وطن اور ہجرت لازمی قرار پاتے ہیں۔ دور جدید کے معاشرتی مسائل میں ہجرت اور ترک وطن بھی بڑے اہم ———— مسائل میں سے ایک ہے۔ اسلام میں دور جدید کے مادی، حسّی اور لذّتی مقاصد کے مقابل ہجرت کا ہر پہلو دعوت حق کے اعلیٰ مقصد کے تحت ہے۔ ہجرت کے فوری بعد جو معاشرتی اور ثقافتی کارنامہ حضورؐ نے انجام دیا وہ ایک اسلامی معاشرہ کا قیام ہے جس کا ہر پہلو عدل وتوازن سے آراستہ تھا اور جس میں دنیا ودین کی قدریں انضمامی انداز میں ترتیب وارتباط کے ساتھ یکجا کردی گئی تھیں۔

ثقافت اور معاشرتی نظاموں میں استواری اور توازن واستحکام اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ان کی شیرازہ بندی اداراتی انداز میں نہ کی جائے چنانچہ اسلام کا بنیادی ادارہ جس کو اسلام کے معاشرتی اور ثقافتی نظام میں وجودی اور اداراتی حیثیت حاصل ہے وہ مسجد ہے اس میں تمام ادارے ضم ہیں۔ تمام ادارے اسی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرکزی ادارہ کے اطراف گھومتے ہیں۔ اور اپنے انفرادی وجود اور کارکردگی کو باقی رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی مسجد بحیثیت ادارہ جن مقاصد کی تکمیل کے لئے وجود میں لائی گئی ان کی عام اشاعت کے لیے اذان کا طریقہ رائج کیا گیا منجملہ اور مقاصد کے مسجد کا سب سے اہم وظیفہ عبادت اور خدا کی پرستش ہے تاکہ انسانی شخصیت، ادارے، معاشرے اور ثقافت قرآن کے معنوی نظام کی اساس پر مکمل ہوتے چلے جائیں۔ عبادت کا وظیفہ مسلسل بھی ہے اور ہمہ وقتی بھی اس لیے اس وظیفہ کی بجا آوری کے لئے صبح سے لے کر رات تک پانچ مرتبہ امت کے مرکز یعنی مسجد میں جمع ہونے کے لئے اذان کے نشر کا طریقہ اسلام کا ایک انوکھا طریقہ ہے۔ نشر کا مرکزی خیال توحید ہے اس کا معاشرتی مقصد یہ ہے کہ مختلف المزاج افراد میں اخوت، مودت اور محبت کے ذریعہ اجتماعی احساس، اجتماعی خودی اور اجتماعی عمل کو بیدار کیا جائے اور اس طرح ان میں وحدت فکر، وحدتِ خیال اور وحدتِ عمل کے ذریعہ حقیقتاً توحید کا مظہر اور ایک ہونے کے تصور کو اجاگر کیا جائے۔

مسجد عبادت گاہ کے علاوہ ایک کمیونٹی سینٹر یا ثقافتی مرکز بھی ہوتی ہے جس میں تمام اہل محلہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز زیادہ ترقی دیتی ہے حضورؐ کے دور مبارک میں مسجدوں کا جال بچھ چکا تھا۔ مدینہ کے اندر اگر نو مسجدیں تھیں تو مختلف قبائل کی جداگانہ مسجدیں علیحدہ ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھیں اور اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ مزید مساجد عرب کے گوشہ گوشہ میں بنتی جاتی تھیں عبادات ومعاملات کا جو ربط وتعلق باہمی ہے اس سے اسلام کی وحدانیت، کلیت اور شمالی انضمامی کیفیت کا پتہ چلتا ہے عبادات ومعاملات کے مشترک اور مزوج ہونے سے دین ودنیا، مذہب ومعاشرت، روحانیت اور ثقافت کے ایک ہونے کا تصور پختہ ہو جاتا ہے معاملات میں، وراثت، نکاح وطلاق، قصاص وتعزیرات کے احکام بڑی اہمیت رکھتے ہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انہیں کی ترکیب و توام پذیری سے معاشرے اور ثقافت میں استحکام اور توازن پیدا ہوتا ہے اگر ان میں ربط و توازن باقی نہ رہے تو معاشرہ اور ثقافت میں بھی انتشار اور پراگندگی پیدا ہونے لگتی ہے اور بروقت مدافعت نہ کی جائے تو معاشرہ اور ثقافت برباد ہو جاتے ہیں، احکام وراثت کے بعد وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین کی حق تلفی کا اندیشہ تھا اس لئے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی اس کا مدعا یہ ہے کہ وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں اسی طرح وقف بھی شریعت اسلامی کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ شاہ ولی اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے۔ وقف اپنے منشا اور عمل کے اعتبار سے معاشرتی عمل اور ثقافتی متضمنات کا حامل ہے اس کا مدعا معاشرتی و ثقافتی واجبات کو آگے بڑھانا اور واقف اور وقف سے استفادہ کرنے والی جماعتوں اور افراد کے درمیان اجتماعی احساس اور اجتماعی عمل کو بیدار کرنا ہے، وصیت اور وقف کا تعلق اگر معاشی اصلاحات اور عوامی معاشی کفالت سے ہے تو نکاح و طلاق کے مسائل براہ راست معاشرے و ثقافت کی اس اکائی سے متعلق ہیں جس کو خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نکاح و طلاق کا عمل انفرادی ہے لیکن اپنے اثر و نفوذ کے اعتبار سے اس کے تمام تر نتائج کا اثر معاشرت و ثقافت پر پڑتا ہے اس لئے مستحکم انداز میں ان کا طے کیا جانا ضروری ہے۔ ایام جہالت میں نکاح کے جو طریقے رائج تھے ایک کے سوا سب زنا کے مشابہ تھے یہ طریقے معہ متعہ کے حرام کئے گئے تعزیرات کے سلسلے میں سب سے اہم بات انسان کی جان کی حرمت کا حکم ہے زنا اور شراب کے حرام کئے جانے کو بھی اسی شق میں شامل کرنا چاہیئے۔ زنا اور شراب سے افراد معاشرہ اور ثقافت کو جو نقصان عظیم پہنچتا ہے اس کا اندازہ لگانا حیطۂ امکان سے باہر ہے عرب کے علاوہ دوسری قوموں کے ہاں بھی کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ اب ہے مردار، حشرات الارض، سور کا گوشت غرض ہر چیز کھاتے تھے۔ حلال و حرام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا امتیاز اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ مکروہ اور حرام چیزوں کے کھانے سے جو اخلاقی، معاشرتی، نفسی اور ثقافتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے جو دور جدید کی تحقیقات کے ذریعہ آشکارا ہوئے ہیں۔ چار چیزیں مردار، خون، سور اور بتوں پر چڑھائی ہوئی ساری چیزیں اور کھانے حرام کیئے گئے اس کے علاوہ گدھا، درندہ، جانور اور پنجہ دار پرندے بھی حرام ہیں۔ اغذیہ اور لباس کا اثر انسان کے کردار اور نفسی اعمال کے سوا معاشرت اور ثقافت پر پڑتا ہے ان تمام نکات کو حلال و حرام کے ذریعہ طے کیا گیا اسلام کے اس احسان عظیم کو آج کی دنیا نے تسلیم کرتے ہوئے اس مسئلہ کو واضح کیا ہے کہ غذا اور لباس کے دور رس نفسی اور اخلاقی اثرات کیا ہیں لباس اور غذا ہی کے نتیجے کے طور پر انسانی شخصیت، معاشرت اور ثقافت یا تو ترقی کرتے ہیں یا ہبوط اور زوال میں مبتلا ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔

اسی طرح سود کے حرام کیئے جانے کے منجملہ اسباب میں معاشرے اور ثقافت کو بربادی اور بدنظمی سے بچانا تھا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔

اسلام چونکہ ایک آئیڈیل بھی ہے اور ایک جانچ بھی اس لیئے وہ تمام قومیں اور تہذیبیں اس سے ٹکراتی رہیں گی جن کی وجودی علت کوئی آئیڈیالوجی ہوا کرتی ہے۔ اسلام کے آئیڈیل ہونے کی وجہ اس کا توحید کا نظریہ ہے جو افراد، معاشرہ، ثقافت، ادارات، معتقدات اور روحانیت کا مرکزی نقطہ ہے۔ توحید کے معنوی اور وجودی اساس پر جینا کوئی آسان بات نہیں ہے اس لیئے جہاد کو ایک معاشرتی وظیفہ اور لازمی عمل قرار دیا گیا ہے۔ جہاد کا یہ لزوم جہاد کی فرضیت پر دال ہے۔ اسلام اور اسلامی ثقافت کے بقاء و ارتقاء میں جہاد کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس کا عملی ثبوت غزوات اور سرایا سے لگایا جا سکتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی زندگی کا ایک اہم کارنامہ تبلیغ اور بالخصوص سلاطین کو اسلام کی دعوت دینا ہے۔ آپ کا یہ سارا عمل قرآن کی آیت ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ[1] کی عملی تفسیر ہے نیز اسلام کی اشاعت سے اسلامی ثقافت کی حرکی شان بھی بڑھ جاتی ہے۔

علم عمرانیات اور عمرانیاتی مصالح کے اعتبار سے فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا، عمرانیات کا ایک ایسا صحیفہ ہے جو یادگار رہے گا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاخر لغویات جاہلیہ" اور ان سب کے علاوہ انتقام اور خون بہا کے بہیمانہ طریقہ کو منسوخ فرما دیا۔ عرب دنیا، نسل، قوم اور خاندان کے امتیاز کی بنا پر مختلف طبقات میں بٹ گئی تھی۔ اس کی وجہ سے تشتت اور پراگندگی کی گرم بازاری تھی۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان مساوات عام کا قائم کرنا اور انسانوں اور انسانوں کے درمیان رنگ ونسل وغیرہ کی بنیادوں پر امتیاز کو ختم کرنا ہے۔ فتح مکہ کا مقصد روحانی تھا۔ کفر، شرک اور بت پرستی کے سارے آثار مٹا کر اشاعت توحید اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع بھی انسانی منشور آزادی اور عمرانی قوانین کا وہ دائمی ضابطہ ہے جس کی نظیر تاریخ انسانیت میں نہیں مل سکتی اس خطبہ کا ایک ایک جملہ اپنے اندر معانی کا ایک بحر ناپیدا کنار رکھتا ہے اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔" اس اعلان نے گویا اصول طے کر دیا کہ معاشرے میں رسوم جاہلیت کا استیصال ضروری ہے۔ فضیلت کا تمام تر انحصار تقویٰ پر رکھ کر باقی تمام امتیازات کو مٹا دیا گیا پھر معاشرے کے جملہ افراد، جماعات اور ادارات کے جان ومال اور آبرو کے تحفظ

---

[1] نحل ۱۲۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بقا کی ضمانت بھی دی گئی۔ کیونکہ اس استحکام و کفالت کے بغیر مودّت، اخوّت یگانگت، تالیفِ قلبی، اجتماعی عمل، اجتماعی احساس اور تعاونِ باہمی کے تمام رشتے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(۲)
نبی اپنے گھر میں[1]

امین احسن اصلاحی

ایک شخص کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے باہر کی زندگی میں ظاہرداری کی چادر اوڑھ کر نکلتا ہو۔ اور جو کچھ حقیقت میں وہ ہے اس سے بالکل مختلف شکل و صورت میں اپنے آپکو پیش کرتا ہو۔ لیکن گھر کی زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا کوئی پردہ ڈالنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اوّل تو کوئی شخص اس قسم کوشش کرتا ہی نہیں اور اگر وہ کرے تو اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لئے بہترین کسوٹی اس کے گھر کی زندگی ہے وہاں اس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کی سیرت کیا ہے؟ جس خداترسی اور تقوے کا درس وہ باہر دے رہا ہے اس پر وہ اپنے گھر کے اندر کتنا عامل ہے؟ جس اتباعِ کتاب و سنت کا وعظ وہ دوسروں کو سنا رہا ہے اس پر وہ خود کس قدر عمل کرتا ہے۔ اور

[1] یہ مضمون ماہنامہ فاران (سیرت نمبر ج ۲، شمارہ ۱۰ مطابق جنوری ۱۹۵۶ء، طبع دوم، ص ۴۴۳، تا ۴۴۴) سے ماخوذ ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے بیوی بچوں سے کس قدر ان پر عمل کراتا ہے؟ جس دین کی اقامت کے لئے وہ خدائی فوج اپنا ہوا ہے سارے جہان سے لڑ رہا ہے اس دین کو وہ اپنے گھر کے اندر کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے؟ جس سادگی، جس ایثار، جس قناعت، جس صبر اور جس اخلاص و دیانت کا وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے اس کا جمال خود اس کی گھریلو زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے؟ اگر فی الواقع کوئی شخص اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو بلاشبہ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پورے اترنے والے کی اخلاقی عظمت کا اور اس کی سچائی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے تو آپ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن آپ اس کو محض ایک مصنوعی یا ایک بے کردار آدمی نہیں قرار دے سکتے۔

اب ہم اسی کسوٹی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جانچیں گے اور دیکھیں گے کہ آپ کی باہر کی دعوت اور گھر کی زندگی میں کس حد تک مطابقت ہے۔ خوش قسمتی سے صرف آپ ہی کی زندگی ایک ایسی زندگی ہے کہ جس کا ہر حصہ دنیا کے سامنے ہے۔

آپ نے اپنی زندگی پرائیویٹ اور پبلک کے دو حصوں میں تقسیم نہیں کی تھی، بلکہ آپ کی زندگی کا ہر حصہ پبلک کے لئے کھلا ہوا تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا کہ لوگ صرف آپ کی پبلک زندگی ہی کو دیکھیں۔ آپ کی نجی زندگی کا تجسس نہ کریں۔ بلکہ آپ نے اپنی پبلک اور اپنی نجی دونوں زندگیاں ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح نہ صرف اپنے دوستوں کے سامنے بلکہ اپنے دشمنوں کے سامنے بھی رکھ دیں کہ لوگ چاہیں تو ان کو اسوۂ حسنہ بنائیں اور چاہیں تو بے خوف و خطر اس پر حرف گیری کریں اگر حرف گیری کی گنجائش پائیں۔

دنیا میں دوسروں کی بیویاں ان کی گھریلو زندگی کے رازوں کی امین ہوتی ہیں لیکن حضورؐ کی ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پبلک کے نمائندہ کی حیثیت سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کی گھریلو زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ رکھتی تھیں اور پوری دیانت وامانت کے ساتھ اس کو پبلک تک پہنچاتی تھیں۔ ایک ایسی زندگی جس کی جلوت وخلوت سب کچھ ہمارے سامنے ہے بہترین چیز اس مقصد کے لئے ہوسکتی ہے کہ ہم اس میں دیکھ سکیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں کس حد تک مطابقت پائی جاتی ہے!

اس مقصد کو سامنے رکھ کر میری کوشش یہ ہوگی کہ میں جس پہلو کو بھی نمایاں کروں اس کے لئے مواد استدلال اصلاً قرآن مجید سے اخذ کروں تاکہ آپؐ کی سیرت طیبہ کا مستند ترین حصہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے اس کا ایک جزو آپؐ کے سامنے آئے۔ اور اگر کہیں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی تو حدیث اور سیرت کے بیان کردہ واقعات سے بھی مدد لوں گا۔

اہل بیت کا مشغلہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ کے اہل بیت کا رات دن کا مشغلہ بھی وہی تھا جو خود حضورؐ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ یہ صورت نہیں تھی کہ آپؐ خود لوگوں کو بندگی رب اور اطاعت الٰہی کا وعظ سناتے رہیں اور آپؐ کے اہل بیت دنیا کی دلچسپیوں اور مادی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں۔ یا آپؐ باہر تو لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کی تلقین فرماتے ہوں اور گھر میں آکر اس تلقین کو بھول کر گھر کی دلچسپیوں اور راحتوں میں کھو جاتے ہوں۔ بلکہ آپؐ کا جو مشن باہر ہوتا تھا آپؐ اسی مشن کو لے کر گھر میں داخل ہوتے تھے۔ اور جس مبارک شغل میں خود اپنا وقت صرف فرماتے تھے اسی مبارک شغل میں آپؐ کے گھر والے بھی اپنا وقت بسر کرتے تھے۔!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک مشن سورہ جمعہ میں یوں بیان ہوا ہے:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"وہی ہے جس نے بھیجا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے
جو سُناتا ہے ان کو اللہ کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور
ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت۔" (جمعہ۔۲)

یعنیہ اسی مشن کی یاددہانی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروالوں کو اس وقت فرمائی ہے جب وقت کہ منافقین اور منافقات اس غرض کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے کہ کسی طرح آپؐ کی ازواج مطہرات کو اس اعلیٰ النصب العین سے ہٹا کر دُنیوی زخارف اور مادی لذتوں کی طرف مائل کریں۔ چنانچہ منافقوں کی بیویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے کانوں میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ آپ معزز اور امیر گھرانوں کی بیٹیاں ہیں۔ آپ لوگوں کی پرورش سرداروں کے گھروں میں عیش و آرام کے گہواروں میں ہوئی ہے۔ لیکن اس شخص نے آپ کو غربت و فلاکت کی زندگی میں لاکر ڈال دیا ہے۔ اگر آپ ان کی قید سے آزاد ہوتیں تو بڑے بڑے سرداران قبائل آپ کو نکاح کے پیغام دیتے۔ اور آپ کی زندگیاں بڑے عیش و آرام سے گذرتیں اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس سے بالاتر تھیں کہ اس قسم کے شیطانی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتیں۔ تاہم طبائع انسانی کی عام کمزوری کو سامنے رکھکر اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یاد دلایا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عظیم منصب پر سرفراز ہیں۔ اسی منصب کی ذمہ داریوں کے لئے اللہ نے ان کو چُنا ہے اور اس دُنیا کی کوئی عزت و شوکت اس منصب کی عزت و شوکت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ فرمایا:

"اسے نبیؐ کی بیویو! اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو تم عام
عورتوں کے مانند نہیں ہو۔ پس تم اپنے لہجہ میں ایسی نرمی اختیار
کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے
اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہا کرو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور گزرے ہوئے زمانۂ جاہلیت کی سی نمائش نہ کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے دنیا کی آلائش دور رکھے۔ اے نبیؐ کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح پاک کرے اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کا پرچار کرو۔ اللہ لطیف و خبیر ہے۔!"

(احزاب: ۳۲ تا ۳۴)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو سنوارنے اور سدھارنے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا۔ اسی طرح آپؐ کے گھر والوں کو بھی اس لئے چنا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں آپ کا ہاتھ بٹائیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اونچا بنایا تاکہ سب لوگ ہادی و مرشد اور پیغمبر و امام کی حیثیت سے آپؐ کی پیروی کریں۔ اسی طرح آپؐ کی ازواج مطہرات کا درجہ بھی تمام امت کے مردوں اور عورتوں کے لیے امہات کا رکھا تاکہ سب لوگ ان کو اپنے لئے نمونہ مان کر ان سے زندگی کے وہ طریقے سیکھیں جو ان کو نبی صلعم سے معلوم ہوئے ہیں۔

جس طرح ان تعلیمات پر سب سے زیادہ اہتمام سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے جو آپؐ دوسروں کو دیتے تھے۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات اور اہلِ بیتِ نبوت پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ وہ اپنے گھر سے پھیلنے والے چشمۂ نور سے خود پہلے اچھی طرح منور ہوں پھر اس روشنی سے دوسروں کو منور کریں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے لئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ دُنیا کے زخارف، اس کو اپنی طرف مائل کریں اسی طرح آپؐ کے اہل بیت کے لئے بھی یہ بات پسند نہیں کی گئی کہ آلائش دُنیا کے چھینٹوں سے ان کے دامن آلودہ ہوں۔ اندر اور باہر دونوں جگہ کا حال یکسانی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور کامل مشابہت تھی جس اعلیٰ مقصد کے لیے حضورؐ نے اپنے دن رات ایک کر رکھے تھے۔ اسی اعلیٰ مقصد میں آپؐ کی ازواج مطہرات بھی دل و جان سے منہمک تھیں۔

شریر اور دنیا پرست لوگ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یکسوئی کو درہم برہم کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھاتے رہتے تھے لیکن اللہ کی تائید اور رہنمائی سے آپؐ ہمیشہ ان فتنوں سے محفوظ رہ کر اپنے کام میں لگے رہے۔ اسی طرح منافقین اور منافقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی یکسوئی میں بھی خلل انداز ہونے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھا اور دنیا کی دلفریبیاں ان کو صراط مستقیم سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

آزادانہ انتخاب:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے دنیا طلبی کی تمام رغبتوں اور سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہو کر محض اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور کتاب سنت کی تعلیم و دعوت کے لئے اپنے آپ کو جو وقف کر دیا تھا تو یہ کوئی مجبوری کا سودا نہ تھا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے مقدس شوہر چونکہ ایک خاص طرح کی زندگی اور ایک خاص قسم کے مشن پر مامور کر دیے گئے تھے اس وجہ سے ان کے لئے اب اس کے سوا کوئی راہ باقی ہی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ چار و ناچار اسی کام میں اپنے آپ کو بھی لگائیں اور طوعًا و کرہًا دنیا کی لذتوں اور راحتوں کے ارمانوں سے اپنے دل خالی کریں بلکہ یہ پاکیزہ زندگی انھوں نے آزادانہ انتخاب سے اختیار کی تھی، ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی، لیکن انھوں نے اس کو ٹھکرا دیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے لئے جو زندگی پسند کریں اس کا انتخاب کرلیں۔ انھوں نے ہر قیمت پر آپؐ کی رفاقت کو منتخب کر لیا۔

شریروں اور منافقوں نے ان کو طرح طرح سے غیر مطمئن کرنے کی کوشش کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان کے اس اطمینان اور اس سکونِ خاطر میں جوان کو نبی ﷺ کی صحبت میں حاصل تھا کوئی فرق نہ آیا جس زمانے میں منافقین کی ریشہ دوانیاں ازواج مطہرات کو غیر مطمئن کرنے کے لیے غیر معمولی طور پر بڑھ گئیں، آپ ﷺ نے حجت تمام کرنے کے لئے اپنی ازواج کو اس بات کا پورا پورا اختیار دے دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور زخارف دنیا میں سے کسی ایک چیز کا پوری یکسوئی اور دلجمعی سے انتخاب کرلیں۔ اگر انھیں دنیا اور دنیا کی راحتوں اور لذتوں کی خواہش ہے تو اللہ کا رسول ﷺ اس بات کے لیے تیار ہے کہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ اُن کو اُن کے حقوق دے دلا کر رخصت کردے اور اگر وہ دنیا پر لات مار کر رسول کی صحبت و معیت اور اقامت دین کے اس جہاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتی ہیں تو پھر اس زہد و قناعت کی زندگی پر ان کو قانع ہونا پڑے گا جو وہ گذار رہی ہیں۔

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ میں تمھیں تمھارے حقوق دے دلا دوں اور خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اور آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم میں سے خوبی طلب کرنے والیوں کے لئے، بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔" (احزاب: ۲۸-۲۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے کر ایک طرف تو ان کیلئے اس بات کا موقع بہم فرمایا کہ اگر وہ اقامتِ دین اور اعلائے کلمتہ اللہ کے اس جہاد و زہد و نفس کشی کی اس ریاضت میں آپ ﷺ کی شریک سفر رہنا چاہتی ہیں تو اپنے آزادانہ انتخاب و اختیار سے رہیں تاکہ اس جہاد و ریاضت کا جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والا ہے اس میں پوری پوری حصہ دار بن سکیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسری طرف آپؐ نے ان منافقین کے لیے بھی ان کی کوششوں کا نتیجہ دیکھ لینے کا ایک موقع بہم پہنچایا جو ایک عرصہ سے اس مہم میں لگے ہوئے تھے کہ آپؐ کی گھریلو زندگی میں کوئی بے اطمینانی اور انتشار پیدا کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے بعد قدرتی طور پر ان کو دلی خوشی ہوئی ہوگی کہ ایک لمبے عرصے تک فساد کی جو فصل وہ بوتے اور جس کو سینچتے رہے ہیں اب اس کے بار آور ہونے کا وقت آیا ہے۔ وہ متوقع ہوئے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو اکسانے اور ان کی موجودہ زندگی سے ان کو بیزار کرنے کی جد و جہد کرتے رہے ہیں اب اس کے نتائج کچھ نہ کچھ ضرور نکلیں گے۔ آپؐ کی ازواج میں سے سب نہیں تو بعض تو ضرور ہی اس اختیار کے بعد آپؐ کی رفاقت سے انکار کر دیں گی۔ اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور آپؐ کو ایذا پہنچانے کا نیا مواد ان کے ہاتھ آئے گا۔ لیکن ان کے چھکے چھوٹ گئے ہوں گے جب انھوں نے دیکھا ہو گا کہ اس اختیار کے پانے کے بعد آپؐ کی ازواج کا جذبہ اطاعت و انقیاد اور جوش محبت و وفاداری اور بڑھ گیا۔ اور ان میں سے ایک ایک نے صاف صاف الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا کہ :

"آپؐ کی غلامی کے آگے تمام دنیا کی سلطنت اور سارے کون و مکان کی سروری و سرداری بھی ہیچ ہے۔"

اس طرح یہ حقیقت مخالفین اور موافقین دونوں پر واضح ہو گئی کہ حضورؐ کی ازواج کی زندگیاں اس مقدس مشن کے ساتھ صرف اس لئے نہیں بندھی ہوئی تھیں کہ وہ حضورؐ کے رشتۂ ازدواج میں منسلک تھیں۔ بلکہ ان میں سے خود ہر ایک کا مطلوب حقیقی بھی یہی بن گیا تھا۔

بخاری میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ جب مذکورہ آیت تخییر اتری تو حضورؐ نے اپنی ازواج میں سے ایک

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا اور اس کا آغاز مجھ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تم اس کے جواب کے لئے جلدی کرو۔ اس کا جواب تم اپنے والدین سے مشورہ کے بعد مجھے دو اس کے بعد آپؐ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی میں نے عرض کی کہ اس میں ایسی کیا بات ہے جس کے بارے میں مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہو۔ میں دنیا اور اس کی زینتوں کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کی زندگی کو اختیار کرتی ہوں۔

پھر یہی سوال حضورؐ نے یکے بعد دیگرے اپنی تمام ازواج کے سامنے رکھا اور سب کا جواب وہی تھا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا اور اس کے سوا جواب اور ہو بھی کیا سکتا تھا سن و سال کے لحاظ سے دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کا ارمان ہو سکتا تھا لیکن جب عشقِ حق نے ان کو اس قدر دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب بنا دیا تھا کہ اللہ کی محبت اور رسول کی اطاعت پر سب کچھ قربان کر دینے میں زندگی کی حقیقی لذت محسوس کر رہی تھیں تو دوسروں کا جواب ان کے جواب سے کس طرح مختلف ہو سکتا تھا؟

بعض مستشرقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر "حرم" کی پھبتی چست کرتے ہیں۔ بعض آپؐ کی ازواج مطہرات کو قیدیوں سے تشبیہ دیتے ہیں ان کے خیال میں یہ "گرفتارانِ بلا" تھیں جو صرف اس لئے آپؐ کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں کہ ان کے لئے کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن کیا پوری "تاریخ انسانی" میں ایک مثال بھی ایسی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی نے اپنے قیدیوں کے سامنے آزادی کا یہ اختیار نامہ رکھا ہو جو حضورؐ نے رکھا۔ لیکن قیدیوں نے اس آزادی پر اس غلامی ہی کو ترجیح دی ہو؟

محبت، اعتماد اور خودداری کی فضا:

کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اگر حضورؐ اور حضورؐ کے اہل بیت نے دنیا کی جگہ آخرت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ثروت، امارت کی جگہ فقر، اور خدمتِ نفس کی جگہ خدمتِ انسانیت کے اس نصب العین کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کی گھریلو زندگی میں کوئی لذت و کیفیت، کوئی چہل پہل اور سرگرمی اور اتار چڑھاؤ کی کوئی نرمی و گرمی سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک ہموار زندگی تھی۔ ہر قسم کے نشیب و فراز سے خالی۔ ایک پرسکون ماحول تھا۔ ہر قسم کے جذبات کی مداخلت سے پاک اور محفوظ ایک بہتا ہوا دریا تھا ہر قسم کے تلاطم اور تموج سے یکسر ناآشنا۔ حضورؐ کی گھریلو زندگی کے متعلق جن لوگوں کا تصور یہ ہے اُن کا تصور نہایت غلط ہے۔ آپؐ کی باہر کی زندگی کی طرح آپؐ کی گھر کی بھی اُن تمام کیفیات سے معمور اور پُر رونق تھی جن سے انسانی زندگی کو معمور اور پُر رونق ہونا چاہیئے البتہ اس میں افراط و تفریط کی بے اعتدالیاں یا عیش دنیا کی خود فراموشیاں نہیں تھیں۔ آپؐ سوتے بھی تھے۔ جاگتے بھی تھے۔ آپؐ کھاتے بھی تھے اور بھوکے بھی رہتے تھے۔ آپؐ خوش بھی ہوتے تھے اور ناخوش بھی ہوتے تھے آپؐ پیار بھی کرتے تھے اور سرزنش بھی کرتے تھے غرض زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں۔ آپؐ کی گھریلو زندگی میں بھی وہ سارے پہلو پائے جاتے تھے۔ بس دوسروں کی زندگی سے اگر کوئی فرق تھا تو جیسا کہ عرض کیا گیا۔ یہ فرق تھا کہ یہ زندگی ایک مثالی زندگی تھی اس وجہ سے اس میں کوئی شئے نہ اپنے فطری حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی اور نہ اس سے پیچھے ہٹی ہوئی تھی اگر کوئی چیز ذرا بھی آگے پیچھے ہٹتی تو بہیلہ معلم الغیب کی طرف سے اس کی اصلاح کر دی جاتی۔

آپؐ اپنی ازواج پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات آپؐ ان کی دلداری کے خیال سے کوئی ایسی چیز کھانی چھوڑ دیتے جو خود آپ کو تو مرغوب ہوتی لیکن آپؐ کی ازواج میں سے کسی کے مذاق کے خلاف ہوتی۔ آپکی یہ شفقت و دلداری اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی لیکن ساتھ ہی اس امر سے آگاہ کر دیا کہ یہ چیز

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس حد تک نہیں بڑھنی چاہیئے کہ اس کے سبب سے کوئی جائز چیز ناجائز بن جائے۔ آپؐ اپنی ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے ان کو اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے اس لئے کہ اگر بیوی محرم راز نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن اگر بیویوں کی طرف سے ان رازوں کی حفاظت میں کوئی کوتاہی ہوتی تو اس پر آپؐ ان کو سرزنش بھی فرماتے تھے کیونکہ جس طرح شوہر کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی پر اعتماد کرے اسی طرح بیوی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امین بنے۔ اور اس میں کوئی خیانت نہ کرے۔

آپؐ اپنے بیوی بچوں کو سرزنش بھی فرماتے تھے۔ لیکن سرزنش کرنے کے معاملہ میں بھی حضورؐ کا ایک خاص انداز تھا۔ آپؐ اگر کسی بات پر سرزنش فرماتے تو اس طرح نہیں کہ جس کی سرزنش کی اس کے لتے لے ڈالے بلکہ اس طرح کہ مخاطب بات سمجھ بھی جائے اور اس پر کچھ زیادہ گراں بھی نہ گذرے۔ آپؐ کی ازواج کے باہمی تعلقات (معمولی فطری نسوانی جذبات رقابت کے ظہور کے سوا) نہایت خوشگوار تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے راز کی باتیں بھی ایک دوسرے پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں۔ اس چیز پر بھی حضورؐ نگاہ رکھتے تھے کہ نہ غیر معمولی اعتماد کسی بے راہ روی میں مبتلا کرے اور نہ بلاوجہ کی بے اعتمادی کسی خرابی کا باعث بنے حضورؐ کی ازواج کبھی کبھی خود حضورؐ کے مقابل میں اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں۔ اور حضورؐ اس کو بھی پسند فرماتے تھے بشرطیکہ یہ اپنی جائز حدود سے آگے نہ بڑھے۔

زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز جو حضورؐ کی گھریلو زندگی میں موجود تھے ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس کو انسانی زندگی کا بہترین مظہر کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں آپؐ کی گھریلو زندگی کے بعض مخفی گوشوں کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔ اگر آپؐ ان کی تہ میں اتر کر غور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کریں گے تو وہ ساری جھلکیاں آپؐ دیکھ لیں گے جو اوپر کی سطروں میں نمایاں ہوئی ہیں۔

"اے نبی! جو چیز اللہ نے تمھارے لئے جائز ٹھہرائی ہے اس کو اپنی بیویوں کی دلداری کے خیال سے اپنے لئے حرام کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تمھارے لئے تمھاری خلاف شرع قسموں کا توڑنا فرض ٹھہرایا ہے اور اللہ ہی تمھارا آقا د مولیٰ ہے اور وہ علم و حکمت والا ہے اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی تو جب ان بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتادی اور اللہ نے اس امر سے آپؐ کو آگاہ کردیا تو کچھ حصّہ کا آپ نے ذکر کیا اور کچھ حصّہ کو حذف کردیا تو جب آپؐ نے ان بیوی پر ظاہر کیا تو وہ بولیں کہ آپؐ کو اس چیز سے کس نے آگاہ کیا؟ آپؐ نے کہا مجھے خدائے علیم و خبیر نے آگاہ کیا۔ اگر تم دونوں بیویاں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمھارے شایان شان ہے کیونکہ تمھارے دل پہلے ہی اللہ کی طرف مائل ہیں اور اگر تم پیغمبر کے خلاف ایکا کروگی تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا مالک ہے اور جبریل اور تمام نیک مسلمان اور ملائکہ اس کے ساتھی ہیں۔

(تحریم: ۱ تا ۴)

ان آیات میں جس چیز کی تحریم کا ذکر ہے یا جس راز کی طرف اشارہ ہے ان کے درپے ہونے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے راز رکھیں ان کی کھوج کرید کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان کے کسی راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تو ہمارے لئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کسی طرح بھی جائز نہیں ہے لیکن ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے جو پہلو بالکل نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آ رہے ہیں انھیں ہمیں ضرور سمجھنا چاہیئے اُن سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوگا کہ حضورؐ کی گھر کی زندگی کوئی بے رنگ سپاٹ اور بے نشیب و فراز کی زندگی نہیں تھی بلکہ انسانی فطرت جن پاکیزہ تقاضوں اور جن خوبصورت داعیات سے مرکب ہے۔ ان کی دھوپ چھاؤں یہاں بھی موجود ہے مثلاً ان آیات کے عمق میں اتر کر غور کیجیئے تو مندرجہ ذیل باتیں نہایت واضح طور پر آپ کے سامنے آئیں گی۔

(۱) ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز حدود کے اندر اپنی ازواج کی دلداری فرماتے تھے۔ ان کے مذاق کا لحاظ رکھتے تھے اور ان کے جو مطالبے ہوتے حتی الامکان وہ پورے کر دیتے۔

(۲) دوسری یہ کہ آپؐ کی بیویاں آپؐ کی شریکِ رنج و راحت تھیں۔ آپ اُن سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ آپؐ ان کو اپنے رازوں کا امین بھی بناتے تھے۔

(۳) تیسری یہ کہ آپؐ کی بیویوں کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور اخلاص کے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی بتقاضائے فطرتِ انسانی ان میں سوکنوں کے سے جذبات بھی ابھر آتے تھے لیکن یہ عام حالت نہیں تھی۔ عام حالت اس قدر اعتماد و محبت کی تھی کہ ایک دوسرے کو شوہر کے راز سے بھی آگاہ کر دیتی تھیں حالانکہ سوکنوں میں یہ اخلاص بہت کم پایا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ آپؐ کی ازدواج کو اپنے گھروں میں جائز حد تک اپنی خودداری کے اظہار کا پورا پورا موقع حاصل تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا بھی کر لیتی تھیں۔ چونکہ یہ چیز محض بر بنائے محبت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتی تھی اس وجہ سے اس کو حضورؐ نے گوارا فرمایا صرف اس وقت اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا جب یہ اپنے فطری حدود سے بڑھتی نظر آئی۔

حضورؐ کی گھریلو زندگی کی یہ چند جھلکیاں ہیں قرآن مجید میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس کو ہم سیرت کی کتابوں میں دیکھیں تو وہاں ہر پہلو سے متعلق ہمیں پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے اس وجہ سے ہم صرف زاد المعاد کی مندرجہ ذیل چند سطروں پر قناعت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ نہایت محبت اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپؐ ان کو اُن کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑ دیتے اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپؐ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپؐ بھی اُس برتن سے اُن کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اُس ہڈی کو آپؐ بھی لے کر چوستے۔

ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبویؐ میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے لئے اس کا موقع پیدا کر دیا کہ وہ آپؐ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں دو مرتبہ آپؐ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔ اور میں اپنے گھر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

نمازِ عصر پڑھ کر آپؐ کا معمول تھا کہ آپؐ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور اُن کی خیریت دریافت کرتے۔ پھر شب میں جس کی باری ہوتی اُن کے یہاں قیام فرماتے[1]

محاسبہ

لیکن اس تمام اعتماد و محبت کے باوجود حضورؐ اپنے اہل بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ایک طرف شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے خادمِ خاص حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی (دوسری روایت میں نو ۹ سال کے الفاظ ہیں) لیکن حضورؐ نے میری کسی بات پر اُف تک نہیں کہا۔ اگر میں نے کوئی کام کر ڈالا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام میں نے نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ لیکن دوسری طرف محاسبہ کا یہ اہتمام تھا کہ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے ہو جاتی تو ناممکن تھا کہ وہ آپؐ کی گرفت سے بچ سکے۔ امہات المومنین کی یہ شہادت ہے کہ آپؐ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے کبھی کوئی باز پرس نہیں فرماتے تھے لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی پر ضرور باز پرس فرماتے۔ اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی نہیں بچ سکتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ آپؐ کو اور کون محبوب ہو سکتا تھا۔؟ ایک مرتبہ ان کی زبان سے حضرت صفیہؓ کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے کہ حسبک من صفیۃ کذا کذا (صفیہؓ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے) یہ بات ان کی زبان سے نکلنی تھی کہ آپؐ نے فوراً ان کو تنبیہہ فرمائی۔ اور جن الفاظ میں فرمائی ذرا ان کے تیور ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہوا:

---

[1] زاد المعاد۔ ابن قیم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لقد قلت کلمۃ لو مزجت بماء البحر لمزجتہ

عائشہ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے۔

حضورؐ کا محاسبہ بھی درحقیقت آپؐ کی محبت ہی کا ایک پہلو تھا جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ اپنے ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں میں تو بڑے سخت گیر اور تنگ مزاج ہوتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں۔ لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے رازدار اور فیاض ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں میں سے جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لئے جو چاہے کر گزرے انھیں کبھی ان کے ٹوکنے کی توفیق نہ ہوگی۔ حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کو نظر انداز کریں جو ان کی اپنی ذات کے معاملہ میں ہوں۔ اور ان باتوں پر گرفت کریں جن کا تعلق خود ان کی اپنی آخرت سے ہو۔ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا۔ آپؐ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لئے فکرمند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہونے پائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اونچا بنایا تھا اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بھاری تھیں۔ دوسروں کے مقابل میں ان کا اجر بھی دگنا تھا اور اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہو تو اس کی سزا بھی دگنی رکھی۔

"اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہوگی تو اس کو دہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے سہل بات ہے اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرتی رہیں گی۔ ہم ان کو ان کا اجر بھی دیں گے۔ اور ان کے لئے ہم نے رزق کریم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تیار کر رکھا ہے ۔ (احزاب : ۳۰-۳۱)

حضورؐ اپنے اہل بیت کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گرانبار رہتے تھے ۔ اور ہر وقت ان کو دنیا کی بجائے آخرت کی کامیابیوں کے لئے ابھارتے رہتے ۔ آپؐ جب شب کی نمازوں کے لئے اٹھتے تو آپؐ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپؐ کی بیویاں بھی اس سعادت میں حصہ لیں ۔ اور لبسا اوقات آپؐ اس کے لئے نہایت نرمی اور محبت سے ان کو شوق بھی دلاتے ۔ دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق بھی یاد دلاتے کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو ابھارتے اور کبھی کبھی سب کو جمع کر کے نام لے لے کر مخاطب فرماتے اور بتلاتے کہ اپنی آخرت کے لئے جو کچھ کر سکتی ہو کر لو ۔ میں وہاں تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا ۔

(۳)

اخلاق و عمل[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے ۔ انسانوں کے مجمع میں جو کچھ کہتے تھے گھر کے خلوت کدے میں بھی وہ اسی طرح نظر آتا تھا ۔ اخلاق و عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتے تھے خود اس کا عملی پیکر تھے ۔ حضرت عائشہؓ کا ارشاد یاد کرنے کے قابل ہے ان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القرآن[2] ۔ کہ آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا ۔ اور قرآن اس سلسلے میں یہ گواہی دیتا ہے کہ :

اے محمدؐ ! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو ۔	٥ ــــ انک لعلی خلق عظیم (قلم - ۴)

اور ظاہر ہے کہ اخلاق کا دائرہ محض رحم و رافت اور تواضع و خاکساری تک ہی

---

[1] یہ حصہ مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ ج ۲ (ص ۲۸۷ تا ۴۰۱) سے ماخوذ ہے جسے دراصل مولانا سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے ۔ اختصار کے ضمن میں جگہ جگہ معمولی تصرفات اور تلخیص مرتب کی ہے ۔ (اعظم گڑھ ۱۳۷۵ھ طبع پنجم) [2] ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی اللیل ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محدود نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی پوری معاشرتی زندگی پر محیط ہے۔ اس لئے آنحضرت کے اخلاق و عمل کا جائزہ لیتے وقت یہ نقطۂ نظر سامنے رہنا چاہیئے۔ مندرجہ ذیل شہادتیں اسی نقطۂ نظر کی تائید کرتی ہیں۔

(۱) حضرت خدیجہؓ ــــــ "آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں"۔[۱]

(۲) حضرت عائشہؓ ــــــ "آنحضرتؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔[۲] آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ ورنہ آپؐ اس سے بہت دُور ہوتے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا۔[۳] آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو،[۴] جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہ فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز نہ ہو۔[۵] آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔[۶] باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے"[۷]

(۳) حضرت علیؓ ــــــ "آپؐ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج

---

[۱] بخاری باب بدء الوحی [۲] جامع ترمذی و شمائل ترمذی [۳] بخاری، مسلم و ابوداؤد

یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی اس پر حد جاری فرماتے تھے۔

کتاب الادب [۴] مسلم ابوداؤد وغیرہ [۵] حاکم بہ سند متصل۔ اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں [۶] ابن سعد [۷] بخاری، مسلم، ابوداؤد

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور سخت دل نہ تھے۔ بات بات پر شور نہیں کرتے تھے۔ کوئی بُرا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے۔ کوئی آپؐ سے اسکی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں بالکل دُور کر دی تھیں۔ بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں سے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے۔ کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپؐ چُپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سُنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپؐ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے۔ کوئی باہر کا آدمی اگر بیباکی سے گفتگو کرتا تو آپؐ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آپؐ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چُپ نہ ہو جاتا آپؐ اسکی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے[۱] نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتہً آپؐ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا تھا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔[۲]

(۴) ہند بن ابی ہالہؓ ـــــ "آپؐ نرم خو تھے سخت مزاج نہ تھے کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے۔ کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے۔ اور اس کو بُرا بھلا نہ کہتے کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ کو غصہ آجاتا اور اس کی[۳] پوری حمایت

---

[۱] شمائل ترمذی [۲] شمائل ترمذی [۳] یعنی امر حق کی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا، اور نہ کسی سے انتقام لیا۔[1]

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ اپنے لئے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے۔ اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے۔ اور لوگ دیکھتے دیکھتے یقین کرلیں کہ اس شخص سے اسکے علاوہ کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقے سے جس وقت آپ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے۔ سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے۔ اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔ اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ کی استقامتِ حال اور مداومتِ عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں۔

آپ کے تمام اخلاق و اعمال اس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ برابر فرق نہیں پیدا ہوا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کسی خاص دن پر کرتے تھے انھوں نے جواب دیا لا کان عملہ دیمۃ آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کرلی ہمیشہ اس کی

---

[1] شمائل ترمذی [2] صحیح بخاری کتاب الرقاق

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پابندی کی۔ پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے؟[1] دوسری روایت میں ہے وکان اذا عمل عملاً اثبتہ[2] یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد ہے:[3]

ان احب العمل الی اللہ ادومہ	خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے۔

آپؐ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہیں کی۔ اگر کبھی مزاجِ اقدس ناساز یا سست ہوا تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے[4] جریر بن عبداللہؓ ایک صحابی ہیں جن کو دیکھ کر آپ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپؐ نے مسکرا نہ دیا ہو۔[5]

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپؐ نے مقرر کر لیا تھا اس میں کبھی تخلف نہ ہوا۔ نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات نوافل کی تعداد خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات۔ ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہ آیا۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپؐ کے کان میں کوئی بات کہتا تو اس وقت تک اسکی طرف سے منہ نہ پھیرتے جب تک کہ وہ خود منہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق۔ [2] ابوداؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب۔

[3] ایضاً [4] ابوداؤد، قیام اللیل [5] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبداللہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھا لیکن کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔[1]

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھوں نے اپنے صاحبزادہ قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس سے کہا کہ تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ، انھوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو یا گھر واپس جاؤ۔ وہ واپس چلے گئے۔[2]

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپؐ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفسِ نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گذاری کی ہے اس لئے میں خود ان کی خدمت گذاری کرنا چاہتا ہوں۔[3]

ابو شعیبؓ ایک انصاری تھے۔ ان کا غلام بازار میں گوشت کی دکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما تھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابو شعیبؓ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آنحضرتؐ نے ابو شعیبؓ سے کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ انھوں نے کہا ان کو بھی ساتھ لائیں۔[4]

---

[1] ابوداؤد و ترمذی [2] سنن ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ [3] شرح شفا قاضی عیاض بحوالہ دلائل بیہقی جلد ا اخلاق [4] بخاری

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عقبہ بن عامرؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جارہے تھے، یہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ "آؤ سوار ہو لو!" انھوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا۔ آنحضرتؐ اتر پڑے اور یہ سوار ہو لئے۔[1]

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔[2]

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا، اچھا آنے دو وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ لیکن جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا اور آپؐ سے دریافت فرمایا کہ آپؐ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا: خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔[3]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے۔ آپؐ نے ان کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں آپؐ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ آخر میں رضاعی بھائی آئے تو آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔[4]

---

[1] نسائی [2] ابوداؤد ج ۲ کتاب الادب [3] بخاری ابوداؤد، ج ۲، کتاب الادب باب حسن العشرہ باب الترجل۔ [4] ابوداؤد کتاب الادب برالوالدین۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت ابوذرؓ مشہور صحابی ہیں، ایک دفعہ ان کو بُلا بھیجا۔ تو وہ گھر میں نہیں ملے۔ تھوڑی دیر کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے تو آپؐ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔[1]

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپؐ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہاں گرو رکھی ہوئی تھی۔ لیکن ہر حال میں حسنِ معاملت کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے۔ اور اکثر ان ہی سے آپؐ قرض لیا کرتے تھے۔ یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہیں، آپؐ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

ایک دفعہ کسی سے اُونٹ قرض لیا۔ جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا، سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔[2]

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سو اتفاق سے وہ گم ہو گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔[3]

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آ کر فروکش ہوا۔ ایک سُرخ رنگ کا اُونٹ اس کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً ادھر سے آپؐ کا گذر ہوا۔ آپؐ نے اُونٹ کی قیمت پوچھی لوگوں نے قیمت بتائی، بے مول تول کئے آنحضرتؐ نے وہی قیمت منظور کر لی۔ اور اونٹ کو مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا۔ اور اس حماقت پر اب پورے قافلے کو ندامت تھی۔ قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی۔ اس نے کہا "مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا" یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا۔ رات

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب المعانقہ [2] ترمذی باب استقراض البعیر۔
[3] ترمذی ابواب الکلام۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوئی تو آپؐ نے ان کے لئے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔ [1]

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا، تمام صحابہؓ نے مل کر کھانا پکانے کا انتظام کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت نے اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے، فرمایا "ہاں سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم میں سے اپنے کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔ [2]

حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خبابؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا۔ اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بناء پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔ [3]

یہ چند واقعات ہم نے بطور مثال کے نقل کئے ہیں ورنہ سیرت میں اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں۔ ان واقعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق وعمل کے اعتبار سے کس درجہ پر فائز تھے۔ اور اپنی معاشرتی زندگی میں لوگوں کے لئے آپؐ نے کیا مثال قائم کی ہے۔

---

[1] دارقطنی ج ۲، ص ۳۰۸ کتاب البیوع

[2] مسند ابن حنبل ج ۶، ص ۱۸۷ [3] ابن سعد حصہ ششم ترجمہ بنت خباب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ازدواجی زندگی

(۱)

بعض[1] مغربی مؤرخین (مثلاً میور، درمنگھم، واشنگٹن اروِنگ، لامنس وغیرہ) متعدد نکاحوں کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کو داغدار سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں جس قناعت و زہد اور ولولۂ توحید کے ساتھ عورتوں کی طرف اپنی بے رغبتی کا ثبوت پیش کیا، مدینہ پہنچ کر اس میں زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اور آپ نے وہاں متعدد شادیاں محض شہوت سے مغلوب ہو کر کیں۔ اور نہ صرف ایسی عورتوں کو اپنے عقد میں لائے جن کے سر پر ان کے شوہر نہ تھے بلکہ شوہر دار بیویوں کو ان کے شوہروں سے طلاق دلوا کر اپنے حبالۂ عقد میں لانا شروع کیا۔[2]

ان اعتراضات کے جواب کے سلسلے میں چند تاریخی نکات اور حکمتیں قابلِ غور ہیں۔

(۱) جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ رسول اللہ نے متعدد شادیاں محض شہوت سے مغلوب ہو کر کیں تو یہ الزام ہمیں اس وقت بالکل بے بنیاد نظر آتا ہے جب ہم

---

[1] یہ مضمون مختلف تحریروں سے اخذ کر کے مرتب کیا گیا ہے دو کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا: (۱) حیات محمد از محمد حسین ہیکل مترجمہ ابویحییٰ امام خاں نوشہروی۔ لاہور ۱۹۵۳ء (ص ۶۷۴ تا ۷۰۵) (۲) سیرۃ النبی ج ۲۔ اعظم گڑھ ۱۳۴۵ھ (ص ۴۰۲ تا ۴۲۱) شبلی و سلیمان ندوی، تلخیص و ترتیب محمد کلیم [2] دیکھیے حیات محمد ص ۶۷۵، ۶۷۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں کی کیفیت اور حالات پر نظر کرتے ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان کی قوتِ شہوانیہ اپنے شباب پر اس وقت ہوتی ہے جب انسان پر بھی شباب آجاتا ہے۔ اس عمر میں وہ اپنی اس خواہش کی تسکین کے لئے ہر ممکن طریقے کو اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ امر التعجب انگیز ہے کہ اس عمر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات میں کسی قسم کا ہیجان نظر نہیں آتا بلکہ جب آپؐ نے پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کیا تو اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی اور آپؐ کے حرم میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ دو نکاح کر چکی تھیں۔ اور صاحبِ اولاد تھیں یہی نہیں اگلے ۲۵ سال کی رفاقت میں آپؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے دوسرا نکاح اس وقت کیا جب کہ آپؐ کی عمر پچاس سال سے زائد ہوگئی تھی۔ دوسرا نکاح حضرت سودہؓ سے ہوا یہ نہ تو صاحب جائداد تھیں اور نہ نوخیز دوشیزہ بلکہ ڈھلتی ہوئی عمر کی پچاس سالہ خاتون تھیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حسین وجمیل عورتوں کی پیش کش بھی بارہا ہوئی ہے مگر آپؐ نے ہمیشہ انکار فرما دیا۔ غرض کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے کوئی نکاح محض حسن وجمال کو معیار بنا کر کیا ہو۔

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معیار پسند ہی جداگانہ تھا۔ حضورؐ کے ہاں معیارِ پسند اور بنائے مدح وقبول نسوانیت، جمالِ ظاہر یا دولت وثروت میں سے کوئی صفت نہ تھی بلکہ یہ مجموعی صفات بھی سبب التفات نہ ہو سکتی تھیں۔ اصل مقصود دینی رفاقت اور دوسری حکمتیں تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہؓ کی توصیف میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں جب کہ دُنیا نے میرا انکار کیا۔ انھوں نے میری تصدیق کی جب دوسروں نے مجھے جھٹلایا۔ انھوں نے اپنے مال میں مجھے شریک بنا لیا جب دوسرے میرے سدِ راہ ہوئے۔ اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور کسی اور بیوی سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہیں دی۔[1] نیز جب مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ آپؐ کو پہنچتا تھا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دُور ہوجاتا تھا۔[2] اسی طرح حضرت عائشہؓ سے محبت اور لگاؤ کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپؓ کمسن تھیں یا آپؓ میں حسن و جمال کی دل فریبی تھی بلکہ حضرت عائشہؓ سے محبت کا اصل سبب ان کی زیرکی و زود فہمی عقلمندی اور ذہانت تھی۔ جس کے ذریعہ وہ فہم دین میں تمام ازواج سے آگے بڑھی ہوئی تھیں۔

(۲) کثرتِ ازدواج کے پردہ میں بعض دینی مصالح اور حکمتیں پوشیدہ تھیں مثلاً:

(ا) آپؐ کی ازدواجی، عائلی، معاشرتی اور پرائیوٹ زندگی کے حالات بالخصوص دونوں صنفوں کا باہمی تعلق اور برتاؤ کی کیفیت و نوعیت، عورتوں کے مخصوص مسائل وغیرہ کی اطلاع، اور تعلیم واشاعت کا ذریعہ یہی ازواجِ مطہرات تھیں۔ اگر یہ ازواجِ مطہرات آپؐ کی ہر وقت کی زندگی کی رپورٹر اور بیان کرنے والی نہ ہوتیں تو تعلیماتِ نبویؐ کا ایک اہم حصہ اُمت کے سامنے نہ آسکتا۔ اور تمدنی و معاشرتی زندگی میں زبردست خلاء باقی رہتا۔

(ب) آپؐ نے جن خواتین سے نکاح کیے ان میں سوائے حضرت عائشہؓ کے تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ اور صاحبِ اولاد تھیں۔ یا اُن کے شوہر غزوات میں شہید ہوگئے تھے۔ آپؐ نے ان سے شادی کر کے یہ ثابت فرمادیا کہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ میں مسکین دبے نوا، ناتواں و محتاج اور بے کس و بے بس انسانوں کا مونس و غمخوار اور ایسی عورتوں کا ہمدرد ہوں جو اپنا سہارا کھوچکی ہیں اور تلاطمِ حیات میں حیران و سرگرداں ہیں۔ نیز اس سے عقدِ بیوگان کی اہمیت کو واضح کرنا بھی مقصود تھا اور ایک طور پر سرفروشانِ اسلام کی دلجوئی بھی مقصود تھی کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید ہوجائے تو اسے اپنے پسماندگان پر اس وجہ سے نہ ڈرنا چاہیے کہ اُنکی

---

[1] سیرتِ عائشہؓ [2] سیر الصحابیات ص ۷، سعید انصاری۔ اعظم گڑھ ۱۹۵۲ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مفارقت سے وہ فاقوں میں گھر جائیں گے۔[1]

(ج) متعدد نکاح کر کے آپؐ نے عرب کی بعض مذموم رسوم کا خاتمہ کر دیا مثلاً عربوں میں ایسے دوست کی لڑکی سے نکاح ناجائز تصور کیا جاتا تھا جو بمنزلہ بھائی کے ہو۔ اسلام کے بعد تو ہر مسلمان بھائی بھائی تھا اس لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اپنے حرم میں داخل کرنے کے لئے حضرت ابو بکرؓ کے پاس پیغام بھیجا تو انھیں تذبذب اسی لئے تھا کہ رسول اللہ کے ساتھ ان کا جو تعلق تھا وہ بمنزلہ بھائی کے تھا۔ اور اس رشتہ سے حضرت عائشہ حضورؐ کی بھتیجی ہوتی تھیں۔ جب حضورؐ کو حضرت ابو بکرؓ کے اس خیال کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا ابو بکرؓ میرے دینی بھائی ہیں۔ (یعنی کوئی خونی رشتہ نہیں ہے) اس خیال کی تردید کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت صدیقہؓ کی شادی پر رضامند ہو گئے۔ اسی طرح عرب میں متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کرنا ناجائز اور حرام سمجھا جاتا تھا لیکن حضورؐ نے حضرت زینب بنت جحش سے شادی فرما کر اس رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

(د) ایک اہم مصلحت یہ بھی تھی کہ آپؐ نے مدینہ میں جن خواتین سے نکاح فرمائے ان میں سے بعض رؤسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لئے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان رئیس بنو امیہ کی بیٹی تھیں حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں۔ حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔[2] چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے آخری نکاح ۷ھ میں حضرت میمونہؓ سے ادائے عمرہ کے دوران کیا اور اس کے بعد آپؐ سے کوئی نکاح ثابت نہیں ہے کہ ۸ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی اور خیبر، طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور

---

[1] حیات محمد ص ۶۹۲ [2] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۸۳۰ طبع ثالث ۱۹۲۴ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آنحضرتؐ کو ان تعلقات کے ذریعے سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

پھر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی مرضیٔ الٰہی کی پابند اور للنفس اطاعت خداوندی کا مظہر تھا۔ اور آپؐ کا کوئی فعل رضائے حق سے دور نہ تھا اس لئے آپؐ نے جتنے بھی نکاح کئے ہیں وہ اللہ کے حکم سے اور مرضیٔ الٰہی کے مطابق تھے۔ لہٰذا اس میں کسی قسم کا شبہ کرنا یا آپؐ کی ذات سے (نعوذ باللہ) کوئی الزام وابستہ کرنا صریحی گمراہی ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے نکاح کا اشارہ خدا کی جانب سے پہلے ہی مل چکا تھا۔ اسی طرح حضرت زینب بنت جحش کے لئے قرآن میں صاف اشارہ ہے۔

(۴) "قرآن میں بیک وقت چار عورتوں سے زائد کو نکاح میں رکھنے کی تحدید جن آیات (نساء آیت ۳ و ۱۲۸) میں نازل ہوئی ہے وہ ہجرت کے آٹھویں سال نازل ہوئیں جب کہ آپؐ جملہ ازواج سے عقد فرما چکے تھے۔ اس سے معترضین کا یہ شبہ بھی رفع ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے جس شئے کو دوسروں کے لئے حرام کیا اُسے اپنے لئے مباح بنا لیا تھا۔"[1]

آخر میں ان چند اہم باتوں کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے سلسلے میں چند خصائص کا ذکر بھی مناسب ہے۔[2]

(۱) عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت مہر کے بغیر آپؐ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپؐ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے گو ایسا واقعہ نہیں ہوا لیکن افراد امت کے لئے نکاح بغیر مہر ممکن نہیں ہے۔

یہ دو رخصتیں تھیں لیکن ان کے مقابلے میں اس باب میں آپؐ پر کچھ قیود بھی

---

[1] حیات محمدؐ ص ۶۹۵ [2] یہاں سے آخر تک کا حصہ سیرۃ النبی ج ۳ (ص ۸۳۴ تا ۸۳۷) سے ماخوذ ہے۔ اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھیں جو عام افرادِ امت پر نہ تھیں۔

(۳) آپ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا بغیر مہر کے آپؐ اپنی زوجیت میں لے چکے تھے۔ اور رشتہ کی بہنوں میں صرف وہی عورتیں آپؐ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں جنھوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

(۴) عام مسلمان اہلِ کتاب کی عورتوں سے جنھوں نے گو اسلام قبول نہ کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ مگر آپؐ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

(۵) جو بیویاں آپؐ کے پاس تھیں ان میں سے اب نہ کسی کو آپؐ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

(۶) آپؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپؐ کی رفاقت کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی۔

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح مذکور ہیں۔ ان کے خاص وجوہ اور مصالح تھیں۔ اسلام نے ازواج مطہراتؓ کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور ان کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دے دیا۔ اور ان کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا۔[1]

(۲) [2]

ا۔ حضرت خدیجہؓ

خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد

---

[1] سیرۃ النبیؐ ج ۲ ص ۴۳۷ [2] یہ حصہ مولانا سعید انصاری کی کتاب سیر الصحابیات (اعظم گڈھ ۱۹۵۲ء ص ۱ تا ۸۲) سے ماخوذ و ملخص ہے (مرتب) اخذ و تلخیص: محمد کلیم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے کی اولاد تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی پیدائش عام الفیل سے ۱۵ سال قبل مکہ میں ہوئی تھی[1] سن شعور کو پہنچیں تو اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ[2] کے لقب سے مشہور ہوئیں باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو برادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے منتخب کیا لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہوسکی اور ابو ہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح ہو گیا[3] ابو ہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے نکاح میں آئیں۔ اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی جس میں حضرت خدیجہؓ کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے[4] یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے[5]

شوہر کے مرنے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت پیش آئی، ذریعہ معاش تجارت تھا، جس کا کوئی نگراں نہ تھا تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مالِ تجارت بھیجتی تھیں ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہ سے جا کر ملنا چاہیئے۔ ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمھارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت "امین" کے لقب سے تمام مکہ میں تھی حضرت خدیجہؓ کو جب اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً کہلا بھیجا کہ "آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ اور مالِ تجارت لے کر میسرہ (غلام خدیجہؓ) کے ہمراہ بصریٰ تشریف لے گئے۔ اس سال کا نفع سال ہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔[6]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸، ص ۸-۱۰ [2] اصابہ ج ۸ ص ۶۰ [3] استیعاب ج ۲ ص ۷۰۸ [4] طبقات ج ۸ ص ۹۔ [5] ایضاً ص ۸۱ ج ۱ ق ۱ [6] طبقات ج ۱ ق ۱ ص ۸۱-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ آپؐ نے منظور فرمایا۔[1] تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد (حضرت خدیجہؓ کے چچا) کے مشورہ سے پانچسو طلائی درہم مہر قرار پایا اور حضرت خدیجہ طاہرہؓ حرم نبوت میں داخل ہو کر ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے۔ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کی تھی یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔[2]

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے تو حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفارِ مکہ اذیت دینے میں ہچکچاتے تھے۔ اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا۔

حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد ۲۵ سال تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان سنہ ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال قبل[3]) انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ تھی۔ پہلے شوہر ابو ہالہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ اولادیں ہوئیں[4] دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں! نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت قاسمؓ۔ سب سے بڑے لڑکے۔ ان ہی کے نام پر آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔

---

[1] طبقات ج ۱ ص ۸۴ [2] اصابہ ج ۸ ص ۶۰ [3] بخاری۔ ج ۱ ص: ۵۵۱

[4] زرقانی، ج ۳، ص ۲۲۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) حضرت زینبؓ سب سے بڑی صاحبزادی (۳) حضرت عبداللہؓ۔ آپ الطیب و طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے (۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت ام کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہؓ۔

ازواج مطہراتؓ میں حضرت خدیجہؓ کو بعض خاص خصوصیتیں حاصل تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں۔ وہ جب نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس سال تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

حضرت ابراہیم کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنھوں نے نبوت سے پہلے بُت پرستی ترک کردی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبویؐ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔ ابن ہشام میں ہے:

وکانت له وزیر صدق علی الاسلام۔	وہ اسلام کے متعلق آنحضرتؐ کی سچی مُشیر کار تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے: "عالم میں افضل ترین عورت مریمؑ اور خدیجہؓ ہیں"

ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ خدیجہؓ آئیں تو فرمایا:

"ان کو جنت میں ایک ایسا گھر ملنے کی بشارت دیجئے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شور و غل اور محنت مشقت نہ ہوگی۔"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود تمول اور دولت و ثروت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں۔ چنانچہ

---

[1] بخاری باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "خدیجہؓ برتن میں کچھ لا رہی ہیں۔ آپؐ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجئے۔"[1]

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپؐ ڈھونڈھ ڈھونڈ کر اُن کی سہیلیوں کو گوشت بھجواتے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ہمیشہ ذکر کرتے رہتے تھے۔

۲۔ حضرت سودہؓ

سودہ نام تھا۔ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ ماں کا نام شموس۔ یہ مدینے کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ پہلے سکرانؓ بن عمرو سے شادی ہوئی۔ ابتدائے اسلام میں معہ شوہر کے اسلام لائیں۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں وہاں گئیں۔ کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں اور سکران نے کچھ دنوں بعد وفات پائی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت پریشان و غمگین تھے۔ یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کیا کہ آپؐ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے ذمے تھا۔ آپؐ کی ایماء سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور نکاح کا پیغام سُنایا، انھوں نے کہا ہاں محمدؐ شریف کفو ہیں لیکن سودہؓ سے بھی تو دریافت کرو۔ غرض سب مراتب طے ہو گئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے۔ اور سودہ کے والد نے نکاح پڑھایا۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ص: ۳۹-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہؓ اور سودہؓ کا نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا، اس لئے مورخین میں اختلاف ہے کس کو تقدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت سودہؓ کو تقدم ہے۔ عبداللہ بن محمد عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

حضرت سودہؓ کا نکاح رمضان سنہ۱۰ نبوی میں ہوا۔

نبوت کے تیرہویں سال جب آپؐ نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہؓ وغیرہ کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت زیدؓ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

آپؓ نے سنہ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ ثقات کی روایت یہ ہے کہ حضرت سودہؓ نے حضرت عمرؓ کے آخیر زمانۂ خلافت میں انتقال کیا[۱]۔ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے[۲]۔

حضرت سودہؓ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ:

"سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہو کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی[۳]۔"

اطاعت و فرمانبرداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "میرے بعد گھر میں بیٹھنا[۴]" چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لئے نہ نکلیں فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی[۵]۔"

---

[۱] اسد الغابہ و استیعاب خلاصہ تہذیب حالات سودہؓ [۲] زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲ [۳] طبقات ج ۸ ص ۳۷ [۴] زرقانی ج ۳ ص: ۲۶۱ [۵] طبقات ج ۸ ص ۳۸۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا حضرت عائشہ رضؓ کے سوا وہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں۔ وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں پر خرچ کرتی تھیں[1]۔

۳۔ حضرت عائشہ رضؓ

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرہ لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضؓ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے جلوہ فگن ہوئیں اس بنا پر حضرت عائشہ رضؓ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں سے ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سُنی۔ خود حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا[2]۔

تمام ازواج مطہرات میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضؓ کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے خولہ بنت حکیم کے ذریعہ سے ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا عقد کر دیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ چھ برس کی تھیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد شوال ۱۳ نبوی (مطابق ۱ھ) میں رخصتی کی رسم انجام پائی۔

حضرت عائشہ رضؓ کے نکاح سے عرب کے بعض خیالات میں اصلاح ہوئی:

(۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر جب خولہ نے حضرت ابو بکر رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا تو انھوں نے حیرت سے

---

[1] اصابہ ص ۶۵ [2] بخاری ج ۱ ص ۲۵۲۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے کہا کہ کیا یہ جائز ہے؟ عائشہؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔" لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " انت اخی فی الاسلام " یعنی تم صرف مذہبی بھائی ہو۔ (۲) اہلِ عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے۔ زمانۂ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا حضرت عائشہ کا نکاح اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۹ سال تک زندگی بسر کی ۹ سال کی عمر میں وہ آپؐ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ تقریباً ۴۸ سال زندہ رہیں ۵۷ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں اس وقت مروان بن حکم کی طرف سے ابوہریرہؓ مدینہ کے حاکم تھے اس لئے انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے اپنی کنیت اُم عبداللہ رکھ لی تھی۔

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی۔ ان کا شمار مجتہدین صحابہ میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں فتوے دیتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ مکثرین صحابہ میں داخل ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں۔ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا۔ تفسیر، حدیث، اسرارِ شریعت، خطابت اور ادب والنساب میں ان کو کمال تھا اور شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۴۔ حضرت حفصہؓ

حفصہؓ نام، حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ والدہ کا نام زینب بنتِ مظعون تھا جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی ہمشیرہ تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔ حضرت حفصہؓ بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ ماں باپ اور اپنے پہلے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔ ہجرت کے بعد شوہر غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

حضرت حفصہؓ نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا۔ مدینہ کے گورنر مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حضرت حفصہؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں۔ جو انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ سے سُنی تھیں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ "حضرت حفصہؓ صائم النہار اور قائم اللیل تھیں"۔

۵۔ حضرت زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا۔ والد کا نام خزیمہ بن عبداللہ تھا۔ چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلاتی تھیں اس لئے ام المساکین کی کنیت سے مشہور ہو گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ ابن جحشؓ کے نکاح میں تھیں۔ عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں شہادت پائی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنھوں نے وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی[1]۔

۶۔ حضرت اُم سلمہؓ

ہند نام۔ ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں۔ عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابوسلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جو ام سلمہؓ کے چچازاد اور آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۹۴ و ۹۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھے، نکاح ہوا۔ آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی کچھ دنوں بعد مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی۔ ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

کچھ زمانے تک شوہر کا ساتھ رہا۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ جانبر نہ ہو سکے۔ عدت گذارنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت فرمایا۔ یہی سامان اور ازواج کو بھی عطا ہوا تھا[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی جب آپ ان کے گھر میں شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کے آگے ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتیں[۲] یہ آنحضرت ﷺ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی[۳]

علمی حیثیت سے ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے[۴] تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانۂ فضل پر سر جھکاتا تھا۔ قرآن اچھا پڑھتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر پڑھا کرتی تھیں۔ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ ان سے ۳۷۸ روایتیں مروی ہیں اس بنا پر وہ محدثین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

---

[۱] مسند ابن حنبل ج ۶ ص ۲۹۵ [۲] مسند ج ۶ ص ۳۲۲ [۳] زرقانی ج ۳ ص ۳۷۶

[۴] طبقات ابن سعد ج ۲، ق ۲، ص ۱۲۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۷۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش

زینب نام۔ ام الحکم کنیت، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں۔ والد کا نام جحش بن رباب تھا۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبدالمطلب (جد رسول اللہ) کی دختر تھیں، اس بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی زاد بہن تھیں۔ نبوت کے ابتدائی اسلامی دور میں اسلام لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کا نکاح کر دیا۔ لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی۔ حضرت زید نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی[1] اور آخر کار حضرت زید نے ان کو طلاق دے دی حضرت زینب کی دلجوئی کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصل بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے رہے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی "تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کرنے والا ہے۔ اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے"۔[2] اس کے بعد آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

ازواج مطہرات میں جو بیبیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ کرتی تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ممتاز تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ "ازواج میں سے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت (۲۰ھ) میں ہوا۔ نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی۔ اور بقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۲ سال تھی۔ کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں مروی ہیں۔ اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کی حامل تھیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیک خو، روزہ دار اور نماز گذار

---

[1] صحیح ترمذی۔ ص: ۵۳۱ [2] احزاب ۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تھیں [1]۔ عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں۔ نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں۔ اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں۔

۸۔ حضرت جویریہؓ

جویریہؓ نام۔ قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں۔ والد کا نام حارث بن ابی ضرار ہے۔ جو خاندان بنی مصطلق کے سردار تھے [2]۔

حضرت جویریہؓ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان ذی شفر سے ہوا تھا۔ یہ غزوۂ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان ہی لونڈیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم دے کر آزاد ہو سکتے ہیں۔ اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں۔ اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں ان کو شرط کے مطابق ۱۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی ہوں اور ۱۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا۔ یہ میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپؐ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا۔ اب آپؐ سے اس کا سوال کرنے کے لئے آئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں۔؟ انھوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رقم میں ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ وہ راضی ہو گئیں۔ آپؐ نے ثابت بن قیسؓ کو بلا

---

[1] زرقانی بحوالہ ابن اسعد

[2] طبقات ج ۲ ق ۱ ص ۸۵۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ بھی راضی ہو گئے۔ آپؐ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا ہے۔

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کا سن ۶۵ برس تھا۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔[۱]

۹۔ حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام۔ ام حبیبہ کنیت، والد کا نام ابو سفیان بن حرب بن امیہ تھا۔ والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔[۲] پہلے عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا۔[۳] ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبش کو ہجرت کی۔ حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ ام حبیبہؓ سے بھی کہا۔ لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں عبید اللہ کا انتقال وہیں ہوا۔ عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا۔ نجاشی نے جعفرؓ بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو درہم مہر ادا کیا نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ مدینہ آگئیں یہ واقعہ ۶ھ یا ۷ھ کا ہے اس وقت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔

---

[۱] صحیح ترمذی، ص ۵۹۰ [۲] اصابہ ج ۸ ص ۸۴ [۳] ایضاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت (۴۴ھ) میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔ اس وقت آپکا ۷۳ سال کا سن تھا۔ حدیث کی کتابوں میں ۶۵ روایتیں آپؓ سے منقول ہیں۔

۱۰۔ حضرت میمونہؓ

میمونہ نام۔ قبیلہ قریش سے ہیں والد کا نام حارث بن حزن والدہ قبیلۂ حمیر سے تھیں۔ ان کا نام ہند بنت عوف بن زہیر تھا۔ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا[۱] لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بڑی پھر ابو رہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں آئیں ابورہم نے ۷ھ میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی کوشش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ[۲] ہوئے۔ اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح ہوا[۳]۔ حضرت عباسؓ نکاح کے متولی تھے[۴]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستے پر مکہ سے دس میل ہے[۵] قیام فرمایا۔ ابو رافع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام) حضرت میمونہ کو لے کر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی[۶]۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نکاح تھا[۷] اور حضرت میمونہؓ سب سے آخری بیوی تھیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف ہی میں ان کی رسم عروسی ادا ہوئی اور اسی مقام پر ان کا انتقال ہوا[۸]۔ حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی! انھوں نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ احکام نبوی کی تعمیل ہر وقت پیش نظر

---

[۱] زرقانی ۲۸۸ ج ۳۔ [۲] بخاری ص ۶۱۱ ج ۲ [۳] نسائی ص ۵۱۳ [۴] تہذیب ص ۴۵۳ ج ۱۲ [۵] ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱ [۶] ذیل المذیل طبری ج ۱۳ ص ۴۵۳
[۷] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۱۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رہتی تھی۔

۱۱۔ حضرت صفیہؓ

اصل نام زینب تھا لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا "صفایا" کہتے تھے۔ اس لئے وہ صفیہؓ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ حضرت صفیہ کو باپ اور ماں دونوں طرف سے سیادت حاصل ہے۔ باپ کا نام حیی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نفیر کا سردار تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا۔ ماں کا نام ضرد تھا سموئل رئیس قریظہ کی بیٹی تھی۔

حضرت صفیہؓ کی پہلی شادی مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ کنانہ جنگ خیبر میں قتل ہوا حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے۔ اور خود گرفتار ہوئیں۔ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔ حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں۔ دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سیاسی زندگی

(۱)[1]

سیاست کا اعجاز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے لئے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے اتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے۔ اس دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا، سکھایا اور ایک وسیع مُلک کے اندر اس کو جاری و نافذ بھی کر دیا۔ اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکی نفوس اور ایک معلم اخلاق کے ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے۔ اسی طرح بحیثیت ایک ماہر سیاست اور ایک مدبر کامل کے بھی اسوہ اور مثال ہے۔

اس امر واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

---

[1] یہ حصہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تحریر کردہ ہے اور ماہنامہ خاتون پاکستان کے رسول نمبر ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء سے ماخوذ ہے (ص ۵۲ تا ۵۷) حوالے اور بعض حواشی مرتب کے قلم سے ہیں (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پست حال قوم تھی۔ ابن خلدون نے تو ان کو ان کے مزاج کے اعتبار سے بھی ایک بالکل غیر سیاسی قوم قرار دیا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو اس رائے سے پورا پورا اتفاق نہ ہو۔ تاہم اس حقیقت سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے۔ بلکہ ہمیشہ ان پر نزاج اور انارکی کا تسلط رہا۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا ایک مجموعہ تھی۔ جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہوتی تھی۔ اتحاد، تنظیم، شعور، قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ جیسی چیزیں جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں ان کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گذارتے ان کا مزاج نزاج پسندی کے لئے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت اور مرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا۔ خود قرآن نے ان کو قوماً لُدًّا [1] کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔ اور ان کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبہم [2] اگر تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک "بُنیانٌ مَرصُوص" [3] بن گئی یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کرکے دور

---

[1] مریم ۹۷ [2] انفال ۶۳ [3] صف ۴

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے۔ یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں ہی متحد و مربوط نہیں ہو گئی بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہو گئی۔ یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہو گئی بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ اور اس کے اندر حکم و اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اس نے بلا استثنا، دُنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا سبق دیا۔

اس تنظیم و تالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصُولی اور انسانی تنظیم تھی اس کے پیدا کرنے میں حضورؐ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا۔ نہ دُنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا۔ نہ کسی دشمن سے لوگوں کو ڈرایا۔ دُنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مدبر اور سیاست داں گذرے ہیں انھوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصُوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضورؐ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپ کی قوم کے مزاج کے مطابق ہوتی۔ لیکن آپؐ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا۔ اور ہر فتنہ کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپؐ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا۔ یہ سارے محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے اس وجہ سے آپؐ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وتنھون عن المنکر[1] تم دنیا کی بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے اٹھائے گئے ہو۔

حضورؐ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبر کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے کسی اصول کے معاملے میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی نہ دشمن کے مقابلے میں نہ دوست کے مقابل میں۔ آپؐ کو سخت سے سخت حالات سے سابقہ پڑا۔ ایسے حالات سے کہ لوہا بھی ہوتا تو ان کے مقابل میں نرم پڑ جاتا لیکن آپؐ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ گوارا نہ فرمایا اسی طرح آپ کے سامنے پیشکشیں بھی کی گئیں اور آپ کو مختلف قسم کی دینی اور دنیوی مصلحتیں بھی سجھانے کی کوشش کی گئی لیکن ان چیزوں میں سے کبھی کوئی چیز آپؐ کو متاثر یا مرعوب نہ کر سکی۔ چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پتھر کی لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی۔ دنیا کے مدبروں اور سیاست دانوں میں سے کسی ایسے مدبر اور سیاست داں کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو کہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اس نے اپنے کسی اصول کے معاملہ میں کمزوری نہیں دکھائی لیکن حضورؐ نے ایک پورا نظام زندگی کھڑا کر دیا۔ جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ کے مذاق اور رجحان سے اتنا بے جوڑ تھا کہ وقت کے مدبرین اور ماہرین سیاست اس انوکھے نظام کے پیش کرنے کے سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دیوانہ کہتے تھے۔ لیکن حضورؐ نے اس نظامِ زندگی کو عملاً دنیا میں برپا کر کے ثابت کر دیا کہ جو لوگ آپؐ کو دیوانہ سمجھتے تھے وہ خود دیوانے تھے۔

---

[1] آل عمران : ۱۱۰۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صرف یہی نہیں کہ حضورؐ نے کسی ذاتی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے لئے بھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دی۔ اصولوں کے لئے جان و مال اور دوسری تمام محبوبات کی قربانی دی گئی ہر طرح کے خطرات برداشت کئے گئے اور ہر طرح کے نقصانات گوارا کئے گئے لیکن اصولوں کی ہر حال میں حفاظت کی گئی۔ اگر کوئی بات صرف کسی خاص مدت تک کے لئے تھی تو اس کا معاملہ اور تھا وہ اپنی مدت پوری کر چکنے کے بعد ختم ہوگئی یا اس کی جگہ اس سے بہتر کسی دوسری چیز نے لے لی۔ لیکن باقی رہنے والی چیزیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر باقی رکھی گئیں۔ آپؐ کو اپنی پوری زندگی میں یہ کہنے کی نوبت نہ آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی لیکن اب حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ فلاں بات بالکل اس کے برخلاف اختیار کر لی جائے۔

حضورؐ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ سیاست میں بہت سی چیزیں مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں۔ سیاست کے یہی اوصاف و کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں شاطر ہوئے تھے۔ وہی لوگ ابھر کر قیادت کے مقام پر آتے تھے۔ لیکن حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح سے انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے ہے بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلہ میں ایک صاحب اقتدار اور ایک بادشاہ کے جھوٹ کو کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ آپؐ کی پوری سیاسی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زندگی میں وہ تمام مراحل آپ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جا سکتی ہے۔ آپ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گذارا اس دوران میں آپ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور تجارتی معاہدے کرنے پڑے دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں۔ عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدام کرنے پڑے۔ قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے۔ آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگو کرنا پڑیں۔ اور سیاسی گفتگو کرنے کے لئے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنا پڑے۔ بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے۔ یہ سارے کام آپؐ نے انجام دیئے۔ لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا۔ اور دشمنوں سے بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔ اگر دنیا کے مدبرین اور اہل سیاست کو اس کسوٹی پہ جانچیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے۔ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضورؐ کو اپنی سیاست میں کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا۔

حضورؐ کی سیاست اور تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے ملک کے ایک گوشہ میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کا زور آپؐ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انھوں نے گھٹنے ٹیک دیئے یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپؐ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لئے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی آپؐ نے انتظامات کئے۔ یہ سارے کام آپؐ نے کر ڈالے لیکن اس سارے کام کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے۔ اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے انقلاب میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مال واسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہو گی جو اس ساری جدوجہد کے دوران میں حضورؐ کے ساتھیوں میں شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں سے قتل ہوئے۔

پھر یہ بات بھی غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلابات میں بھی ہزاروں لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس تہذیب وتمدن کے زمانہ میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوح ملک کی سڑکیں اور گلیاں حرام کی نسلوں سے بھر دی ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ارباب سیاست اس صورت حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کے بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں دنیا میں جو انقلاب رُونما ہوا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی کی گئی۔

اہل سیاست کے لئے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور ایک نظم قاہرہ کے تحت منظم کرنے کے لئے اُٹھتے ہیں وہ بہت سی باتیں اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جتانے اور اپنی ہیبت قائم کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں۔ اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے جو تقاضے ہیں وہ ان کے پورے کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اسی طرح کے مقاصد کے پیش نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں جہاں وہ اترتے ہیں ان کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ جلسوں میں ان کے حضور میں ایڈریس پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ جب وہ مزید ترقی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے قصر و ایوان آراستہ کئے جاتے ہیں۔ ان کو سلامیاں دی جاتی ہیں۔ ان کے لئے بری دبحری اور ہوائی خاص سواریوں کے انتظامات کئے جاتے ہیں جب کبھی وہ کسی سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو وہ سڑک دوسروں کے لئے بند کر دی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں ان چیزوں کے کسی صاحب سیاست کا تصور نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں اور نہ کوئی صاحب سیاست ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصور کرتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہلِ سیاست سے الگ رہے، جب آپؐ اپنے صحابہؓ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں، مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ کھانا کھانے بیٹھتے تو دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھاتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک بدو اپنے اس تصور کی بنا، پر جو حضورؐ کے بارے میں اس کے ذہن میں رہا ہوگا، سامنے آیا تو حضورؐ کو دیکھ کر کانپ گیا، آپؐ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں میری ماں بھی سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ یعنی جس طرح تم نے اپنی ماں کو بدویانہ زندگی میں سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا اسی طرح کا سوکھا گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں۔ نہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ کے لئے کوئی خاص سواری تھی۔ نہ کوئی قصر و ایوان تھا۔ نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا۔ آپ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں شب میں استراحت فرماتے اور تمام اہم امور کے فیصلے فرماتے۔

یہ خیال نہ فرمائیے کہ اس زمانہ کی بدویانہ زندگی میں سیاست طمطراق اور اس ٹھاٹ باٹ سے آشنا نہیں ہوئی تھی جس طمطراق اور جس ٹھاٹ باٹ کی وہ اب عادی ہو گئی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے سیاست اور اہل سیاست کی تانا شاہی ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ فرق اگر ہوا ہے تو محض ظاہری باتوں میں ہوا ہے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا جس میں دنیوی کروفر کے بجائے خلافتِ الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبت کا جمال تھا۔ لیکن اس سادگی اور فقر و درویشی کے باوجود اس کے دبدبے اور اس کے شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و شام کے بادشاہوں پر اس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

آپؐ کی سیاست اور آپؐ کے تدبر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ آپؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کر دی جو آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب کو اس کے اصل مزاج کے مطابق آگے بڑھانے، اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی و سیاسی زندگی میں اس کے تمام مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے پوری طرح اہل تھے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کرۂ ارض کے تین براعظموں میں اس نے اپنی جڑیں جما لیں۔

دنیا کے تمام مدبرین اور اہل سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجئے ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر آتا ہے؟ جس نے اپنے دو چار ساتھی بھی ایسے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کے فکر و فلسفہ اور اس کی سیاست کے ان معنوں میں عالم اور عامل رہے ہوں جن معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ کے عالم و عامل ہزاروں صحابہؓ تھے۔

آخیر میں یہ بات بطور تنبیہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپؐ نبیٔ خاتم اور پیغمبر عالم ہیں اور تدبر اس مرتبۂ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔

(۲)

سیاسی بصیرت کی چند جھلکیاں[1]

ہم کسی مکمل انسان کی زندگی کا جائزہ حسب ذیل سُرخیوں کے تحت لے سکتے ہیں:

(۱) تہذیب نفس (۲) تدبیر منزل (۳) حسن معاشرت (۴) سیاست مدن۔ (۵) بین الاقوامی تعلقات۔

دُنیا میں جتنے بھی ہادی اور رہنما آئے ان میں سے بیشتر صرف ایک یا دو ہی معاملات میں اپنے قول و فعل سے نسل انسانی کی رہنمائی کر سکے ہیں۔ تاریخِ عالم کے صفحات ہمارے سامنے ہیں۔ اگر ہم ایک ایک ہادی کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم کو معلوم ہو گا کہ یہ شرف صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ مندرجہ بالا پانچوں شعبوں میں بھرپور رہنمائی کر سکے۔ اور اپنے اقوال و اعمال کا نہ مٹنے والا نقش رہتی دُنیا تک کے لئے چھوڑ گئے۔

قدیم زمانے میں دین کو دُنیا سے الگ سمجھا جاتا تھا۔ معاش و معاد میں کوئی رابطہ رشتہ اور باہمی تعلق نظر نہ آتا تھا مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ دین و دنیا میں کوئی فرق نہیں ہر وہ کام جو اللہ کی خوشنودی اور مخلوقِ خدا کے فائدے کے لئے کیا

---

[1] یہ حصہ علامہ ابن حسن جارچوی کا تحریر کردہ ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاسے دین ہے۔ تدبیر منزل عین دین ہے۔ گھر بار کی ذمہ داریاں سنبھالنا دین کا کام ہے مزید برآں نہ معاشرے کی خدمت دُنیاداری ہے نہ امورِ مملکت و انصرام معیشت کی نگرانی رہنمائی اور امن عالم کے بقا کے لئے جدوجہد منافی دین ہے۔

توحید الٰہی پر آپؐ نے بہت زور دیا ہے۔ بظاہر یہ ایک عقیدہ اور دینیات کا مسئلہ معلوم ہوتا ہے مگر غور سے دیکھئے تو یہ عدل مساوات اور انسانی برادری کا سنگِ بنیاد ہے۔ جو قومیں توحید الٰہی کی قائل نہ ہوں وہ رنگ روپ نسل وزبان اور دوسرے قسم کے امتیازات سے نہیں بچ سکتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدا ایک قبلہ اور ایک قرآن کی تعلیم دے کر اتحادِ عالم کی راہیں ہموار کیں۔ آپؐ نے قصرِ سیاست کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی جو حسن عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں جن پر رنگ و روپ نسل و طبقات کا قفل لگا ہُوا نہیں ہے۔

توحید کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات کے نام سے جو چیزیں پیش کیں۔ وہ بھی معاشرے کی بُنیادوں کو مستحکم کرنے میں ممد و معاون ہوئیں۔ اور تمدن وتہذیب اور ثقافت و اجتماع کے سلسلے میں ان سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا نماز ایک طرف تو روحانی ارتقا، تقرب الی اللہ معراج المومنین کا ذریعہ بنی دوسری طرف اس سے اجتماعی معاشری اور اخلاقی فوائد حاصل ہوئے۔ صف بندی کی عادت نے اور ایک امیر کے اشارے پر ہم آہنگی کے ساتھ لونی لسانی اور نسلی امتیازات کے ہیچ ہونے کا درس دیا۔ اسی طرح روزے نے خواہشات نفس پر قابو پانے کی تربیت دی۔ آدھی کھجور پر گذارہ کرنے کا گر سکھایا کہ جس سے غذائی بحران اور محاصرے کے زمانے میں رسد بندی میں صبر کی عادت ہو سکے اور بھوک پیاس کے عالم میں قومی جدوجہد جاری رکھنے کی توفیق و توانائی پیدا ہو۔ زکوٰۃ نے مالیات پر احتساب و تصرف کے راستے کھول دیئے تقسیم دولت کے وسیلے پیدا کئے۔ کنز دولت کی جڑ کاٹ دی اور صاف صاف حکم دے دیا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ دولت کو گردش میں رہنا چاہیئے۔ جب کوئی مرتا ہے تو اس کا ترکہ کسی ایک کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ بیوی شوہر بیٹا بیٹی اور دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہو کر دولت کو متعدد ہاتھوں میں پہنچنے کا موقع دیتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ ایک تہائی دولت سے زیادہ کسی کے لئے وصیت کر سکے۔ بیع کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ سود کی ممانعت ہے پھر اشتراکیت کی طرح دولت کی مساوی تقسیم اور انفرادی ملکیت کی ممانعت کا بھی کوئی قانون نہیں جس سے فرد کی جدوجہد اور سعی و کوشش پر برا اثر پڑتا ہے۔ اور معاشرے کی ترقی سُست پڑجاتی ہے۔

مدینہ آکر آنحضرت کے حُسنِ انتظام اور قابلیت جہانبانی کے جوہر کھلتے ہیں۔ مکّے کے کافر آپؐ کو مدینہ میں چین سے بیٹھا دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے اور ان سازشوں میں مصروف تھے کہ مدینہ کے لوگوں میں پھوٹ ڈلوادیں۔ اور آپؐ کا وہاں رہنا دشوار کردیں۔ مگر آپؐ نے نہ صرف مدینے کے رہنے والے قبیلوں سے سمجھوتہ کیا بلکہ آس پاس رہنے والے عربوں سے بھی معاہدے کئے مدینہ کے باشندوں کو ملا کر ایک ایسی مملکت کی بنیاد رکھی اور ایک ایسا دستور اساسی مرتب و مدون کیا جس نے اس وقت کے لوگوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا اور آج بھی لوگ اس نبی اُمّی کی سیاسی سوجھ بوجھ پر عش عش کر رہے ہیں پھر انصار اور مہاجرین میں اخوّت و برادری کا رشتہ قائم کر کے ایک نئے قسم کے خاندانی نظام کی بنیاد رکھی۔

آپؐ نے جس شہری مملکت کی داغ بیل ڈالی تھی اس کے سربراہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ آپؐ نے دستور (جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) ۱ھ میں نافذ کیا اس دستور کے ذریعہ شہر کے اندرونی نظم و نسق اور بیرونی حملے کے وقت اس کی حفاظت اور مدافعت کے ضوابط مرتّب ہوئے۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے خصوصاً کفار قریش سے تعلقات کی جو نوعیت رہی اس میں آپؐ نے سیاسی بصیرت کا مسلسل مظاہرہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیا چنانچہ بدر واحد اور احزاب جیسے غزوات کے بعد مدینہ کی حالت اس وقت یہ تھی کہ ایک طرف شمال میں یہودی اور غطفانی آمادہ جنگ تھے اور دوسری طرف جنوب میں قریش لڑنے کے لئے تیار بیٹھے تھے مسلمانوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ دونوں محاذ پر بیک وقت دشمن سے الگ الگ نمٹنا بھی مشکل تھا اگر خیبر کی طرف بڑھتے تو مدینہ کو خالی پاکر مکے والے چڑھ دوڑتے اور اگر جنوب کی طرف مکے پر حملہ آور ہوتے تو بنو غطفان کے ساتھ ساتھ خیبر کے یہود مدینہ کو لوٹ لیتے۔ اب آپؐ کی سیاسی بصیرت ملاحظہ فرمائیے کہ مدینہ مکے اور خیبر کے درمیان واقع ہو کر چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پسنے کے بجائے آنحضرتؐ نے یہ طے کیا کہ کسی ایک سے صلح کر لی جائے تاکہ دوسرے کا مقابلہ کرنے کی سکت پیدا ہو اور یکسوئی اور پوری قوت اور توجہ سے دشمن کا استیصال ہو سکے۔

مکے والے جو آپؐ کے ہم قوم تھے اس وقت قحط سے پریشان تھے اور امکان تھا کہ وہ صلح پر آسانی سے آمادہ ہو جائیں گے۔ آپؐ عمرہ کے ارادے سے مکے کی طرف بڑھے اور عمرہ کے اہتمام کے ساتھ حدیبیہ میں جاکر پڑاؤ ڈال دیا واقعات کا نتیجہ صلح حدیبیہ کی شکل میں نکلا دس سال کے لئے معاہدہ امن ہوا اور قریش نے جو شرائط پسند کئے ان پر صلح ہو گئی۔ قریش کو غیر جانب دار بنا کر آنحضرت پوری توجہ اور طاقت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکتے تھے چنانچہ خیبر کے یہودیوں کی چیرہ دستیوں کا کامیابی کے ساتھ سدباب ہوا۔ شدید کشمکش کے بعد ہی یکے بعد دیگرے خیبر کے سارے قلعے فتح ہوئے اور ان کی جائداد نصف بٹائی پر انہی کے سپرد کر دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز حکمرانی کی خصوصیت یہ تھی کہ غیر مسلموں کے ساتھ آپؐ نے انتہائی رواداری کے ساتھ کام لیا مثلاً اسلامی مملکت میں جہاں جہاں بھی یہودی آباد تھے انکو عدالتی اور قانونی خودمختاری حاصل تھی۔ وہ اپنے مقدمے اپنے ججوں کے پاس لے جاتے تھے اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے فیصلے توریت کے مطابق ہوتے تھے ہاں ان کو یہ اجازت تھی کہ اگر چاہیں تو اپنے مقدمے مسلمان قاضیوں کے سامنے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ یہی آزادی دوسرے اہل کتاب کو بھی حاصل تھی اور اسلامی طرزِ حکومت کی یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر دوسری جگہ مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے مدینہ میں ایک منظم حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر آہستہ آہستہ سارے عرب میں نظم و نسق قائم کیا اور اس نوخیز دولتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقا کی خاطر آس پاس کی سلطنتوں اور حکومتوں سے رشتے جوڑے اور معاہدے کئے۔ حبشہ ایران اور بازنطینی حکومت کے سربراہوں کے نام آپؐ نے خطوط لکھے[1] پیام رساں روانہ کئے اور ان سے سیاسی تعلقات پیدا کرنے کے لئے مناسب اقدامات فرمائے۔

اس کے بعد وہ اہم موقع آتا ہے جب کہ سنہ ۱۰ ہجری میں حج کے موقع پر کم و بیش ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے سامنے آپؐ نے اسلام کی مکمل تعلیم ایک مرتبہ پھر اُمت کے سامنے دہرا دی۔ آپ کا یہ خطبہ نسلِ انسانی کے لئے اس منشورِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے جو آج بھی انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معاشی زندگی[1]

○ عبدالقدوس ہاشمی ○

اپنے[2] مطالعہ کی غرض سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسیٹھ ۶۳ سالہ زندگی کو حسب ذیل چار زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) ولادت باسعادت سے ۹ سال کی عمر تک

(۲) ۱۰ سال کی عمر سے ۲۵ سال کی عمر تک

(۳) ۲۶ سال کی عمر سے ۵۳ سال کی عمر تک

(۴) ۵۴ سال کی عمر سے ۶۳ سال کی عمر تک

(۱)

ولادت سے ۹ سال کی عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار کفالت آپ کے دادا

---

[1] مضمون مولانا کے ایک طویل مضمون کی تلخیص پر مشتمل ہے جو نقوش کے سیرت نمبر (ج ۷، شمارہ ۱۰ مطابق جنوری ۱۹۸۲ء۔ طبع دوم) میں شائع ہوا تھا۔ اخذ و تلخیص: نثار احمد۔ [2] مضمون کا ابتدائی حصہ ایک تو طوالت کے خوف سے حذف کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو معاشی حالات اس میں بیان کیے گئے ہیں ان کی تفصیل اس سے پہلے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے شاملِ کتاب ہے۔ نیز حوالوں اور حواشی کا اضافہ مرتب نے کیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالمطلب پر تھا۔ عبدالمطلب اگرچہ کوئی بڑے دولت مند آدمی نہ تھے پھر بھی ایک خوشحال سردار تھے[1] اور اتنا مال مویشی بھی رکھتے تھے کہ اپنی ایک منت پوری کرنے کے لیے انھوں نے اپنے فرزند عبداللہ (حضورؐ کے والد) پر سے سو اونٹ صدقہ میں دیے تھے[2]۔ کثیر العیال آدمی تھے اور موسم حج میں حاجیوں کی خدمت پر بھی بہت کچھ خرچ کیا کرتے تھے[3]۔ رسول اللہ کی ولادت سے کوئی تین ماہ قبل آپؐ کے والد کا شام کے تجارتی سفر سے واپس آتے ہوئے مدینہ میں انتقال ہو چکا تھا[4]۔ ابھی نوخیز جوان تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب صرف انیس ۱۹ سال کی عمر تھی اور بعض کے بموجب صرف اٹھارہ سال۔ اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ عبداللہ نے ابھی نہ اپنا گھر بنایا تھا اور نہ دولت کمائی تھی۔ تاریخ میں کسی مال و دولت کا بطور وراثت رسول اللہ کو ملنا ثابت نہیں۔ ایک باندی امّ ایمن کا ذکر آتا ہے جنھوں نے آپؐ کو ابتداً دودھ بھی پلایا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ باندی عبداللہ سے آپ کو وراثت میں ملی تھی۔

آپؐ نے چھ سال ہی پورے کیے تھے کہ مدینے سے واپسی پر مقام ابواء میں آپکی والدہ بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا[5]۔ تو یہی ام ایمن آپؐ کو لے کر عبدالمطلب کی خدمت میں آئی تھیں۔ غالباً گھر والوں میں سے کوئی اور سفر میں بی بی آمنہ کے ساتھ نہ تھا۔ بہر حال کسی قابلِ ذکر جائیداد یا زرِ نقد کا وراثتاً آپؐ کو ملنا کسی روایت میں مذکور نہیں اور نہ کہیں سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالمطلب کے مکان کے علاوہ کوئی الگ گھر بھی تھا

---

[1] مطلب بن عبد مناف بن قصی ہاشم اور عبد شمس دونوں سے بڑے تھے۔ قریش کے لئے انھوں نے نجاشی سے تجارتی عہد نامہ حاصل کیا تھا۔ وہ اپنی قوم میں شریف اور سردار تھے۔ جود و کرم کے باعث انھیں قریش "الفیض" (فیاض) کہتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ۔ ابن سعد۔ ج ۱، ص ۸۱، بیروت ۱۹۶۰ء)

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ۔ ابن ہشام۔ الجزء الاول مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ۔ بمصر ۱۹۳۶ء ص ۱۶۲ تا ۱۶۴ نیز ابن سعد ج ۱ ص ۸۹ [3] ابن سعد ص ۸۱ ج ۱ [4] ایضاً ص ۹۹۔ [5] ابن ہشام ص ۱۷۷

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو اپنے والد سے پانچ اونٹ، دو چار اونٹنیاں اور کچھ بکریاں بھی وراثت میں ملی تھیں[1]۔ لیکن ہماری تحقیق و تفحص میں یہ روایتیں قابل وثوق نہیں ہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو یہ اتنی کم قیمت وراثت تھی کہ ۹ سال کی عمر تک آپؐ کی پرورش کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔

البتہ روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی والدہ ایک خوشحال خاندان کی بیٹی تھیں لیکن عربوں کے رواج کے مطابق غالباً ننھیالی دولت سے حضورؐ کو کوئی وراثت نہیں ملی۔

(۲)

اس طرح جب رسول اللہؐ کی نگرانی کی خدمت ابوطالب کے حصہ میں آئی تو[2] یقیناً آپؐ کے ساتھ کوئی موروثی دولت نہیں آئی۔ چچا ابوطالب بڑے شفیق و مہربان لیکن غریب و مفلوک الحال اور عیالدار آدمی تھے۔ اور آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ نہ تھا نہ کوئی جائیداد تھی اور نہ دوکان گذر بسر کا ذریعہ تجارت ہو سکتی تھی سو اس کے لئے سرمایہ کہاں سے لاتے؟ دوسروں کا مال عرب کے میلوں میں لے جاتے تھے۔ اور مزدوری پاتے تھے۔ یہ مزدوری اتنی نہ ہوتی تھی کہ سال بھر خوشحالی کے ساتھ بسر ہو جاتی۔ اکثر گھر میں فقر و فاقہ کی حالت رہتی۔ بہرحال ابوطالب کے گھر کی غربت سے متاثر ہو کر آپؐ نے مزدوری پر بکریاں چرانا شروع کر دیں۔ آپؐ جب حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے تو آپؐ نے حلیمہ کے بچوں کو بکریاں چراتے دیکھا تھا اور آپؐ نے بھی اس کام میں ان کا ساتھ دیا تھا اس لئے مکہ میں آپؐ نے یہی کام اپنے لئے اختیار کیا[3]۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ میں ان دنوں

---

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ عبداللہ نے ام ایمنؓ پانچ اراک اونٹ (جن کی خوراک اراک (پیلو) ہوتی ہے) اور بکریوں کا ایک مختصر سا گلہ ترکہ میں چھوڑا جس کے رسول اللہ وارث ہوئے۔ ج ۱ ص ۱۰۰ [2] ابن ہشام ص ۱۸۹، ابن سعد، ص ۱۱۸ [3] آپؐ کا ارشاد ہے کہ ما من نبی الا وقد رعی الغنم (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور کام بھی کیا ہوتا تھا کوئی صنعت گاہ یا کارخانے تو موجود نہ تھے جہاں آپ کام کرتے نہ کان کنی اور نہ کاشتکاری کا کام ہوتا تھا کہ آپؐ ان کاموں میں لگ جاتے۔ اس لئے مجبوراً یہی ایک صورت معاش کی پیدا ہو سکتی تھی چنانچہ یہی صورت آپؐ نے اختیار کر لی۔

جب ذرا اور بڑے ہوئے تو آپؐ نے مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری پر اور کبھی کبھی نفع میں حصہ پر کام کرنا شروع کیا۔ مکہ میں دستور تھا کہ لوگ موسم حج میں مال خرید کر رکھ لیتے اور کسی دیانت دار آدمی کی معرفت نجد، یمن اور شام کی منڈیوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اکثر تو یہ ہوتا کہ مال لے جانے والے کی اُجرت پہلے ہی طے ہو جاتی اور نفع میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اور کبھی اُجرت کے علاوہ خالص نفع میں سے بھی اجیر کو کچھ حصہ دے دیا جاتا تھا۔ روایتوں میں رسولؐ اللہ کے مختلف مواقع پر اس طرح کام کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ سہیل کے ساتھ آپؐ کا معاملہ شاید اسی طرح کا تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے سہیل کے حُسنِ معاملہ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور سہیل بھی رسول اللہ کی ایمانداری اور فرض شناسی کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے[۱]

اس طرح رسول اللہؐ نے اپنی ۲۵ سال کی عمر تک کام کیا اور شام، یمن، نجد اور غالباً حبشہ کا بھی اسی سلسلہ میں سفر فرمایا۔ آپؐ کا گرامی نامہ نجاشی کے نام جس میں آپؐ نے جعفر طیار کا تعارف کرایا ہے یا وہ الفاظ جو آپؐ نے نبوّت کے پانچویں سال حبشہ

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ... (کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہے جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں) ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا "موسیٰ مبعوث ہوئے اور وہ بھیڑ بکریوں کے چرواہے تھے۔ داؤدؑ مبعوث ہوئے اور وہ بھیڑ بکریوں کے چرواہے تھے۔ میں مبعوث ہوا تو میں بھی اجیاد (مکہ کا ایک مقام۔ جو چراگاہ کا کام دیتا تھا) میں اپنے لوگوں کی بھیڑ بکریاں چراتا تھا۔ (ابن سعد ص ۱۲۵، ۱۲۶)

[۱] سیرت حلبیہ (ق۔ ۵) حسنِ معاملہ کی اور بہت سی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ دیکھئے سیرۃ النبی شبلی ج ۱ ص ۱۸۶، ۱۸۷ اعظم گڈھ طبع ششم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی طرف مہاجرین کو رخصت کرتے وقت فرمائے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ حبشہ اور دربار حبشہ سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے[1]

اس طرح مزدوری سے آپؐ کو جو کچھ ملتا تھا وہ یقیناً بہت کم ہوتا تھا۔ ابوطالب نے جو خطبۂ نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح کے موقع پر دیا تھا اس میں آپؐ کے اخلاقِ کریمہ اور شرافتِ نسبی کا ذکر کرنے کے بعد صریحاً اس کا ذکر کیا ہے کہ آپؐ کے پاس دولتِ دنیا بالکل نہیں ہے۔ پھر آپؐ کا ۲۵ سال کی عمر تک ناکتخدا رہنا جب کہ قریش کے لڑکے ۱۶، ۱۷ سال کی عمر میں شادی کر لیتے تھے۔ آپؐ کے بے زر و مال ہونے کی ایک دلیل ہے۔

حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر آپؐ دو مرتبہ شام گئے[2]۔ دونوں مرتبہ آپؐ کی حیثیت ایک اجیر کی تھی۔ مضاربت یا شریک تجارت کی نہ تھی۔ کیونکہ روایتوں میں یہ صریحاً موجود ہے کہ خدیجہؓ نے ایمانداری اور فرض شناسی سے خوش ہو کر آپؐ کو مقررہ اُجرت سے زیادہ دیا۔

(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی کا تیسرا دور ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اب حضورؐ حضرت خدیجہؓ کے گھر میں رہنے لگے تھے یہ دور ۲۷ سال تک قائم رہا۔ اس میں سے دس سال تک آپؐ خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس زمانے میں آپؐ نے غالباً تین سفر کئے۔ ایک یمن

---

[1] صبح الاعشیٰ - ج ۶ (ق - ۵) [2] شام کے علاوہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو جہاں جہاں تجارت کی غرض سے بھیجا مقام ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے۔ یہاں آپؐ دو دفعہ تشریف لے گئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔ (شبلی ص ۱۹۰، ۱۸۹ بحوالہ نور النبراس فی شرح ابن سید الناس)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک دوسرا النفود (نجد) تک اور تیسرا الجران تک۔ یہ تینوں تجارتی سفر تھے۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مال اور قریش کے دوسرے تاجروں کا مال لے کر سفر کرتے اور صاحب مال سے اپنی اجرت حاصل کر لیتے۔ ان سفروں کے علاوہ موسم حج میں اچھا خاصا کاروبار ہو جاتا تھا۔ باقی دنوں میں مکہ کے بازار میں بھی کچھ نہ کچھ تھوک فروشی ہوا کرتی تھی۔ آپؐ اس میں حصہ لیتے تھے۔

نزول وحی سے تقریباً پانچ سال پہلے کاروبار دُنیاوی سے جسمیں پہلے بھی غیر معمولی انہماک نہ تھا طبیعت بہت زیادہ اچاٹ ہو گئی تھی اور آپؐ نے تجارت کی طرف توجہ بہت کم کر دی تھی صرف موسم حج میں کسی قدر لین دین کر لیتے تھے جس سے گذر بسر ہو جاتی تھی۔ باقی وقت یاد الٰہی اور اصلاح عوام میں صرف ہوتا تھا۔

نزول وحی سے دو سال پہلے تو کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ دو دو ہفتہ کی غذا لے کر غار حرا میں جا بیٹھتے اور عبادت میں مشغول رہتے۔

چالیس سال کی عمر ہوئی تو پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس کے بعد تیرہ ۱۳ سال کی مکی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی زندگی نہ تھی لیکن کوئی بہت خوشحال زندگی بھی نہ تھی۔ قریش کیطرف سے مخالفتیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ بازار میں سوداگری کا کام کہاں ممکن تھا۔ تین سال تو ترک موالات میں ہی گذر گئے تھے۔ یہ ترک موالات سہیل کی جدوجہد سے ٹوٹا بھی تو کاروباری زندگی ختم ہو چکی تھی۔ نہ سرمایہ تھا نہ وہ تعلقات باقی رہے تھے۔ گذر بسر کی صورت صرف وقتی کاروبار پر تھی جو آپؐ کی طرف سے آپؐ کے جاں نثار زیدؓ حج کے موسموں میں کر لیا کرتے تھے۔ یا پھر پچھلے کمائے ہوئے سرمائے سے کام چلتا ہو گا۔

عرب میں سکّے تین قسم کے رائج تھے۔ ساسانی بادشاہوں کے سکّے، قیصر روم کے دنانیر اور مقامی رئیسوں کے ڈھالے ہوئے طلائی سکے۔ زیادہ تر کام اصول مقایضہ (بارٹر سسٹم۔ تبادلۂ اشیاء بالاشیاء) پر ہوتا تھا۔ عرب میں جو سکّے اس وقت تھے وہ قیمت فلزی پر قائم تھے۔ فیس ویلیو یا قیمت مہر پر سکہ ڈھالنے کا رواج نہ تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس لئے اہل دولت یہی سونے کے دینار، چاندی اور تانبے کے درہم جمع کرتے تھے۔ آپؐ کی مالی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر سے دینار جو ایک دیوار میں محفوظ تھے ساتھ لے لئے تھے۔[1] مگر رسول اللہؐ کے پاس ساتھ لیجانے کے لئے کوئی قابلِ ذکر سرمایہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے یہ دینار مسجد نبوی کی زمین خریدنے اور مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں دوسرے کاموں میں خرچ ہوئے۔ ان کے متعلق روایتیں موجود ہیں مگر کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپؐ نے اپنے پاس سے کوئی رقم نکال کر مدینہ کے ابتدائی دنوں میں خرچ کی ہو۔[2]

آپؐ نے جب مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو نہ کوئی سرمایہ آپؐ کے پاس تھا نہ کوئی زادِ راہ، نہ کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ کہ وہ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے۔ اور نہ دنیا کے کسی اور حصے میں زمین، باغ، تجارتی کوٹھی یا کسی اور جائداد کے مالک تھے۔ مکہ میں حضرت خدیجہؓ کا ایک چھوٹا سا مکان ضرور تھا جس میں آپؐ رہتے تھے اور آپؐ کے چلے جانے کے بعد جب حضرت فاطمہؓ بھی چلی گئیں تو اپنی حقیقی بہن حضرت زینبؓ کے حوالے کر گئیں۔ حضرت زینبؓ اور ان کے شوہر اس میں رہتے تھے۔

(۴)

ہجرت کے بعد دس سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہت ہی مشغول زندگی تھی، مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کی ایک شہری مملکت کی صورت میں بنیاد پڑ رہی تھی۔ مکہ میں رسول اللہ کوئی سربراہ حکومت نہ تھے۔ مدینہ میں آپؐ ایک مملکت کے سربراہ بھی تھے۔ سپہ سالار بھی، عادل بھی تھے اور ناظمِ مملکت بھی اور اللہ کے رسول تو تھے ہی۔ اس لئے آپؐ کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ معاشی کاموں کے لئے وقت نکالتے

---

[1] یہ پانچ ہزار درہم تھے۔ (ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۳۳۔ مصر ۱۹۳۶ء) [2] اصابہ فی اسماء الصحابہ۔ الاستیعاب۔ ابن عبدالبر (ق۔ ع)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگر حکومت کی کوئی باقاعدہ آمدنی ہوتی تو باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوتی لیکن ابتداء میں چونکہ مدینہ کے بیت المال میں آمدنی ہی بہت کم ہوتی تھی اور وہ بھی مفاد امت پر صرف ہو جاتی تھی اس لئے آپؐ اور آپؐ کے اہل و عیال بڑی تنگی اور فقر و فاقہ کے ساتھ گذارہ کرتے تھے کئی کئی وقت چولہا جلنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ کبھی ایک پیالہ دودھ پر سارے گھر کا گذارہ ہوتا اور کبھی چند کھجوروں پر اور اکثر تو تین تین چار چار وقتوں کا فاقہ ہی رہتا۔ لیکن یہ حالت صرف آپؐ ہی کی نہ تھی بلکہ بہت سے دوسرے صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی سے اپنی زندگی بہت سادہ رکھی تھی۔ ان دنوں میں بھی جب کہ مکہ میں نبوت سے پہلے آپؐ کی مالی حالت نسبتاً اچھی تھی۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں تکلف اور عیش پسندی کو داخل نہ ہونے دیا تھا اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ مکہ میں آپؐ کی سی آمدنی رکھنے والے اور طائف کے امراء نفیس کھانوں قیمتی کپڑوں اور شاندار مکانوں کے عادی ہیں آپؐ نے ہمیشہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ ایک وقت میں دو سالن بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے، موٹے اور بے تکلف صاف ستھرے کپڑے پہنتے اور اس طرح جو رقم بچ جاتی اس سے غریبوں، بیواؤں اور مسکینوں کی امداد فرماتے تھے۔ اس لئے آپؐ کے صحابہ پر فقر و فاقہ کی یہ زندگی کچھ زیادہ بار نہیں گزری۔ وہ سب اسی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ جو رسول اللہؐ نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔

۷ھ تک جبکہ خیبر اور فدک کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ یہی صورتحال باقی رہی اگرمدینہ کے دولت مند یہودی قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ جو سرسبز زمینیں چھوڑ کر گئے تھے ان میں سے حسب قاعدہ ⅕ اراضی بیت المال کے قبضہ میں آ چکی تھی۔ لیکن ان کا خراج اتنا کم ہوتا تھا کہ ضروریات کے لئے پوری طرح کافی نہیں ہوتا تھا۔ اور اب اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ بہ کثرت مہمان آتے تھے۔ عرب قبائل کے وفود کا سلسلہ بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غزوہ احزاب کے بعد سے بڑھ گیا تھا۔ اصحاب صفّہ کا خرچ بھی تھا اس لئے رسول اللہ بڑی عسرت سے بسر کرتے تھے۔

سنہ ۷ھ ـــــــــ میں جب خیبر فتح ہوا تو اہل فدک نے بھی آکر خود نصف پیداوار بطور خراج ادا کرنے پر صلح کر لی۔ خراج مقاسمہ یعنی مالگزاری میں پیداوار کا ایک حصہ لینے کا رواج عرب قبائل میں رائج تھا اور عرب ہی کیا ساری دنیا میں یہ طریقہ رائج تھا۔

اب فدک اور خیبر کی آمدنی سے بیت المال میں وسعت ہو گئی تو آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ مہمانوں پر صرف فرماتے تھے بنی نضیر کی آمدنی اہل صفّہ کے لئے اور دوسرے مساکین کے لئے تھی اور بنی قریظہ کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا خرچ پورا کرتے تھے۔ جو بڑی تنگی کے ساتھ پورا ہوتا تھا۔ اس میں سے بھی اہل ضرورت پر بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا۔

سنہ ۷ھ کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (سنہ ۱۱ھ) تک رسول اللہ کی معاشی زندگی میں کوئی تغیر نظر نہیں آتا۔ حالانکہ اس کے بعد سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکومت عطا فرمائی۔ سنہ ۸ھ تا سنہ ۱۰ھ میں پے در پے فتوحات ہوئیں اور مختلف قبائل مسلمان ہو کر زکوٰۃ اور ذمی رعایا بن کر خراج ادا کرنے لگے۔ مکہ، طائف، یمن حضرموت، سے ایلہ تک کا تقریباً دس لاکھ مربع میل رقبہ مدینہ منورہ کی اس چھوٹی سی مملکت میں داخل ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی خراج میں درہم و دینار آئے کہ بیت المال مدینہ کی چھوٹی سی کوٹھری کے علاوہ مسجد نبویؐ کا صحن اور دالان بھر گئے۔ لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپؐ نے اپنے اہل و عیال کے لئے اس کثیر دولت میں سے کوئی حصہ حاصل کیا ہو۔

حضرت عائشہ سے بلاذری نے روایت کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عرض کیا کہ آپؐ اپنے لئے مکہ میں ایک مکان تو بنوالیں جس میں دھوپ سے محفوظ رہ کر آپؐ ٹھہر سکیں لیکن آپؐ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔

(۵)

معاشی اصلاحات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں نہ کوئی ایسی جائداد پیدا کی جو آمدنی کا ذریعہ ہوتی نہ کبھی نذرانوں پر زندگی بسر کی۔ وراثت میں بھی آپؐ کو کوئی جائداد نہیں ملی کسی سے زرعی یا غیر زرعی ایسی جائداد کا ہبہ کبھی قبول نہیں فرمایا جو آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوتی بلکہ ساری عمر اپنی محنت و مزدوری سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی دولتمندی سے آپؐ کو یہ موقع ضرور مل گیا تھا کہ آپؐ کسی دوسرے کے مالِ تجارت کو لے کر سفر کرنے اور اُجرت حاصل کرنے کی بجائے خود حضرت خدیجہؓ کے مال کو لے کر جاتے۔ اگرچہ اس زمانے میں آپؐ نے دوسروں کا مال مقررہ اجرت پر فروخت کرنے کی مزدوری کی ہے لیکن یہ عموماً اسی وقت ہوا جب کہ آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر کہیں تجارتی سفر کو روانہ ہوتے تھے۔

چونکہ اہلِ مکہ کا پیشہ تجارت تھا اس لئے جب تک آپؐ مکہ میں رہے آپؐ کو گلہ بانی اور تجارت ہی سے واسطہ پڑا۔ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں تجارتی دیانتداری کے بہت سے احکام ملتے ہیں۔ آپؐ نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور نزولِ قرآن کے بعد کئی خطرناک صورتوں کی اصلاح فرمائی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

○ عرب میں عام طور سے دو قسم کی متاجری کا رواج تھا۔ پہلی قسم یہ کہ مقررہ اجرت اور دوسری مقررہ کام کی مقررہ اجرت۔ مستقل طور پر کسی کو اجیر مقرر کرنے کا طریقہ صنعتوں کے فقدان کی وجہ سے ان میں نہ تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو ہدایات فرمائیں اور مدینہ میں با اختیار حکمراں کی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد جس سختی کے ساتھ ان ہدایات پر عمل کرایا اس کے ذکر سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ بعض مشہور احکام یہ ہیں:

* اجیر کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔
* خدا کی لعنت ہے اس مستاجر پر جو اجیر کا کوئی حق مار لے۔
* کسی کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو تم خود نہ کر سکو۔
* کام میں اجیر کا ہاتھ بٹاؤ، اس سے نرمی کا سلوک کرو اور اس کی قوت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالو۔
* اجیر کو اپنی طرح کا آدمی سمجھو، اس کے اعزاز اور اس کی عافیت کا خیال رکھو۔
* یہ یاد رکھو کہ اجیر اجیر ہے اور تم مستاجر۔ یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں کہ تم اجیر ہو جاؤ اور وہ مستاجر۔
* مومن کی شناخت یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینہ سے تر ہو۔
* اللہ کی رحمت ہو اس بندہ پر جو اپنی روزی اپنی محنت سے کماتا ہے۔
* غریبوں کے حق کو پہچانو، یہ تمہارا ہی کام کر رہے ہیں۔
* خدا اس بندے کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے کسی اجیر کا حق مار لیا ہو۔

اسی طرح آپؐ نے اجیروں کو فرض شناسی، دیانتداری اور تندہی کی تعلیم دی اور جب با اختیار ہوئے تو حکماً ان احکام کو جاری فرمایا۔ مستاجرین کے خلاف شکایتیں سُن کر اجیر کا حق دلوایا۔

○ تجارتی معاملات میں عرب کے تمام غیر منصفانہ لین دین کے لئے ایک

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

منصفانہ اصول مقرر فرمایا کہ بوقت معاملہ زرِ ثمن اور شئے مبیع دونوں کا متعین اور غیر مشتبہ ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان دونوں میں کم از کم ایک موجود ہو۔

○ عربوں میں رواج تھا کہ معمولی اور متعارف طریقہ بیع کے علاوہ تقریباً ۹ یا دس طرح کے معاملات کیا کرتے تھے۔ یہ سب کے سب فریب کے امکانات رکھتے ہیں مثلاً :۔

المزابنۃ : درخت میں پھل کو دیکھ کر مقدار متعین کر دی جائے۔ اور اسکو فروخت کر دیا جائے۔

الملامسۃ : قیمت وصول کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ جس مال کو مشتری چھوئے وہ اس کا ہو جائے گا۔

المرابحۃ : اُدھار سودا دے کر یہ شرط کہ فلاں وقت تک اگر ادا نہ ہو تو ثمن میں یا شئے مبیع میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس قسم کے تمام معاملات کو ممنوع قرار دیا۔ ان کے خلاف ہدایتیں کیں اور سختی کے ساتھ انھیں بند کرا دیا۔

○ اسی طرح پانی میں مچھلی اور ہوا میں چڑیا کی بیع عام طور پر رائج تھی اسے ممنوع قرار دیا۔ خیار رویۃ اور خیار عیب مشتری کو عطا کیا۔ قمار کی تمام صورتوں کو جرم قرار دیا۔ اس سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ اور سب سے عظیم الشان اصلاح معاملات کے سلسلہ میں یہ فرمائی کہ سرمایہ کو صرف امتداد زمانہ کے ساتھ بڑھنے سے روک دیا۔ اور یہ حقیقت بنی نوع انسان پر واضح کر دی کہ اصل دائر ہو یا اصل قائم کسی میں نمو ذاتی نہیں ہے۔ اس لئے ہر وہ نفع جو وقت کے مقابلہ میں حاصل کیا جائے گا ظلم ہو گا۔ اس کا تدارک ہونا ضروری ہے۔

اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ سوچئے اور دیکھئے کہ ایک ہی معاشی اصلاح ایسی ہے کہ ظلم و تعدی اور استحصال ناجائز کے اکثر دروازوں کو بند کر دیتی ہے۔

سرمایہ کی ایک شکل تو وہ ہے جو قائم ہے۔ مثلاً زمین، تالاب، کان وغیرہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھیں اصل قائم کہا جاتا ہے۔ تالاب یا کان وغیرہ زمین ہی کے جزو ہیں۔ اس لئے لفظ زمین اصل قائم کو ظاہر کرتا ہے۔ اب آپ غور کریں کیا واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنی ضروریات جن اشیاء سے پوری کرتے ہیں وہ سب کی سب بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین کی پیداوار ہیں؟

سرمایہ کی دوسری شکل وہ ہے جو تبدل اور تغیر کے ساتھ ہمارے لئے کار آمد ہوتی ہے اور مختلف ہاتھوں میں پھرتی رہتی ہے مثلاً زر نقد، مال تجارت اور کرایہ پر دی ہوئی عمارتیں وغیرہ۔ اسے تقویم کے لئے مروجہ سکوں میں بدل کر انھیں اصل دائر کہتے ہیں۔

اصل قائم ہو یا اصل دائر کسی قسم کے اصل میں حقیقتاً کوئی نمو ذاتی موجود نہیں ہے۔ یہ محض اولاد آدم کی محنت ہے جو اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے اور ناقابلِ انکار حقیقت تو بمقابلہ امتداد زمانی نفع کا استحصال ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

سود یا ربوا اسی اضافہ کو کہتے ہیں جو صرف بمقابلہ مدتِ زمانی حاصل کیا جائے۔ یہ درحقیقت محنت کش کو اس کے محنت کے پھل سے محروم کر کے استحصال بالجبر کی ناپاک ترین صورت ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس کو چوری اور زنا جیسے سنگین جرم سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیا ہے۔ اور فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ کا اعلان کر کے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔

آپ جتنا زیادہ اس معاملۂ ربوا پر غور کریں گے اتنا ہی یہ حقیقت روشن ہوتی جائے گی کہ یہ معاشی بے چینی اور بدحالی کا بنیادی سبب ہے۔ بالکل اسی طرح اصل قائم پر قبضہ نے حقیقتاً محنت کش کسانوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنی محنت کا نصف نتیجہ ان زمینداروں کے حوالے کر دیں جن کا غلہ کی پیدائش میں کوئی حصہ نہیں ہوتا حتیٰ کہ خشکی و تری یا دوسری آفات ارضی و سماوی سے اگر پیداوار حاصل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو تو کسان کے ساتھ بیج اور بیلوں کے نقصان میں بھی حصہ دار نہیں ہوتے۔ یہی بے انصافی و ظلم کا نتیجہ ہے کہ

ظہر الفساد فی البر والبحر
بما کسبت ایدی الناس ؎

یعنی خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے
لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے
(اعمال سے)

؎ روم - ۴۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عسکری زندگی

(۱)

ایک جائزہ ایک مطالعہ!

۰ ۔ نثار احمد

بعثت نبوی کے وقت دنیا کے عمومی حالات پر قرآن کا مجمل مگر جامع تبصرہ ظہر الفساد فی البر والبحر (خشکی اور تری ہر جگہ فساد ہی فساد تھا) حرف بہ حرف صادق آتا ہے چنانچہ عسکری اعتبار سے بھی اگر اس وقت کی دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ہر طرف اسی کا دور دورہ دکھائی دیتا ہے روم و ایران کی سلطنتیں ہوں یا چین و ہندوستان کی حکومتیں یا ترکستان و حبش کے علاقے ہر جگہ کا طریقہ جنگ بیشتر معاملات میں ایک ہی نظر آتا ہے بس جو فرق ہے وہ کیف و کم کا' ضعف و قوت کا اور کثرت و قلت کا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی قوم جب دوسری قوم پر چڑھائی کرتی تو تہیہ کر لیتی کہ اس کو مٹا کر چھوڑے گی۔ متاقلین و غیر متقاتلین کا امتیاز عملاً مفقود تھا۔ دشمن قوم کا ہر فرد کشتنی اور قابل گردن زدنی سمجھا جاتا تھا۔ فوجوں کی پیش قدمی میں فصلوں کی تباہی' باغات کی بربادی' عمارات کا انہدام' معابد و متبرک مقامات کی بے حرمتی۔۔۔ عصمت ریزی اور آبرو ریزی سب کچھ جائز بلکہ ضروری تھا بستیوں کی لوٹ مار' آتش زنی قتل عام' معمول بن گیا تھا۔ بے گناہ انسانوں پر جو زیادہ سے شفقت برتی جاتی تو یہ کہ انہیں غلام بنا لیا جاتا۔ مذہبی مظالم' سفراء پر تعدی' بد عہدی اور جنگ کے وحشیانہ طریقے الگ رہے۔ فوجی نظام اخلاقی حدود کی پابندیوں سے بالکل آزاد تھا۔ ان میں فوجی تربیت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آدابِ جنگ کی تعلیم، عسکری نظم و ضبط مفقود تھا اس کے بجائے لوٹ کھسوٹ، وحشیانہ برتاؤ بدترین مکروفریب، بزدلانہ سازشیں بہیمیت، قتل و آتش کے مظاہرے وغیرہ ان کے دل پسند مشاغل کی حیثیت رکھتے تھے۔ انسانی خون سے ہولی کھیلنا، مرنے کے بعد کھال کھنچوانا یا بہ زنجیر گشت کرانا، شانوں میں سوراخ کرکے رسیاں پرونا اور پھر سب کو باندھ کر گھسیٹنا انہیں انتہائی مرغوب تھا۔

اس دُنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ظلم و سفاکی کے ان طریقوں کے برعکس آپؐ نے جنگ کا ایک نیا تصور پیش کیا۔ اور دفعِ شر کو جنگ کا مقصود بتایا، مقصدِ جنگ کی تطہیر کی۔ اور اسے "جہاد فی سبیل اللہ" کا حسین قالب عطا فرمایا۔ جہاد کسی کام یا مقصد کے حصول میں انتہائی کوشش صرف کرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ فی سبیل اللہ کی تحدید نے واضح کر دیا کہ یہ جہاد نفس کی کسی خواہش، ملک کی تسخیر، کسی عورت کے وصال یا عداوت کے انتقام، دولت یا حکومت و اقتدار کے حصول، یا شہرت و ناموری کے لئے نہیں ہو گا بلکہ محض دفعِ شر کے لئے اور اللہ کی راہ میں ہو گا۔ آپؐ نے ایک مکمل ضابطہ اور قانونِ جنگ و صلح دیا۔ جنگ کے آداب، اس کے اخلاقی حدود، محاربین کے حقوق و فرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز و فرق، معاہدین کے حقوق، مفتوح قوموں کے حقوق، سفراء اور اسیرانِ جنگ کے حقوق وغیرہ کی تعلیم دی مثلاً اہل قتال کے حقوق کے سلسلے میں مسلمانوں کو غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز کی تلقین کی گئی، اسی طرح آگ میں جلانے، لوٹ مار کرنے، تباہ کاری، مثلہ کرنے، قتل اسیر، قتل سفیر، بدعہدی، بدنظمی و انتشار، شور و ہنگامہ اور دوسرے وحشیانہ افعال کی سخت ممانعت کی گئی۔ اس کے مقابلہ میں تقویٰ، خوفِ خدا اختیار کرنے، ایفائے عہد کرنے کی تلقین، غنیمت میں خیانت وغیرہ سے بچنے کی تنبیہ اور مثلہ کرنے اور بچے بوڑھے عورت کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے الجہاد فی الاسلام۔ از سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ لاہور ۱۹۶۲ء۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان باتوں کا اندازہ اس خطبہ سے لگایا جا سکتا ہے جو جیش موتہ کے سامنے رخصت کرتے وقت آپ نے دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "اغزوا بسم اللہ فقاتلوا عدو اللہ وعدوکم بالشام وستجدون فیہا رجالاً فی الصوامع معتزلین الناس فلا تتعرضوا لھم۔ وستجدون آخرین للشیطان فی رؤسھم مفاحص فاقلعوھا بالسیوف لا تقتلن امرأۃً ولا صغیراً ضرعاً ولا کبیراً۔ ولا تقطعن نخلاً ولا شجراً ولا تھدمن بناءً ____ اللہ کا نام لے کر خدا کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں سے ملکِ شام میں لڑائی لڑو۔ وہاں تمھیں خانقاہوں میں گوشہ نشین راہب ملیں گے خبردار! ان سے تعرض نہ کرنا۔ ان کے علاوہ بعض ایسے ملیں گے جن کی کھوپڑیوں میں شیطان نے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ سو تلوار سے ان کا قلع قمع کر دو۔ دیکھو! عورت شیر خوار بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ نہ کھجور یا دوسرا کوئی درخت کاٹنا، نہ کوئی عمارت مسمار کرنا[1]

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ ایک پاکیزہ چیز بن گئی۔ شر و فساد کا دفعیہ ہو گیا۔ اعلیٰ نصب العین کی خاطر قربانی کا سبق ملا۔ اور آٹھ دس سال کی قلیل مدت میں عظیم الشان نتائج برآمد ہوئے۔ یعنی عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا۔ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے انا النبی الرحمۃ، انا نبی الملحمہ (میں رحمت کا پیغمبر ہوں میں جنگ کا پیغمبر ہوں)[2] آنحضرتؐ نے واقعی جنگ کو بھی ایک رحمت بنا دیا۔!

---

[1] خطبات نبوی ص ۸۷ مرتبہ محمد ادریس طوروی لاہور ۱۹۷۶ء [2] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۲۶۵ مکتبہ ابراہیمیہ۔ دکن بار دوم۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ صحیح ہے کہ باقاعدہ عسکری زندگی کا آغاز و اختتام ہجرتِ مدینہ کے بعد ہی ہوا۔ لیکن جہاد کے وسیع معانی کو سامنے رکھا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپؐ کی پوری زندگی جہادِ مسلسل سے عبارت ہے۔ نیز آپؐ کی مکی زندگی مدینہ کی عسکری زندگی کے مقدمہ اور تربیتی دور کی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی پیدائش سے لے کر ہجرت تک کے پورے زمانے میں آپؐ کی عسکری صلاحیتوں کا اظہار ہوا ہے۔ بالکل ابتدائی زندگی میں بھی آپؐ کو ایسے مواقع ملے تھے جن سے آئندہ زندگی میں بہت مدد ملی اور عسکری قوتوں نے جلا پائی ہے۔

عرب کے جس معاشرہ میں آپؐ نے آنکھ کھولی تھی اس میں شک نہیں کہ بہت سی قابلِ نفرین برائیاں موجود تھیں لیکن یہ بھی عین حقیقت ہے کہ صفاتِ محمودہ کا بالکل کال نہ تھا۔ اور ان میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ عرب مہمات پسند تھے۔ بہادر اور شجاع تھے۔ گو کہ یہ شجاعت خانہ جنگیوں کی نذر ہو جاتی تھی۔ وہ فیاض اور دریا دل تھے چاہے وہ اس میں کتنی ہی بے اصولی برتتے ہوں۔ وہ بات کا پاس و لحاظ اور ایفائے عہد کے سختی سے پابند تھے چاہے اس میں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے انھیں جان لینے یا دینے میں باک نہ تھا۔ خودداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ خواہ اس کا اظہار لڑکی کو زندہ درگور کرنے میں ہی کیوں نہ ہو۔ وہ دھن کے پکے اور استقلال کے پتلے تھے چاہے مقصدِ زندگی کوئی نہ ہو۔ انھیں توانائیاں تھیں مگر مرکز گریز مختصر یہ کہ حوصلہ مندی بے جگری اور بہادری کے لئے جو کچھ صفات ضروری ہیں وہ سب ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ بس اصل خامی یہ تھی کہ شیر کی قوت خرگوش کے شکار میں صرف ہو رہی تھی۔

آپؐ کی پیدائش عرب کے شریف ترین خاندان میں پاکیزہ ترین خون کے ساتھ ہوئی۔ صاف ستھرے گندگی اور آلائشوں سے پاک، نظیف و لطیف۔ محبت و شفقت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے حلیم الطبع بدون حلیمہ نے پرورش کی۔ جنگل کی کھلی، صاف اور عمدہ آب وہوا کھیل کود، بچوں کے ساتھ اونٹ بکریاں چرانے، کھجور، دودھ جیسی غذا اور صحرا کی محنت پسندی نے صحت پر وہ اثر ڈالا کہ بقول ابن سعد دو سال کی عمر میں چار سال کے معلوم ہوتے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ خادمہ ام ایمن ساتھ تھی۔ بنی النجار کی بستی میں ننھیال تھی وہیں قیام فرمایا۔ مدینہ کی بستی سرسبز و شاداب تھی بڑے بڑے کنوئیں تھے۔ جہاں آپ نے پیراکی اچھی طرح سیکھ لی۔ بنی النجار کے اطم میں کھیل کود اور چڑیاں اڑانا آپؐ کا دلچسپ مشغلہ تھا۔[1] وہاں مہینہ بھر قیام فرما کر مکہ واپس ہوئے تو ابوار کے مقام پر والدہ کا انتقال ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد دادا کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔ یتیمی نے احساس ذمہ داری اور بڑھا دیا چنانچہ چچا ابوطالب کی کفالت میں آئے تو محنت مزدوری اور شغل شبانی اختیار کیا۔ ان امور نے چوکسی، فرض شناسی، مستعدی، اور تجربہ و ادراک کے جوہر چمکا دیئے۔ متانت و سنجیدگی قناعت اور دوسروں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ ابوطالبؓ کے ہاں جب دوسرے بچے لوٹ کھسوٹ مچاتے تھے[2] تو آپؐ وقار و سکون سے ایک طرف کھڑے رہتے تھے نوجوان ہوئے تو ایک روایت کے مطابق تیسری اور چوتھی حرب فجار میں آپؐ نے شرکت کی تھی۔ تیسری میں عرب کے مشہور نیزہ باز ابوبراء ملاعب کے بڑی بہادری سے آپؐ نے نیزہ مارا تھا اور چوتھی میں آپؐ اپنے چچاؤں پر تیروں کی بارش کو روکتے تھے۔ اور کچھ تیر بھی چلائے تھے[3] پھر جب انجمن امداد مظلومین یا مجلس امن (حلف الفضول) بنی تو اس کے ممبر بھی آپؐ تھے۔ مکمل جوان ہو کر باقاعدہ تجارت شروع کی۔ کبھی ابوطالب کے اشتراک سے کام کرتے کبھی خود اپنا مال و سامانِ تجارت باہر بھیجتے۔ اور کبھی

---

[1] رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ص ۳۹ کراچی ۱۹۶۱ء [2] ایضاً ص ۴۴، ایضاً

[3] ایضاً: ۴۹ تا ۵۱

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کا مال تجارت لے کر باہر جاتے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں تہامہ، بصری، جرش جُرش اور غالباً حبشہ تک کا سفر کیا۔ اس بنا پر راستوں سے واقفیت ہوگئی۔ اور شخصی تعلقات پیدا ہوئے۔ پھر اپنی معاملہ فہمی، خوش معاملگی، ایفائے عہد، دیانت وامانت اور بہادری و بے خوفی وغیرہ میں نظیر قائم کر دی۔ چنانچہ لوگ "صادق" اور "امین" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ صحت و شباب کی معراج پر پہنچے تو طاہرہ و مطہرہ سے رشتہ ازدواج طے ہوگیا۔ دس سال میں کوئی چھ اولادیں ہوئیں۔ نیز گھر کی کفالت، صلہ رحمی، ضیاداری، کسب معاش، مہمانوں کی ضیافت، حق کی اعانت، یتیموں پر شفقت، عاجزوں کی دستگیری اور خوش خلقی نے عالی ظرفی کی تابناک مثالیں قائم کیں۔ تنصیب حجر اسود کے موقع پر فراست و حکمت نے کمال دکھایا۔ پھر بعثت کے بعد تبلیغ کی ابتدائے سے لیکر ہجرت تک کے عرصہ میں آپؐ نے تنظیم و اجتماع اور منصوبہ بندی کی زبردست صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا۔ اور کفار و مشرکین کے مقابلہ میں پوری مخالفانہ جنگ، صبر و استقلال، حکمت و تدبر اور ہمت فراست کے ہتھیاروں سے جیت لی۔ اور "حزب اللہ" کی تنظیم و ترتیب کے ضمن میں اپنے ساتھیوں کو مطلوبہ صفات کی تربیت بھی دی۔ انھیں صبر و استقلال، جذبہ اور لگن نیز دشمن کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بخشا۔ اور ایک اعلیٰ نصب العین کے لئے جینا اور مرنا سکھایا۔

*

ہجرت مدینہ کے بعد ایک باقاعدہ فوجی نظام آپؐ نے قائم فرمایا۔ کمانڈر انچیف اور سربراہ کی حیثیت خود آپؐ کی تھی۔ آپؐ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو دور سے بیٹھ کر جنگ لڑاتے ہیں۔ اور جنگ میں اپنے ہم جنسوں کو جھونک دیتے ہیں۔ آپؐ نے بنفسِ نفیس ۲۷ لڑائیوں کی قیادت کی ہے۔ چھوٹے موٹے دستے البتہ سرحدوں کی نگرانی اور بعض علاقوں کی حفاظت اور دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لئے دوسرے صحابہؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی سرکردگی میں روانہ فرماتے تھے۔ سب سے عظیم الشان جنگ جو اسلام میں فیصلہ کُن حیثیت رکھتی ہے اور جو قریش اور مسلمانوں کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ ہے، جنگِ بدر ہے۔ اس جنگ میں جس عسکری ذہنی مہارت اور تنظیمی و ترتیبی صلاحیت کا آپ ﷺ نے مظاہرہ فرمایا ہے ان کی حیثیت بلاشبہ اسلامی نظامِ عسکری میں سنگِ میل کی ہے چنانچہ اس سلسلے میں قلتِ تعداد کے باوجود فتح، میدانِ بدر میں جگہ کا انتخاب، جنگ کی تیاری تنظیم افواج اور مناسب جگہوں پر پہلے سے قبضہ، بہتر دسترس، جنگ سے پہلے ہدایات صف بندی، قطاروں اور مختلف حصوں میں فوج کی تقسیم، مختلف حصوں پر مختلف افسروں کا تعین، پھر آخری بار تنقیدی معائنہ، پیغام رسانی و ہدایت رسانی کے لئے تیز رفتار سانڈنیاں جنگ سے کچھ پہلے میدان میں دشمن کے آدمیوں کے قتل کی نشاندہی، پھر دعا اور طلبِ استعانتِ خداوندی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک طرف فوج میں مکمل اتحاد اور تنظیم پیدا کی۔ اور دوسری طرف پرانے طریقِ جنگ کو چھوڑ کر نئے نئے تجربے بھی کئے۔ مثلاً غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودی گئی۔ اسی[1] طرح فتح مکہ کے وقت توصف آرائی ایک مخصوص افسر کے سپرد ہو گئی تھی جو وازع کہلاتا تھا۔[2] ہر فوج کا مہم پر روانگی سے پہلے شہر کے باہر معائنہ (عرض) ہوتا تھا اور کم عمر رضاکار یا سواری یا اسلحہ نہ رکھنے والے یا اور طور پر نامناسب افراد واپس کر دیئے جاتے تھے۔[3] جنگِ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ "جب تک میں حکم نہ دوں کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر بے کار ضائع نہ کرے بلکہ جب زد پر آئے تو مارے۔ اس سے قریب آئے تو پتھر پھینک کر مارے اس سے بھی قریب آئے تو نیزہ اور پھر تلوار چلائے۔ وردی کی غیر موجودگی میں اور شناخت کی ضرورتوں کے لئے اسلامی سپاہیوں

---

[1] یہاں سے آخر تک کا حصہ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی (ص ۲۶۶ تا ۲۷۲ اور ۲۱۶ تا ۲۱۹) مطبوعہ مکتبۂ ابراہیمیہ دکن بار دوم سے ماخوذ و ملخص ہے۔ [2] طبری [3] ابن ہشام، ابن سعد، طبری وغیرہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لئے شعار (دارج ورڈ) مقرر کئے گئے تھے۔ اور ہر دو بدو مقابلے کے وقت سپاہی اس شعار کو دہراتا اگر حریف وہ لفظ نہ دہراتا تو اطمینان ہو جاتا کہ وہ رفیق نہیں دشمن ہے۔ خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن کے محصور قلعے میں پتھر برسائے گئے تھے۔ طائف کے محاصرے میں مزید براں دبابے بھی استعمال کئے گئے تھے۔ دبابہ ایک پہیئے والی گاڑی ہوتی تھی جس کے اوپر بیل یا گائے کا یا کوئی اور موٹا چمڑا منڈھ دیا جاتا تھا۔ تاکہ اندر رہنے والے آدمیوں کو تیروں سے صدمہ نہ پہنچایا جا سکے۔ فصیلوں کو کھودنے اور مماثل کام کرنے کے لئے اسے کام میں لایا جاتا تھا۔ طائف میں منجنیق کے علاوہ عرادہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔ جو منجنیق ہی کی طرح پتھر وغیرہ دور پھینکتا تھا۔

جنگ کے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تدابیر اختیار فرمائیں انمیں سے ایک چیز تو عام تھی لیکن قریش کے سلسلے میں بہت مکمل مظاہرہ ہوا وہ یہ ہے کہ دشمن کی ہر نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر رہیں۔ اور اپنی نقل و حرکت سے اُسے آخر وقت تک بے خبر رکھیں۔ اس غرض کے لئے مکہ میں بھی آپؐ کے نامہ نگار متعین تھے۔ خندق کے معرکے میں قریش نے مدینہ کے شمال کے قبائل غطفان وغیرہ کے دس ہزار کے جم غفیر کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اتنا بڑا لشکر عرب میں غیر معمولی بات تھی۔ اتفاق سے اسی زمانے میں آنحضرتؐ عرب کے شمال میں دومتہ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ آپؐ کا آدھے راستے سے واپس آجانا اور محاصرہ کنندوں کے پہنچنے سے پہلے دو ہفتہ

کی مہلت پر کر خندق کی کھدائی کو مکمل کرنا خبر رسانی کے عمدہ انتظام پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فتح مکہ کی مہم کی تیاری ایک شخص نے مدینہ سے قریش کو لکھ بھیجی تو پیام رساں راستے میں پکڑا گیا۔ اپنی خبروں کو پھیلنے سے روکنے کیلئے ناکوں کی بندش جتنی مکمل ہو چکی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دس ہزار کا لشکر مدینہ سے مکے کی طرف چلتا ہے اور مضافات مکہ میں پڑاؤ ڈالنے سے پہلے دشمن کو خبر نہیں ہوتی اس کا ایک اور طریقہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غلط سمت میں سفر کیا اور جب کہا کہ منزلِ مقصود پر پہنچا بھی (سوائے تبوک کے) ہر وقت زیرِ عمل تھا۔
دوسری اہم تدبیر یہ اختیار کی گئی تھی کہ مختلف وسائل سے قریش کے دوستوں کو توڑنے اور مسلمانوں سے جوڑنے پر آمادہ کیا جائے۔ یہ طریقہ بھی بہت کارگر ہوا چنانچہ صلح حدیبیہ میں قریش کو اس بات پر آمادہ کر دینا کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں گے ایک زبردست سیاسی فتح تھی جس کے بعد صرف خیبر کے یہودی رہ گئے تھے۔ جن کو آسانی سے زیر کر لیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدا سے یہ اصول تھا کہ بات کا پاس رہے اور حلیفوں کی مدد سے کبھی غفلت نہ کی جائے اس کے ساتھ اسلامی فوجوں کی جنگی برتری، فتوحات کی دھاک، معاشی وسائل پر زبردست اقتدار ان تمام امور نے چاروں طرف کے چھوٹے چھوٹے قبائل کو آنحضرت کا مطیع کر دیا تھا۔ اور یوں دشمن کو اسی کے دشمنوں سے گھیر لیا جاتا تھا۔ دشمنوں میں پھوٹ ڈالنا بھی ایک مفید اصول کے طور پر اکثر عہد نبوی میں برتا گیا۔ جنگ خندق اس سلسلے میں کئی نظیریں پیش کرتی ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ عام حالات میں بھی نوجوانوں کی تربیت اور ان میں مستعدی و مردانگی پیدا کرنے کے لئے آپؐ مختلف سرگرمیوں اور مردانہ کھیل کود کی بھی سرپرستی فرماتے تھے۔ نشانہ اندازی اور شہسواری تو گویا عام ضروری بات تھی، آپؐ تیراکی اور کشتی کی بھی ترغیب دیتے تھے۔ کشتی کے ضمن میں عرب کے مشہور پہلوان رکانہ کا تذکرہ ضروری ہے۔ جس کو مسلسل تین بار آنحضرتؐ نے زمین پر پٹخا تھا۔ جنگ احد کے موقع پر چند نوعمر رضاکاروں کو کشتی لڑنے میں ماہر ہونے کے باعث فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ دوڑ کے سلسلے میں آدمیوں کی، گھوڑوں کی، گدھوں اور اونٹوں کی دوڑ سب سے زیادہ مقبول تھی۔ آنحضرت اس پر خود انعام دیا کرتے تھے۔ تربیت یافتہ گھوڑوں کے لئے الگ الگ مسافتیں مقرر تھیں۔ وہ مقام اب تک مدینہ منورہ میں محفوظ ہیں جہاں سے شرط کے گھوڑے وغیرہ روانہ ہوتے تھے اور وہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقام (اب مسجد السبق کے نام سے موسوم ہے) بھی جہاں کھڑے ہو کر آپ جیتنے والے کا تعین کرتے تھے۔ دوڑ میں انعام اول، دوم، سوم، چہارم متعدد افراد کو ملتے تھے۔ کبھی یہ انعام کچھ کھانے کی چیزیں مثلاً کھجور وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں عورتوں کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خود آنحضرتؐ کا دو مرتبہ دوڑ میں مقابلہ کرنا مشہور واقعہ ہے۔ جنگ بدر و احد وغیرہ میں زنانہ رضاکار زخمیوں کی مرہم پٹی پانی پلانے، تیر چن کر اپنے ساتھیوں کو دینے بلکہ خود تلوار کھینچ کر لڑنے کے کام انجام دیتی رہی ہیں۔

ایمان لانے کے بعد ہر شخص کو نماز روزہ حج زکوٰۃ کا پابند کیا جاتا ہے۔ نماز میں صف آرائی اجتماعی عمل، فوج کا گھروں اور بارکوں سے ان کی آواز پر اجتماع گاہ میں پہنچ جانا۔ اثنائے نماز میں امام کسی وجہ سے نماز سے الگ ہو جائے تو فوراً معمر مقتدی کا اس کی جگہ لے کر بقیہ نماز کی تکمیل کرانا، نماز خوف کا انتظام، پنج وقتہ محلہ واری اجتماع ہر ہفتہ شہر واری اور ہر سال دو مرتبہ شہر و مضافات کے عام اجتماع، رکوع و سجود کے ذریعے سے جسم میں لچک اور قوت پیدا کرنا، غرض روحانی کے ساتھ ساتھ اس میں بیسیوں عسکری مصالح نظر آتے ہیں۔ فوجوں کو کھانے پینے کی چیزیں ہر وقت کہاں مل سکتی ہیں۔ روزے اور تراویح کے ذریعے سے ہر موسم میں دن بھر اور رات کے خاصے حصے میں بھوکے پیاسے کام کرنے کی جو تربیت ملتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے پھر فوج کو کوچ اور پڑاؤ کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے حج اور میدان عرفات سے بہتر کیا مقام مل سکتے ہیں کہ تمام دنیا سے لوگ آئیں اور اس بے آب و گیاہ مقام پر کوچ اور کیمپ کی تربیت حاصل کریں۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ اندازہ کرلینا مشکل نہیں ہے کہ عسکری پہلو کے اعتبار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل تقلید مثال چھوڑی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

عسکری اصول اور پیمانے

○ میجر جنرل اکبر خان (ریٹائرڈ)

غیر مسلم مؤرخین نے مسلمانوں کے اذہان میں جو غلط فہمیاں پیدا کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مکّہ کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینے کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مختلف تھا۔ مکّہ میں وہ امن اور عدم تشدّد کے پیرو تھے جبکہ مدینہ میں جنگجویانہ صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ مکّہ میں مسلمان تشدّد، بربریت اور ظلم وستم کو خوف اور کمزوری کی وجہ سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جان بچا کر مکّہ سے مدینہ کی طرف راہِ فرار (یعنی ہجرت جسے وہ فلائیٹ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں) اختیار کرنا پڑی۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں کے بعض مسلمان مؤرخین بھی ہجرت کے صحیح معنی اور جہاد کے نظریے سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

عسکری نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی اور مدنی زندگی میں اس قسم کا کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ مغربی علماء نے ہمیں باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ دراصل ایک ہی زندگی کے دو مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ مکّی ہے اس دوران آپؐ نے مکّہ میں سالاروں اور سپاہیوں کی تربیت کی اور نظم وضبط کے معاملہ میں ایسا کامل کر دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ مکّہ ہی تھا جہاں آپؐ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے ہجرت کا دفاعی منصوبہ بنایا اور اس پر ہوشمندی سے عمل بھی کیا۔ آپ نے اس مختصر سی مدت میں اتنے قابل اور نامور سالار تیار کر دیے جن پر تاریخ اسلام بجا طور پر فخر کر سکتی ہے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کا نام اس سلسلے میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ پھر بعد کو قیام مدینہ کے دوران اس تعداد میں بے انتہا اضافہ ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں جس قسم کی تربیت دی ہے اس کی مثال اور نقل آج ٹریننگ کے مراکز میں ملتی ہے جہاں جوانوں عہدیداروں اور جونیئر کمیشنڈ افسروں کو تربیت دی جاتی ہے اسے ریکروٹ کی تربیت اور انفرادی ٹریننگ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیام حق کے اعلان کے وقت ایک فرد واحد تھے مگر بعد میں آہستہ آہستہ اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ لیکن آپؐ نے زبردستی پیام حق منوانے کا طریقہ اختیار نہ کیا۔ نہ تو آغاز میں اور نہ اس وقت جبکہ آپ کی طاقت مشرکین سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی ابتداً چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لیے لڑائی یا لڑائیاں لڑنے کا سوال ہی نہ تھا۔ علاوہ ازیں حضورؐ کو حلیفوں کی ضرورت تھی اس لئے آپ صبر و عزم اور ہمت و استقلال کے ہتھیاروں سے دشمن کا دفاع کرتے رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز دعوت سے لے کر ہجرت سے پہلے تک کے حالات و واقعات دیکھیے، اس زمانہ کی مشکلات کا اندازہ کیجیے۔ مخالفوں اور عداوتوں کو ملاحظہ کیجیے۔ ایک طرف کفر و طغیان اور ظلم و عدوان ہے بے مہری ہے، ضد و تعصب ہے جہالت و بے بصری ہے، دوسری طرف تنہائی اور بے سروسامانی کے باوجود عزم و استقلال ہے۔ ضبط و خود اعتمادی اور صبر و استقامت ہے۔ پھر مقابلہ چند افراد سے نہیں پوری قوم سے ہے، صرف بیگانوں سے نہیں اپنوں سے بھی ہے، پھر کوئی مفاہمت ممکن نہیں کوئی رعایت کا سوال نہیں، کوئی لالچ درمیان نہیں۔ آپؐ تحمل و برداشت کی آخری مثال قائم فرما دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حکم ربی آتا ہے تو اپنے دفاعی منصوبہ کو قسبہ عمل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لانے کے لئے مکّے سے مدینے ہجرت فرماتے ہیں اور جس مقصد کے لئے مظالم سہے تھے اب اسی کے لئے دفاعی سیاست (گرینڈ اسٹریٹیجی) اور حربی تدبیروں (اسٹریٹیجی اینڈ ٹیکٹکس) کو اختیار فرماتے ہیں۔ مکّہ سے خالی ہاتھ ایک رفیق و جانثار کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ دشمن تعاقب میں ہے۔ جان لینے کی ترکیبیں جاری ہیں لیکن آپ کے اوپر نہ خوف و ہراس کا کوئی شائبہ ہے نہ تذبذب اور پریشانی ہے نہ مایوسی اور دل شکستگی۔ بلکہ عزم و استقلال اور سکینت و اطمینان سے محض مستقر اور لائحہ عمل کی تبدیلی فرما رہے ہیں۔ غرض ہجرت نبوی کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ہجرت کا حکم تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے تھا لیکن اس کا منصوبہ اور دفاعی مرکز کا انتخاب آنحضرتؐ کی روشن ضمیری اور سیاسی و عسکری بصیرت پر مبنی تھا۔ البتہ یہاں بجا طور پر یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے لئے صرف مدینہ کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا اس سلسلے میں چند نکات قابل غور ہیں

(۱) مدینہ (یثرب) حجاز کا تجارتی مرکز اور اہم شہر تھا۔ تمام ایسے راستے جو ایام جنگ میں افواج کی نقل و حرکت کے لئے اہم ہوتے تھے اس شہر کے اندر سے یا اس کے قریب سے گذرتے تھے اور دوسرے راستے وہ تھے جو دشوار گذار علاقوں اور ایسی جگہوں سے گذرتے تھے جہاں سایہ اور پینے کا پانی اور خورد و نوش کا سامان بہت مل سکتا تھا۔

(۲) یہ علاقہ نسبتاً گرد و نواح کے زرخیز تھا۔

(۳) دفاعی نقطۂ نظر سے پہاڑوں سے گھرا ہوا اور محفوظ تھا۔

(۴) مرکز تقا آ ہونے کی وجہ سے وہ چھوٹی سی فوج جو وہاں مقیم ہو اس حملہ آور فوج پر ایسی حالت میں حملہ کر سکتی تھی جبکہ وہ تھکی ماندی ہو۔ نیز اگر یہی فوج قابل سالار اور نقل و حرکت کرنے کی اہل ہو تو ایک دشمن کی فوج کو تباہ کرنے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے بعد دوسری فوج پر بھی حملہ آور ہو سکتی ہے اس جنگی اصول کو انٹیریر لائنز کہا جاتا ہے۔ یہ اصول جہاں کارگر اور مفید ہے وہاں پر اس پر ہوشمندی سے عمل کرنا آسان نہیں ہے اسے کارگر بنانے کے لئے عالی دماغ سالار اور باعزم فوج کی ضرورت ہے

(۵) مدینہ کو مرکز بنا کر مسلمان کفارِ قریش کی نہ صرف تجارت پر کاری ضرب لگا سکتے تھے بلکہ اشیاء خوردنی کے معاملے میں خاصا پریشان کر سکتے تھے۔

اگر کوئی بڑی جنگ لڑ لینا اور کوئی بڑی فتح حاصل کر لینا ہی حقیقی، عظمت ہے۔ جبر و تعدی کے وسائل اختیار کر کے قوموں کو مغلوب کر لینا بڑی بات ہے تو تاریخ میں اس کی مثالیں کم نہیں ہیں سکندرِ اعظم سے لیکر نپولین اعظم تک بہت سے نام مل جائیں گے۔ لیکن اگر عظمت و جلالت، انسانی سود و بہبود اور فلاح و نجاح کے پیمانے سے ناپی جاتی ہے فتح و کامیابی نتائج کے معیار پر پرکھی جاتی ہے امورِ مہم کی حیثیت ان کے موثرات سے متعین ہوتی ہے اعمال کی وقعت اخلاص نیت اور مقصد سے وابستگی پر موقوف ہوتی ہے اور قلت وسائل کے باوجود ارادہ کی پاکیزگی مقصد کی لگن طریقہ کار کی افضلیت اور شخصی اوصاف کا علو کوئی معانی رکھتا ہے تو علم و بصیرت اور اذعان و ایقان کی پوری روشنی کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا میں کسی کو حقیقی عظمت حاصل نہیں اور نہ آپ سے زیادہ بڑا، کامیاب اور قابل ستائش کوئی امیر عسکر ہوا ہے

ہجرت کے بعد آپؐ نے ستائیس ۲۷ غزوات کیے اور جہاد کے لئے مختلف اوقات میں پینتیس ۳۵ مہمات مختلف مقامات کو روانہ فرمائیں اور یہ سب دس سال کی قلیل مدت میں ہوا۔ اور ان نتائج کے ساتھ کہ مخالفتوں اور عداوتوں کے زہرہ گداز طوفان ختم ہو گئے۔ خون کے پیاسے اور جان کے دشمن جاں نثار و فداکار بن گئے۔ جہاں کفر و

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرک کا دور دورہ تھا وہاں اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ وحشت و بربریت کی جگہ انسانی مجد و شرف نے لے لی۔ تہذیب و شائستگی اور ہدایت و صلاح اس طرح عام ہو گئی کہ اہل عرب دنیا کے ہادی و معلم قرار پائے۔

اس فقید المثال کامیابی کی رفتار بھی معلوم ہے آپ کو کیا تھی؟ اور سارے غزوات و مہمات میں نقصان جان کا اوسط کیا رہا؟ ۲۷۴ مربع میل یومیہ کی رفتار سے دس سال تک مسلسل توسیع ہوتی رہی اور مسلمانوں کا اوسطاً نقصانِ جان ایک نفر ماہانہ اور دشمن کا بمشکل ایک سو پچاس۔ اور جب دس سال پورے ہو گئے اور آپؐ کا مشن تکمیل کو پہنچ گیا تو دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقہ زیر نگیں تھا اور وہ بھی اس طرح کہ کسی معرکے میں شکست نہیں، کہیں پسپائی نہیں، کہیں کوتاہی نہیں مزید برآں دشمن کے مقابلے میں جمعیت ہمیشہ کمتر رہی اور اسباب و وسائل انتہائی قلیل رہے پھر فتحمندیوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ آپ کی حیات طیبہ کے بعد بھی جاری رہتا ہے غرض نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکری کارنامے ایسے ہیں جن کے مقابلے میں دنیا کا بڑے سے بڑا امیر عسکر آپؐ کے پاسنگ برابر بھی نہیں ٹھہرتا اور جنہیں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے اور اسکا یہاں موقع نہیں اس لئے عسکری اعتبار سے آپ کے بعض خصائص اور اصولوں کی طرف ذیل میں چند اشارے مذکور ہیں۔

(۱) عام طور پر جو امیران عسکر ہوا کرتے ہیں ان کا بالفعل تعلق میدان جنگ سے ہوتا ہے جو صرف ایک مقررہ دفاعی منصوبہ پر عمل کرتے ہیں۔ اپنے علاقے یا مفتوحہ علاقے کے عوام کے سیاسی، معاشی، و معاشرتی نظم سے ان کا تعلق کم ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کے انتظامات کی ذمہ داری عموماً شہری و سیاسی حکام کے سپرد ہوتی ہے علاوہ ازیں امن کے زمانے میں ایک دوسرا سپہ سالار بھی ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ دفاعی منصوبہ کے تحت میدان جنگ کی افواج کو ہر قسم کی تربیت دے اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور دوسری ضروریات مثلاً جوانوں اور افسروں کی کمک، گولہ بارود، نقل و حرکت کے لئے موٹریں، لاریاں، ہوائی جہاز، میزائل وغیرہ کا بندوبست کرے تاکہ میدانِ جنگ کا امیر عسکر اپنی ساری توجہ صرف جنگ لڑنے اور معرکے سر کرنے کی طرف مبذول رکھے۔ اس تفصیل کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ آپ بیک وقت تینوں حیثیتوں کے جامع تھے آپؐ میدان جنگ کے بھی امیر عسکر تھے زمانہ امن کے سپہ سالار بھی تھے اور اپنے علاقوں اور مفتوحہ علاقوں کے ہر قسم کے انتظامات کے ذمہ دار بھی تھے اس سے ایک طرف تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے تن تنہا اس قدر ذمہ داریوں کو حسن وخوبی انجام دیا اور دوسری طرف اس جامعیت اور ہم آہنگی کی وجہ سے وہ انتشار پیدا نہیں ہو سکا جو آج کل ان تینوں اداروں کے عدم تعاون کی صورت میں نکل سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا کوئی منصوبہ کبھی ناکام نہیں ہوا۔

(۲) آپؐ کی حربی تدبیریں اور فوجی منصوبہ سادہ مگر لچکدار ہوتا تھا یعنی اس میں ایسی گنجائش رکھی جاتی تھی کہ جنگ کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بآسانی مناسب ردّوبدل کیا جا سکے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جنگ کے وقت کیا حالات ہوں اس لئے سپاہی ماہر ہر امکان کو مدّنظر رکھ کر منصوبہ تیار کرتا ہے مزید برآں اس کا صیغۂ راز میں رہنا بھی اشد ضروری ہے اور اگر اس کو بتایا بھی جائے تو دائرہ بہت محدود رکھنا چاہیئے پہلے اصول کی مثال غزوۂ بدر و احد کا منصوبہ ہے اور دوسرے اصول کی مثال غزوۂ خندق میں ملتی ہے۔

(۳) دفاعی منصوبہ انتظامی نقطۂ نظر سے تیار کرنا چاہیئے یعنی منصوبہ اس طرح بنایا جائے کہ خوراک واسلحہ کی رسد نقل و حرکت کے لئے رسل و رسائل، کمک کی فراہمی وغیرہ سب انتظامات بھی کئے گئے ہوں۔ حالانکہ بہت سے ناتجربہ کار جرنل اس پر پوری توجہ نہیں دیتے اور صرف فنِ سپہ گری کو ہی جنگ لڑنے کے لئے کافی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سمجھتے ہیں۔ تاریخ اس قسم کی غلطیوں سے بھرپور ہے۔ یہی حال مکہ کے مشرکین اور ان کے اتحادیوں کا سوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبے ان غلطیوں سے پاک رہے ہیں۔

(۴) مختلف چالوں کے ذریعہ دشمن کو اپنے دفاعی منصوبہ سے بالکل بے خبر رکھنا چاہیئے پھر خفیہ نگاروں اور جاسوسوں وغیرہ کے ذریعہ اطلاعات حاصل کرکے اصل منصوبہ پر پورے عزم و استقلال اور ہمت و جرأت اور سرعت و بے باکی سے اس طرح ناگہانی طور پر عمل کرنا چاہیئے کہ دشمن بدحواس ہو جائے اور سراسیمگی کے عالم میں یا تو ہتھیار ڈالدے یا مقابلہ بھی کرے تو ایسی بے دلی سے کرے کہ اس کی شکست یقینی ہو۔ اس کا نمونہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ کی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۵) جب معرکۂ کارزار گرم ہو۔ تو مقابلہ پوری جوانمردی، ثابت قدمی، تحمل و ایثار اور عقلمندی سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ فیصلہ کن مرحلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں اس قسم کی بلا مبالغہ سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں مثلاً غزوۂ احد یا غزوۂ حنین میں آپؐ کے یہ جوہر جس طرح نمایاں ہوئے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

(۶) میدانِ کارزار میں ایسی چال چلنی چاہیئے کہ دشمن اپنی کثیر تعداد اور عظیم طاقت کے باوجود ایسی جگہ پر لڑنا قبول کرلے جہاں اسے آسانی سے زیر کیا جا سکتا ہے اس کی مثال بھی بدر، احد اور خندق میں ملتی ہے

(۷) غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے ایک اور اصول برتا جسے بلواسطہ پہنچ یا (Indirect approach) کہا جاتا ہے اس کے ذریعہ آپؐ نے مشرکین مکہ کو ذہنی شکست دی۔

بہرحال یہ چند گوشے تھے جو عسکری اعتبار سے قابلِ لحاظ تھے اور جن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں جو اسوہ ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ ہر طرح سے قابل قدر اور قابل عمل اور کامیابی کا ضامن ہے

اب ذرا ایک نظر ان لوگوں کو بھی دیکھیے جن کے سر دنیا سے عظمت، کا تاج رکھا گیا اور جو ناکام و نامراد رہنے کے باوجود عزت مآب سمجھے جاتے ہیں سکندر کو لیجیئے اس کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مقدونیہ سے اٹھ کر ہندوستان تک بیسیوں ملکوں کو تہ و بالا کر کے فتح حاصل کی مگر اسے اپنے باپ فیلقوس سے ورثہ میں مال و دولت، خزانہ اور اس زمانے کے جدید آلات حرب سے لیس ایک نہایت جنگ آزمودہ لشکر ملا۔ مگر حقیقی عظمت و ہوشمندی اور مآل اندیشی کا کیا عالم تھا؟ یہ کہ اس کی فوج نے دریائے جہلم کو پار کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہاں پر جب سکندر کو مفتوحہ علاقوں کی بغاوتوں کی خبر ملی تو ناکام واپس لوٹا آخر کار مارا گیا اور اس کے مرنے پر اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ نپولین عسکری قابلیت اور فتوحات کی وسعت کے اعتبار سے منفرد سمجھا جاتا ہے اور یورپ و امریکہ کے اکثر جنرل اس کے مقبرے پر برکت کے حصول کے لئے حاضری دیتے ہیں وہ عملی ذہانت اور اعلیٰ درجہ کی قوت فکر کا مالک تھا مگر جوں جوں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا گیا، غرور و پندار کا شکار ہوتا چلا گیا۔ یہی حال ہٹلر کا ہوا۔ ان دونوں کی قوت متخیلہ فریب نفس کا ذریعہ بن گئی۔ فرعونیت سوجھ بوجھ اور مآل اندیشی پر غالب آ گئی۔ لیکن آخر کار نپولین نے قید خانے میں جان دی اور ہٹلر اپنے تہ خانے میں خودکشی کر کے موت کی نیند سو گیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معلمانہ زندگی

(۱)

علم ۔ تعلیم ۔ معلّم

○ نثار احمد

علم (ع ل م) کے معنی ہیں کسی چیز کا ادراک کرنا ۔ یہ دو قسم پر ہوتا ہے اوّل یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا اور دوم یہ کہ ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا ۔ یہ مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی ۔ نظری بھی ہو سکتا ہے، عملی بھی، عقلی بھی ہو سکتا ہے اور سمعی بھی[1] ۔

اس کائنات کا مالک و آقا سب سے بڑا عالم[2] ہے ۔ اس سے زیادہ تو کیا، اس کے برابر بھی کسی نوع یا کسی قسم کا علم کوئی اور نہیں رکھتا ۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے ۔ زمین پر، زمین کے نیچے، آسمان اور اس کے اوپر، ان دونوں کے درمیان کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں نہ ہو۔ غیب و شہود

---

[1] ۔ المفردات فی غریب القرآن ۔ ابی القاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی ص ۳۴۳ مصر ۱۹۶۱ء

[2] ۔ عالم کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی صفت کی حیثیت سے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہ ہو جیسے فرمایا لا تخفیٰ منکم خافیہ (اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات بھی چھپی نہیں رہے گی ۱۸:۶۹) اور یہ مفہوم صرف ذات باری کے حق میں ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو اس معنیٰ کے لحاظ متصف کرنا صحیح نہیں ہے ۔ (المفردات ۳۴۴)

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انسان کے اعتبار سے ہے اللہ کے لئے سب مشہود ہے[1]

اس خلاق و علام نے انسان پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سے زندگی کے بعد "علم" کی نعمت سرفہرست ہے۔ یہ نہ صرف انسان کی بنیادی اور اوّلین ضرورت ہے بلکہ اس کے شرف وفضل کی سب سے بڑی دلیل بھی ہے[2]۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کی تہذیب و ترتیب کے لئے جو نظام اسے عطا ہوا اس میں بھی علم کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ الہامی ہدایت سے ہٹ کر انسانوں کے خود ساختہ نظام تہذیب و تمدن میں بھی چاہے اسلام کی طرح علم کو بنیادی ضرورت نہ قرار دیا گیا ہو لیکن بہرحال اسے اہم ترین مقام ضرور حاصل رہا ہے۔

تخلیق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالےٰ نے اپنے بے پایاں فضل سے انسان کو دولتِ علم بھی عطا کی اسی دولت علم کو لیکر سب سے پہلے انسان اور پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے[3] پھر اسی سرمایۂ علم کو دوسرے تمام

---

[1] ۔ ان حقائق کی توضیح اور مثالوں کے لئے دیکھئے۔ بقرہ (آیت ۳۳، ۷۷، ۲۳۱، ۲۵۵) آل عمران (۲۹، ۳۰، ۷۳) نساء (۱۷۶) مائدہ (۵۴) انعام (۳، ۵۹، ۱۱۵) توبہ (۷۸) یونس (۶۵) نحل (۱۹) حجر (۸۶) طٰہٰ (۱۱۰) انبیاء (۴) عنکبوت (۲۹، ۶۲) قصص (۶۹) فاطر (۳۸) حجرات (۱۶) غافر (۱۹) تغابن (۴) ملک (۱۳)

[2] ۔ ملاحظہ ہو۔ بقرہ (۳۱-۳۲) تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو، الاحکام القرآن، جصاص مصر ۱۳۴۷ھ ج ۱ ص ۴۴۳۔ تفسیر الرازی مطبوعہ مصر ج ۲ متعلقہ آیت مندرجہ۔

[3] ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انسانیت کا آغاز جہالت اور شرک کی تاریکی سے ہوا پھر جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلی اور عقل و سمجھ ترقی کرتی گئی انسان خدا پرستی کیطرف مائل ہوتا چلا گیا لیکن اسلام نے جو حقیقت ہمارے سامنے پیش کی ہے اس سے اس نظریئے کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم اشیاء عطا کر کے دنیا میں بھیجا گیا تھا اور انہوں نے اس کی تعلیم دوسرے انسانوں کو دی اور اس طرح انسانیت کا قافلہ علم کی (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انبیا[1] کے بعد دیگرے دنیا والوں کے سامنے منتقل کرتے رہے۔ ہر ایک کی تعلیم[2] کا مقصود یہی تھا کہ انسان معرفتِ الٰہی حاصل کرے، اپنی حقیقت کو پہچانے اور خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہو جائے تاکہ خسران کے بجائے فوز و فلاح سے ہمکنار ہو[3]

انبیاء و رسل انسانیت کے سب سے بڑے معلّم ہوتے ہیں اور یہ تعلیم و ہدایت ان کا اولین فریضہ ہے جس کے بغیر ان کے منصب کے تقاضوں کی تکمیل ناممکن ہے[4]۔ بالخصوص نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو گویا صرف "معلّم" ہی بنا کر بھیجے گئے تھے اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ "بعثت معلماً"[5] یعنی میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن میں جگہ جگہ آپ کے متعلق تعلیم و تعلّم کی مختلف صفات کا تذکرہ اور اس کے مختلف گوشوں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں[6]۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) پوری روشنی میں آگے بڑھتا چلا گیا ارتقائے مذہب کے سلسلے میں تاریخی جائزہ کے لئے ملاحظہ ہو: ام الکتاب (سورہ فاتحہ کی تفسیر) از ابوالکلام آزاد۔ ص ۷۲ تا ۸۰۔ لاہور ۱۹۶۲ء مکتبہ شاعر ادب

[1] انفرادی طور پر بھی انبیاء و رسل کو بعض علوم بطور خاص دیئے گئے (تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر علامہ رازی ج ۱ ص ۴۸۴ مطبوعہ مصر)

[2] تعلیم کا مادہ (ع ل م) ہے۔ اس سے باب تفعیل میں "تعلیم" آتا ہے۔ تعلیم کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں حتیٰ کہ متعلم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے اور بعض کے نزدیک تصوّر کے لئے نفس کو متوجہ کرنا ہے (المفردات ص ۳۴۳) علم کے لئے دوسری زبانوں کے الفاظ بھی یہی بنیادی مفہوم رکھتے ہیں یعنی معلومات فراہم کرنا اور متعلم کی مخفی صلاحیتوں کو ابھارنا۔ تعلیم کے ان بنیادی مفاہیم کے اعتبار سے اسلام فکری صلاحیتوں کی تعمیر و تہذیب پر خاص توجہ دیتا ہے جس پر دراصل انسان کے سارے اعمال کا دارومدار ہے (ن۔ ا)

[3] دیکھئے بعثرہ

[4] دیکھئے نحل (۴۳، ۴۴)

[5] ابن ماجہ باب فضل العلماء، مشکوٰۃ کتاب العلم بحوالہ دارمی (۳۸-۳۹)

[6] مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی دعا کے الفاظ دیکھئے (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک معلم[1] کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ خود زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو تاکہ دوسروں کو بھی اس کا حصّہ دے سکے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معلّم بنا کر بھیجا تو اس بات کا بھی اہتمام فرما دیا کہ آپ کو دولت علم سے مالا مال کر دیا جائے اور وہ باتیں ان کو سکھا دی جائیں جس سے وہ خود اور دوسرے تمام لوگ ناواقف ہیں[2]۔ اس لئے آپ کا علم نہ صرف یہ کہ براہِ راست علم الٰہی سے مستفاد ہے بلکہ مستند قطعی اور حجت ہے اور اسی بناء پر یہی استناد و قطعیت آپ کی تعلیمات میں بھی موجود ہے۔ اس علمی تیاری کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی تعلیم و تربیت کے لئے نزولِ وحی سے لیکر اپنے آخری ایام تک جو انتظامات فرمائے اس کا جائزہ تو اگلے صفحات میں آئے گا۔ البتہ یہاں چند متفرق نکات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کا کیا مقام متعین کیا ہے اور اس سلسلے میں نہ صرف اصولی ہدایات دی ہیں بلکہ جزئی تفصیلات تک کی نشاندہی کر دی ہے۔ مختصراً:۔

(۱) اسلام چونکہ خود علم اور ہدایت کا دوسرا نام ہے اس لئے ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا واجب اور ضروری ہے[3]

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ) (آیت ۱۲۹) ایک اور جگہ تمام نعمتوں اور عطائے ہدایت کے لئے رسول کی صفات کا تذکرہ ہے (بقرہ۔ آیت ۱۵۰ تا ۱۵۲) نیز آل عمران (۱۶۴) وغیرہ۔ [1]۔ ایک معلم اپنے شاگرد کے لئے ماں اور باپ سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے بلکہ ایک جہت سے تو ماں باپ سے زیادہ اس پر حق رکھتا ہے کیونکہ ماں باپ تو محض دنیا کی تکالیف و اذیتوں اور آگ وغیرہ سے محفوظ کرتے ہیں لیکن علماء اور معلّمین ان کی آخرت کی تکالیف و مصائب اور آتش دوزخ وغیرہ سے حفاظت کرتے ہیں (دیکھئے تفسیر کبیر۔ لامام الرازی ج ۲) [2] عنکبوت (۴۸) علق ۱ تا ۵، نساء (۱۱۳)، النجم (۳) [3]۔ ابن ماجہ بروایت (انسؓ) مسند امام اعظم بروایت عبداللہ ابن مسعودؓ و ابوہریرہؓ۔ مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی (یہ حدیث سات صحابہ سے بطرق مختلفہ مروی ہے) (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) علم کا حاصل کرنا کار آمد اور مفید ہی نہیں بلکہ باعث ثواب بھی ہے حتیٰ کہ تحصیل علم کے لئے راستہ طے کرنا بھی گویا جنت کے راستہ پر چلنا ہے[1]۔ عالم و متعلم، دونوں پر خدا کی رحمت و برکت ہوتی ہے[2] ان کے گناہ جھڑتے ہیں[3] کائنات کی مخلوق ان کے لئے دعائے خیر کرتی ہے[4]۔ علاوہ ازیں تعلیم و تعلم کی فضیلت عبادت سے بڑھ کر ہے[5] پھر جس شخص نے علم کی تلاش و طلب میں کامیابی حاصل کر لی اس کو دوہرا اجر ملے گا لیکن اگر علم کے حصول میں کامیابی نہ ہوئی تب بھی اکہرا اجر تو بہر حال اس کے لئے مقرر ہے[6]

(۳) ایک معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ علم رکھتا ہو اسے دوسروں تک پہنچائے اور اس میں بخل نہ کرے البتہ اس کے علم سے فائدہ اٹھانے کا انحصار متعلم پر ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ہدایت و علم کی مثال جس کے ساتھ مجھے اللہ نے مبعوث فرمایا ہے اس موسلا دھار بارش کی مانند ہے[7] جو زمین پر برسے۔ پس جو زمین صاف

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ) علم اپنے مختلف شعبہ جات میں بٹا ہوا ہے اور ہر شعبہ کی فرضیت و عدم فرضیت باختلاف حالات ہر شخص کی طرف عاید ہوتی ہے مثلاً ایمان یا ارکان اسلام اور ان کے فرائض کا علم ہر مکلف عاقل، بالغ مرد و عورت آزاد و غلام پر فرض عین ہے علم معاملات کا حصول اس وقت ایک شخص پر فرض ہوتا ہے جبکہ وہ ان خاص معاملات سے دوچار ہو۔ اس طرح علم فقہ کا سیکھنا ہر شخص پر فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے (مرتب)

[1] مسلم بروایت ابوہریرہؓ [2] تفسیر کبیر (بسلسلہ تفسیر بقرہ ع ۴) بروایت حضرت انسؓ [3] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و دارمی بروایت سنجرۃ الدزدی [4] مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی۔

[5] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی بروایت حضرت ابی امامۃ الباھلیؓ، ایضاً بروایت ابن عباسؓ، ایضاً بحوالہ دارمی بروایت ابن عباسؓ و عبداللہ ابن عمروؓ [6] مشکوٰۃ بحوالہ دارمی بروایت واثلہ بن اسقع۔

[7] امام رازی نے اپنی تفسیر میں (فاحتمل السیل زبداً رابیاً۔ رعد ۱۷) کے تحت لکھا ہے کہ یہاں سیل سے مراد علم ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کو مندرجہ ذیل پانچ خصوصیات کی بنا پر پانی سے تشبیہ دی ہے (۱) جس طرح پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اسی طرح علم ہے کہ آسمان سے آتا ہے (۲) جس طرح پانی سے زمین (باقی آگے)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے وہ تو پانی کو پی لیتی ہے اور بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے پھر اللہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لوگ خود پیتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں، زراعت کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ بارش کا پانی ایسے حصے میں بھی پہنچتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہے نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ سبزی اگاتا ہے[1]

(۴) جو شخص جس قدر بھی علم حاصل کر لے اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے تاکہ یہ روشنی زیادہ سے زیادہ دور تک پھیلتی چلی جائے اور پورا ماحول منور ہو جائے۔ اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک ہی آیت (کے برابر) ہو[2] مطلب یہ ہے کہ علم کتنا ہی قلیل ہو (بشرطیکہ صحیح ہو) اسے دوسروں تک ضرور پہنچانا چاہیئے۔

(۵) حصولِ علم کے لئے کوئی مدت خاص نہیں ہے یہ مہد سے لحد تک کسی وقت سے کسی وقت تک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ گویا اسے زندگی کا شعار بنا لینا چاہیئے[3] علم کی پیاس کبھی نہیں بجھتی اور علم کے حریص کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا[4]

(بقیہ گزشتہ سے پیوستہ) کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح علم سے مخلوق کی اصلاح ہوتی ہے (۳) جس طرح کھیتیاں اور نباتات پانی کے بغیر پیدا نہیں ہوتیں۔ اسی طرح اعمال و افعالِ اطاعت بغیر علم کے وجود پذیر نہیں ہوتے (۴) جس طرح بارش میں رعد و برق ہوتی ہے اسی طرح علم میں کہیں وعدہ و وعید دونوں کا امتزاج ہوتا ہے (۵) جس طرح بارش مفید اور مضرت رساں ہو سکتی ہے اسی طرح علم ہے کہ اس کے لئے تو نفع بخش ہے جو اس کے مطابق عمل کرے اور اس کے لئے سخت نقصان دہ ہے جو اس کے مطابق عمل نہ کرے (مرتب) [1] بخاری کتاب العلم۔ بروایت حضرت ابو موسیٰ رض [2] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو رض [3] حضورؐ نے حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ اے عائشہ رض! حصولِ علم اور قرآن کو اپنا شعار بنالو (مسند امام اعظم بروایت ام معانی رح) اس روشنی میں علم کا حاصل کرنا اور قرآن سے تعلق رکھنا کتنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عزیز ترین شریکِ حیات سے یہ ارشاد ہے۔ [4] مشکوٰۃ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۶) علم حاصل کر لینے کے بعد محض اسے جان لینا یا دوسروں تک پہنچا دینا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس علم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس پر عمل کیا جائے یعنی اعمال و کردار کی درستگی بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی فکری تطہیر اگر علم سے انسان کی تہذیب اور تربیت میں مدد نہ ملے اور کردار پر کوئی اثر نمایاں نہ ہو تو اس کا حصول بے فائدہ ہے اور اس کی مثال اس خزانہ کی ہے جس میں سے راہِ خدا میں کچھ خرچ نہ کیا جائے[1]۔ علم کا بخل بھی اسی زمرے میں ہے۔ یعنی کسی شخص سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہے مگر وہ اس کو چھپا جائے تو قیامت کے دن (اس کے منہ میں) آگ کی لگام دی جائیگی[2]

(۷) تعلیم و تعلم کے کچھ آداب ہیں جنھیں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مثلاً ایک عالم اور معلّم کو بڑے صبر و احتیاط کی ضرورت ہے۔ مخاطب و متعلم کے ذہن اور نفسیات کا پورا خیال رکھنے کے بعد تعلیم دی جائے۔ اتنے جوش و جذبہ سے کام نہ لیا جائے کہ خود معلّم بہت تھک کر بیٹھ جائے اور دوسرے بھی تھک جائیں۔ نیز اس قدر علم اور باتیں سکھائی جائیں جس کا مخاطب متحمل ہو سکے۔ ضرورت سے زیادہ تعلیم دینا کہ متعلم کے ذہن پر بار ہو جائے یا وہ برداشت نہ کر پائے مناسب نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ تعلیم پوری حکمت و موعظت کے ساتھ اور حسب موقع و حسب ضرورت دی جائے[3]۔ اگر بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے تکرار کی جائے تو متعلم کے لئے مفید ہے[4]۔ اگر ضرورت ہو تو طلبا اور مخاطبین سے سوالات کر کے معلّم مسئلہ کو سمجھا سکتا ہے[5]۔

معلّم کو پوری ذمہ داری اور دیانت کے ساتھ تعلیم دینے میں متعلم

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ احمد، دارمی بروایت ابوہریرہؓ [2] ایضاً نیز دارمی بروایت ابوالدرداء بیہقی [3] توضیح اور مثال کے دیکھئے حدیث بروایت شقیقؓ (متفق علیہ)

[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو تین مرتبہ اس کا اعادہ فرماتے (بخاری کتاب العلم عن انسؓ) [5] ایضاً عن ابن عمرؓ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے اخلاق و کردار پر خاص نظر رکھنی چاہیئے اور اچھی تربیت دینی چاہیئے۔ اسی لئے فضول گوئی، ہرزہ سرائی، جھوٹی سچی باتوں اور بے تکی حکایات سے اجتناب کرنا اس کے لئے ضروری ہے[1] یہاں تک کہ معلّم کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ متعلّم کو مغالطہ میں بھی نہ ڈالے[2] البتہ متعلم کے علم کی آزمائش وہ کر سکتا ہے[3] تعلیم و تدریس کا وقت مقرر کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایک وقت میں اتنا ہی پڑھانا چاہیئے جتنا کہ متعلم کا ذہن برداشت کر سکے[4]

متعلّم کے لئے بھی کچھ آداب ہیں۔ مثلاً معلّم کے سامنے ادب سے بیٹھے[5] چونکہ اس کا درجہ باپ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اس لئے معلّم کا احترام اور اس کی اطاعت بھی مناسب ہے اس سے نرمی اور خوش خلقی سے پیش آئے، آہستگی سے بولے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ استاد کے سامنے آواز بلند کرنا ممنوع ہے۔ ضرورتاً یہ جائز ہے[6] متعلّم کو یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ معلّم سے اس وقت تک سوال نہ کرے جب تک کہ معلّم کسی اور سے گفتگو میں مشغول ہے[7] اگر متعلم کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے تو اسے کھڑے ہو کر یا بیٹھے بیٹھے[8] معلّم سے بار بار دریافت کر سکتا ہے[9] مجلس یا جماعت میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے[10] جس چیز کا علم حاصل کر رہا ہے اسے رٹنے کی بجائے اسکی سمجھ پیدا کرے[11] علم حاصل کرنے میں متعلّم کو شرمانا نہیں چاہیئے کیونکہ شرمانے والا شخص علم حاصل نہیں کر سکتا[12] ہاں اگر کسی خاص مسئلہ میں شرم آتی ہو تو کسی دوسرے شخص کے توسط سے معلوم کر لینا درست ہے[13] علم حاصل ہو جانے پر مغرور نہ ہو اور یہ سوچے کہ دوسرے اس سے زیادہ علم والے لوگ موجود ہیں[14] جو علم حاصل کرے اسے انتہائی انہماک و خلوص سے حاصل کرے ذہن میں محفوظ کر لے یا لکھ لے[15] اور اگر اس کے حصول کی خاطر سفر بھی کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں[16]

---

1 ترمذی عن ابن عباس رض 2 ابوداؤد عن معاویہ رض 3 بخاری کتاب العلم عن ابن عمر رض 4 ایضاً عن ابن مسعود رض 5 ایضاً عن انس رض 6 ایضاً عن عبداللہ ابن عمرو رض 7 ایضاً عن ابی ہریرہ رض 8 ایضاً عن ابوموسیٰ رض 9 ایضاً عن ابن ابی ملیکہ رض 10 ایضاً عن ابو واقد لیثی 11 ایضاً عن مجاہد 12 ایضاً عن ام سلمہ رض 13 ایضاً عن علی رض 14 ایضاً عن عبداللہ ابن عباس 15 ایضاً عن ابوجحیفہ رض 16 ایضاً عن عمر بن الخطاب رض۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۴)

معلمِ اعظم

○ سید فضل الحسن

انسان کو خواہ آپ "خلیفۃ اللہ فی الارض" مانیں، خواہ صرف ایک "ارتقاء یافتہ حیوان"۔ بہر حال یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انسانیت اصل میں عبارت ہے "عقل اور شعور" سے۔ انسان عام حیوانات سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ ہر چیز کی ماہیت اور اس کی حقیقت کا کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے اور جوں جوں شعوری زندگی میں قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو چیز دیکھے اس کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اور جو کچھ کرے محض جبلت کے تحت نہ کرے بلکہ اس کی غرض و غایت کو سمجھ کر کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک کثیر تعداد میں انسانوں کو "شعور" کے اس سن بلوغ تک پہنچنا نصیب نہیں ہوتا اور وہ حیوان ہی کی مانند محض جبلت (INSTINCTS) کے تحت زندگی گذار دیتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسانیت انسانوں کی اس بھیڑ سے عبارت نہیں ہے۔ از روئے قرآن یہ انسان نما حیوان ہیں۔

لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم آذان لا یسمعون بها اولئك كالانعام بل	ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے وہ جانوروں کی طرح ہی بلکہ ان سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

هم اضل لہ	بھی زیادہ گئے گذرے

بہرحال جب ہم انسان بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ایک ذی شعور، ذی عقل انسان ہے — جو، جو کچھ دیکھے اس کی کنہ تک پہنچنے کی سعی کرے۔ اور جو کچھ کرے اس کی غرض و غایت اور مطلوب و مدعا اور اس کے عواقب و نتائج کو سمجھ کر کرے۔

اسلام نے سلسلۂ رسالت اس لئے جاری فرمایا کہ انسان کو اس بات کی تعلیم دی جا سکے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ انبیاء نے وحی کے ذریعہ انسانی زندگی کے فطری اور بنیادی سوالات کے صحیح جوابات پا کر خدا کے بندوں کو تعلیم دی کہ ان کے ان فطری سوالات کے حقیقی جوابات کیا ہیں اور ان کے مطابق کونسا طرزِ عمل متعین ہوتا ہے اور "بامقصد زندگی" کسے کہتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ اس دنیا میں خلافت ارضی کے مرتبے پر فائز کر کے بھیجا گیا ہے اس لئے "بامقصد زندگی" خلافت ارضی کے مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اور جیسے جیسے انسان کا "شعور" بلوغ کی منزل کی طرف بڑھتا گیا ویسے ویسے جادۂ خلافتِ ارضی کے سنگہائے میل سامنے لائے جاتے رہے تا آنکہ جب انسان ذہنی اور شعوری بلوغت تک پہنچ گیا تو سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی — رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم — کے ذریعہ ان سوالات کے جوابات کے سارے متعلقات عطا کر دیئے گئے۔ اور وحی و رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی اصل حیثیت معلم ہونے کی تھی۔ چنانچہ سارے انبیاء نے انسانوں کو ان باتوں کی تعلیم دی جن کا تعلق انسان کے اس دنیا میں اصل منصب یعنی خلافت سے تھا۔ اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے انسانی عقل و شعور میں ترقی ہوتی گئی ویسے ویسے انبیاء کی تعلیمات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب دنیا اپنی عمر کی اس منزل پر پہنچ گئی جب انسان کی عقل اور اس کا شعور رشد و ہدایت کو پہنچ گیا تو ساری دنیا کے لئے اور قیامت

لہ الاعراف ۱۷۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تک کے واسطے وہ معلم بھیجا گیا جسے دُنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جانتی ہے۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل حیثیت ایسے معلم کی تھی جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے براہِ راست علم حاصل کر کے اللہ کے بندوں تک وہ باتیں پہنچائیں جن کا تعلق زندگی کے ان تمام گوشوں سے ہے جو انسانیت اور انسان کے منصب خلافت کے لئے ضروری ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ:

لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ [1]

"اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ان میں خود ان ہی میں کا وہ رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات سُناتا اور ان کا تزکیہ (تربیت) کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس سے واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معلم ہونے کی حیثیت معلوم ہوتی ہے۔

البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ویسے معلم تھے جو کسی درسگاہ کے ہوا کرتے ہیں اور نہ آپؐ کی تعلیم فن واری تعلیم تھی جس طرح دوسرے معلمین کی تعلیم ہوا کرتی ہے کہ کوئی تاریخ کا معلم ہے کوئی سیاسیات اور کوئی نفسیات وغیرہ کا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ایک جامع تعلیم تھی جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو تعلیم دیتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی تھی کہ مسلمانوں کو زندگی کے ہر گوشہ کے متعلق جس موقع پر جو تعلیم ضروری ہوئی وہ آپؐ نے دی۔ اس بات کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں میں تمھیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہوں" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ باپ ہونے کے بارے میں قرآن بھی شہادت دیتا ہے [2]

[1] آل عمران: ۱۶۴ [2] احزاب: ۶

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کی اس تعلیم کی خصوصیت (جامعیت) کی بنا پر مسلمانوں سے کفار کہا کرتے تھے کہ تمہارے نبیؐ تمھیں ہر بات کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے کے طریقوں کی بھی [1] کفار یہ بات تو تمسخر کے ساتھ کہا کرتے تھے لیکن مسلمان فخر کے ساتھ اس کا یہ جواب دیتے کہ ہاں ہمارے رسول صلعم ہمیں ایک ایک بات کی تعلیم دیتے ہیں

مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہر اس چیز سے تعلق رکھتی ہے۔ جو انسان کی تہذیب و شائستگی اور وقار کے لئے ضروری ہے اور جو تمدن کی ضرورت اور اسے سنوارنے کے لئے لازمی ہے۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ کی تعلیم کا یہی طریقہ اس لئے بھی ہونا چاہیئے تھا کہ ایک مستقل تہذیب و تمدن کی بناء پڑ رہی تھی، وہ تہذیب و تمدن جو انسانی فضیلت اور شرف کا مظہر ہے جو دنیا کے ہر تمدن سے ممتاز ہے جو انسانیت کا حقیقی گہوارہ ہے اور جس میں انسانیت کو امن و خوشحالی اور فلاح میسر آسکتی ہے لہٰذا ہر اس گوشے کے بارے میں تعلیم دینا ضروری تھی جس کا کوئی نہ کوئی تعلق تہذیب و تمدن سے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ حدیث کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو دیکھیں گے۔ تو جس طرح یہ تعلیم ملے گی کہ توحید کیا ہے، شرک کے کون کون سے چور دروازے ہیں، توحید کے تقاضے کیا ہیں، عبادت کس طرح کرنی چاہیئے اسی طرح یہ تعلیم بھی ملے گی کہ پڑوسیوں کے حقوق کیا ہیں، مسلمانوں کے ایک دوسرے پر حقوق کیا ہیں۔ اور یہ کہ چلنے پھرنے، سونے جاگنے اٹھنے بیٹھنے کے آداب کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں کا تعلق تہذیب و تمدن سے ہے

---

[1] یہ بات مشرکین نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہی تھی۔ اس پر آپؓ نے جواب دیا کہ "ہاں یہ صحیح ہے آپؐ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رُخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔ (دیکھئے سیرت النبی۔ ج ۴ ص ۲۰۴ بحوالہ بخاری و ترمذی۔ مطبوعہ اعظم گڈھ ۱۹۵۹ء)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس لئے ہر ایک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ملتی ہیں۔

اس موقع پر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تعلیمات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ ایک طرف تو وہ فرق معلوم ہو جائے جو آپؐ کے اور دوسرے معلّمین کے درمیان ہے۔ دوسری طرف آپ کی تعلیم کی وسعت اور گہرائی کا بھی اندازہ ہو جائے۔

۱۔ صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔[1]

۲۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں کے ظاہری حالات اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کی اندرونی حالت اور تمہارے اعمال کی طرف نظر رکھتا ہے۔[2]

اس عظیم تعلیم کی حیثیت پر غور فرمایئے۔ کون نہیں جانتا کہ انسان کے ہر عمل کا محرک اس کا ارادہ اور اسکی نیت ہوتی ہے۔ نیت کی خرابی انسان کے عمل میں خرابی پیدا کر دیتی ہے اور نیت کی اچھائی انسان کے عمل کو بہتر بناتی ہے۔ ایک شخص کنواں کھودتا ہے اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اس کنوئیں میں لوگ گر کر ہلاک ہوں اپنی اس نیت کی وجہ سے وہ شخص گرفت کے قابل ہے۔ اگرچہ لوگ اس میں گرنے کے بجائے اس کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتے ہوں اور ایک شخص کنواں اس لئے کھودتا ہے کہ پیاسے اس کے پانی سے پیاس بجھائیں تو وہ اپنی اس نیت کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے اگرچہ کوئی اس میں اتفاقاً گر کر ہلاک ہو جائے۔

غرض ہر اچھے اور بُرے کام کی بنیاد انسان کا یہی قلبی ارادہ ہے اور انسان کی ہر سرگرمی کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے اس کی نیت کا اخلاص بھی ضروری ہے۔ انسان جو بھی مقصد لے کر چلے تاوقتیکہ اس میں خلوص نہ ہو اس کا حصول ناممکن ہے۔ لہذا تعلیم دی جارہی ہے کہ ہر کام میں کامیابی اور قیامت میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے

---

[1] بخاری بروایت حضرت عمرؓ بن الخطاب۔ [2] مسلم بروایت حضرت ابوہریرہؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے لئے نیت کا اخلاص لازمی ہے۔ اس ضمن میں اس تعلیم سے یہ بات بھی سامنے آگئی کہ حسن نیت اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ ہر اس چیز سے بچا جائے جو اس کے اور اللہ کی خوشنودی کے درمیان حائل ہو سکتی ہے۔

۳۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں ایک پردیسی یا مسافر کی طرح زندگی بسر کرو۔[۱]

۴۔ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ۔ میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار چلتے چلتے کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو ٹھہر جائے۔ پھر اس درخت کو اپنی جگہ چھوڑ کے چل دے۔

یہ کتنی واضح تعلیم ہے اور اس دنیا میں انسان کے اصلی مقام کو کتنی وضاحت سے بتایا جاتا ہے کہ اسے دنیا میں کس طرح زندگی گذارنی چاہیئے۔ اور کیوں ایسی زندگی گذارنی چاہیئے اور پھر یہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے زندگی محض اس دنیا کا نام نہیں ہے بلکہ یہ دنیا تو زندگی کی ایک منزل ہے جس طرح ماں کا پیٹ ایک منزل تھی۔ پھر انسان دنیا میں آیا یہ دوسری منزل ہوئی اور تیسری منزل وہ ہے جو اسلام کی اصطلاح میں آخرت ہے اور وہی حقیقی اور آخری زندگی ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ موت سے زندگی ختم ہو گئی۔ بلکہ گویا ایک سین ڈراپ ہوا ہے اور اس پردے کے اٹھنے کے بعد دوسری زندگی شروع ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ اس تعلیم کو اپنا کر لوگ جس طرح زندگی گذارتے ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

۵۔ ترمذی اور بیہقی وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ تعلیم دی کہ انسان کو زیادہ تر جہنم میں لیجانے والی دو چیزیں ہیں (۱) منہ (۲) اور شرم گاہ۔ اور ایک دوسرے موقع پر حضور اکرم نے فرمایا کہ جو شخص ان دو چیزوں کی

---

[۱] ترمذی بروایت حضرت ابن مسعودؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضمانت لے لیں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ پھر حضورؐ نے منہ اور شرم گاہ کی طرف اشارہ فرمایا۔[1]

غور کیجئے کہ کتنی حکیمانہ اور کس قدر بصیرت رکھنے والی تعلیم ہے۔ منکرات اور ممنوعات کا تقریباً ننانوے فیصد حصہ ان ہی دو چیزوں سے وابستہ ہے۔ جھوٹ، تہمت، گالی گلوچ، طعن، غیبت، جھوٹی شہادت، چغل خوری وغیرہ "فم" (منہ) ہی سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ جو اہم چیز رہ جاتی ہے وہ شہوت رانی ہے۔ دوسرے نمبر پر اس کا بھی تذکرہ فرما دیا گیا ہے۔ اور اگر مزید غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ساری وہ باتیں جو اسلام نے حرام اور ناجائز قرار دی ہیں وہ ان ہی دو چیزوں کے درمیان دائر ہیں۔ اور سو فیصدی بدکاریوں کا تعلق ان ہی دو چیزوں سے ہے۔ چوری، جوا، رشوت، سود اور دوسرے جرائم اگرچہ زبان سے نہیں کئے جاتے ہیں مگر سب پیٹ ہی کی خاطر کئے جاتے ہیں اسی لئے حدیث میں "لسان" (زبان) کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا۔ بلکہ "فم" (منہ) کا لفظ ہے جو زبان، حلق اور پیٹ سب کا دروازہ ہے۔ اب جو شخص اس تعلیم پر عمل کرے گا ظاہر ہے کہ خود اسکی زندگی کتنی پاکباز گذرے گی۔ اور جب ایسے افراد کے مجموعے سے معاشرہ تیار ہوگا تو سوچئے کہ وہ کیسا انسانی شرافت اور پاکبازی کا گہوارہ کیسا ہوگا۔

یہ تو تعلیماتِ نبوی کی دو چار مثالیں تھیں۔ ہر دیکھنے والا حدیث کی کتاب دیکھ کر یہ معلوم کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کتنی ہمہ گیر ہیں۔ اور کس طرح انسانی زندگی کے ایک ایک گوشے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور یہ سب اس لئے کہ حضور اکرمؐ کی رسالت کے فرائض تبلیغ اور تعلیم کے مرکز پر گردش کر رہے ہیں۔ اور حضورؐ کے معلم ہونے کی اس حیثیت کو ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے جو پہلی وحی آئی ہے اس میں اللہ کے جس انعام کا ذکر ہے وہ علم ہے۔ اس طرح علم اور وحی کا تعلق سمجھاتے ہوئے بتایا گیا ہے

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ترمذی و بیہقی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے ایک ایسے معلم کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تعلیمات سے ہی تمہاری دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۳)

عہد نبوی میں نظامِ تعلیم

○ ڈاکٹر محمد حمید اللہ[1]

یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اس وقت ہوا جب حضرت محمد صلعم پر چالیس سال کی عمر میں وحی اُتری اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ نو عمری میں آپؐ نے لکھنے پڑھنے کے فن میں حصہ لیا ہو۔ آپ عمر بھر اُمّی ہی رہے۔ اس کے باوجود کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے کہ خدا کے پاس سے آپؐ کو جو سب سے پہلی وحی آئی اس میں آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو حکم تھا کہ "اِقراء" یعنی پڑھ، اور قلم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی تھی کہ جملہ انسانی علم اس سے ہے:

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے۔ جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرے سے پیدا کیا۔ پڑھ یہ تیرا بزرگ رب ہی ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ چیز بتائی جسے وہ نہیں جانتا تھا"۔[2]

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا۔[3]

یہ امر نمایاں کئے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتیں جن میں لکھنے پڑھنے یا علم سیکھنے کا ذکر ہے وہ مکی آیتیں ہیں۔ اس کے برخلاف مدنی آیتوں میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ:

(۱) کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔[4]

---

[1] یہ حصہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب عہد نبوی صلعم میں نظام حکمرانی (بار دوم مکتبۂ ابراہیمیہ دکن ص ۳۰۶ تا ۳۲۸) کے ایک مضمون بعنوان "عہد نبوی کا نظام تعلیم" اور صحیفہ ہمام ابن منبہ (دیباچہ ترتیب اور حواشی ڈاکٹر حمید اللہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ دکن سنہ ۱۹۵۶ء ص ۱۶ تا ۲۱) کے مضمون بعنوان "پیغمبر اسلام کی تعلیمی سیاست" دونوں سے اخذ و تلخیص کر کے مرتب کیا گیا ہے (ن۔ا)

[2] قرآن، سورہ ۹۶ آیت ۱ تا ۵

[3] ترمذی ۴۴/۴۸ ابوداؤد ۳۹/۱۶ ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۱۵ طیالسی ص ۵۷۷

[4] قرآن ۳۹/۹

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) تم کو علم سے تھوڑی ہی مقدار دی گئی ہے۔[۱]

(۳) اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔[۲]

(۴) اور کہہ میرے آقا مجھے علم میں زیادتی عطا کر۔[۳]

(۵) تمھیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے آباؤ اجداد۔[۴]

(۶) اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سات دیگر سمندروں کے ساتھ ملکر سیاہی بن جائے تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہو سکیں۔[۵]

(۷) قسم ہے پہاڑ کی۔ اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہے۔[۶]

(۸) قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو۔[۷]

(۹) اگر ہم تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجیں۔[۸]

(۱۰) اگر تمھیں معلوم نہ ہو، تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔[۹]

یہ تمام آیتیں مکی ہیں۔

کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لئے نہیں ہوتا چنانچہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔[۱۰]

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں۔ خاص کر ایسے شخص کے لئے جو مذہب و سیاست کو بالکل ایک دوسرے سے الگ اور آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو۔ اور جس کا مطمح نظریہ ہو کہ :-

---

[۱] قرآن ۱۷/۸۵ [۲] قرآن ۳۵/۲۸ [۳] قرآن ۲۰/۱۱۴ [۴] قرآن ۶/۹۲ [۵] قرآن ۳۱/۲۷

[۶] قرآن ۵۲/۱تا۳ [۷] قرآن ۶۸/۱ [۸] قرآن ۶/۷

[۹] قرآن ۱۶/۴۳

[۱۰] ابن عبد البر کی مختصر جامع البیان العلم ص: ۲۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"[1]

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی، کوئی ایک درجن مدینے والوں نے اسلام قبول کیا تھا تو ان کی خواہش پر رسول کریم صلعم نے ان کے ساتھ مکے سے ایک تربیت یافتہ معلم[2] روانہ کر دیا تھا جو انھیں قرآن کریم کی تعلیم دے سکے۔ اور دینیاتِ اسلام سے واقف کرا سکے۔ بلا شبہ اس ابتدائی زمانے میں تعلیم سے مراد صرف مبادیٔ دین اور عبادت کے طریقوں کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی۔

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے۔ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے اس کو لکھ لیں۔ اور اس کی نقلیں کریں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے تو انھیں قرآن مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھیں اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھیں۔

اس سلسلے میں سب سے آخر میں حضرت موسیٰ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جو قرآن شریف کی ایک مکی سورت (کہف) میں مذکور ہے کہ کس طرح وہ طلب علم کے لیے گھر سے نکلے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور دل دہلانے والے تجربے حاصل کئے۔ اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی عالم ہو جائے ہر چیز نہیں جان سکتا اور یہ کہ علم میں زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے۔[3]

بعد ہجرت

ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے اس کو سنہ وار ترتیب کی جگہ

---

[1] قرآن ۲۰۱/۲۔ [2] طلب علم کے لئے سفر کے سلسلے میں دیکھئے مقدمہ دارمی ص ۴۶ [3] ایضاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا۔ مثلاً مدرسوں کا انتظام، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصاب تعلیم، عورتوں کی تعلیم، صوبہ جات میں تعلیمی نظام، صوبہ جات میں دورہ اور تفتیش کرنے والے افسر وغیرہ۔

مدینہ منورہ آجانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ اس عمارت کے ایک حصہ میں سائبان اور چبوترہ (صفہ) بنایا گیا۔ یہ اولین اسلامی اقامتی جامعہ تھی رات کو طلباء اسمیں سوتے تھے اور ایسے اساتذہ مقرر کیے گئے جو دن کو انھیں وہاں لکھنے پڑھنے اور مسائل دین وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سعیدؓ بن العاص جو نہایت خوشخط تھے[1] اور زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے انھیں وہاں لکھنا سکھاتے تھے۔ اسی طرح عبادہؓ بن الصامت سے مروی ہے کہ انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر مامور کیا کہ صفہ میں لوگوں کو لکھنا سکھائیں اور قرآن پڑھائیں[2]۔ صفہ کی درس گاہ میں تعلیم پانے والوں کی کثیر تعداد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بعض مولف اہل صفہ کے چار سو طلبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو تعجب نہیں کہ ایک ہی دن کی حاضری ہو۔ کیونکہ خود مقیم و شب باش طلباء ستر اسی تک ہوجاتے تھے[3] اس اقامتی درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی

---

[1] استیعاب ابن عبدالبر ص ۳۹۳ نیز نظام الحکومۃ النبویہ مولفہ کتانی ۴۸/۱ بحوالہ ابوداؤد۔

[2] الترتیب الاداریہ لعبدالحئی الکتانی ۴۸/۱ بحوالہ سنن داؤد [3] (مسند ابن حنبل ۳-۳۷۱) عارضی مقیمین جو قبائلی وفود کے باعث ہوتے اس پر مستزاد تھے۔ قبیلہ تمیم کے سلسلہ میں مولف استیعاب نے ستر اسی کا ذکر کیا ہے سعد بن عبادہ انصاری اکیلے ایک ایک رات میں اسی اہل صفہ کی ضیافت کرتے تھے (تہذیب التہذیب ابن حجر ۴۷۵/۳ ، ۴۸۳) اس پیراگراف کا یہاں تک کا حصہ صحیفہ ہمام ابن منبہ کے دیباچہ (ص ۱۸ مع حاشیہ) سے ماخوذ ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا جس کی نگرانی خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور پر فرماتے تھے۔ اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلباء اپنے فرصت کے اوقات میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے [۱]

درس گاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلباء کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ تھے جن کے گھر مدینہ میں تھے۔ اور وہ صرف درس کے لئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً درس میں شریک ہونے والوں کی کمی نہ تھی مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل کے طلبہ آتے اور اپنے نصاب کی تکمیل کر کے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے [۲] مدینہ میں ۲ھ میں ایک اور اقامتی درس گاہ دار القراء کا بھی پتہ چلتا ہے [۳] جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم ہوئی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ بے شمار اور بے حد اہم جنگی و سیاسی مصروفیات کے باوجود اس کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے کہ مدینہ سے ناخواندگی دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کر سکیں۔ چنانچہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر کے والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ نے ان لوگوں کی رہائی کے لئے، جو مالدار نہ تھے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں [۴]

رسول کریم صلعم اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

---

[۱] بخاری باب سریہ بئر معونہ

[۲] بخاری باب رحمۃ البھائم نیز تفسیر طبری جلد ۱۱ ص: ۵۰ نیز تفسیر خازن میں سورہ ۹ آیت ۱۲۲ کی تفسیر جہاں قرآن مجید میں حکم ہے۔ [۳] الکتانی ۱/۵۶ بحوالہ استیعاب، عبداللہ بن ام مکتوم و ابن سعد ۴/۱۵۰

[۴] طبقات ابن سعد ۲/۱ ص ۱۴ سہیلی؛ الروض الانف جلد ۲ ص ۹۲ مسند احمد بن حنبل ۱/۲۴۷ نیز کتاب الاموال ص ۱۱۶ ۔ ۹ ۔ ۳۰ (ماخوذ از دیباچہ صحیفہ ہمام ابن منبہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جس کے بعد وہ مدینہ آ جاتے[1]۔

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ جب مدینہ کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترکِ وطن کر کے مرکزِ اسلام کے قریب آ بسیں[2] جہاں بعض اوقات ان کو اپنی نوآبادی بسانے کے لئے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں[3]۔

ترکِ وطن کے اس حکم میں جو فوجی، سیاسی اور تمدنی اغراض پوشیدہ تھے وہ ظاہر ہیں ابن سعد[4] نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا ایک معلم روانہ کیا۔ معلموں کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدایات تھیں، اس کی انھوں نے لفظی تعمیل کی اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھا جائے گا قبیلے والے پریشان ہوئے مگر وہ سمجھدار تھے۔ انھوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ براہ راست جناب رسول اکرم صلعم سے معلوم کریں کہ ہجرت کے حکم کا کیا منشاء ہے؟ اور یہ عرض کریں کہ انھیں اپنا وطن چھوڑنے میں کس قدر عظیم معاشی نقصان ہے۔ رسول کریم صلعم نے ان مشکلات کو سُن کر انھیں اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہیں۔ اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا۔ جو اسلامی سرزمین میں، ہجرت کرنے والوں کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔

مدنی زندگی میں رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ قبائل میں تعلیم و تربیت کے لئے معلم روانہ کریں۔ بئرِ معونہ کے مشہور واقعہ میں ستر قرّاء قرآنی بھیجے گئے تھے جن کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں نجد کے ایک آباد علاقے میں اور کثیر قبائل

---

[1] کتانی کی نظام الحکومۃ النبویۃ ج ۱ ص ۴۴۳ و مابعد۔ [2] دیکھئے باب ہجرت کتاب عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی۔

[3] ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲ وغیرہ

[4] طبقات ابن سعد باب الوفود۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں کام کرنا تھا۔

قبائلی نمائندوں کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ واقعہ نہ تھا[1] اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایسے لوگوں کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم صلعم خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے اور یہ لوگ عموماً صفے میں ٹھہرائے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ میں صُفّہ واحد درس گاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبوی میں تھیں[2] اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لئے درس گاہ کا بھی کام دیتی تھی۔ خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ قبا' مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجد نبویؐ سے کوئی ڈھائی میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول کریم صلعم وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے[3] بعض احادیث میں رسول کریم صلعم کے عام حکم ان لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں جو اپنے محلے کی مسجد میں تعلیم پاتے تھے[4] آنحضرتؐ نے یہ بھی احکام صادر فرمائے تھے کہ لوگ اپنے ہمسایوں سے بھی تعلیم حاصل کر لیا کریں۔[5]

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بنؓ العاص نے بیان کیا ہے[6] کہ ایک دن جب رسول کریم صلعم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ لوگ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہیں البتہ ایک کا کام اچھا ہے جو لوگ خدا سے مانگ رہے ہیں ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے

---

[1] اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ [2] ابوداؤد کتاب المراسل عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۲۶۸

[3] ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص ۹۷ [4] ایضاً ص ۱۴

[5] کتانی۔ ج ۱ ص ۴۱ نیز بخاری املاً نبویؐ بیان حضرت عمرؓ [6] ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص ۱۵ و دیگر کتابیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چاہے تو نہ دے، البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپؐ نے اس حلقے میں اپنے لئے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔

یہاں اس مشہور اور اکثر حوالہ دی جانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گذرتا ہے۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شخصی طور سے تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے بڑے صحابہؓ ان درسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی حضور صلعم مسجد نبوی کے حلقہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرما دیا کرتے چنانچہ ترمذی میں ہے[2] کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے قضا و قدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا آپ اپنے حجرے سے باہر آئے مارے غصے کے آپؐ کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس آپؐ کے رخسار اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گزشتہ امتیں اسی مسئلہ میں الجھ کر گمراہ ہوئی تھیں۔

یہ رسول کریم صلعم کی ایک طے شدہ سیاست تھی کہ صرف وہی لوگ قوم کی سیادت سرداری اور رہنمائی کریں اور نتیجتاً مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کوششیں بیکار نہ گئیں اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن گذرے تھے کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم اُدھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی

---

[1] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "عالم وفقیہ" بحوالہ بخاری و دیلمی نیز ترمذی باب العلم

[2] شمائل ترمذی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لی جائے۔ اس کا منشا قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح تحریری گواہی خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے اغراض کے لئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا بہترین ذریعہ ہے[1]

مدینے میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا گو اس میں شک نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اس زمانے میں پتہ چلتا ہے[2]

ہجرت کے بعد ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضاکاروں کے کارناموں کی فہرستیں[3] مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر اور طائف وغیرہ میں خفیہ نامہ نگار[4] جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت صلعم کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے۔ نیز مردم شماری[5] اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد و معاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔ تاریخ نے رسول کریم صلعم کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے تھے[6] صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلعم کی حکومت دس لاکھ مربع میل کے علاقہ پر چلتی تھی اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت مآب صلعم

---

[1] قرآن مجید $\frac{2}{282}$ [2] کتانی $\frac{1}{275}$ تا ۷۷ [3] الیضاً ج ا ص ۲۲۱ بحوالہ صحیح مسلم [4] ایضاً $\frac{1}{362، 363، 366}$ (اگرچہ مولانا سید سلیمان ندوی کے خیال میں خفیہ نامہ نگاروں کی اصطلاح صحیح نہیں بلکہ ممکن ہے کسی نے اتفاقاً کوئی اطلاع بھیج دی ہو لیکن کتانی کا یہ بیان متعدد واضح تذکروں پر مبنی ہے) [5] صحیح بخاری $\frac{56}{181}$ کے مطابق ایک مرتبہ مسلم شماری کی فہرستوں سے پندرہ سو اندراجات ہوتے معلوم ہوتے تھے جو ظاہر ہے کہ ابتدائے ہجرت کا زمانہ ہوگا۔ [6] اس پر جدید ترین تالیف الوثائق السیاسیہ کے نام سے میں نے شائع کی ہے۔ (حمید اللہ)

www.KitaboSunnat.com

ہی سے شروع ہوایلہ آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہو سکتا ہے۔ جن میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کر لو[۲] یا یہ کہ حرف "س" کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو[۳] یعنی (س) یہ حکم غالباً اس لئے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ یا یہ لکھتے ہوئے کچھ رکھنا پڑے تو کاتب کو چاہیئے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی یادہانی ہو جاتی ہے[۴] بولنے میں ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔

عہد نبوی ہی میں ایک فنی ذوق یا تخصص بھی ترقی کر گیا تھا۔ اور خود جناب رسالتمآب صلعم اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو وہ فلاں صحابی کے پاس جائے۔ جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو وہ فلاں کے پاس جائے وغیرہ[۵]

متعدد حدیثوں میں معلموں کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے[۶] عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ وہ درس گاہ صفہ میں قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے[۷] ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انھیں ایک کمان نذر کی، مگر رسول کریم صلعم نے انھیں اس کو قبول کرنے سے روک دیا[۸]

ایک مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالتمآب صلعم کو مترجمین کی بھی ضرورتا ہوا کرتی تھی جو غیر زبانیں جانتے ہوں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار رسالت کے

---

۱ کتانی $\frac{1}{۱۲۷}$ فتوح البلدان، مؤلفہ بلاذری باب الخاتم ۲ کتانی $\frac{1}{۱۲۹}$

۳ ایضاً ص: $\frac{1}{۱۲۵}$ مابعد ۴ کتانی $\frac{1}{۱۲۵}$ ومابعد (اگرچہ اوپر کی تینوں باتیں مجھے صحیح حدیثوں میں نہیں ملیں لیکن یہ ناممکن یا غیر معقول چیزیں نہیں ہیں) ۵ طبقات ابن سعد برموقع ۶ سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "علما" بحوالہ طبرانی نیز بخاری $\frac{۳۷}{۱۷}$ ابوداؤد $\frac{۲۲}{۳۹}$ ۷ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۹ اسکا ذکر شبلی کی سیرۃ النبی طبع دوم ج ۲ ص ۸۸ میں بھی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میر منشی کہے جا سکتے ہیں، وہ فارسی، حبشی، عبرانی، رومی (یونانی) جانتے تھے۔[1] آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا سیکھیں۔ اور چند ہفتوں میں وہ اس میں طاق ہو گئے تھے۔[2] چنانچہ یہودیوں کے پاس کوئی خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا تو حضرت زید بن ثابت رضی اس کو پڑھ یا لکھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ کثیر زبانیں جانتے تھے۔ معلوم نہیں مبالغہ ہے یا واقعہ ان کے پاس ایک سو غلام ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کی بولی الگ الگ تھی اور حضرت عبداللہ رضی ان میں سے ہر ایک سے اس کی بولی میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے تھے اور وہ جو پڑھا سکتا اس سے پڑھتے تھے بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ نشانہ بازی[3] پیراکی[4] تقسیم ترکہ کی ریاضی[5] مبادی طب[6]، علم ہیئت[7]، علم انساب[8] اور علم تجوید قرآنی[9] کی تعلیم دی جایا کرے:

مکہ کے باشندوں کو زبان کی صفائی کا بڑا لحاظ رہتا تھا اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے بچے صحرائی آزاد زندگی میں پرورش پائیں۔ اور مکے کی رنگا رنگ زندگی میں مل کر متاثر نہ ہوں۔ اس لئے وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو مختلف قبائل میں بھیج دیتے تھے جہاں وہ

---

[1] کتانی ۱/۲۰۲ بحوالہ العقد الفرید مؤلفہ ابن عبد ربہ وغیرہ [2] ایضاً ۱/۲۰۲ بخاری وغیرہ [3] جمع الجوامع مؤلفہ سیوطی تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابن مندہ، ابو نعیم و دیلمی نیز تحت تعلموا۔ [4] جمع الجوامع تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابو نعیم و ابن مندہ۔ [5] ایضاً بحوالہ الطبرانی و دارقطنی وغیرہ نیز ابن عبدالبر کی کتاب العلم ص ۹۰ ابو داؤد ۴/۱۲، ابن ماجہ ۲/۲۳ [6] سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان تعلق بحوالہ مالک۔ [7] ایضاً عنوان تعلموا من امر النجوم بحوالہ ابن سنی وغیرہ [8] ایضاً عنوان تعلموا من انسابکم بحوالہ مالک ترمذی و بیہقی وغیرہ۔ [9] ایضاً تحت عنوان تعلموا من امر النجوم بحوالہ دیلمی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کئی سال رہ کر والدین کے پاس واپس آیا کرتے تھے۔ خود رسول کریم صلعم کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا۔ اور آئندہ زندگی میں آپؐ اسے یاد کیا کرتے تھے۔

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکے والوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کے لئے جو کارواں جایا کرتے تھے۔ اس میں کبھی معمر آدمی کیساتھ نوعمر بچوں کو بھیجا کرتے تھے چونکہ مکے کی معاشی زندگی کا دارومدار بڑی حد تک تجارت پر تھا۔ اس لئے تربیت کے اس طریقے کی اہمیت مکے والوں کے لئے جیسی کچھ تھی ظاہر ہے۔ سفر سے تجارت کا فائدہ ماسوا تھا۔

اس زمانے میں نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دینی چاہیئے۔ نشانہ اندازی اور پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی۔ اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بچپن ہی سے سکھایا جاتا تھا اور سات برس کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انھیں سزا دینے کا حکم تھا۔[1]

مرد ہی نہیں عورتیں بھی اس تعلیمی سیاست کا موضوع تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر لیا تھا۔ آپؐ عورتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لیجاتے اور ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے۔[2] آنحضرت صلعم نے عورتوں کے لئے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا۔[3] ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک خاتون سے خواہش کی کہ وہ آپؐ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔[4]

---

[1] ایضاً عنوان علموا الصبی بحوالہ ابن حنبل و ترمذی و بغوی۔ [2] صحیح بخاری کتاب العلم

[3] جمع الجوامع عنوان علموا بحوالہ ابونعیم و ابن مندہ۔

[4] کتانی ۱/۴۹ تا ۵۵ بحوالہ قاضی عیاض۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابوداؤد و عبدالرزاق کی حدیث ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آنحضرتؐ کے علم و اجازت سے اپنی ایک رشتہ دار خاتون شفا بنت عبداللہ سے (جو خوب پڑھی لکھی تھیں) لکھنا سیکھا تھا۔[1]

حضرت عائشہؓ کو فقہ اور دیگر علوم اسلامی نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا۔[2] یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم نے فرمایا "آدھا علم عائشہ سے حاصل کرو۔"[3] قرآن نے بھی رسول کریم صلعم کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔[4] ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی طرح تعلیم دے اور اس کی تربیت کرے اور اچھی تربیت کرے پھر اس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کرے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔[5]

رفتہ رفتہ مملکت اسلامیہ جو ابتداً شہر مدینہ کے کچھ حصے پر مشتمل تھی پھیلتی چلی گئی اور نہ صرف خانہ بدوش بدوؤں بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ ایک نئے دین کو قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو جو دس لاکھ مربع میل کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ عہد نبوی کے اختتام پر حکومت اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیج دیئے جاتے تھے۔ اور کچھ صوبہ دار گورنروں کے فرائض منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔[6]

---

[1] دیکھئے دیباچہ ہمام ابن منبہ ص: ۲۰ [2] سیرۃ النبی، شبلی ج ۲ ۷۔۴ [3] احادیث فضل عائشہ کسی کتاب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ [4] قرآن ۳۳/۳۴ [5] ابن عبدالبر کتاب العلم ص: ۴۶

[6] کتانی ۱/۴۰ وما بعد۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام جو طویل تقرر نامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالتمآب صلعم نے لکھا تھا۔ اسے تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے[1] اس میں گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لئے قرآن حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ اسی دستاویز میں ایک دلچسپ جملہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں فرق کرنا چاہیئے۔ اور وہ جملہ یہ ہے کہ "لوگوں کو اس بات کی نرمی سے ترغیب[2] دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں۔" گورنروں کو جس تعلیم کے رائج کرنے کا حکم تھا۔ اس میں دینیاتی ضرورتوں میں سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت، روزہ، حج کعبہ کے احکام شامل تھے۔

صوبہ وار درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لئے رسول کریم صلعم نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے۔ اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے[3] کوئی تعجب نہیں کہ اور صوبہ جات میں بھی اس طرح کے افسر مامور کئے گئے ہوں۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۹۶۱ تا ۹۶۲۔ تاریخ طبری ۱۷۲۷ تا ۲۹۔ کتانی ۲۴۹ – ۲۹/۱ وغیرہ

[2] جمع الجوامع تحت عنوان علوا بحوالہ ابن سعد و بیہقی و ابن حنبل۔

[3] تاریخ طبری ص ۱۸۵۲ تا ۱۹۸۳ (احوال ۱۱ھ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جامعیتِ کبریٰ[1]

سید سلیمان ندوی (مرحوم)

اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے. باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیس جمہور اور حکام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن وامان کے قیام کے لئے قانونیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح سپہ سالاروں، غریبوں دولتمندوں، عابد و زاہد، سپاہی و مجاہد، اہل وعیال، دوست واحباب بھی ہیں۔ تاجر وسوداگر، امام اور پیشوا بھی بغرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام پر ہی موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔

اسلام ان تمام انسانوں کو سنتِ نبویؐ کے اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے۔ جو ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے۔ اسلام کے طرف اسی نظریے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی سیرت

---

[1] یہ مضمون مولانا سید سلیمان ندوی کے ایک خطبہ کی تلخیص ہے جو "سیرت محمدیؐ کی جامعیت" کے عنوان سے "خطباتِ مدراس" میں شامل ہے۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہی جامعیت ہے۔ یعنی انسانوں کے ہر طبقے اور صنف کے لئے اس کی سیرتِ پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لئے درس وسبق موجود ہے۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سوتے جاگتے بھی ہیں، لین دین بھی کرتے ہیں، ہنستے بھی ہیں روتے بھی ہیں پہنتے بھی ہیں اتارتے بھی ہیں۔ سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی ہیں، مرتے بھی ہیں مارتے بھی ہیں۔ کھاتے بھی ہیں کھلاتے بھی ہیں عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی مہمان بھی بنتے ہیں میزبان بھی۔ ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں، عملی نمونوں کی ضرورت ہے۔ جو ہم کو نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے، وہ افعال آتے ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم کبھی راضی ہیں کبھی خوش ہیں کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی ضرورت ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، مصیبتوں کی برداشت قربانی، قناعت، استغناء، ایثار، تواضع، خاکساری، غرض نشیب و فراز، بلند و پست تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کہاں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس!

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پہ نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ اُحد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلّم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلّمِ مقدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پہ کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتحِ مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدّوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے سالارِ کارواں کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے آنے والے ثالث کو دیکھو۔ جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک گوشے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر میں شاہ و گدا، امیر و غریب سب برابر تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگر بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ (صلعم) اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانے کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔

غرض ایسی کامل اور جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لئے ہدایت کی مثالیں اور نظیریں رکھتی ہو۔ وہی اس لائق ہے جو غیظ و غضب اور رحم و کرم، جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی و رقیق القلبی، خانہ داری و خانہ دانی، دنیا اور دین دونوں کے لئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے۔ جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی بشارت دے۔ اور دونوں بادشاہتوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر، معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں۔ بلکہ فقط یہی ذریعے ہیں۔ اس لئے جس ہستی میں صرف ایک یہی پہلو ہو وہی انسانیت کی سب سے بڑی مصلح اور محسن ہے۔ لیکن انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں۔ ایک انسان میں دیکھو تو ہر قسم کے فطری جذبات مثلاً غصہ اور کرم، محبت اور عداوت، خواہش و قناعت، انتقام اور عفو وغیرہ موجود ہیں۔ اس لئے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو انسانیت کے اِن تمام قویٰ اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف کو متعین کرے۔

حضرت نوحؑ کی زندگی کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کفار وں سے جنگ و جہاد، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قانون کی مثال پیش کرتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی صرف خاکساری، تواضع، عفو و درگذر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی زندگی شاہانہ اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے۔ حضرت یوسفؑ کی زندگی قید و بند میں دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے۔ حضرت داؤدؑ کی سیرت گریہ و بکاء، حمد و ستائش اور دعا و زاری کا صحیفہ ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی زندگی اُمید، خدا پر توکلؑ اور اعتماد کی مثال ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوح اور ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ، سلیمان اور داؤد، ایوب اور یونس، یعقوب اور یوسف (علیہم السلام) سب کی زندگیاں اور سیرتیں سمٹ کر آگئی ہیں حضرت موسیٰ قانون لے کر آئے۔ حضرت داؤد دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰ زہد و اخلاق لیکر۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے۔ دعا و مناجات بھی، اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معنی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدیؐ ہے۔

اب سیرت محمدی کی جامعیت کا ایک اور پہلو دیکھیے۔ دنیا میں دو قسم کی تعلیم گاہیں ہیں۔ ایک وہ جہاں صرف فن سکھایا جاتا ہے۔ جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے، کوئی انجینیرنگ کالج ہے، ایک آرٹ اسکول ہے۔ ایک تجارت کا مدرسہ ہے۔ ان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف ایک قسم کے طالب علموں کا انتظام کر سکتی ہے۔ میڈیکل کالج سے ڈاکٹر نکلیں گے۔ قانون کے مدرسے قانون داں تیار ہوں گے۔ تجارت کی تعلیم گاہ سے صرف تجارت سے واقف کار پیدا ہوں گے۔ علم وفن کے کے مدرسے کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل فن اٹھیں گے۔ لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ دوسری قسم کی تعلیم گاہیں ہیں جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتی ہیں۔ ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کالج بھی ہوتا ہے اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی۔ طلبا مختلف دیار سے آتے اور اپنے اپنے ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا یا مدرسے کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے قاضی اور قانون داں اور ماہر سب ہی پیدا ہوتے رہیں۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف ایک ہی تعلیم، ایک ہی پیشہ اور ایک ہی علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے مجموعہ سے وہ کمال کو پہنچتی ہے۔ اور پہنچ سکتی ہے۔ اگر صرف ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جائے یہاں تک کہ اگر دنیا صرف زہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اب اس معیار پر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں اور تعلیم انسانی کی ان درسگاہوں کا جائزہ لیں جن کے اساتذہ انبیاء رہے ہیں تو پہلے تو کہیں دس دس، بیس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دو سو، کہیں ہزار دو ہزار، کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم ملیں گے لیکن جب مدرسۂ نبوی کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھیں گے تو آپ کو ایک لاکھ سے زیادہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے۔ پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو کو اگر جاننا چاہیں کہ وہ کہاں کے تھے؟ کون تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اُن کے اخلاق وعادات، روحانی حالات، اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور عملی تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو آپ کو اِن سوالات کا جواب نہیں مل سکتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ میں ہر چیز آپ کو معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے ہر طالب علم کا نام ونشان، حالات وسوانح، نتائج تعلیم تربیت، ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس درس گاہ کو آفاقی اور عالمگیری کہیے، کہ ہر ملک، ہر قوم، ہر دلی اور ہر خانوادوں کا باشندہ عملاً اس میں داخل ہے۔ کیونکہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم ونسل اور زبان ولہجہ کا سوال نہ تھا۔ بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں اور تمام زبانوں کے لیے عام تھی۔ پھر اس درسگاہ کی حیثیت و درجہ ملاحظہ کیجیے کہ اس جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی میں ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو ہر قوم کے افراد کو الگ تعلیم ملتی ہے۔ ایک طرف عقلائے روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہان بان اور ملکوں کے فرمانروا اس درس گاہ سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں دوسری طرف ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی زمانے بیٹھی ہوئی ہے۔ تیسری طرف وہ بیسیوں صحابہ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی۔ چوتھی طرف علماء وفقہا کی صف ہے۔ پانچویں صف عام ارباب روایت وتاریخ کی ہے۔ جس میں سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام ووقائع کے فاضل اور راوی ہیں۔ چھٹی جماعت اہلِ صفہ کی ہے۔ جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجد نبوی کے چبوترے کے سوا کوئی اور جگہ نہیں تھی۔ بدن پر کپڑوں کے سوا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں ان کی کوئی اور ملکیت نہیں تھی۔ وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے ان کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ راہ خدا میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے۔ یہاں وہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو پیدا نہ ہوا۔ ایک اور طرف بہادر، کارپرداز دل اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے تو ایک حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔

غور کا مقام ہے۔ یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست، وہی بداخلاق عرب ہیں۔ یہ کیا انقلاب آگیا تھا۔ ایک امی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور حق بین کیوں کر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ کس میرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا، جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔ وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گزار کیوں کر ہو گئے؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی۔ اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک آفتاب عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا جو پہاڑ، جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا۔ ادھر ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا۔ اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ ہشتم

معلّمِ انسانیت
صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- ایمانیات
- عبادات
- معاملات
- معاشرت
- سیاست
- اخلاقیات
- دعوت و تبلیغ
- حدود و تعزیرات
- عام تعلیمات

ترتیب و تدوین

مسز سلطانہ چغتائی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا میں جتنے بھی انبیاء و رسل تشریف لائے ان کا مقصد بعثت صرف یہ تھا کہ خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا کر رخصت ہو جائیں بلکہ بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ جس پیغام اور دعوت کو پیغمبر نے لوگوں تک پہنچایا ہے اس کا قولی و عملی مظاہرہ بھی پورے اہتمام سے کیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت بھی ایک طرف تو یہ تھی کہ بلاکم وکاست خدا کا پیغام بندوں تک پہنچائیں اور دوسری طرف یہ کہ اس پیغام کی تعلیم و تشریح کے علاوہ اس کی عملی تعبیر و تفسیر بھی پیش فرمائیں۔

تعلیمات نبوی کی اصل حیثیت قانونِ الٰہی یا کتابِ ہدایت کی تشریح و تفسیر کی بھی ہے اور شریعتِ اسلامی کی تکمیل کی بھی۔ اس لئے قرآن اور اسلام دونوں کو حدیث و سنت کے بغیر سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ پھر جس طرح قرآنی تعلیمات زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہیں اسیطرح تعلیماتِ نبوی بھی ہمہ گیر، جامع اور قدم قدم پر حیاتِ انسانی کے لیے رہنما ہیں۔ علاوہ ازیں ہدایتِ آسمانی کی مکمل تشریح اور شریعت کی ساری تفاصیل درحقیقت تعلیماتِ نبویؐ میں ہی بیان کی گئی ہیں۔

ذیل میں تعلیماتِ نبویؐ کا ایک انتخاب پیش خدمت ہے جسے صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ انتخاب کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ عنوانات کا تعین اور تجزیہ کیا گیا ہے بلکہ ہر عنوان کے تحت ایک سے زائد حدیث نقل کر کے اس موضوع کے مختلف پہلو بھی سامنے لائے گئے ہیں البتہ اختصار کو ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس سے زیادہ تفصیل کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔

(مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱)

ایمانیات

توحید

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ یعنی اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز ٹھیک طریقہ پر ادا کرنا، اور زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (متفق علیہ)

(۲) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص (زبان اور دل سے) اس امر کی شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے رسول ہیں اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ (مسلم)

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں آپ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے اور آپ کے درمیان کجاوہ کا صرف پچھلا حصہ حائل تھا۔ آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا حضور غلام حاضر ہے (آپ نے سکوت اختیار کیا) پھر کچھ دور چلنے کے بعد آپ نے پکارا: معاذ! میں نے وہی لفظ دہرائے جو پہلی بار کہے تھے۔ (لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا) پھر کچھ دور چلنے کے بعد فرمایا: معاذ! میں نے عرض کیا حضور غلام حاضر ہے! ارشاد فرمائیں۔ تب آپ نے فرمایا: تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر علم رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی بندگی کریں اور بندگی میں کسی غیر کو ذرا بھی شریک نہ کریں تھوڑی دور چلنے کے بعد آپؐ نے پھر فرمایا: معاذ! میں نے کہا ارشاد ہو یہ غلام آپ کی بات غور سے سُنے گا۔ اور اطاعت کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ و رسولؐ ہی خوب واقف ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "اللہ کی بندگی کرنے والے بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے"۔ (بخاری، مسلم)

(۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور وہ اس امر کا یقین رکھتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

رسالت

(۵) حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے خدا کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد کو اپنا رسول مان لیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ (مسلم، بخاری)

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری، مسلم)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہوگا مگر وہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو انکار کرے (یعنی خود جنت میں داخل ہونا نہ چاہے) آپؐ سے پوچھا گیا۔ بھلا انکار کون کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو میری اطاعت کرے گا جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا۔ اس نے انکار کیا (بخاری)

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس کے نفس کی خواہشات اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں۔ (متفق علیہ)

کتاب اللہ

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی حمد کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ سب سے بہتر حدیث (بات) خدا کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمدؐ کی راہ ہے۔ اور بدترین چیزوں میں وہ چیز ہے جس کو (دین میں) نیا نکالا گیا ہو۔ اور ہر بدعت (نئی نکالی ہوئی نئی چیز) گمراہی ہے۔ (مسلم)

(۱۰) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر جو کچھ کتاب اللہ کے اندر ہے اس کی پیروی کی اللہ اسکو دنیا میں گمراہی سے بچا کر راہ ہدایت پر رکھے گا۔ اور قیامت کے دن اس کو بُرے حساب سے بچائے گا (مشکوٰۃ)

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ (احمد۔ ابو داؤد)

(۱۲) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وسلم نے فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا (مسلم)

(۱۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن مجید کے اندر اپنی رائے سے کچھ کہا اسکو چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کر لے (ترمذی)

تقدیر

(۱۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا ہر چیز تقدیر پر موقوف ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی (مسلم)

(۱۵) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے ہر بندے کے متعلق پانچ باتوں سے فراغت حاصل کر لی ہے (یعنی ان پانچ باتوں کو اس کی واپسی میں لکھ چکا ہے) اس کی موت (عمر) اس کا (نیک و بد) عمل اس کے رہنے کی جگہ، اس کی واپسی کی جگہ اور اس کا رزق (احمد)

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص مسئلہ تقدیر پر بحث و گفتگو کرے گا اس سے قیامت کے دن اسکی بازپرس ہوگی جو شخص (اس معاملہ میں) خاموش رہے گا۔ اس سے کچھ دریافت نہ کیا جائے گا (ابن ماجہ)

آخرت

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہت یاد کرو لذتوں کو کھو دینے والی چیز یعنی موت کو"! (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ)

(۱۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کے پاس آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے کہا (عائشہؓ) خدا تم کو قبر کے عذاب سے بچائے۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو (بخاری ، مسلم)

(۱۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو۔ اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو۔ اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۲۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہے (مسلم)

(۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "یومئذٍ تحدث اخبارھا" (اس دن زمین اپنے سارے احوال بیان کرے گی) اور صحابہ سے پوچھا جانتے ہو۔ احوال بیان کرنے کا مطلب کیا ہے؟ لوگوں نے کہا" اللہ اور رسول ہی کو علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ زمین قیامت کے دن گواہی دے گی۔ بیان کرے گی کہ فلاں مرد اور فلاں عورت نے میری پیٹھ پر فلاں فلاں وقت برا یا اچھا کام کیا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا لوگوں کے اعمال کو آیت میں "اخبار" کہا گیا ہے (ترمذی)

(۲۲) حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص سے اللہ براہ راست گفتگو کرے گا۔ (حساب لیگا) اور وہاں نہ تو اس کا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ کوئی اوٹ ہوگی جو اسے چھپا لے۔ یہ شخص اپنی داہنی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جانب دیکھے گا (کہ کوئی سفارشی یا مددگار ہے) تو سوائے اپنے اعمال کے اسے کوئی نظر نہ آئے گا۔ پھر بائیں طرف دیکھے گا۔ ادھر بھی سوائے اپنے اعمال کے اور کوئی دکھائی نہ دیگا پھر سامنے کی طرف نظر دوڑائے گا۔ تو ادھر بھی صرف دوزخ (اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ) دیکھے گا۔ تو اے لوگو! آگ سے بچنے کی فکر کرو۔ ایک کھجور کا آدھا حصہ ہی دے کر ہی۔ (متفق علیہ)

(۲۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو دولت قرار دے دیا جائے (یعنی بیت المال اور قومی خزانہ جو ملک وملت اور مستحق لوگوں کے لئے ہوتا ہے اس کو امراء اور صاحبان منصب اپنی جاگیر سمجھ کر اپنی ذات اور اپنے عیش وعشرت کے لئے استعمال کرنے لگیں) اور جب امانت کو مال غنیمت سمجھ کر ہضم کیا جانے لگے اور جب زکواۃ کو تاوان شمار کیا جائے۔ اور جب علم کی تحصیل دین کے لئے نہیں بلکہ محض دنیا طلبی کے لئے ہونے لگے اور جب مرد عورت کی اطاعت شروع کر دے۔ (یعنی بجائے اس کے کہ خود قوام رہے اپنے آپ کو عورت کی قوامیت میں دے دے) اور جب بیٹا ماں کی نافرمانی اور اس سے سرکشی کرنے لگے۔ اور جب آدمی اپنے دوست سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جائے مگر اپنے باپ سے اتنا دور اور جب مسجدوں میں آوازیں زور سے بلند ہونے لگیں اور جب قوم کی سرداری اور سربراہ کاری قوم کا فاسق انسان کرنے لگے۔ اور جب قوم کا لیڈر قوم کا بدترین شخص ہونے لگے اور جب کسی انسان کی عزت محض اس کے شر سے بچنے کے لئے کی جائے اور جب گانے والیاں اور باجے عام ہو جائیں اور جب اعلانیہ شرابوں کا دور چلنے لگے اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں پر طعن وتشنیع اور لعنت کرنے لگیں تو پھر تم انتظار کرو تند وتیز۔ سرخ آندھی کا اور زلزلوں کی تباہ کاریوں کا، زمین کے دھنسنے،

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صورتوں کے مسخ ہونے اور پتھروں کے برسنے کا اور اللہ کی طرف سے پے در پے نزول عذاب کا جیسے موتیوں وغیرہ کی ایک لڑی ہے جو لوٹ گئی ہو اور پیہم وسلسل دانے گر رہے ہوں۔ (ترمذی)

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اتنے میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا حضورؐ قیامت کب آئے گی۔ آپؐ بدستور باتیں کرتے رہے۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ کو اس کی بات شاید ناگوار گذری۔ اور بعض کو خیال ہوا کہ شاید حضرت نے سُنا نہ ہو۔ جب آپؐ بات ختم کر چکے تو ارشاد فرمایا قیامت کا پوچھنے والا کہاں ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جب امانت ضائع کی جائے اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے عرض کیا حضور امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب؟ فرمایا جب کام نا اہلوں کے سپرد کئے جائیں (یعنی حکومت کا کام)۔ (بخاری)

(۲۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں اور زمین کو اپنی مٹھی میں لے کر پکارے گا میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، کہاں ہیں وہ جو زمین میں بادشاہ بنتے تھے؟ کہاں ہیں جبابرۂ وقت؟ کہاں ہیں متکبرین زمانہ؟ (احمد)

(۲۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے اوّل خون کا فیصلہ ہو گا۔ (بخاری۔ مسلم)

(۲۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری شفاعت وہ حاصل کر سکے گا جس نے دل کے پورے خلوص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا ہو (بخاری)

(۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سورۃ شعراء کی آیت وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی اہل خاندان کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپؐ نے قریش کو جمع کیا اور فرمایا: "اے گروہِ قریش! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے عذاب کو تم سے ذرا بھی نہیں ٹال سکتا۔ اے عبد مناف کے خاندان والو! میں تم سے اللہ کے عذاب کو کچھ بھی نہیں ہٹا سکتا۔ اے صفیہ (پھوپھی) میں تم سے اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹا سکتا اے میری بیٹی فاطمہ! تو میرے مال میں سے جتنا مانگے دے سکتا ہوں لیکن اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ (بس اپنے کو بچانے کی فکر کرو ایمان اور عمل ہی وہاں کام آئیں گے) (بخاری و مسلم)

(۲۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے پاؤں جنبش میں نہ آئیں گے جب تک اس سے کہ پانچ باتیں دریافت نہ کر لی جائیں گی۔ اس سے پوچھا جائیگا کہ اپنی عمر کو اس نے کس کام میں صرف کیا۔ اپنی جوانی کس کام میں ختم کی۔ مال کیونکر کمایا اور کیونکر خرچ کیا اور جو علم حاصل کیا تھا اس کے موافق کیا عمل کیا۔ (ترمذی)

(۳۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کو لذتوں اور نفس کی خواہشوں سے گھیر دیا گیا ہے اور جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے (بخاری مسلم)

(۲)

عبادات

نماز

(۳۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) حج کرنا (بخاری مسلم)

(۳۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اور کفر کے درمیان ترک نماز ہی کا فرق ہے (مسلم)

(۳۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندوں سے سب سے پہلے نماز کے متعلق باز پرس ہوگی اگر نماز ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب بامراد ہوا اور اگر خراب ہوئی تو وہ ناکام ہوا اور سخت نقصان اٹھایا اور جس کے فرائض میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ رب العزت فرمائے گا کہ میرے بندوں کی نفلوں کو دیکھو۔ پس فرضوں کا نقصان نفلوں سے پورا ہو جائے گا پھر باقی اعمال کا بھی اسی طرح حساب ہوگا۔ (ترمذی)

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو جس میں وہ ہر دن پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔ تو بتاؤ اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہ سکتا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ نہیں! اس کے جسم پر ذرا بھی میل کچیل نہیں رہیگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے۔ اللہ ان نمازوں کے ذریعہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)

(۳۵) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پانچ نمازیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے تو جس شخص نے بہتر طریقہ پر وضو کیا اور ان نمازوں کے مقررہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقتوں میں انھیں ادا کیا اور رکوع وسجود ٹھیک سے کئے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازوں میں جُھکا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت اپنے ذمہ لے لی۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ اگر چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو اس کو عذاب دیگا (ابوداؤد)

(۳۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باجماعت نماز کا ثواب اکیلے پڑھنے سے ستائیس حصہ زیادہ ہے (بخاری، مسلم)

(۳۷) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب ہو جاتا ہے۔ تو تم جماعت کو لازم کرلو۔ دیکھو بھیڑیا ان بکریوں کو کھا جاتا ہے جو ریوڑ سے دور رہتی ہیں (ابوداؤد)

(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر کا وقت (وہ ہے) جبکہ دوپہر ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو۔ جب تک عصر کا وقت نہ آجائے۔ اور عصر کا وقت (وہ ہے) جب تک سورج زرد نہ ہو جائے۔ اور مغرب کا وقت (اس وقت تک رہتا ہے) جب تک کہ شفق غائب نہ ہو۔ اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ اور فجر کی نماز کا وقت صبح کے ظاہر ہونے سے آفتاب نکلنے تک ہے۔ پس جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہ اس لئے کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (مسلم)

(۳۹) حضرت عمروؓ بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو ان کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں تو) ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ اور علیحدہ کر دو ان کے سونے کی جگہ (یعنی ان کو تنہا سلاؤ) (ابوداؤد)

(۴۰) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے (مسلم، بخاری)

(۴۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت تم میں سے کوئی امامت کرے تو (حالات کا اندازہ کر کے اور نمازیوں کا لحاظ کرتے ہوئے) ہلکی نماز پڑھائے اس لئے کہ تمہارے پیچھے کمزور بھی ہوں گے، بیمار اور بوڑھے بھی۔ (ہاں البتہ) جب تم میں سے کوئی (اپنی (انفرادی) نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنی چاہے پڑھے۔ (مسلم)

(۴۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص ایک کپڑے سے نماز نہ پڑھے جب تک اس کپڑے کا ایک حصہ مونڈھوں پر نہ ہو۔ (بخاری، مسلم)

(۴۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اور اس کو شبہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ اس کو یہ یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں پس جب تم میں سے کسی کو ایسی صورت پیش آئے تو وہ بیٹھ کر دو سجدے کرے یعنی سجدہ سہو (بخاری، مسلم)

(۴۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں عیدین کی نماز

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

زکوٰۃ وصدقات

(۴۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ نہ نکالی جائے اور اسی میں ملی جلی رہے تو وہ مال کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۴۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس اونٹ یا گائیں یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو یہ چیزیں قیامت کے دن بہت بڑی اور فربہ شکل میں لائی جائیں گی اور اپنے پاؤں سے اسکو کیسیں گی اور اپنے سینگوں سے ماریں گی۔ اور انکی جماعتیں یکے بعد دیگرے اسی طرح کرتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے حساب وکتاب کا فیصلہ کیا جائیگا۔ (بخاری مسلم)

(۴۷) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی بیوی کہتی ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اے عورتو! اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو۔ اگرچہ وہ تمہارے زیور ہی میں سے ہو۔ کیونکہ تم میں سے قیامت کے دن اکثر دوزخی ہوں گی (ترمذی)

(۴۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری موت مرنے سے روکتا ہے (ترمذی)

(۴۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حاصل کرے مال۔ پس اس پر اس وقت تک زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب تک اس پر ایک سال نہ گذر جائے۔ (ترمذی)

(۵۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو زمینیں بارش کے پانی سے، یا بہتے چشمے سے سیراب ہوتی ہوں یا دریا سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قریب ہونے کی وجہ سے پانی دینے کی ضرورت نہ پڑتی ہو۔ ان کی پیداوار کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالا جائے گا اور جن کو مزدور لگا کر سینچا جائے ان میں بیسواں حصہ ہے (بخاری)

(۵۱) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق کھجوروں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بخاری، مسلم)

(۵۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرض کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو ہر ایک غلام، آزاد، مرد، عورت اور بچے اور بوڑھے پر مسلمانوں میں سے ایک صاع جَو اور کھجور اور حکم دیا ہے کہ ادا کیا جائے اس کو نماز کیلئے نکلنے سے پہلے۔ (بخاری، مسلم)

(۵۳) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا اگر کسی کے پاس (صدقہ دینے کو) کچھ نہ ہو؟ آپ نے فرمایا دونوں ہاتھوں سے کام کر کے مال حاصل کرے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور خیرات بھی کرے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اگر اس کی قوت بھی نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا غمگین اور حاجت مند، داد خواہ کی مدد کرے (جسم سے یا مال سے) صحابہؓ نے پوچھا اگر ایسا بھی نہ کر سکے۔ آپؐ نے فرمایا نیک کام کی ہدایت کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو نہ خود بُرا کام کرے۔ اور نہ دوسروں کو مبتلا ہونے دے۔ بس یہی اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

روزہ

(۵۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے فرمایا، تمھارے پاس رمضان کا بابرکت مہینہ آیا ہے جس کے روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں۔ اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور سرکش شیطانوں کو طوق پہنایا جاتا ہے۔ اس مہینہ میں ایک خاص رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو شخص محروم رہا اس کی بھلائی سے وہ محروم رہا ہر بھلائی سے۔ (احمد۔ نسائی)

(۵۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے (روزہ رکھنے کے باوجود) جھوٹ بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔ (بخاری)

(۵۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کتنے ہی (بدقسمت) روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور (کتنے ہی روزہ کی رات میں) تراویح پڑھنے والے ہیں جن کو اپنی تراویح میں سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (بخاری۔ مسلم)

(۵۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کی روح قبض کی۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی بیویوں نے اعتکاف کیا (بخاری۔ مسلم)

(۵۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ باز رہتا ہے گناہوں سے۔ اور جاری کی جاتی ہیں اس کے لئے نیکیاں۔ ایسی نیکیاں جیسی کہ عام طور پر نیکیاں کرنے والے ہر قسم کی نیکیاں کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حج

(۵۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی کہا اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ تو حج کرو (مسلم)

(۶۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس گھر (کعبہ) کی زیارت کو آیا۔ اور اس نے نہ تو شہوت کی کوئی بات کی اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا تو وہ اپنے گھر کو اس حالت میں لوٹے گا جس حالت میں اس کی ماں نے اسے جنا تھا (بخاری، مسلم)

(۶۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلا۔ پھر راستہ میں اسے موت آ گئی تو اللہ اس کو وہی اجر (ثواب) دے گا جو اس کے یہاں حاجی، غازی، اور عمرہ کرنے والوں کے لئے مقرر ہے (مشکوٰۃ)

(۶۲) حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو پھر جلدی سے اس کو پورا کرے (ابوداؤد۔ دارمی)

(۶۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی اور احرام باندھنے سے پہلے جب آپ بیت اللہ کے طواف کو جاتے (اس وقت بھی خوشبو لگاتی اور اس خوشبو میں مشک بھی ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں۔ اس حال میں کہ آپ احرام باندھے ہوئے ہیں (بخاری۔ مسلم)

(۶۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا طواف کرتے تو اول کے تین پھیروں میں تیز قدم چلتے اور چار پھیرے معمولی رفتار سے کرتے پھر دو رکعت نماز پڑھتے (مقام ابراہیم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں) اور صفا و مروہ کی سعی کرتے (بخاری، مسلم)

(۶۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے۔ لیکن تم طواف کی حالت میں بات چیت کرتے ہو۔ پس آئندہ جو شخص بات کرے نیکی کی بات کرے۔ (ورنہ خاموش رہے) (ترمذی)

جہاد

(۶۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی راہ میں لڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا عبادت گزار اور قرآن خواں۔ جو کبھی روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے سے نہیں تھکتا جب تک وہ جہاد سے واپس نہ آئے۔ (بخاری، مسلم)

(۶۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کو یا شام کو خدا کی راہ میں جانا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے (بخاری، مسلم)

(۶۸) حضرت عبسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں تو پھر ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوتی (بخاری)

(۶۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرا اور جہاد نہ کیا اور جہاد کا خیال بھی کبھی دل میں نہ لایا اسکی موت ایک قسم کے نفاق پر ہوئی۔ (مسلم)

(۷۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ ایک آنکھ وہ جو خدا کے خوف سے روئی۔ اور دوسری آنکھ وہ جس نے خدا کی نگہبانی کرتے رات گزاری (ترمذی)

(۷۱) حضرت فضالہ ابن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کا عمل مرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، مگر اس شخص کے عمل کا ثواب جو خدا کی راہ میں محافظت کرتا ہوا مرے۔ قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ سے بھی مامون رہتا ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

(۷۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دنیا میں اس خیال سے واپس آنے کو پسند نہ کرے گا کہ زمین میں جو کچھ ہے اس کو پھر مل جائے مگر شہید اس کی آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس مرتبہ مارا جائے۔ اس لئے کہ وہ شہادت کی عظمت اور ثواب کو جانتا ہے (بخاری مسلم)

(۷۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے پہلے غنیمت کا مال کسی کو حلال نہ تھا خداوند تعالیٰ نے جب ہم کو کمزور و ضعیف دیکھا تو اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا (بخاری مسلم)

(۷۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آبادی میں تم جاؤ اور وہاں قیام کرو (اور وہاں کے لوگ صلح کے بعد اس آبادی کو خالی کر دیں) تو جو کچھ اس کے اندر ہو وہ تمہارا حصہ ہے اور جس آبادی نے خدا اور رسول ؐ کی نافرمانی کی (اور تم نے لڑکر اس پر قبضہ کیا) تو اس مال میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول ؐ کے لئے ہے پھر جو باقی بچے وہ تمہارا ہے (مسلم)

(۷۵) صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ ؓ سے اور یہ صحابہ ؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خبردار جس شخص نے اس شخص پر ظلم کیا جس سے اس کا معاہدہ ہو چکا ہو یا اس کے حق میں ضرر پہنچایا یا اسکو تکلیف دی اور اس کی طاقت سے زیادہ یا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں اس سے قیامت کے دن جھگڑوں گا (ابوداؤد)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قربانی

(۷۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ابلق سینگ دار دنبوں کی قربانی کی اور ان کو اپنے ہاتھوں سے (آپ نے) ذبح کیا بسم اللہ کہی اور تکبیر فرمائی۔ انسؓ کہتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنبوں کے پہلو پر پاؤں رکھے ہوئے دیکھا آپ (ذبح کے وقت) یہ فرما رہے تھے بسم اللہ۔ اللہ اکبر۔ (بخاری و مسلم)

(۷۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جس جانور کو ہم قربان کریں اس کی آنکھ کان کو اچھی طرح دیکھ لیں کہ ان میں کوئی نقصان نہ ہو اور یہ حکم دیا ہے کہ ہم کو اس کو ذبح نہ کریں جس کا کان اگلی طرف سے کٹا ہو یا پچھلی طرف سے اور نہ اس کو جس کا کان پھٹا ہو المبائی میں یا گولائی میں (ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ)

(۷۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم نے قربانی کے دن کوئی عمل ایسا نہیں کیا۔ جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ خون بہانے یعنی قربانی کرنے سے اور قیامت کے دن وہ ذبح کیا ہوا جانور آئے گا اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ اور قربانی کا خون اس سے پہلے کہ زمین پر گرے۔ خدا کے ہاں قبول ہو جاتا ہے۔ پس تم قربانی کر کے اپنے دلوں کو خوش کرو۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۷۹) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ اس سے ہم کو کیا ثواب ملے گا۔ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی، عرض کیا اور اون

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یا رسول اللہ؟ فرمایا اور اون کے ہر بال میں ایک نیکی۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

(۳)

معاملات

حلال کمائی

(۸۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا اس نے رسولوں کو حکم دیا ہے چنانچہ اس نے فرمایا اے پیغمبرو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا اے اہل ایمان جو پاک اور حلال چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں وہ کھاؤ۔ پھر آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبی مسافت طے کر کے مقدس مقام پر آتا ہے غبار سے اٹا ہوا ہے۔ گرد آلود ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے "اے میرے رب! (اور دعائیں مانگتا ہے) حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے۔ اس کا پانی حرام ہے۔ اس کا لباس حرام ہے اور وہ حرام پر ہی پلا ہے۔ تو ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے (مسلم)

(۸۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض عبادات کی بجا آوری کے بعد حلال طریقے سے رزق حاصل کرنا سب سے اہم فرض ہے (مشکوٰۃ)

(۸۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کی حرام مال کی کمائی میں سے نہ صدقہ قبول کیا جاتا ہے نہ اسکے خرچ میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرام مال چھوڑ مرتا ہے وہ مال اس کے جہنم کا زادِ راہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھلائی کے ذریعہ مٹاتا ہے۔ کیونکہ خبیث خبیث کو نہیں مٹا سکتا۔ (بخاری مسلم۔ احمد)

تجارت

(۸۳) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ اچھی کمائی کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔ (بخاری مسلم)

(۸۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ (ترمذی)

(۸۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ رحم فرمائے جو نرمی اور خوش اخلاقی برتتا ہے خریدنے میں اور بیچنے میں اور اپنے قرض کا تقاضا کرنے میں۔ (بخاری)

(۸۶) حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے سوائے ان تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اختیار کیا۔ اور نیکی اختیار کی اور سچائی کے ساتھ معاملہ کیا۔ (ترمذی)

(۸۷) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال کو بیچنے میں کثرت سے قسمیں کھانے سے بچو۔ یہ چیز (وقتی طور پر) تو تجارت کو فروغ دیتی ہے لیکن آخر کار برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ (مسلم)

(۸۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جو اشیائے ضرورت کو نہیں روکتا بلکہ وقت پر بازار میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لاتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہے۔ اسے اللہ رزق دے گا لیکن جو شخص احتکار کرتا ہے وہ لعنت کا مستحق ہے۔ (ابن ماجہ)

(۸۹) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہ ہیں۔ تو جو شخص مشتبہ گناہ سے بچے گا وہ بدرجہ اولیٰ کھلے ہوئے گناہوں سے بچے گا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کے کر ڈالنے میں جرأت دکھائے گا تو کھلے گناہوں میں اس کا پڑ جانا بہت زیادہ متوقع ہے اور معصیتیں اللہ کا ممنوعہ علاقہ ہیں۔ (جس کے اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں اور اس کے اندر بلا اجازت گھس جانا حرام ہے۔) جو جانور ممنوعہ علاقہ کے آس پاس چرتا ہے اس کا ممنوعہ علاقہ میں بہت زیادہ متوقع ہے (مشکوٰۃ)

(۹۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سُود کھانے والے پر سود کھلانے والے پر۔ اس کے دونوں گواہوں پر اور سود کے لکھنے والے پر (بخاری۔ مسلم)

(۹۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر۔ (بخاری۔ مسلم)

(۹۲) حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی سے بیع سلم کا معاملہ کرے وہ چیز کے قبضہ میں آنے سے پہلے بیع کو دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

(۹۳) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو شخص بیع سلم کا معاملہ کرے اس کو چاہیئے کہ معین پیمانہ پر معین وزن اور معین مدت کے ساتھ کرے۔ (بخاری مسلم)

زراعت

(۹۴) حضرت جابر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو۔ اس کو چاہیئے کہ وہ اس میں خود کھیتی کرے یا اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے دے اور یہ دونوں باتیں پسند نہ ہوں تو پھر اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔ (بخاری مسلم)

(۹۵) حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کرے تو ساری کاشت مالک زمین کی ہے اور مالک پر صرف کاشت کا خرچ ہے۔ (ترمذی ابوداؤد)

اجارہ

(۹۶) حضرت عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ ثابت بن ضحاک نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور زمین کو اجارہ پر دینے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ اجارہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مسلم)

(۹۷) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک مدت معینہ کے وعدہ پر خرید فرمایا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھ دی (بخاری مسلم)

☆ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چیز کو رہن کر دینے سے رہن کرنیوالے کی ملکیت ختم نہیں ہو جاتی وہ اس کے منافع کا حقدار ہے (اور چیز ضائع ہو جائے) تو رہن رکھنے والا تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔ (شافعی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شرکت و وکالت

(۹۸) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو) انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں (مہاجرین) کے درمیان کھجوروں کی تقسیم فرما دیجئے آپ نے فرمایا میں درخت تقسیم نہیں کرتا تم اتنا کرو کہ مہاجرین کی مدد کے طور پر محنت مشقت گوارا کرلو اور ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔ انصار نے اسے قبول کر لیا۔ (بخاری)

(۹۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے میں دو شریکوں کے ساتھ تیسرا ہوں۔ جب تک وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کرتے اور جب وہ خیانت اور بددیانتی کرنے لگتے ہیں تو میں ان سے جدا ہو جاتا ہوں۔ (ابوداؤد)

قرض

(۱۰۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں سے قرض لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ قرض خدا اس سے ادا کرا دیتا ہے (بخاری)

(۱۰۱) حضرت شرید سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرض ادا کر سکنے والے کا ٹال مٹول کرنا حلال کر دیتا ہے اس کی آبرو کو اور اس کی سزا کو۔ (بخاری مسلم)

(۴)

معاشرت

منگنی، نکاح، طلاق

(۱۰۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عورت سے منگنی کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے فرمایا۔ تم اس کو دیکھ لو۔ اس لیئے کہ جن دو اجنبیوں میں محبت پیدا کی جائے گی ان کو باہم ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔ (احمد۔ ترمذی۔ نسائی)

(۱۰۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کیا۔ اب اس کو چاہیئے کہ باقی آدھے دین میں خدا سے خوف اور تقویٰ کرے۔ (بیہقی)

(۱۰۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داریاں اٹھانے کی سکت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ نگاہ کو نیچا رکھتا اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جو نکاح کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کی وسعت نہیں رکھتا اسے چاہیئے کہ شہوت کا زور توڑنے کے لیئے وقتاً فوقتاً روزے رکھا کرے۔ (بخاری مسلم)

(۱۰۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے۔ مالدار ہونے کے سبب سے، حسب کی وجہ سے، حُسن کے سبب سے اور مذہب کی وجہ سے۔ ان میں سے جس نے دین و مذہب کے سبب سے نکاح کیا وہ کامیاب ہوا۔ اور خاک آلود ہوں تیرے ہاتھ (اگر تو مال، حسب اور حسن کے سبب نکاح کرے) (بخاری مسلم)

(۱۰۶) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان شرطوں میں جن کا پورا کیا جانا بہت ضروری ہے، وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے اپنے لیئے عورتوں کی شرم گاہوں کو حلال کیا (یعنی مہر) بخاری ؍ مسلم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۰۷) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مہر وہ ہے جو معمولی ہو (مشکوٰۃ)

(۱۰۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور جس شخص نے دعوتِ ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی (بخاری مسلم)

(۱۰۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک سب سے بُری چیز طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۱۰) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کا خاوند مر جائے تو وہ کسی قسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنے اور نہ گیرو کے رنگ کا۔ نہ زیور پہنے نہ مہندی لگائے اور نہ سُرمہ (ابوداؤد۔ نسائی)

(۱۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب سے جو اشخاص حرام ہیں وہی رضاعت سے (یعنی جن مردوں یا عورتوں سے نکاح نسب کے سبب سے حرام ہے۔ اسی طرح دودھ پینے سے اس عورت کے وہی عزیز حرام ہیں)۔ (بخاری)

حقوق العباد:

(۱) والدین اور رشتہ داروں کے حقوق

(۱۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا "تیری ماں" اس نے کہا "پھر کون؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمایا "تیری ماں" اس نے کہا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا "تیری ماں" اس نے کہا "پھر کون"؟ آپؐ نے فرمایا "پھر تیرا باپ۔ پھر درجہ بدرجہ تیرے قریبی لوگ ہوں (بخاری، مسلم)

(۱۱۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسکی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ہو) یہ بات آپؐ نے تین دفعہ فرمائی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کون ذلیل ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا ان دونوں میں سے ایک کو یا دونوں کو پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

(۱۱۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو بدلہ میں رشتہ داری کا خیال کرتا ہے وہ مکمل درجہ کی صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے۔ کمال درجہ کی صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار اس کے ساتھ بے تعلقی کریں تو یہ ان کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے اور ان کا حق دے۔ (بخاری)

(۲) زوجین کے حقوق

(۱۱۵) حکیم ابن معاویہ اپنے باپ معاویہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے (معاویہ) نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کسی شوہر کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے۔ اور جب پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کو بد دعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے (ابوداؤد)

(۱۱۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت جبکہ وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہو رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (مشکوٰۃ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) اولاد کے حقوق

(۱۱۷) حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے (مشکوٰۃ)

(۱۱۸) حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ لڑکے کے پیدا ہونے پر عقیقہ کرنا سنت ہے اس کی طرف سے خون بہاؤ۔ اور دور کرو اس سے ایذا (یعنی میل اور اس کے سر کے بال) (بخاری)

(۱۱۹) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو بہتر ہے اس کی طرف سے ذبح کرے۔ یعنی لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری (ابوداؤد)

(۱۲۰) حضرت حسن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکا عقیقہ کے بدلے رہن ہے ساتویں دن ذبح کر کے اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے (احمد، ترمذی)

(۴) یتیم کے حقوق

(۱۲۱) حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کا سرپرست نیز دوسرے محتاجوں کا سرپرست ہم دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے (یہ کہکر آپؐ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور ان دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا) (بخاری)

(۱۲۲) حضرت خویلد بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے میرے اللہ! میں دو کمزور قسم کے لوگوں کے حق کو محترم قرار دیتا ہوں، یعنی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یتیم اور بیوی کے حق کو (نسائی)

(۵) مہمان کے حقوق

(۱۲۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے (بخاری مسلم)

(۱۲۴) ابی شریح کعبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور خاطر مدارات کا زمانہ ایک دن اور ایک رات ہے۔ اور اس کے بعد کی مہمان نوازی صدقہ اور خیرات ہے۔ اور مہمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے میزبان کے ہاں اتنے زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہرے کہ وہ تنگ آجائے۔ (بخاری مسلم)

(۶) پڑوسیوں کے حقوق

(۱۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کون ایمان نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔ (بخاری ومسلم)

(۱۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھ کو پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے۔ (متفق علیہ)

(۷) فقراء ومساکین کے حقوق

(۱۲۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے کو پیٹ بھر کے کھلائے۔ (بخاری مسلم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۲۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیواؤں اور مسکینوں کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو خدا کی راہ میں جنگ کرتا ہے۔ اور اس شخص کی طرح ہے جو رات بھر خدا کے حضور کھڑا رہتا ہے تھکتا نہیں۔ اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو دن کو نہیں کھاتا برابر روزے رکھتا ہے (بخاری و مسلم)

(۸) غلاموں اور خادموں کے حقوق

(۱۲۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام کا حق یہ ہے کہ اسے کھانا اور کپڑا دیا جائے۔ اور اس پر کام کا صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جس کو وہ سہار سکتا ہو۔ (مسلم)

(۱۳۰) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو (ابن ماجہ)

(۹) رفقائے سفر کے حقوق

(۱۳۱) حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں خود پیچھے رہتے تھے اور کمزوروں کو آگے بھیجدیتے تھے (ابو داؤد)

(۱۳۲) ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب کہ ہم سفر میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی اونٹنی پر سوار آیا تو اس نے دائیں بائیں مڑ کر دیکھنا شروع کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس کوئی زائد سواری ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی سواری اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں ہے۔ اور جس شخص کے پاس زائد کھانا ہو تو اسے ان لوگوں کو دے دینا چاہیئے جن کے پاس کھانا نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی بہت ساری قسمیں گنا ڈالیں یہاں تک کہ ہم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے یہ سمجھا کہ ہم میں سے کسی کا زائد از ضرورت مال میں کوئی حق نہیں ہے (مسلم)

(۱۰) مسلمانوں کے عام حقوق

(۱۳۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ اسکی حاجت پوری کریگا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی پریشانی کو دور کریگا تو اللہ قیامت کے دن اسکی پریشانی کو دور کریگا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کریگا اللہ قیامت کے دن اسکی پردہ پوشی کرے گا (بخاری۔ مسلم)

(۱۳۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری مسلم)

(۱۳۵) ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ قطع تعلق کئے رکھے کہ دونوں راستہ میں ایک دوسرے سے ملیں تو منہ پھیر لیں اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (بخاری، مسلم)

(۱۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ اس لئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائیگی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی دوسروں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے مت پھرو اور نہ ٹوہ میں لگو اور نہ آپس میں تناقش کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگو اور اللہ کے بندے بنو آپس میں بھائی بھائی بن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کر زندگی گزارو (بخاری مسلم)

(۱۳۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) جب تو مسلمان بھائی سے ملے تو اسے سلام کر (۲) جب وہ تجھے دعوت دے تو اسے قبول کر (۳) جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے تو اس سے خیر خواہی کر (۴) جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تو اس کا جواب دے۔ (۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر (۶) جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ (مسلم)

(۱۱) غیر مسلم شہریوں کے حقوق

(۱۳۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی معاہد (غیر مسلم شہری) پر ظلم کرے گا یا اس کی حق ماری کرے گا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے گا یا اس کی کوئی چیز جبراً لے لے گا تو میں خدا کی عدالت میں مسلمان کے خلاف دائر ہونے والے مقدمہ میں اس غیر مسلم شہری کا وکیل بن کر کھڑا ہوں گا۔ (ابوداؤد)

(۱۲) حیوانات کے حقوق

(۱۳۹) سہیل ابن الحنظلیۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک اونٹ کے پاس سے ہوا جس کی پیٹھ اس کے پیٹ سے مل گئی تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان پر اچھی حالت میں سوار ہو۔ اور اچھی حالت میں ان کو چھوڑو۔ (ابوداؤد)

(۱۴۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے چہرے پر مارنے اور اس کے چہرے کو داغنے سے منع فرمایا ہے (ترمذی)

(۱۳) جماعت کے حقوق

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۴۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں (ابوداؤد)

(۱۴۳) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکریوں کا بہ آسانی شکار کر لیتا ہے اسی طرح شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اگر جماعت بن کر نہ رہیں تو یہ ان کو الگ الگ نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ (احمد)

(۱۴۴) معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سُنا کہ جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو اور وہ ان کے ساتھ خیانت کرے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا (متفق علیہ)

(۱۴۵) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین خلوص و خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔ ہم نے پوچھا کس کے لئے خلوص و خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے مسلمانوں کے اجتماعی نظام کے سربراہوں کے لئے اور عام اہل اسلام کے لئے۔ (مسلم)

(۵)

سیاست

(۱۴۶) ام حصین رضی اللہ عنہا کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمھارے اوپر کسی نکٹے غلام کو حاکم بنایا جائے اور وہ تم پر کتاب اللہ کے حکم کے موافق حکمرانی کرے تو تم اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو۔ (مسلم)

(۱۴۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمایا جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امیر (حاکم یا مقامی سردار) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور واضح ہو کہ امام (حاکم یا خلیفہ) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے جنگ کی جاتی ہے اور جس کی نگرانی میں امن و عافیت حاصل کی جاتی ہے۔ پس جو حاکم خدا کے ڈر سے اس کے حکم کے موافق حکمرانی کرے اور انصاف سے کام لے۔ اس کو اس کے سبب اجر ملے گا اور اگر ایسا نہ کرے تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ (بخاری مسلم)

(۱۴۸) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو شخص خلیفہ یا امام کی اطاعت سے دست بردار ہو جائے وہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ ایمان کی ایک دلیل اس میں نہ ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہ ہو۔ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (مسلم)

(۱۴۹) معقل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ رعیت کی نگہبانی سپرد کرے اور وہ بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو وہ بہشت کی بو (بھی) نہ پائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۵۰) حضرت موسیٰ اشعری روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ ہے جو اقتدار کا طالب ہو۔ (ابو داؤد)

(۱۵۱) ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بادشاہ زمین میں خدا کا سایہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے۔ مظلوم بندہ اس کے ہاں پناہ حاصل کرتا ہے۔ پھر جب وہ عدل و انصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رعیت پر اس کا شکر واجب ہوتا ہے اور جب ظلم کرتا ہے تو اس پر گناہ ہوتا ہے اور رعیت پر صبر لازم ہوتا ہے (بیہقی)

(۱۵۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اے حاکمو تم (رعیت پر) آسانی کرو۔ دشواری میں نہ ڈالو تسکین دو نفرت نہ پیدا کرو۔" (بخاری۔ مسلم)

(۱۵۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے خدا کے بندوں میں سب سے بہتر عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے۔ اور بدترین شخص سختی کرنیوالا ظالم حاکم ہے۔ (بیہقی)

(۱۵۴) ابی بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جب کہ حاکم غیض و غضب میں ہو تو وہ آدمیوں کے معاملہ میں فیصلہ نہ کرے (بخاری۔ مسلم)

(۱۵۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مسلمانوں کی حکومت و امارت طلب کی اور وہ اس کو مل گئی اور پھر اس کا انصاف ظلم پر غالب رہا تو اس کو جنت ملے گی اور جس کا ظلم اس کے انصاف پر غالب رہا اس کے لئے دوزخ ہے۔ (ابوداؤد)

(۶)

اخلاقیات

حسن اخلاق

(۱۵۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لحاظ سے کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سب سے بہتر ہوں اور جو اپنے اہل وعیال پر مہربان نہ ہو (الترغیب والترہیب بحوالہ ترمذی) (۱۵۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ آدمی کو زیادہ تر جنت میں لے جانے والی صفتیں کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' وہ اللہ سے خوف اور تقویٰ اور حُسن خُلق ہیں۔ پھر آپؐ سے سوال کیا گیا کہ انسان کو زیادہ تر جہنم میں لیجانے والی باتیں کیا ہیں؟ ارشاد ہوا کہ منہ اور شرم گاہ! (الترغیب والترہیب بحوالہ ترمذی' بیہقی وغیرہ)

(۱۵۸) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں انانیت پسند' تنگ دل' اجڈ اور بدخو شخص داخل نہ ہو سکے گا۔ (ابوداؤد)

(۱۵۹) (بروایت حضرت ابوہریرہ) امام مالک کو پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی خوبیوں (مکارم محاسنِ اخلاق) کو تمام و کمال تک پہنچاؤں (موطا امام مالک بحوالہ احمد' حاکم' طبرانی)

فضائل اخلاق

(۱۶۰) اخلاص نیت: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال (کی جزائیں) نیتوں کے ساتھ (وابستہ) ہیں اور ہر شخص کے کام کا ثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ (بخاری)

(۱۶۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف نظر رکھتا ہے (مسلم)

وقار و سنجیدگی

(۱۶۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے لیڈر کو (جس کا لقب اشج تھا) خطاب کر کے تعریف کے طور پر فرمایا "تمہارے اندر دو ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اللہ کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پسند ہیں۔ اور وہ ہیں بردباری (غیر جذباتیت) اور وقار (سنجیدگی (مسلم)

سادگی وصفائی

(۱۶۳) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سادہ زندگی گزارنا ایمان سے ہے (ابوداؤد)

(۱۶۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کی غرض سے تشریف لائے تو ایک آدمی کو دیکھا جو گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا۔ اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیا اس آدمی کے پاس کوئی کنگھا نہیں ہے جس سے یہ اپنے بالوں کو درست کرلیتا۔ اور آپ نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا جس نے میلے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا اس آدمی کے پاس وہ چیز (صابون وغیرہ) نہیں ہے۔ جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لیتا" (مشکوٰۃ)

سلام

(۱۶۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اس وقت "تک بہشت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک تمھارا ایمان کامل نہ ہوگا جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو تو تمھارے درمیان محبت بڑھے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ سلام کو رواج دو (یعنی آپس میں آشنا و ناآشنا سب کو سلام کرو (مسلم)

(۱۶۶) حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے نزدیک تر وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے۔ (احمد۔ ترمذی ابوداؤد) (۱۶۷) برار بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۶۸) شعبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ (ابوداؤد، بیہقی)

زبان و شرمگاہ کی حفاظت

(۱۶۹) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص مجھے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دے دیتا ہوں اس کے لئے جنت کی ضمانت لے لوں گا (بخاری)

قناعت

(۱۷۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش نصیب ہے وہ جو اسلام لایا اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر وہ قانع ہے (مسلم)

جود و سخا

(۱۷۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قابل رشک دو ہی طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اللہ کی راہ میں لٹائے اور دوسرا وہ جس کو اللہ حکمت دے تو وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اور سکھلائے (بخاری، مسلم)

(۱۷۲) حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کر، گن گن کر نہ رکھ ورنہ تجھے بھی خدا گن گن کر دیگا۔ اور باندھ کر نہ رکھ ورنہ تم پر بھی رزق باندھ دیا جائے گا (بخاری، مسلم)

ایثار

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۷۳) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے ہاتھ سے بُن کر لائی ہوں کہ آپ کو پہناؤں۔ آپؐ نے قبول کر لیا۔ آپؐ کو ضرورت بھی تھی۔ آپ اس کی تہبند باندھ کر ایسے مجمع میں تشریف لائے ایک صاحب بولے کتنی اچھی ہے۔ اس کو آپ ہمیں دے دیجیئے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا۔ پھر اس مجلس میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد تشریف لے گئے۔ اور تہبند لپیٹ کر ان کو بھیجدی۔ لوگوں نے کہا تم نے بہت بُرا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی۔ آپ پہنے ہوئے تھے۔ تم نے مانگ لیا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپؐ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انھوں نے کہا میں نے اس لئے نہیں مانگا کہ پہنوں بلکہ اس لئے مانگا ہے کہ میرا کفن اسی کا ہو۔ حضرت سہل کہتے ہیں کہ وہ چادر ان کے کفن ہی کے کام آئی۔ (بخاری)

شرم وحیاء

(۱۷۴) ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء اور ایمان کو ایک جگہ رکھا گیا ہے ان میں سے جب ایک کو اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے (بیہقی)

ایفائے عہد

(۱۷۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کہے جھوٹ کہے۔ (۲) وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے (۳) امانت میں خیانت کرے (بخاری مُسلم)

صبر واستقامت

(۱۷۶) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا جو شخص صبر کرنے کی کوشش کریگا اللہ اس کو صبر دے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔ (بخاری، مسلم)

صداقت و راستی

(۱۷۷) (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ آدمی سچ بولتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو سچوں میں لکھتا ہے اور جھوٹ گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ آدمی جھوٹ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹوں میں لکھ لیتا ہے (بخاری، مسلم)

(۲) حضرت حسن بن علی رضؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالے اور اس چیز کو اختیار کرو جس سے تمھارے دل میں کھٹک نہ پیدا ہو۔ پس بے شک سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔ (ترمذی)

تکبر، شیخی

(۱۷۸) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متکبر شخص جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ وہ جو جھوٹی شیخی بگھارتا ہے۔ (ابوداؤد)

ظلم

(۱۷۹) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے دن ظالم کے لئے سخت اندھیرا بنے گا۔ (مشکوٰۃ)

غصہ

(۱۸۰) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے ارشاد فرمایا طاقت ور تو درحقیقت وہ شخص ہے جو کشتی میں دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ بلکہ طاقتور تو درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے موقع پر اپنے اوپر قابو رکھتا ہے۔ (یعنی غصہ میں آکر کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو اللہ اور رسول کو ناپسند ہو (بخاری)

جھوٹ

(۱۸۱) سفیان بن اسید حضرمی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تمھاری بات کو سچ سمجھے حالانکہ تم نے جو بات اس سے کہی ہے وہ جھوٹی تھی (ابوداؤد)

فحش گوئی و بدزبانی

(۱۸۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فحش بات کہنے والا اور فحش بات کی اشاعت کرنے والا یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں (مشکوٰۃ)

غیبت و چغلی

(۱۸۳) ابوسعید خدری اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیبت زنا سے سخت تر گناہ ہے لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! غیبت زنا سے سخت گناہ کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو معاف نہیں کرے گا جب تک وہ شخص اس کو معافی نہ دیدے جس کی اس نے غیبت کی ہے (مشکوٰۃ)

(۱۸۴) حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے چغل خور جنت میں نہ جائیں گے۔ (بخاری مسلم)

بیجا حمایت اور طرفداری

(۱۸۵) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی ناجائز معاملہ میں) اپنی قوم کی مدد کرتا ہے تو اسکی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی اونٹ کنوئیں میں گر رہا ہو اور یہ اس کی دم پکڑ کر لٹک گیا ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ جا گرا۔ (ابوداؤد)

وعدہ خلافی

(۱۸۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کہے جھوٹ کہے (۲) وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔ (۳) امانت رکھائی جائے تو خیانت کرے (بخاری، مسلم)

عیب جینی

(۱۸۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (ایک موقع پر) کہا کہ صفیہؓ کا یہ عیب کہ وہ ایسی اور ایسی ہے کافی ہے (یعنی یہ کہ وہ پستہ قد ہے اور یہ بہت بڑا عیب ہے) آپؐ نے فرمایا عائشہؓ تم نے اتنا گندہ لفظ منہ سے نکالا ہے کہ اگر اسے سمندر میں گھول دیا جائے تو پورے سمندر کو گندہ کر دے (مشکوٰۃ)

تجسس

(۱۸۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم مسلمانوں کے بھیدوں کی ٹوہ لگاؤ گے تو یا تو ان کو برا کر دو گے یا برائی کے قریب کر دو گے (ابوداؤد)

حسد

(۱۸۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے۔ جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے یا خشک گھاس کو (ابوداؤد)

بد نگاہی

(۱۹۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ نے حضرت علی سے فرمایا اے علیؓ کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو نظر پھیر لو۔ دوسری نگاہ اس پر نہ ڈالو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلی نگاہ تو تمہاری ہے مگر دوسری نگاہ تمہاری نظر نہیں ہے۔ (بلکہ شیطان کی ہے) (ابوداؤد)

بخل و حرص

(۱۹۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم سے ڈرو، ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہوں گی اور حرص و بخل سے بچو بخل و حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے خون بہائیں اور حرام کو جائز کر لیں۔ (مسلم)

افتراء طرازی

(۱۹۲) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان آدمی کے بھیس میں کام کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے پاس آکر جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ پھر لوگ جُدا ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے یہ بات ایک آدمی سے سُنی ہے جس کا چہرہ تو میں پہچانتا ہوں۔ نام نہیں جانتا (مسلم)

دو رُخا پن

(۱۹۳) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تم قیامت کے دن بدترین آدمی اس شخص کو پاؤ گے جو دُنیا میں دو چہرے کے ساتھ ملتا تھا اور وہ دوسرے لوگوں سے دوسرے چہرے کے ساتھ (متفق علیہ)

(۷)

دعوت و تبلیغ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

(۱۹۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا) کہ یہ آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے کیا کہتا ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اور اقتدار و فرمانروائی میں کسی کو بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہ قرار دو اور تمہارے باپ دادا کا جو عقیدہ تھا اور جو کچھ کرتے تھے اسے چھوڑ دو اور یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ نماز پڑھو، سچائی اختیار کرو، پاکدامنی کی زندگی گذارو اور صلہ رحمی کرو.. (بخاری)

دین ــ آزمائش کی راہ

(۱۹۵) حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کعبہ کے سائے میں چادر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے (اس زمانے میں مکہ والے بے پناہ ظلم و ستم مسلمانوں پر توڑ رہے تھے۔) ہم نے آپؐ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ کی مدد طلب نہیں کرتے؟ آپ اس ظلم کے خاتمہ کی دعائیں نہیں کرتے؟ آخر یہ سلسلہ کب تک دراز رہے گا؟ کب یہ مظالم ختم ہوں گے؟) حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لئے گڑھا کھودا جاتا پھر اسے اس گڑھے میں کھڑا کیا جاتا پھر آرا لایا جاتا اور اس سے اس کے جسم کو چیرا جاتا یہاں تک کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جاتے۔ پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتا اور اس کے جسم میں لوہے کے کنگھے چبھوئے جاتے جو گوشت سے گذر کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے مگر وہ اللہ کا بندہ حق سے نہ پھرتا۔ قسم ہے خدا کی یہ دین غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعا (یمن) سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور راستہ میں اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ چرواہے کو صرف بھیڑیوں کا خوف رہے گا کہ کہیں بکری اٹھا نہ لے جائیں۔ لیکن افسوس تم لوگ جلدی کرتے ہو۔" (بخاری)

التزام جماعت

(۱۹۶) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو ان کو چاہیے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنالیں (ابوداؤد)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۹۷) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص محافظ اور نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ پس امیر جو لوگوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔ اور مرد اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کا نگران ہے۔ پس اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔ اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور شوہر کی اولاد کی نگران ہے۔ اور اس سے اولاد کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی (بخاری، مسلم)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

(۱۹۸) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے (معروف میں) بدل دے اور اگر ہاتھ سے تبدیلی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے (اور اس سے الگ تھلگ رہے) اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۹۹) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے (بھی) جس امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث فرمایا ہے اس امت میں اس کے حواری اور صحابی ہوتے رہتے تھے جو اس نبی کے اسوہ کی پیروی اور ان کے احکام کی اتباع کرتے تھے۔ (اسی طرح تم بھی کرتے رہو گے) پھر وہ ایسے ناخلف ہوں گے کہ باتیں وہ کریں گے جن پر خود ان کا عمل نہ ہوگا اور کام وہ کریں گے جن کا حکم اللہ نے ان کو نہیں دیا تو جس نے ایسے لوگوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے۔ اور جس نے ان کے خلاف دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہا (مسلم)

(۲۰۰) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ پوری قوم کو اپنے عذاب میں لے لے گا (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۲۰۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فاسق کی مدح سرائی کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ (مدح کرنے والے پر) غضبناک ہوتا ہے اور اس کے (اس فعل مدح) سے عرشِ الٰہی کانپ اٹھتا ہے۔ (بیہقی)

دعوت بلا عمل

(۲۰۲) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (جہنم میں پڑنے کے بعد) اس کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ اس طرح آنتوں میں گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ دوزخی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے فلاں! تیرا کیا حال ہے کیا تو ہم کو بھلائی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم نہیں دیتا تھا تو وہ شخص کہے گا کہ میرا یہ حال تھا کہ میں تم کو تو بھلائی کا حکم دیتا تھا لیکن خود بھلائی نہیں کرتا تھا۔ اور تم کو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود ان برائیوں کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ (بخاری۔ مسلم)

دعوت و تبلیغ کا اہم اصول

(۲۰۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اس کو تین دفعہ دہراتے (جب ضرورت محسوس کرتے) تاکہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ بات لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آجائے (بخاری)

(۸)

حدود تعزیرات

قتل

(۲۰۴) ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آسمان والے اور زمین والے دونوں کسی مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ کی آگ میں الٹا ڈالیگا (ترمذی)

(۲۰۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی مسلمان کا جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمدؐ خدا کے رسول ہیں، خون حلال نہیں ہے۔ مگر ان تین باتوں میں سے ایک بات وقوع میں آنے پر اس کا خون حلال ہو جاتا ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ نکاح کے بعد زنا کرنا۔ اس صورت میں اس کو سنگسار کیا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے نکلے یعنی قتل وغارت گری کرے اور خدا اور رسول کے خلاف بغاوت کرے۔ اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا قید کیا جائے (یعنی جرم کی جیسی نوعیت ہو) تیسرے یہ کہ کوئی شخص کسی کو مار ڈالے اس کے بدلے میں اس کو بھی قتل کیا جائے۔ (ابو داؤد)

شرب خمر

(۲۰۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آپؐ نے فرمایا اس کو مارو۔ ہم میں سے بعض نے اس کو ہاتھوں سے مارا بعض نے جوتوں سے مارا اور بعض نے کپڑے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو بٹ کر مارا۔ پھر جب وہ شخص واپس ہوا تو بعض لوگوں نے کہا خدا تجھے ذلیل و رسوا کرے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو شیطان کو اس پر غالب نہ کرو (بخاری)

(۲۰۷) جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز زیادہ مقدار میں کھانے سے نشہ لائے اس کا تھوڑی مقدار میں استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ (ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

چوری

(۲۰۸) ابو ہریرہ رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالیٰ کی لعنت ہو چور پر کہ انڈا چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

(۲۰۹) جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی کا مال چھین لے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور جو شخص علانیہ لوگوں کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے (ابو داؤد)

(۲۱۰) ابو مسلم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور جب چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹو اور پھر چوری کرے تو بایاں ہاتھ کاٹو اور پھر چوری کرے تو دایاں پاؤں کاٹو (بخاری۔ مسلم)

زنا

(۲۱۱) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے مجھ سے (زانی و زانیہ کی بابت) حکم حاصل کرو۔ مجھ سے حکم لے لو۔ خداوند تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا ہے کنواری عورت اگر کنوارے مرد سے زنا کرے تو اس کے سو درے لگائے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے اور شادی شدہ مرد اگر شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اس کو سو کوڑے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے (دونوں کو) (مسلم)

(۹)

عام تعلیمات

بدعت کی ممانعت

(۲۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے کام (یعنی دین میں) کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد ہے (بخاری، مسلم)

انداز بود و باش

(۲۱۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑا اور فرمایا کہ دنیا میں ایک پردیسی یا رہرو کی طرح زندگی بسر کرو (بخاری)

حصول علم کی فضیلت

(۲۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تحصیل علم کے لئے کوئی مسافت طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے (مسلم)

(۲۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص طلب علم کے لئے (اپنے مقام سکونت سے) باہر نکلا وہ (اپنی منزل پر) واپس آنے تک اللہ کی راہ میں (مصروف جد و جہد) ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن شدید ترین عذاب سے وہ ظالم دوچار ہوگا جس کے علم نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ (بیہقی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تلاوت قرآن

(۲۱۷) حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے قرآن کے ماننے والو! قرآن کو تکیہ نہ بنانا اور رات دن کے اوقات میں اسکی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرنا اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو رواج دینا اور اس کے الفاظ کو صحیح طریقہ سے پڑھنا اور جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اس پر غور وفکر کرنا تاکہ تم کامیاب ہو اور اس کے ذریعہ دنیاوی نتیجہ کی خواہش نہ کرنا بلکہ خدا کی خوشنودی کے لئے اس کو پڑھنا (مشکوٰۃ)

ذکر و دعا

(۲۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعا نازل شدہ مصائب و آلام اور آنے والی ابتلاؤں دونوں حالت میں نافع ہے۔ پس اے خدا کے بندو، دعا پر کاربند رہو۔ (ترمذی)

(۲۱۹) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں جب اس کے ہونٹ ہلتے ہیں تو اس وقت میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (بخاری)

(۲۲۰) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس کے اندر زندگی پائی جاتی ہے اور اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں رکھتا ایسی ہے جیسے کہ کوئی میت۔ (بخاری، مسلم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حصہ نہم

٭ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝
(النجم ۳-۴)

نوائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

٭ اور وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے۔ ان کا کلام تو سراسر وحی ہے (جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

* خطبات
* دعائیں
* اذکار

مولانا محمد تقی عثمانی

سلیس سلطانہ

عبدالقدیر خان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خطبات

محمد تقی عثمانی

(۱)

خطابت ہمیشہ سے اہل عرب کی ادبی جولانیوں کا خاص میدان رہی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں شاعری کی طرح خطابت کو بھی سرمایۂ فخر و ناز سمجھا جاتا تھا، اور ان کے اجتماعات میں اسکو خاص اہمیت حاصل تھی، اسی لئے اس زمانے میں ایسے ایسے خطیب پیدا ہوئے جنکی شعلہ بیانی اور آتش نوائی آج تک ضرب المثل ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطابت کو جو اسلوب عطا فرمایا وہ اتنا نرالا، مؤثر اور دلکش تھا کہ اس کے آگے بڑے بڑے شعلہ نوا مقرروں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔

آپؐ عام طور سے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے[1]۔ اور اکثر و بیشتر ہاتھ میں عصا لے کر اس کا سہارا لیتے تھے۔ کبھی کبھی ہاتھ میں کمان لے کر بھی آپؐ نے خطبہ دیا ہے[2]۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

---

[1] رواہ الخمسۃ عن ابن عمرؓ (التاج الجامع الاصول ص ۲۵۳ ج اول عیسی البابی مصر طبع دوم) بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک روایت میں ایک مرتبہ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا بھی ثابت ہے۔ (التاج ص ۲۵۷ ج ۱)

[2] زاد المعاد لابن القیم، ص ۴۸، ج ۱ میمنیہ مصر۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتى كأنه منذر جيش يقول صبحكم مساكم [1]	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سُرخ ہوجاتیں آواز بلند ہوجاتی اور (جوش کے مضامین میں) آپ کا غضب شدید ہوجاتا، یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کسی لشکر کو یہ کہکر خبردار فرما رہے ہیں کہ دشمن صبح شام میں آیا چاہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ منبر پر تشریف لاتے تو حاضرین کے روبرو ہوکر انھیں سلام کرتے تھے۔[2] پھر اپنے ہر خطبے کی ابتدا حمد اور تشہد سے کرتے تھے اور اختتام عام طور سے استغفار پر اور اس معاملہ میں آپؐ کا یہ ارشاد صحیح سند سے ثابت ہے کہ:

كل خطبة ليس فيها التشهد فهي كاليد الجذماء [3]	ہر وہ خطبہ جس میں تشہد (شہادتِ توحید و رسالت) نہ ہو وہ مجذوم ہاتھ کی طرح ہے۔

جب آپ حجرے سے خطبہ کے لئے باہر تشریف لاتے تو کوئی نقیب آپکے ساتھ نہ ہوتا، خطبہ کے لئے کوئی خاص لباس پہننا بھی آپ کا معمول نہ تھا۔[4] آپؐ جمعہ کے دن جو خطبہ دیتے وہ عموماً مختصر ہوتا تھا، آپؐ کا ارشاد ہے:

إنّ طُولَ صَلاةِ الرّجلِ وقِصَرَ خطبتهِ مَئِنّةٌ من فقهه فاطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة [5]	آدمی کا نماز لمبی پڑھنا اور خطبہ مختصر دینا اس کی دینی سمجھ کی علامت ہے۔ لہٰذا تم نماز لمبی پڑھا کرو اور خطبہ کو مختصر کیا کرو۔

البتہ جب کسی خاص معاملے میں آپؐ لوگوں سے خطاب فرماتے تو وہ جمعہ کے

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۲۰ ج اول باب اجتناب البدع والجدل طبع مصر۔ [2] رواہ ابن ماجۃ والشافعیؒ (التاج ص ۲۵۰ ج ۱) [3] زاد المعاد ص ۴۷ ج اول [4] ایضاً [5] رواہ مسلمؒ واحمدؒ (التاج، ص ۲۵۳ ج ۱)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خطبے کی بہ نسبت زیادہ طویل ہوتا تھا[1] آپؐ اپنے خطبوں میں مندرجہ ذیل جملے کثرت سے استعمال فرماتے تھے:

کل ما ھو اٰت قریب ولا بُعد لما ھو اٰت، ولا یعجل اللہ لعجلۃ أحدٍ[2]۔ خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد، وشر الأمور محدثاتھا، وکل بدعۃ ضلالۃ[3]	آنے والی ہر چیز قریب ہے۔ جو چیز آنے والی ہے وہ دُور نہیں۔ اللہ کسی شخص کی جلدی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ بہترین بات اللہ کی کتاب ہے۔ اور بہترین طرزِ عمل محمد کا طرزِ عمل ہے۔ بدترین چیز بدعات ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

آپؐ کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ ایک ایک کلمہ واضح اور صاف ہوتا تھا اور سننے والے کے دل میں اترتا چلا جاتا تھا[4] اس میں نہ ضرورت سے زائد باتیں ہوتی تھیں، نہ کم، لہجے میں نہ درشتی تھی اور نہ غیر معمولی نزاکت۔ بولتے وقت آپؐ اشارے بہت زائد نہ فرماتے تھے۔ البتہ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے، تعجب کے وقت ہتھیلی کو پلٹتے تھے۔ اور عام گفتگو میں کبھی کبھی اپنی داہنی ہتھیلی کو اپنے بائیں انگوٹھے پر مارتے تھے[5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات روایاتِ حدیث میں بہت کم ہیں البتہ ان کے مختصر اقتباسات مختلف روایتوں میں ملتے ہیں۔ تاریخ وسیرت کی جن کتابوں میں طویل خطبے منقول ہیں، وہ سند کے لحاظ سے محدثانہ معیار پر پورے نہیں اُترتے، تاہم حدیث اور سیرت کی مختلف کتابوں سے ہم چند مشہور خطبے ذیل

---

[1] زاد المعاد ص ۴۸، ج ۱، [2] زاد المعاد ص ۴۸، ج ۱

[3] مسلم ونسائی" (التاج ص ۲۵۴ ج ۱)

[4] شمائل ترمذی عن عائشہؓ ص ۱۷ [5] ایضاً عن ہند بن ابی ہالہؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں درج کرتے ہیں۔ چونکہ ان میں سے بعض کے اقتباسات مختلف کتابوں سے لے کر یکجا جمع کیے گئے ہیں۔ اس لئے اس تسلسل کے ساتھ ان کی حیثیت سنداً زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھنے کا مقصد ان سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲)

پہلا تبلیغی خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب آپؐ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے عزیز و اقارب کو تبلیغ کیجئے، تو آپؐ نے ایک دن اپنے اہل خاندان کو کھانے پر جمع کیا اور کھانے کے بعد ایک مؤثر خطبہ دیا۔ جس کے مندرجہ ذیل جملے روایات میں محفوظ رہ سکے ہیں:

یا فاطمة بنت محمد، یا صفیة ابنة عبد المطلب، یا بنی عبد المطلب لا أملك لكم من الله شيئا سلونی من مالی ما شئتم [1]	اے فاطمہ بنت محمدؐ! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہیں فائدہ پہنچانے کے سوا کوئی اختیار نہیں ہے، تم میرے مال میں سے جتنا چاہو مجھ سے مانگ لو،
یا بنی عبد المطلب إنی واللہ ما أعلم شابا من العرب جاء قومه بأفضل مما جئتكم به، انی قد جئتكم بخیر الدنیا والآخرة، [2]	اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم جو چیزیں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شے لایا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں، اور مجھے

[1] رواہ مسلم" (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۰، جلد ۳۔ المکتبۃ التجاریۃ مصر ۱۳۵۶ھ)

[2] رواہ البیہقی" (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۱، ج ۳)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وقد أمرني الله أن أدعوكم إليه، فأيكم يوازرني على هذا الأمر على أن يكون أخي؟[1]

اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تمکو اس کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو میرے اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے۔

اس کے بعد آپؐ ایک دن پورے قبیلۂ قریش کو دعوت دینے کی غرض سے کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو جمع کرنے کے لئے آواز دی، جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:-

یا بني عبد المطلب، یا بني فهر، یا بني کعب، أرأیتم لو أخبرتکم أن خیلا بسفح هذا الجبل ترید أن تغیر علیکم أصدقتموني؟

اے عبد المطلب کے بیٹو! اے فہر کے بیٹو! اے کعب کے بیٹو! مجھے بتاؤ اگر میں تمھیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کی ایک چٹان پر ایک شہسواروں کا لشکر ہے جو تم پر یلغار کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کروگے۔

لوگوں نے کہا کہ "ہم نے کبھی آپؐ سے جھوٹ نہیں سُنا۔" اس پر آپؐ نے فرمایا:

فإني نذیر لکم بین یدي عذاب شدید[2]، یا معشر قریش أنقذوا أنفسکم من النار، یا فاطمة بنت محمد أنقذي نفسک من النار فإني والله لا أملک لکم من الله شیئا إلا أن لکم رحما سأبلها ببلالها[3]،

تو سنو! کہ میں تم کو ایک شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اے قبیلۂ قریش! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، اے خاندان کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ" اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو آگ سے بچا، اس لئے کہ خدا کی قسم مجھے اللہ کی طرف سے تمھیں نفع پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں ہاں تم سے میرا خون کا رشتہ ہے میں (دنیا میں) اسکے

---

[1] رواہ ابن جریر (البدایة والنہایة ص ۴۰، ج ۳) [2] تفسیر ابن جریر ص ۱۹۱، ج ۲۰، میمنیہ مصر [3] رواہ مسلم واحمد (تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۰، ج ۳)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انما مثلی و مثلکم کمثل رجل رأی العدو فانطلق یرید أهله فخشی أن یسبقوه إلی أهله فجعل هتف یا صباحاه یا صباحاه أتیتم أتیتم [1]

حقوق کی نگہداشت کروں گا میری اور تمھاری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص دشمن کو دیکھ کر اپنے گھر والوں کو اطلاع دینے چلے مگر اسے یہ اندیشہ ہو کہ دشمن اس سے پہلے اسکے گھر والوں تک پہنچ جائے گا اس لئے وہ راستے ہی میں، پکارنا شروع کر دے کہ دشمن آپہنچا دشمن آپہنچا۔

مدینہ میں سب سے پہلا خطبہ

ربیع الاول سنہ ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو پہلے چند روز قبا میں قیام فرمایا پھر وہاں سے مدینۂ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو جمعہ کا دن تھا، اسی روز مسلمانوں پر نماز جمعہ فرض کی گئی۔ چنانچہ آپ نے راستہ میں بنی سالم کی مسجد میں اسلام کا پہلا جمعہ ادا فرمایا' اور نماز سے پہلے ایک مفصل خطبہ دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا:

الحمد للہ أحمدہ واستعینہ واستغفرہ وأستهدیہ وأومن بہ ولا أکفرہ، وأعادی من یکفرہ، وأشهد أن لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وأن محمدا عبدہ ورسولہ أرسلہ بالهدی

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' میں اسکی تعریف کرتا ہوں' اس سے مدد چاہتا ہوں' اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں' اس سے ہدایت مانگتا ہوں' اس پر ایمان رکھتا ہوں' اسکی ناشکری نہیں کرتا۔ اور جو شخص اس کی ناشکری (کفر) کرتا ہے میں اس سے عداوت رکھتا ہوں' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ

[1] تفسیر الدر المنثور ص ۹۵، ج ۵

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ودين الحق والنور والموعظة على فترة من الرسل وقلة من العلم وضلالة من الناس وانقطاع من الزمان ودنو من الساعة وقرب من الأجل من يطع الله و رسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى وفرط وضل ضلالا بعيدا وأوصيكم بتقوى الله فإنه خير ما أوصى به المسلم المسلم أن يحضه على الآخرة وأن يأمره بتقوى الله فاحذروا ما حذركم الله من نفسه، ولا أفضل من ذالك ذكرى وإن تقوى من عمل به على وجل ومخافة عون صدق على ما تبتغون من أمر الآخرة ومن يصلح الذى بينه وبين الله من أمر السر والعلانية لا ينوى بذلك إلا وجه

کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ اللہ نے اسے ایک ایسی حالت میں ہدایت، دینِ حق روشنی اور نصیحت دیکر بھیجا جب کہ رسولوں کو آئے عرصہ گذر گیا تھا، علم کی قلت تھی لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، زمانہ آخری آ لگا تھا، قیامت قریب تھی اور (دنیا کی) مدّتِ معینہ نزدیک آ چکی تھی (لب) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو انکی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا، خطا کار ہوگا اور ضلالت کی انتہا کو پہنچ جائے گا. اور میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اس لیے کہ مسلمان کی مسلمان کے لئے بہترین نصیحت یہ ہے کہ اسے آخرت کی ترغیب دے اور اسے اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرے۔ لہٰذا تم ہر اس چیز سے بچو جس (سے بچنے کے لئے) اللہ نے تمھیں اپنے آپ سے ڈرایا، اس سے افضل کوئی خیر خواہی نہیں اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت، اور جو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الله يكن له ذكر في
عاجل أمره وذخرا فيما
بعد الموت حين يفتقر
المرء الى ما قدم وما
كان من سوى ذلك
يود لو أن بينه وبينه
أمدا بعيدا ويحذركم
الله نفسه والله رؤوف
بالعباد والذى صدق
قوله وأنجز وعده لا
خلف لذلك فانه يقول
تعالى (وما يبدل القول
لدي وما أنا بظلام للعبيد)
واتقوا الله في عاجل
أمركم وآجله في السر و
العلانية فانه من
يتق الله يكفر عنه
سيئاته ويعظم له أجرا.
ومن يتق الله فقد
فاز فوزا عظيما.

شخص خدا سے ڈرتے ہوئے تقویٰ پر عمل
کرے اس کا تقویٰ آخرت کے مطلوب
مقاصد میں سچا مددگار ہوگا۔ اور جو شخص
اپنے تمام پوشیدہ اور ظاہری امور میں اللہ
کے ساتھ اپنا معاملہ درست کرلے اور
اللہ کی رضا جوئی کے سوا اس کا کوئی اور
مقصد نہ ہو تو یہ اس کے لئے اس دنیا میں
شہرت کا سبب ہوگا۔ اور آخرت میں اس
وقت کے لئے ذخیرہ بنے گا جبکہ انسان اپنی کی
ہوئی نیکیوں کا محتاج ہوگا۔ اور جو شخص اسکے
علاوہ ہوگا اسکی نسبت وہ چاہے گا کہ کاش وہ
اس سے بہت دور ہوتا۔ اور اللہ تمھیں اپنے
آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت
مہربان ہے' اس نے اپنا قول سچا کر دکھایا
اپنے وعدے کو پورا کردیا جسمیں کوئی فرق
نہیں' وہ خود ارشاد فرماتا ہے کہ میرے
نزدیک بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر
ظلم کرنے والا ہوں۔ دنیا و آخرت اور خلوت و
جلوت میں خدا سے ڈرو کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا
ہے اللہ اس کی برائیوں کو چھپا دیتا ہے' اور
اسے اجر عظیم عطا کرتا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وإن تقوى الله توقي مقته، وتوقي عقوبته، وتوقي سخطه. وإن تقوى الله تبيض الوجه وترضي الرب، وترفع الدرجة. خذوا بحظكم ولا تفرطوا في جنب الله فقد علمكم الله كتابه ونهج لكم سبيله ليعلم الذين صدقوا وليعلم الكاذبين فأحسنوا كما أحسن الله إليكم وعادوا أعداءه وجاهدوا في الله حق جهاده هو اجتباكم وسماكم المسلمين ليهلك من هلك عن بينة ولا قوة إلا بالله.

فأكثروا ذكر الله واعملوا لما بعد الموت فإنه من أصلح ما بينه وبين الناس ولا يقضون عليه ويملك من الناس ولا يملكون منه

ہے وہ عظیم کامیابی حاصل کرتا ہے۔

تقویٰ کا مطلب اللہ کے غضب سے ڈرنا ہے، بلاشبہ تقویٰ انسان کے چہرے کو نورانی بناتا ہے، پروردگار کو راضی اور درجات کو بلند کرتا ہے تم اپنا حصہ لے لو اور اللہ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ نے تمھیں اپنی کتاب کا علم دیا ہے اور تمھارے لئے اپنی راہ مقرر کردی تاکہ وہ سچوں اور جھوٹوں کو خوب جان لے۔ لہٰذا تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا، تم اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو اور اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کرو جو اس کا حق ہے، اس نے تمھیں چن لیا ہے اور تمھارا نام مسلم (فرماں بردار) رکھا ہے، تاکہ جو ہلاک ہو وہ بھی علیٰ وجہ البصیرۃ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی، اور اللہ کے سوا کسی کو قوت حاصل نہیں۔

لہٰذا تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرو جو شخص اللہ کے ساتھ معاملات میں اس کی مدد کرتا ہے، کیونکہ اللہ لوگوں پر فیصلہ کرتا ہے لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے، وہ لوگوں کا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اللہ أکبر و لا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم[1]

ایہا الناس! فقدموا لأنفسکم لتعلمن واللہ لیصعقن احدکم ثم لیدعن غنمہ لیس لہا راع، ثم لیقولن ربہ لیس لہ ترجمان ولا حاجب یحجبہ دونہ، ألم یاتک رسولی فبلغک، وآتیتک مالا وأفضلت علیک، فما قدمت لنفسک؟ فینظر یمینا وشمالا فلا یری شیئا، ثم یری قدامہ فلا یری غیر جہنم۔

فمن استطاع أن یقی وجہہ من النار ولو لبشق تمرۃ فلیفعل، ومن لم یجد فبکلمۃ طیبۃ

مالک ہے، لوگوں کو اس پر کوئی اختیار نہیں اللہ سب سے بڑا ہے اور اس علی وعظیم کی مدد کے بغیر کسی میں قوت وطاقت نہیں۔

اے لوگو! اپنی جانوں کے لئے کچھ آگے بھیج دو، خوب سمجھ لو کہ خدا کی قسم تم میں سے ہر شخص پر (موت کی) غشی طاری ہونی ہے پھر تم میں سے ہر شخص اپنی بکریوں کو چرواہے کے بغیر چھوڑ کر جائے گا۔ پھر اس کا پروردگار اس سے کہے گا۔ اس طرح کہ نہ اس کا کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی دربان جو اس کے درمیان حائل ہو سکے۔ کہ کیا تمہارے پاس میرا پیغمبر نہیں آیا تھا؟ کیا اس نے تمھیں تبلیغ نہیں کی؟ کیا میں نے تم کو مال دے کر تجھ پر فضل وکرم نہ کیا تھا؟ (اب بتلاؤ کہ) تم نے اپنے لیے کیا چیز آگے بھیجی ہے؟ اس پر وہ دائیں بائیں دیکھے گا۔ تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا، پھر وہ آگے دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا۔

لہذا تم میں سے جس شخص میں اپنے چہرے کو آگ سے بچانے کی استطاعت ہو

[1] شروع سے یہاں تک کے الفاظ حافظ ابن کثیرؒ نے حافظ ابن جریرؒ کے حوالے سے نقل فرمائے ہیں (البدایۃ والنہایۃ، ص ۲۱۳ ج ۳، قاہرہ ۱۳۵۱ھ)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فبان بہا تجزی الحسنة عشرأ مثالها إلى سبعمائة ضعف [1]

یا ایها الناس! توبوا الی اللہ عزوجل قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذی بینکم و بین ربکم بکثرة ذکرکم له وکثرة الصدقة فی السر والعلانیة توجروا وتحمدوا وترزقوا اعلموا أن اللہ عزوجل قد فرض علیکم الجمعة فریضة مکتوبة فی مقامی هذا فی شهری هذا فی عامی هذا إلی یوم القیامة من وجد إلیها سبیلا فمن ترکها فی حیاتی أو بعدی جحودا بها واستخفافا بها وله

خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعہ ہو تو وہ ضرور بچالے اور جس شخص کے پاس اتنا بھی نہ ہو تو وہ اچھی بات ہی کے ذریعہ (اپنے آپکو بچانے کی کوشش کرے) اس لئے کہ اس کے ذریعہ ایک نیکی کے بدلے دس سے سات سو گنا تک جزا ملتی ہے۔

اے لوگو! مرنے سے قبل اللہ سے توبہ کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کر کے اور خلوت و جلوت میں کثرت سے صدقہ دیکر اللہ سے اپنا تعلق درست کرو تمھیں اس کا اجر ملے گا۔ اس سے تم قابل تعریف ہو گے اور تمھیں رزق دیا جائے گا۔

اور یاد رکھو کہ اللہ نے اس جگہ اس مہینے اور اس سال میں تم میں سے ان لوگوں پر قیامت تک کے لئے جمعہ فرض کر دیا ہے جو اس تک آنے کی قدرت رکھیں لہٰذا جو شخص میری زندگی میں یا میرے بعد اس فریضے کا انکار کر کے یا اس کا استخفاف کر کے اسے چھوڑے گا۔ جب کہ اس کا کوئی امام بھی موجود ہو، خواہ عادل ہو یا ظالم تو

[1] سیرت ابن ہشام (ہامش زاد المعاد ص ۲۷۷ ج اول میمنیہ مصر)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امام عادل أو جائر فلا جمع الله شمله ألا ولا بارک الله فی امره ألا ولا صلاة له ألا ولا وضوء له ألا ولا زکاة له ألا ولا حج له ألا ولا وتر له حتی یتوب فإن تاب تاب الله علیه ألا ولا تؤمن امراة رجلا، ألا ولا یؤمن اعرابی مهاجرا ألا ولا یؤمن فاجر مؤمنا إلا أن یقهره سلطان یخاف سیفه وسوطه[1]

اللہ کبھی اسے اتحاد و اجتماع کی توفیق نہ بخشے گا، سن رکھو کہ اللہ اس کے کام میں برکت نہیں دے گا سن رکھو کہ اس کی نماز مقبول نہ ہوگی، سن رکھو کہ اس کا وضو قبول نہ ہوگا سن رکھو کہ اس کی زکوٰۃ قبول نہ ہوگی، سن رکھو کہ اس کا حج قبول نہ ہوگا۔ سن رکھو کہ اس کا وتر قبول نہ ہوگا، تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرے، ہاں اگر وہ توبہ کرلے گا تو اللہ اسکی توبہ کو قبول کرے گا، یاد رکھو کہ کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے اور یاد رکھو کہ کوئی گنوار کسی مہاجر کا امام نہ بنے اور یاد رکھو کہ کوئی فاجر شخص کسی مومن کا امام نہ بنے الا یہ کہ کوئی بادشاہ اسے مجبور کرے جس کی تلوار یا کوڑے کا اسے خوف ہو۔

فتح مکہ کے موقع پر! محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ مکہ مکرمہ کی فتح کے وقت جب لوگ پرسکون ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں تشریف لاکر طواف فرمایا، اور اس کے بعد کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر ان سے کعبہ مکرمہ کی چابی لی۔ اور اسے کھلوا کر اندر تشریف لے گئے۔ اور جو بت وہاں نصب تھے انھیں توڑا، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور چاہ زمزم پر تشریف لے جا کر اس کا پانی پیا وضو فرمایا اور اس کے بعد دوبارہ کعبہ مکرمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں باب کعبہ پر

---

[1] یہ حصہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے (السنن الکبریٰ ص ۱۷۱ ج ۳ کتاب الجمعۃ، دائرۃ المعارف ۱۳۴۷ھ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہو کر آپؐ نے مندرجہ ذیل خطبہ دیا:

لا إله إلا الله وحده لا شريك له صدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده ألا كل مأثرة أو دم أو مال يدعى فهو موضوع تحت قدمي هاتين إلا سدانة البيت وسقاية الحاج، ألا وقتل الخطأ شبه العمد بالسوط والعصا ففيه الدية مغلظة مائة من الإبل، أربعون منها في بطونها أولادها، يا معشر قريش! إن الله قد أذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب۔ يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اپنے بندہ کو فتح دی اور اس نے تنہا سارے لشکروں کو شکست فاش دے دی سن لو کہ (جاہلیت کے) تمام آثار یا کوئی خون یا مال جس کا دعویٰ کیا گیا ہو' سب میرے ان قدموں کے نیچے مسل دیئے گئے ہیں سوائے بیت اللہ کی نگہبانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے' سن لو کہ قتل خطا' یا کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ شبہ عمد میں دیت مغلظہ واجب ہو گی' سو اونٹ یا اونٹنیاں دینی ہوں گی جن میں سے چالیس حاملہ ہوں۔

اے قبیلہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت کو مٹا دیا۔ اور زمانۂ جاہلیت میں آباؤ اجداد پر فخر کرنے کا جو دستور تھا اسے ختم کر دیا تمام لوگ آدمؑ سے پیدا ہوئے ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے تھے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا تم میں بہت سے گروہ اور قبائل اس لئے بنائے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

إنّ أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير۔	کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا اور خوب باخبر ہے۔
یا معشر قریش! ما ترون أنّی فاعل فیکم؟	اے گروہ قریش! تمھارا کیا خیال ہے، میں تم سے کیا برتاؤ کروں گا؟

اس پر حاضرین میں سے اہل مکہ نے کہا:

خیراً، أخ کریم و أخ کریم۔	ہم بھلائی کی توقع رکھتے ہیں، آپ ہمارے شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

اذهبوا فأنتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم[1]	جاؤ تم سب آزاد ہو، آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔

رمضان سے ایک دن پہلے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أیها الناس! قد أظلکم شهر عظیم شهر مبارک، شهر فیه لیلة خیر من ألف شهر، جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعاً من	اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ ایک مبارک مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ ایسا مہینہ جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض قرار دیا ہے اور اس کی راتوں میں کھڑے رہنے کو نفل، جو شخص

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۳۰۱ ج ۴ و زاد المعاد ص ۴۲۴ ج ۱ و تاریخ طبری ص ۱۲۰ ج ۳۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه ومن أدى فريضة فيه كمن كان أدى سبعين فريضة فيما سواه وهو شهر الصبر والصبر ثوابه الجنة وشهر المواساة وشهر يزاد فيه رزق المؤمن من فطر فيه صائما كان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وكان له مثل أجره من غير أن ينتقص من أجره شئ .... يعطي الله هذا الثواب من فطر صائما على مذقة لبن أو تمرة أو شربة من ماء ومن أشبع صائما سقاه الله من حوضي شربة لا يظمأ حتى يدخل الجنة وهو شهر أوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخره عتق من النار

اس مہینے میں کوئی ایک قسم کی نیکی کرکے اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو وہ ایسا ہوگا جیسے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کرکے تقرب حاصل کرنا اور جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک فرض ادا کرے تو وہ ایسا ہوگا جیسے دوسرے مہینوں میں ستر فرائض ادا کرنا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ غمخواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص اس میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا اور اس کی گردن کے آگ سے چھٹکارے کا سبب ہوگا، اور اسے روزہ دار کے روزے کا ثواب ملے گا۔ اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ آئے گی ..... اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور یا تھوڑے سے پانی کے ذریعہ کسی کا روزہ افطار کرائے، اور جو شخص کسی روزہ دار کو بالکل سیر کردے تو اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (کوثر) سے ایسا مشروب پلائے گا کہ اس کے بعد وہ جنت میں داخلے تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر اللہ لہ واعتقہ من النار [1]

اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ رحمت بیچ کا حصہ مغفرت اور آخری حصہ آگ سے آزادی کا موجب ہے اور جو شخص اس میں اپنے غلام کا کام آسان کرے اللہ اسکی مغفرت فرمائے گا، اور اسے آگ سے آزاد کریگا

غزوۂ تبوک کے موقع پر رجب ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شام کی سرحد پر غسانی بادشاہ کے مقابلے کے لئے تشریف لے گئے وہاں اللہ نے بغیر جنگ کے آپ کو فتح عطا فرمائی، اور بے شمار برکتیں نازل فرمائیں، اسی دوران ایک دن آپؐ نے ایک کھجور کے درخت کے پاس کھڑے ہوکر مندرجہ ذیل خطبہ دیا جس کا ایک ایک جملہ لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے:

اما بعد! فان اصدق الحدیث کتاب اللہ، واوثق العریٰ کلمۃ التقویٰ، وخیر الملل ملت ابراھیم وخیر السنن سنت محمد، واشرف الحدیث ذکر اللہ واحسن القصص ھذا القرآن وخیر الامور عوازمھا وشر الامور محدثاتھا واحسن الھدیٰ ھدی الانبیاء واشرف

حمد و صلوٰۃ کے بعد بلاشبہ سب سے سچی بات اللہ کی کتاب اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد چیز تقویٰ کا کلمہ ہے، بہترین ملت ابراہیمؑ کی ملت ہے اور سب سے بہتر طرز زندگی محمدؐ کا طرز زندگی ہے، سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے۔ اور سب سے اچھا قصہ یہ قرآن ہے، بہترین کام وہ ہیں جو نص سے ثابت ہیں۔ اور بدترین کام بدعات ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ انبیاء کا طریقہ ہے، اور سب سے زیادہ عزت کی موت

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۷۳، ج ۱، اصح المطابع کراچی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الموت قتل الشهداء، وأعمى العمى الضلالة بعد الهدى، وخير الأعمال ما نفع، وخير الهدى ما اتبع، وشر العمى عمى القلب، واليد العليا خير من اليد السفلى، وما قل وكفى خير مما كثر وألهى، وشر المعذرة حين يحضر الموت، وشر الندامة يوم القيامة، ومن الناس من لا يأتي الجمعة إلا دبرا، ومن الناس من لا يذكر الله إلا هجرا، ومن أعظم الخطايا اللسان الكذوب، وخير الغنى غنى النفس، وخير الزاد التقوى، ورأس الحكمة مخافة الله عز وجل، وخير ما وقر في القلوب اليقين، والارتياب من الكفر، والنياحة من عمل الجاهلية، والغلول

شہداء کا مقتول ہو جانا ہے۔ بدترین بے بصاتی ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرنا ہے۔ بہترین عمل وہ ہے جو نفع بخش ہو اور بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ سب سے بُری نابینگی دل کا نابینا ہونا ہے۔ اوپر کا ہاتھ (دینے والے کا) نیچے کے (لینے والے کے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ تھوڑی چیز اگر کافی ہو تو وہ اس "زیادہ" سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔ بدترین معذرت وہ ہے جو موت آنے کے وقت کی جائے۔ اور بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو جمعہ میں دیر سے آتے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو خدا کا ذکر چھوڑ چھوڑ کر کرتے ہیں، سب گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔ بہترین تونگری دل کی بے نیازی ہے، اور بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ دانائی کی بنیاد خدا کا خوف ہے۔ دلنشین باتوں میں سب سے بہتر (دین پر) یقین ہے، اور شکوک میں مبتلا رہنا کفر کی ایک قسم ہے، نوحہ کرنا جاہلیت کا کام ہے، مال غنیمت میں خیانت کرنا جہنم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

من حثاء جهنم، والشعر من ابليس والخمر جماع الاثم، والنساء حبائل الشيطان، والشباب شعبة من الجنون وشر المكاسب كسب الربا، وشر المآكل أكل مال اليتيم، والسعيد من وعظ بغيره، والشقي من شقي في بطن أمه، وانما يصير أحدكم إلى موضع اربعة اذرع والأمر إلى الآخرة وملاك العمل خواتمه وشر الروايا روايا الكذب، وكل ما هو آت قريب، وسباب المومن فسوق وقتال المؤمن كفر، وأكل لحمه معصية الله، وحرمة ماله كحرمة دمه ومن يتألى على الله يكذبه ومن يستغفره

کا بچھونا (تیار کرنا) ہے، شعر گوئی ابلیس (کے کاموں) میں سے ہے شراب، گناہوں کا مجموعہ ہے اور عورتیں شیطان کا جال ہیں اور جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے اور بدترین کمائی سود کی کمائی ہے اور بدترین غذا یہ ہے کہ آدمی یتیم کا مال کھائے اور نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بدبخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی سے شقی ہو، یاد رکھو کہ تم میں سے ہر ایک کو چار گز کی جگہ (قبر) میں جانا ہے اور معاملہ آخرت تک پہنچے گا عمل کا دارومدار انجام اور خاتمہ پر ہے۔ اور بدترین مزاج جھوٹ کا مزاج ہے۔ اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہے۔ (اسے دور مت سمجھو) مومن کو گالی دینا گناہ ہے، مومن کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی نافرمانی ہے، اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے، اور جو شخص (بلا ضرورت) اللہ کی قسم کھاتا ہے، اللہ اسے جھوٹا کر دیتا ہے اور جو شخص اس سے مغفرت طلب کرتا ہے اللہ اس سے درگذر کر دیتا ہے، اور جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے، اللہ اسے بدلہ دیتا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

يغفر له ومن يلعن يلعن الله عنه، ومن يكتم يأجره الله ومن يصبر على الرزية يعوضه الله ومن يبتغي السمعة يسمع الله به، ومن يصبر يضعف الله له ومن يعص الله يعذبه الله۔

اللهم اغفر لي ولأمتي

اللهم اغفر لي ولأمتي

اللهم اغفر لي ولأمتي استغفر الله لي ولكم۔

استغفر الله لي ولكم [1]

اور جو شخص اپنی شہرت تلاش کرتا ہے، اللہ اس کا ذکر دبُرے طریقے سے لوگوں کو سنوتا ہے۔ اور جو شخص صبر کرتا ہے اللہ اس کا اجر چند در چند کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اسے عذاب دیتا ہے۔

اے اللہ مجھے اور میری امت کی بخشش فرما

اے اللہ میری اور میری امت کی مغفرت فرما۔

اے اللہ مجھے اور میری امت کو بخش دے۔

ألا أخبركم بخير الناس وشر الناس؟ إن من خير الناس رجلا عمل في سبيل الله على ظهر فرسه أو على ظهر بعيره أو على قدميه حتى يأتيه الموت وإن من شر الناس رجلاً فاجراً جريئاً يقرأ كتاب الله لا يرعوي إلى شيء منه [1]

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ بہترین انسان کون ہے۔ اور بدترین کون؟ بلاشبہ بہترین انسانوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو اپنے گھوڑے یا اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر یا پیدل اللہ کی راہ میں جہاد و عمل کا مظاہرہ کرتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آلیتی ہے۔ اور بدترین اشخاص میں سے ایک وہ فاجر اور گستاخ شخص ہے جو اللہ کی کتاب پڑھتا ہے۔ اور اس کی کسی بات کی نگہداشت نہیں کرتا۔

[1] رواہ احمد عن ابی سعید الخدریؓ (بحوالہ مذکور)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دُعائیں

○ سلسلۂ سلطانیہ ○

(۱)ؔ
دعا اور اس کے آداب

عربی زبان میں دعا کا لفظ ندا اور پکار کے معنی میں آتا ہے۔ دعا یدعوا کا مصدر ہے یوں تو دعا اور ندا ہم معنی ہیں مگر ندا کبھی بغیر نام لئے بھی یا اور ایا کے ساتھ ہوتی ہے اور دعا میں نام لیا جاتا ہے۔ جیسے یا فلان اور کبھی دعا کا استعمال ندا کی جگہ اور ندا کا استعمال دعا کی جگہ بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاءً وندا (سورہ بقرۃ آیت ۱۷۱)	جیسے مثال ایک شخص کی کہ چلاتا ہے ایک چیز کو جو نہیں سنتی ہے مگر پکارنا اور چلانا۔

اور کبھی دعا کا استعمال تسمیہ یعنی نام رکھنے اور نام لینے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے لا تجعلوا دعاء الرسول (نور ۶۳) اگر دعا یا اس کے مشتقات کے بعد "الیٰ" استعمال ہو تو اس صورت میں اس کے معنی ابھارنے اور کسی چیز

ؔ اس حصہ کی ترتیب میں مولانا عبد الغفار حسن کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے جو ماہنامہ میثاق لاہور میں دو اقساط میں شائع ہوا تھا۔ (مرتب)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پر آمادہ کرنے کے آتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

رب السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ (سورۂ یوسف۔ ۲۳)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دعا کا لفظ عبادت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں مشرکین کی زبان سے اصنام و معبودان باطل کے لئے دعا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس عبادت کا مفہوم مراد ہے جو ضمنی طور پر سوال اور فریاد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

انسان دنیاوی خوش حالی اور مادی ترقی کی بنا پر خواہ اپنے رب سے کتنا ہی دور ہو جائے اور غفلت و نسیان کے کتنے ہی دبیز پردے اس پر پڑ جائیں مگر مصائب کے ہجوم میں بے ساختہ فریاد اور دعا کے لئے اس کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے "کہ انسان کے سامنے اپنی ضرورت کے لئے ہاتھ نہ پھیلاؤ اس سے مانگو جس کے فضل و کرم کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ اگر بندہ اپنے رب سے مانگنا چھوڑ دے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے جب کوئی اس سے مانگتا ہے تو وہ غضبناک ہو جاتا ہے۔"

انسان کو جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا۔ اور خواہ اس میں اپنی کوشش کرنا پڑے یا کوشش اور قابو سے باہر ہو۔ سب خدا تعالیٰ سے مانگنا چاہیئے۔ لیکن اتنا ضرور خیال رہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو اپنے رب سے حاجتیں مانگنا چاہئیں۔ اور حضرت ثابتؓ کی روایت میں یہاں تک ہے کہ اس سے نمک بھی مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اس سے مانگے۔ (ترمذی) تدبیر و دعا کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اس طرح ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عاجزی اور توجہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ساتھ عرض بھی کرتا رہے۔

دعا فقط اس کا نام نہیں کہ دو چار باتیں یاد کرلیں اور نمازوں کے بعد اس کو صرف زبان سے آموختہ کی طرح پڑھ دیا یہ دعا نہیں ہے محض دعا کی نقل ہے۔ دعا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کرنا ہے جس طرح حاکم کے یہاں درخواست دیتے ہیں کم سے کم دعا اس طرح تو کرنا چاہیئے کہ درخواست دینے کے وقت آنکھیں بھی اسی طرف لگی ہوتی ہیں۔ دل بھی ہمہ تن ادھر ہی ہوتا ہے صورت بھی عاجزوں کی سی بناتے ہیں اگر زبانی کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو کیسے ادب سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنی عرض کے منظور ہونے کے لئے پورا زور لگاتے ہیں اور اس کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم کو آپ سے پوری امید ہے کہ ہماری درخواست پر پوری توجہ فرمائی جائے گی۔

دعا مانگنے کے لئے آداب و شرائطِ دعا کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس کی مثال ظاہری جسمانی معلاج کی طرح ہے۔ بیمار دوا کے ذریعہ شفایاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ان شرائط و ہدایات کو ملحوظ رکھے جو معالج نے بتائی ہیں۔ اور ان چیزوں سے پرہیز کرے جن سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ محض دوا کا استعمال ہی کافی نہیں یہی حال اس روحانی علاج کا ہے۔ قرآن و حدیث کی دعائیں باطن اور ظاہری امراض کے لئے اس وقت مفید ہوں گی جب کہ ان کے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد بھی مریض میں موجود ہو اور پرہیز و احتیاط کے ان تمام تقاضوں کو بھی پورا کرے۔ جو اس راہ میں ناگزیر ہیں۔

قبولیت دعا کے شرائط

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان کامل۔

(۲) داعی کا دل اخلاص، انابت، حضور قلب اور سوز یقین سے معمور ہو (مستدرک حاکم)

(۳) کبائر سے پرہیز کرے مثلاً مکر و فریب، غیبت، چغلی، حسد، تکبر وغیرہ[۱]

[۱] رواہ مسلم والترمذی عن ابی ہریرہ رضی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دعا کے باطنی اور ظاہری آداب

(۱) تضرع، خشوع، خضوع، عاجزی و انکساری ہر ہر حرکت سے نمایاں ہو۔ دل اپنے رب کی عظمت و جلال سے بھرا ہو۔ (صحاح ستہ، مستدرک حاکم، نسائی)

(۲) اللہ کے فضل و کرم کی توقع اور عذاب کے اندیشہ سے ملے جلے جذبات (بیم و رجا) موجود ہوں۔ قرآن میں مومنین صالحین کی صفات میں خوف اور دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی یکجائی سے انسان میں توازن اور اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ ابن قیم نے اس حقیقت کو ایک لطیف مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس دنیا کے سفر میں خوف بمنزلہ کوڑے اور تازیانے کے ہے اور امید حدی خوانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سفر کی مشقتیں باسانی برداشت ہو سکتی ہیں۔ محبت سواری کی نکیل ہے اگر سوار کے پاس سواری کو قابو میں رکھنے کے لئے کوڑا نہ ہو تو سیدھی راہ سے ہٹنے کا اندیشہ قوی ہے۔ اس کے خوف کے تازیانے کے بغیر حدود الٰہیہ کی حفاظت ناممکن اور گمراہی یقینی ہے۔ خوف و رجا اور محبت سے جو دل بکنی خالی ہوگا اس کی اصلاح کی توقع ناممکن ہے اور جس قدر یہ صفات کمزور ہوں گی اسی قدر ایمان کمزور ہوگا۔

(۳) دعا میں جہاں تک ہو سکے اخفا سے کام لیا جائے۔[1] حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ سری اور جہری دعا کے درمیان ستر گنا فرق ہے اس لئے کہ سری دعا ایمان و یقین کو پختہ کرتی ہے۔ ادب و تعظیم اور خشوع و خضوع کے لئے بھی یہ طریقہ زیادہ موزوں ہے اس کے علاوہ اس شکل میں ریاکاری اور نمائش پسندی کے بجائے اخلاص کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ نیز پست آواز کی شکل میں شیطانی وساوس و موانع اور رکاوٹوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خدا کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی طرف کامل یکسوئی اور پوری توجہ کے مواقع حاصل کر سکے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کوئی نعمت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حاسدوں کی نگاہ سے نہیں بچ سکتی۔ پھر اس اعلیٰ نعمت پر حاسدین کا

---

[1] صحاح ستہ عن ابی موسیٰؓ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوجانا بعید از قیاس نہیں۔ ایسی صورت میں حاسد کی شرانگیزیوں سے بچنے کی شکل یہی ہوسکتی ہے کہ اس نعمت کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اور اس کا چرچا نہ کیا جائے۔

(۴) دعا مانگنے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ یہ ادب قرآن کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے انہ لا یحب المعتدین (بقرہ ۱۹۰) اس اعتدا کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

ا۔ دعا میں ایسی چیزیں طلب کرنا جن کا داعی اہل نہیں ہے مثلاً انبیاء کرام کے درجات و مراتب مانگنا۔

ب۔ حرام کاموں پر نصرت طلب کرنا۔

ج۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی آرزو کرنا جو پوری نہیں ہوسکتی۔ مثلاً قیامت تک کی زندگی، یا بشری ضرورت سے بے نیازی حاصل کرنا۔

د۔ ابن جریجؒ کا قول ہے کہ چلا چلا کر دعا مانگنا بھی اعتدا میں شامل ہے۔

ہ۔ سب سے بڑا اور خطرناک "اعتداء" یہ ہے کہ بندہ دعا و عبادت میں غیر خدا کو بھی شریک کرلے اور ان سے اسی طرح مدد طلب کرے جس طرح خدا سے ہوتی ہے۔

و۔ دعا میں تضرع و عاجزی کے بجائے بے پروائی یا تغافل کا اظہار کیا جائے۔

(۵) ان احوال و اوقات میں دعا مانگنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔ جن میں دعا کے مقبول ہونے کی تصریح احادیث میں مذکور ہے۔

(۶) فراخی ہو یا تنگ دستی ہر حال میں اپنے رب سے دعا و طلب ہو۔ یہ انتہائی خود غرضی ہے کہ مصیبت اور پریشانی میں تو خدا کو پکارا جائے لیکن جب راحت و آرام ہو تو بھول جائے۔

(۷) دعا کے وقت اپنی حاجت اور ضرورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے پہلے حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ضروری ہے دعا سے قبل دو رکعت کی ادائیگی بھی مسنون ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۸۔ خدا کی رحمت و نعمت خاص اپنے ہی لیئے نہ کی جائے۔ اگر کوئی شخص امام بنا ہو اور دعا کرتے وقت مقتدیوں کو نظر انداز کر کے محض اپنا ہی خیال رکھتا ہے تو یہ طرزِ عمل خیانت کے ہم معنی ہے۔

۹۔ دعا میں اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کا اعتراف ضروری ہے۔

۱۰۔ دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا بھی مسنون ہے۔ اور دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کا چہرہ پر پھیر لینا بھی مسنون ہے۔

۱۱۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۲۔ دعائیہ کلمات کو بار بار دہرانا چاہیئے۔

۱۳۔ دعا کے خاتمہ پر آمین کہنا بھی مسنون ہے۔

اوقاتِ دعا

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر آن اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی دعا قبول کرتا ہے لیکن کچھ خاص اوقات ایسے ہیں جن میں دعائیں بہت جلد مقبول ہوتی ہیں۔ اور اپنا اثر دکھاتی ہیں۔

۱۔ سب سے زیادہ اعلیٰ اور مقبول ترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے۔ (مسند احمد)

۲۔ جمعہ کے دن میں ایک ساعت۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

۳۔ شب قدر۔[1] ۴۔ اذان[2] ۵۔ اقامت کے وقت، ۶۔ اذان و اقامت کے درمیان۔[3]

۷۔ جہاد کی صف بندی کے وقت۔ (طبرانی، ابن حبان، موطا)

۸۔ فرض نمازوں کے بعد۔ (ترمذی۔ نسائی)

۹۔ سجدے کی حالت میں[4] ۱۰۔ تلاوتِ قرآن یا ختم قرآن مجید کے موقع پر۔[5]

۱۱۔ عرفہ کے دن۔[6] ۱۲۔ ماہ رمضان میں خصوصاً افطار کے وقت۔

۱۳۔ بارش کے وقت بارش میں کھڑے ہو کر۔[7]

۱؎ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک۔ ۲؎ ابوداؤد۔ مستدرک۔ ۳؎ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ۴؎ مسلم، ابوداؤد۔ نسائی ۵؎ ترمذی۔ طبرانی۔ ۶؎ ترمذی ۷؎ بخاری، مسلم، ترمذی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ ذکر الٰہی کے لئے مسلمان جمع ہوں تو یہ وقت قبولیت کے لئے سازگار ہے۔

دعا کے مقامات

(۱) بیت اللہ شریف (۲) مسجد نبوی۔ (۳) بیت المقدس (۴) رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ملتزم پر (۵) صفا و مروہ پر (۶) مقام سعی (۷) میدان عرفات (۸) مزدلفہ (۹) تینوں جمرات کے پاس (۱۰) منیٰ (۱۱) میزاب کے نیچے۔ (۱۲) مقام ابراہیم کے پیچھے۔

مستجاب الدعوات

(۱) مظلوم و مضطر[1] (۲) باپ[2] کی دعا بیٹے کے بارے میں (۳) مسافر (۴) نیک اولاد کی دعا ماں باپ کے حق میں[3] (۵) روزہ دار[4] (۶) انصاف پسند حاکم کی دعا[5] (۷) مسلمان کی دعا اپنے غیر حاضر مسلمان کے لئے[6] (۸) گناہ سے توبہ کرنے والے کی دعا (۹) آیت کریمہ پڑھنے کے بعد کی دعا (۱۰) حاجی جب تک سفر میں ہوتا ہے (۱۱) رات کو جاگنے والا اگر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر پڑھ کر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے (ترمذی۔ بخاری)

(۲)

فلسفۂ دعا[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جو کمالات جمع تھے ان کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) عبدیت کاملہ اور (۲) نبوت جامعہ

عبدیت کا ظہور اور نتیجہ دعا ہے اور نبوت کا مظہر دعوت ہے۔ دعا کے لئے اس ہستی کے یقین کی ضرورت ہے جس سے دعا کی جائے۔ پھر اس یقین کی کہ اسکو ہر طرح کی قدرت ہے اور دینے کے لئے اس کے پاس سب کچھ ہے۔ پھر اس یقین کی کہ اس کے سوا کوئی

---

[1] بخاری، مسلم، ابوداؤد، مسند احمد [2] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ [3] ابوداؤد، ابن ماجہ [4] مسلم [5] ترمذی، ابن ماجہ [6] ایضاً [7] ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ [8] یہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ایک مضمون کی تلخیص ہے جو ماہنامہ فاران کے سیرت نمبر (طبع دوم جنوری [illegible]) میں شائع ہوا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور وہ دور نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے اور کوئی لے کر اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ دے کر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاج محض، اور ہر تا پا کشکول گدائی ہے۔ پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے "دنیا کی ہر چیز سے یہاں تک کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

جاہلیت کی تاریخ میں ہر یقین نایاب اور مضمحل ہو چکا تھا۔ یونانی فلسفہ کو "واجب الوجود" یا "مبداء اول" کی صفات سے جتنا گریز و انکار اور صفات کی نفی اور مجرد و بلا صفت ذات کے اثبات پر جتنا اصرار تھا اس کے بعد اس کے حلقہ اثر میں دعا و التجا کا کیا امکان باقی رہ جاتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مشرکانہ جاہلیت نے صفات الٰہیہ میں سے تقریباً ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ کوئی احیاء پر قادر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں رزق تھا کسی کا علم محیط و ہمہ گیر تھا۔ اور ہر "غیب" اس کے لئے شہود تھا۔ ایسی حالت میں "اللہ واحد" کی طرف رجوع کرنے اور اس کے سامنے دست سوال دراز کرنے کا کوئی امکان نہیں۔

بہرحال یونانی فلسفہ نے (اس مسلک کی بناء پر جو اس نے صفات کے بارے میں اختیار کیا تھا) دعا و التجا کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ اور مشرکانہ جاہلیت نے (صفاتِ الٰہیہ کو مخلوقات کی طرف منسوب کر کے) دعا و التجا کا رخ خدا سے موڑ کر بندوں کی طرف تبدیل کر دیا تھا۔ دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ براہِ راست خدا سے طلب و سوال اور دعا و التجا کا رواج تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ زمانۂ بعثت میں پورے پورے ملک اور وسیع علاقوں میں ایسے چند آدمی بھی ملنے مشکل تھے جن کو خدا سے دعا کرنے کی عادت اور اس کا سلیقہ ہو۔ اور جو اس سے تسکین حاصل کرتے ہوں اور اسی کی دعوت دیتے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا۔ دعا سے محرومی کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط تصور تھا کہ خدا ہم سے بہت دور ہے۔ ہماری آواز وہاں کہاں پہنچ سکتی ہے؟ رسول اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا اور یہ مژدہ سنایا کہ:

واذا سالك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع

اذا دعان (بقرہ: ۱۸۶)

(اور جب آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے

والوں کی دعا سنتا ہوں)

آپؐ نے صرف اسی کو واضح نہیں کیا کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بلکہ آپؐ نے ثابت کیا کہ خدا کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا بندگی سے گریز اور استکبار و سرکشی کی علامت ہے آپؐ کے اس اعلان نے دعا کا پایہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اور اس کو بندگی کے فعل اضطراری کے درجہ سے اعلیٰ عبادت اور قرب کے مقام تک پہنچا دیا۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن

عبادتی سیدخلون جہنم داخرین (المومنون - ۶۰)

(اور تمھارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمھاری دعا قبول

کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب

ہی وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے)

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دعا کو مغفرت قرار دیا۔ دعا کو رحمت و برکت کے دروازے کی کلید قرار دیا۔ اس طرح دعا کا شعبہ جس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہی تھی عبادات اور معابد بھی اس کے نور سے خالی ہو چکے تھے۔ دوبارہ تازہ ہوئے۔ نبوتِ محمدی کی تجدید اور اس کا عمل تکمیل اسی پر ختم نہیں ہوتا۔ آپؐ نے ہمیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دعا کرنا بھی سکھایا۔ آپؐ نے انسانیت کے خزانے کو اور دنیا کے ادب کو دعاؤں کے جواہرات سے مالا مال کر دیا۔ آپؐ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دعا مانگی جن سے زیادہ مؤثر اور بلیغ الفاظ انسان لا ہی نہیں سکتا۔ یہ دعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں۔ ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر کی زبان سے نکلے ہیں۔ ان میں نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین اور "عبد کامل" کا نیاز ہے۔

حدیث و سیرت کے دفتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں ان پر نظر ڈالیے کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی و کمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لئے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے اس سے زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔

میدان عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کفن بر دوش انسانوں کا مجمع ہے۔ لبیک کی دعاؤں اور صداؤں سے فضا گونج رہی ہے خدا کی شان بے نیازی اور عظمت و جبروت کا نقشہ سامنے ہے۔ انسانوں کے اس جنگل میں ایک برہنہ سر احرام پوش ایسا بھی ہے جس کے کاندھوں پر ساری انسانیت کا بار ہے۔ جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ہر جاننے والے سے زیادہ انسان کی درماندگی، بے وقعتی اور بے بسی سے واقف ہے۔ اس پُر تاثیر اور پُر ہیبت فضا میں اس کی آواز بلند ہوتی ہے اور سننے والے سنتے ہیں۔

اللهم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سري وعلانيتي لا يخفى عليك شي من امري وانا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبك، اسالك مسئلة المسكين وابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير دعا من خضعت لك رقبة وفاضت عبرته وذل لك جسمه ورغم لك انفه، اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا وكن بي رؤفا رحيما يا خير المعطين (كنز العمال۔ عن ابن عباس)

(اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے۔ اور میرے پوشیدہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں۔ محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے۔ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے۔ اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اسکے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر۔ اے سب دینے والوں سے اچھے)

سب جانتے ہیں کہ ایک قوی اور غنی ذات، قادر مطلق، سلطانِ برحق، مالک الملک کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس کی رحمت کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اپنی عجز و درماندگی اور اپنی بندگی و بیچارگی کے زیادہ سے زیادہ اور موثر سے موثر طریقے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتراف کی کہ ہم خاندانی و نسلی غلام، مملوک ابن مملوک اور اس در دولت اور آستانۂ شاہی کے قدیمی نمک خوار و پروردہ نعمت ہیں۔ جان و مال ہر چیز کے آپ مالک ہیں۔ کوئی چیز آپکے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں۔ ایسی حالت میں آپ ہی رحم نہ فرمائیں گے اور آپ ہی خبر نہ لیں گے تو کون لے گا۔ دیکھئے کسی دعا کے لئے اس سے بہتر تمہید اور مقصد کی کشائش کے لئے اس سے بہتر کلید کیا ہو سکتی ہے؟

اللھم انی عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضائک اسالک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمی۔ (طبری عن ابن مسعودؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں ۔ نافذ ہے میری بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے باب میں تیرا فیصلہ۔ میں تجھے ہر اسم کے واسطے سے جس سے تونے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے یا اپنے پاس اسے غیب ہی میں رہنے دیا ہے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے۔ اور میری آنکھ کا نور اور غم کی کشائش اور میری تشویش کا دفعیہ)

(۴۳)

دعائیں

(۱) اللھم ما اصبح لی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک فلک الحمد ولک الشکر (ابوداؤد عن عبداللہ بن غنامؓ)

(اے اللہ جو چیز مجھ کو صبح کے وقت حاصل ہوئی ہے تیری نعمتوں میں سے یا کسی (دوسرے) کو تیری مخلوقات میں سے پس وہ صرف تیری طرف سے ہے۔ تو ایک ہے۔ کوئی تیرا شریک نہیں۔ ہر قسم کی تعریف تیرے ہی لئے ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے)

(۲) لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السموات ورب الارض ورب العرش الکریم (بخاری و مسلم عن ابن عباسؓ)

(کوئی معبود نہیں مگر اللہ جو بزرگ اور بردبار ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں پروردگار ہے عرش عظیم کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا اور پروردگار ہے عرش کریم کا)

(۳) اللھم انی اعوذ بک من الھم والحزن واعوذ بک من العجز

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

والکسل واعوذبک من البخل والجبن واعوذبک من غلبۃ الدین و قھر الرجال (ابوداؤد عن ابوسعید خدریؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں فکر اور غم سے اور پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سستی سے اور پناہ مانگتا ہوں بخل اور نامرادی سے اور پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ سے اور آدمیوں کے غلبہ سے)

(۴) اللھم انی اعوذبک من الاربع من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع (ابوداؤد۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ ترمذی عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں چار چیزوں سے اس علم سے جو نفع نہ دے اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اس نفس سے جو سیر نہ ہو اس دعا سے جو سُنی نہ جائے)

(۵) اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلۃ واعوذبک من ان اظلم او اظلم (ابوداؤد۔ نسائی عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں افلاس سے نیکیوں کی کمی سے یا مال کی کمی سے اور ذلت سے اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے)

(۶) اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح آخرتی التی فیھا معادی واجعل الحیاۃ زیادۃً لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر (مسلم عن ابوہریرہؓ)

(اے اللہ درست کر دے میرا دین وہ دین جو میرے کاموں کا محافظ ہے اور درست کر دے میری دُنیا وہ دنیا جس میں میری زندگانی ہے اور درست کر دے میری آخرت جس کی طرف مجھے جانا ہے اور میری زندگی کو زیادہ کر دے جو سبب ہے نیکی کا اور بنا میرے لئے موت کو ہر برائی سے راحت و آرام کا سبب)

(۷) اللھم اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

النار (بخاری مسلم عن انس)

(اے اللہ عطا فرما ہم کو دنیا میں نیکی اور آخرۃ میں نیکی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے)

(۸) اللھم اجعلنی اعظم شکرک واکثر ذکرک واتبع نصحک واحفظ وصیتک (ترمذی عن ابو ہریرہؓ)

(اے اللہ مجھ کو ایسا بنا دے کہ میں کروں بڑا شکر تیرا اور بہت کروں ذکر تیرا اور پیروی کروں تیری نصیحت کی اور یاد رکھوں میں وصیت تیری)

(۹) اللھم طہر قلبی من النفاق وعملی من ریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (بیہقی عن ام معبدؓ)

(اے اللہ پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو خیانت سے بے شک تو آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اس چیز کو بھی جس کو چھپاتے ہیں دل)

(۱۰) اللھم انی اعوذ بک من الجوع فانہ بئس الضجیع واعوذ بک من الخیانۃ فانہا بئست البطانۃ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن ابو ہریرہؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں بھوک اور فاقے سے کہ وہ بدترین خواب ہے اور پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کہ وہ بدترین اندرونی عادت ہے)

(۱۱) اللھم انی اعوذ بک من زوال نعمتک وتحول عافیتک وفجاءۃ نقمتک وجمیع سخطک (مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ)

(اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے تیری عافیت کی تبدیلی سے اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے تمام غضب سے)

(۱۲) اللھم لک اسلمت وبک آمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت اللھم انی اعوذ بعزتک لا الہ الا انت ان تضلنی انت الحی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الذی لا یموت والجن والانس یموتون (بخاری۔ مسلم عن ابن عباس)

(اے اللہ تیری اطاعت کی میں نے۔ تجھ پر ایمان لایا میں۔ تجھ پر بھروسہ کیا میں نے اور تیری طرف رجوع کیا میں نے اور تیری مدد سے لڑتا ہوں میں۔ اے اللہ تیری عزت کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں (نہیں ہے کوئی معبود مگر تو) اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھ کو تو زندہ ہے۔ ایسا زندہ کہ نہ مرے گا اور جن وانسان مریں گے)

(۱۴) اللھم اھدنی لاحسن الاعمال واحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت وقنی سیئ الاعمال وسیئ الاخلاق لا یقی سیئھا الا انت (نسائی عن جابرؓ)

(اے اللہ مجھے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی توفیق ورہنمائی فرما۔ بہترین اعمال واخلاق کی توفیق ورہنمائی فرما سکتا ہے اور مجھے برے اعمال واخلاق سے بچا۔ برے اعمال واخلاق سے توہی بچا سکتا ہے۔)

(۱۵) اللھم انی اسألک نعیما لا ینفد وقرۃ عین لا تنقطع واسألک الرضاء بالقضاء وبرد العیش بعد الموت ولذۃ النظر فی وجھک والشوق الی لقاءک

(مستدرک عن عامر بن یاسر)

(اے اللہ تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم (تکوینی) پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق)

(۱۶) اللھم انی اسألک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین

(مستدرک حاکم عن ثوبان)

(اے اللہ میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کی)

(۱۷) اللھم اجعلنی صبوراً واجعلنی شکوراً واجعلنی فی عینی صغیراً وفی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اعین الناس کبیراً (کنز العمال عن بریدہؓ)

(اے اللہ مجھے بڑا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے.)

(۱۸) اللھم اجعل اوسع رزقك علی عند کبر سنی وانقطاع عمری (مستدرک عن عائشہؓ)

(اے اللہ میری سب سے زیادہ کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور میرے خاتمہ کے وقت کر)

(۱۹) اللھم اغفرلی ذنبی ووسع فی داری وبارک لی فی رزقی (نسائی عن ابو موسی اشعریؓ)

(اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے گھر میں وسعت دے اور میرے رزق میں برکت دے)

(۲۰) اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت رب کل شئ والملائکۃ یشھدون انک لا الہ الا انت فانا نعوذ بک من شر انفسنا ومن شر الشیطان الرجیم وشرکہ. وان نقترف سوءاً او نجرہ الی مسلم. (جمع الفوائد عن ابی مالکؓ)

(اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق غیب وشہود کے جاننے والے. تو ہر چیز کا مالک ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہم تجھ سے اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی برائی سے اور شیطان رجیم کے شر اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں اور اس سے کہ ہم اپنے حق میں کسی شر کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں.)

(۲۱) اللھم قنی شر نفسی واعظم لی علی رشد امری (ابو داؤد عن ابن عمرؓ)

(اے اللہ مجھے میرے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کی اصلاح کی ہمت دے)

(۲۲) اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا (ترمذی عن ابن عمرؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(اے اللہ ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی اطاعت سے اتنا حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچائے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے)

(۲۳) لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا و لا مبلغ علمنا و لا غایۃ رغبتنا و لا تسلط علینا من لا یرحمنا (ترمذی ونسائی عن ابن عمرؓ)

(دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نا مہربان ہو)

(۲۴) اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الی لقاءک واذا اقررت اھل الدنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک (کنز العمال عن ابی بن مالکؓ)

(اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنا دے اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کہ دنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کر دے۔ اور جہاں تو نے دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ)

(۲۵) اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک، اللھم ارزقنی فیما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغاً لی فیما تحب (ترمذی عن عبداللہ بن یزیدؓ)

(اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس شخص کی بھی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک میرے حق میں نافع ہو یا اللہ جس طرح تو نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے۔ اسے میرا معین بھی اس کام میں بنا دے جو مجھے پسند ہے اے اللہ تو نے جو دور رکھا ہے مجھ سے جو مجھ کو پسند ہیں تو اسے میرے حق میں ان چیزوں کے لئے موجب فراغ بنا دے جو تجھے پسند ہیں)

(۲۶) اللھم انی اسالک صحۃً فی ایمانٍ وایماناً فی حسنِ خُلقٍ ونجاحاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تُتْبِعُهٗ فَلَاحًا وَّ رَحْمَةً مِنْكَ وَعَافِيَةً وَّ مَغْفِرَةً مِنْكَ وَرِضْوَانًا

(نسائی وحاکم عن انس)

(اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن خلق کے ساتھ اور کامیابی جس کے پیچھے فلاح بھی دے تو مجھے اور رحمت تیری طرف سے اور امن اور بخشش تیری طرف سے اور خوشنودی۔)

(۲۷) اللھم اجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ (طبرانی عن انسؓ)

(اور میری عمر کا بہترین اس کا آخری حصہ کر اور میرا بہترین عمل میرا آخری ترین عمل کرنا۔ اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس میں تجھ سے ملوں)

(۲۸) اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلم بہ منی اللھم اغفرلی جدی وھزلی وخطائ وعمدی وکل ذالک عندی واللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت واسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم وانت الموخر وانت علی کل شئی قدیر (بخاری مسلم عن ابو موسیٰ اشعریؓ)

(اے اللہ بخش دے میری خطا کو، میری نادانی کو، کاموں میں میری زیادتی کو اور اس گناہ کو جس کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے۔ یا اللہ بخش دے میری اس بات کو جس کو میں نے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ کیا ہو۔ اور اس بات کو جو ہنسی دل لگی میں کی ہو۔ اور ان باتوں کو جو دانستہ یا نادانستہ کی ہوں اور یہ تمام باتیں مجھ سے ہیں۔ اے اللہ تو بخش دے میرے پہلے گناہ کو پچھلے گناہوں کو مخفی گناہوں کو ظاہر گناہوں کو اور ان گناہوں کو جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے)

(۲۹) اللھم زدنا ولاتنقصنا واکرمنا ولا تھنا واعطنا ولاتحرمنا واثرنا ولا توثر علینا وارضنا وارض عنا (احمد۔ ترمذی عن عمر بن خطابؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(اے اللہ زیادہ کر (دنیا اور آخرت کی نعمتیں) اور (ان میں) کمی نہ کر اور عزت سے رکھ ہم کو (دنیا و آخرت میں) اور نہ ذلیل کر ہم کو اور عطا کر ہم کو (دنیا اور آخرت کی بھلائی) اور نہ محروم رکھ (اس سے) اور مخصوص کر ہم کو (اپنی رحمت و عنایت کے ساتھ) اور نہ مخصوص کر ہمارے مقابلہ میں غیر کو اور راضی کر ہم کو اور راضی ہو ہم سے)

(۳۰) اللھم لعلمک والغیب وقدرتک علی الخلق واحینی ما علمت الحیوۃ خیراً لی وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیراً لی اللھم واسئلک فی الغیب والشھادۃ واسئلک کلمۃ الحق فی الرضی والغضب واسئلک القصد فی الفقر والغنی واسئلک نعیماً لا ینفد واسئلک قرۃ عین لا ینقطع واسئلک الرضا بعد القضا واسئلک برد العیش بعد الموت واسئلک لذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک فی غیر ضراء مضرۃ ولا فتنۃ مضلۃ اللھم زینا بزینۃ الایمان
(نسائی عن عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ)

(اے اللہ بحق اپنے علم غیب کے اور بحق اپنی قدرت کے مخلوق پر مجھ کو زندہ رکھ اس وقت تک جب تک کہ میری زندگی میرے لئے بہتر ہو اور موت دے تو مجھ کو اس وقت جب کہ تو میرے لئے موت کو بہتر جانتا ہو اے اللہ اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیرا خوف ظاہر و باطن میں اور مانگتا ہوں میں تجھ سے کہنا کلمہ حق کا خوشی اور ناراضگی میں اور مانگتا ہوں تجھ سے میانہ روی افلاس اور خوشحالی کی حالت میں اور مانگتا ہوں تجھ سے ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور مانگتا ہوں تجھ سے ٹھنڈک آنکھ کی جو کبھی ختم نہ ہو اور مانگتا ہوں تجھ سے شوق تیری ملاقات کا ایسا شوق کہ ضرر نہ بن جائے اور نہ گمراہی کے فتنہ میں ڈالے اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت کے ساتھ زینت دے

(۳۱) اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی (مسلم عن ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ)

(اے اللہ مجھ کو بخش دے۔ مجھ پر رحم فرما۔ مجھ کو ہدایت دے مجھ کو عافیت سے رکھ اور رزق عطا فرما)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳۲) اللھم قنی عذابک یوم تجمع عبادک او تبعث عبادک

(ترمذی۔ احمد عن حذیفہؓ)

(اے اللہ بچا تو مجھ کو اپنے عذاب سے اس روز جب کہ تو اپنے بندوں کو جمع کرے یعنی قیامت کے دن یا اس دن کہ تو بندوں کو قبر سے اٹھائے۔)

(۳۳) سبحان اللہ وبحمدہ لاقوۃ الا باللہ ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن اعلم ان اللہ علیٰ کل شیٍ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شیٍ علما۔ (ابوداؤد)

(پاک ہے خدا کے لئے اور ہر قسم کی تعریف اسی کو زیبا ہے اور حمد و تسبیح کی قوت نہیں ہے (ہم میں) مگر اللہ کی مدد سے۔ جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔)

(۳۴) اللھم انی اسالک الھدیٰ والتقیٰ والعفاف والغنیٰ (مسلم عن عبداللہ بن مسعودؓ)

(اے اللہ میں طلب کرتا ہوں تجھ سے ہدایت، پرہیز گاری، پاکدامنی اور بے پرواہی)

(۳۵) اللھم اٰت نفسی تقوٰھا وزکّھا وانت خیر من زکّھا انت ولیھا ومولاھا (بخاری ومسلم ترمذی ونسائی وابن ابی شیبہ عن زید بن ارقمؓ)

(یا اللہ میرے نفس کو پرہیزگاری عطا فرما اور اسے تو پاک کر دے۔ تو ہی سب سے بہتر اس کو پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا مالک اور اس کا آقا ہے)

(۳۶) اَسْاَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا (ابن حبان عن جابرؓ)

(میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو کارآمد ہو)

(۳۷) اللھم اغفرلی ذنوبی وخطئی وعمدی (طبرانی عن ابن عباسؓ)

(اے اللہ بخش دے میرے گناہ نادانستہ یا دانستہ)

(۳۸) اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک (مسلم ونسائی عن عبداللہ بن عمروؓ)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(اے اللہ پھیرنے والے دلوں کے پھیر دے ہمارے دل اپنی اطاعت کی طرف۔

(۳۹) اللھم انی اسألك رزقاً طیباً وّعلماً نافعاً وّعملاً متقبلاً

(طبرانی وابن السنی عن ام سلمہؓ)

(اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے پاکیزہ رزق اور کارآمد علم اور عمل مقبول)

(۴۰) اللھم اجعل فی قلبی نوراً وّفی بصری نوراً وّفی سمعی نوراً وّعن یمینی نوراً وّعن شمالی نوراً وخلفی نوراً وّمن امامی نوراً واجعل لی نوراً وّفی عصبی نوراً وّفی لحمی نوراً وّفی دمی نوراً وّفی شعری نوراً وّفی بشری نوراً وّفی لسانی نوراً واجعل فی نفسی نوراً وّاعظم لی نوراً وّاجعلنی نوراً وّاجعل من فوقی نوراً وّمن تحتی نوراً اللھم اعطنی نوراً (بخاری مسلم وابوداود ونسائی وابن ماجہ وحاکم عن ابن عباسؓ)

(یا اللہ کردے میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور اور بائیں طرف نور اور میرے پیچھے نور اور میرے سامنے نور اور کردے میرے لیے خاص نور اور میرے پٹھوں میں نور اور میرے گوشت میں نور اور میرے خون میں نور اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور اور دے مجھے نور عظیم اور کردے مجھے سراپا نور اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور۔ یا اللہ دے مجھے نور!

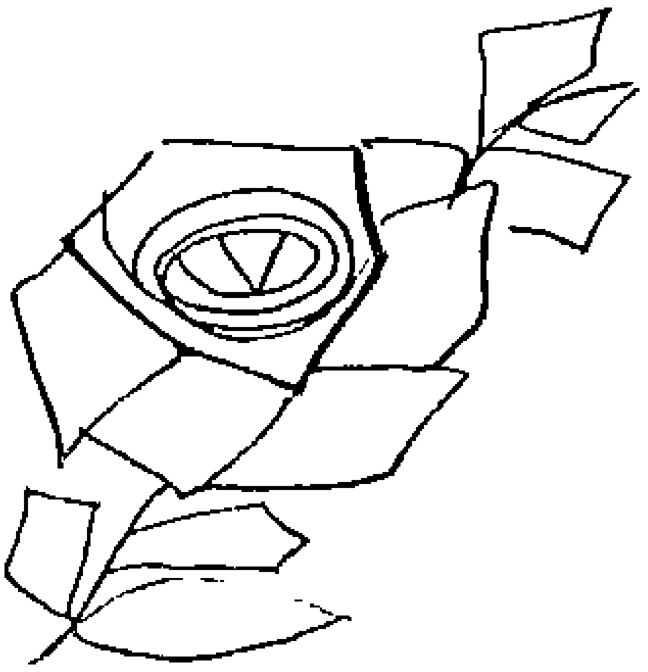

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اذکار

عبدالقدیر عثمانی

(۱)

ذکر کے لغوی معنی یاد کے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کا لفظ خدا کی یاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یوں تو لفظ ذکر اپنے وسیع مفہوم میں اللہ کی ہر اطاعت، بندگی اور عبادت پر محیط ہے۔ لیکن قرآن و حدیث میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے لیٹے ہر وقت کثرت سے اللہ کا نام لیتے رہنے کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اس عبادت کے لئے نہ کسی گنتی کی قید ہے نہ وقت کی۔ نہ تسبیح کی ضرورت ہے نہ پکار کر پڑھنے کی۔ نہ وضو کی حاجت ہے نہ قبلہ رو ہونے کی۔ اور نہ کسی خاص جگہ کی پابندی ہے بلکہ ہر طرح کی آزادی و اختیار حاصل ہے کہ بندہ خلوصِ نیت سے اپنے رب کا نام لیتا رہے چاہے وہ گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو۔ صبح ہو یا شام رنج میں ہو یا راحت میں خوشحالی میں ہو یا پریشانی میں غرض کوئی ساعت ہو حتی المقدور اللہ کی بڑائی، عظمت، پاکی، تعریف و تقدیس کے گن گاتا رہے[۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جب اس پہلو سے نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یہ حصہ بھی بالکل مکمل ہے۔ آپ[۲] نے ذکر کی اہمیت

---

[۱] قرآن میں اسکا حکم بھی ہے اور فضیلت بھی، دیکھئے: عنکبوت ۴۵، بقرہ ۱۵۲، اعراف ۲۰۵، جمعہ ۱۰، احزاب ۳۵-۴۱ وغیرہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وفضیلت بھی بیان کی۔ اس کی تعلیم بھی دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا کہ ایک بندہ ہر وقت اپنے رب کو کس طرح یاد کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کو یاد کیا کرتے تھے (مسلم) ذکر کے سلسلہ میں آپؐ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے:

○ ــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے دونوں ہونٹ ہلتے ہیں تو اس وقت میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (عن ابو ہریرہؓ۔ بخاری)

○ ــــ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس کے اندر زندگی پائی جاتی ہے۔ اور اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد نہیں رکھتا ایسی ہے جیسے میت (بخاری ومسلم)

○ ــــ حضرت ابو ہریرہؓ و ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر خدا کی رحمت چھا جاتی ہے۔ اور ان پر چین کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

○ ــــ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس (بندے) کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ پھر اگر وہ اپنے جی میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر ایسے مجمع میں کرتا ہوں جو اس مجمع سے بہتر (فرشتوں اور پیغمبروں کا مجمع) ہوتا ہے" (بخاری ومسلم)

○ ــــ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شئے کی ایک قلعی ہے اور دلوں کی قلعی اللہ کا ذکر ہے (بیہقی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲)

عام اذکار (۱) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا مجھے ایک ایسی عبادت سکھا دیجئے جس سے میں اپنے خدا کو یاد کروں تو آپ نے فرمایا" اس کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس سے محبت کی جائے۔ اور جس کی اطاعت و عبادت کی جائے۔ وہ اکیلا ہے۔ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اسی کے لئے شکر و تعریف ہے۔ اللہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ لوگوں کا پالنے والا اور آقا ہے۔ بندے کے پاس کوئی تدبیر اور کوئی قوت نہیں ہے۔ تدبیر و قوت بندے کو صرف اللہ کے سہارے ملتی ہے جو کامل اقتدار کا مالک اور علم و انصاف کے ساتھ اقتدار کو استعمال کرنے والا ہے۔ اس شخص نے کہا یہ تو اللہ کے لئے ہوا میرے لئے کیا ہے میں کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا تم کہو اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی یعنی اے اللہ تو میرے گناہ معاف کردے مجھ پر رحم فرما مجھے سیدھے راستے پر چلا اور مجھے روزی دے (مسلم)

(۲) حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے معاذؓ خدا کی قسم مجھے تم سے محبت ہے پھر فرمایا معاذؓ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو کہنا اور کبھی نہ چھوڑنا "ربّ اعنّی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک" (اے رب ہماری مدد فرما اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر) (ابوداؤد)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں (لیکن) میزان میں بہت بھاری ہوں گے اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں وہ یہ ہیں: سُبحان اللہ بحمدہ، سبحان اللہ العظیم (بخاری مسلم)

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا سبحان اللہ اور الحمدللہ اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے (مسلم)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۵) حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کامیاب ہو گا جس نے ہر نماز فرض کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا (مسلم)

(۶) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے (ترمذی)

(۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی خبر دے دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فرمائیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (بخاری، مسلم)

خاص اذکار

(۱) صبح و شام:

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئٌ فی الارض ولا فی السماءِ وھو السمیع العلیم (تین مرتبہ) (عن عثمان بن عفانؓ سنن اربعہ)	میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین و آسمان میں نقصان نہیں دے سکتی۔ اور وہی سننے اور جاننے والا ہے۔

(۲) دن کے وقت:

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملکُ ولہ الحمدُ وھو علی کل شیئٍ قدیر۔	خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا ملک ہے۔ وہی قابل تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت
سو مرتبہ (عن ابی ہریرۃؓ۔ بخاری، مسلم)	رکھتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۳) گھر سے نکلتے وقت:

بسم اللہ توکلت علی اللہ۔ (عن ام سلمہؓ۔ ابن ماجہ۔ حاکم)	خدا کے نام کے ساتھ خدا پر بھروسہ کیا میں نے۔

(۴) گھر میں آنے کے وقت:

اللھم انی اسالک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا۔ (عن مالک الاشعریؓ۔ ابو داؤد)	یا اللہ میں مانگتا ہوں آپ سے بھلائی اندر جانے اور بھلائی باہر نکلنے کی خدا کے نام کے ساتھ اندر جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ باہر نکلتے ہیں ہم اور اپنے رب اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے۔

(۵) وضو شروع کرتے وقت:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (عن ابوہریرہؓ۔ ابن ماجہ۔ ترمذی)	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

(۶) وضو کے درمیان:

اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی۔ (عن ابی موسیٰ اشعریؓ۔ نسائی)	یا اللہ بخش دیجئے میرے گناہ اور کشائش دیجئے مجھے میرے گھر میں اور برکت دیجئے میری روزی میں۔

(۷) وضو کے بعد:

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین۔	یا اللہ کر دیجئے مجھے توبہ کرنے والوں میں سے اور کر دیجئے مجھے پاک صاف لوگوں میں سے۔

(۸) اذان کے بعد:

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ	اے اللہ مالک اس کامل اعلان کے اور مستقیم نماز کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وَالصَّلاۃِ القائمۃِ وَاٰتِ محمدان الوسیلۃ والفضیلۃ وَابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہٗ انک لاتُخلفُ المیعاد۔ (عن جابر بن عبداللہ انصاریؓ۔ بخاری)	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور قائم فرما مقام محمود میں جسکا وعدہ آپ نے ان سے کیا ہے۔ کیونکہ آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

(۹) ہر نماز کے بعد:

اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سر کو چھوتے ہوئے یہ پڑھے:-

بسم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اللھم اذھِب عنّی الھم والحُزن۔ (عن انسؓ۔ بزاز۔ طبرانی)	اللہ کے نام کے ساتھ وہ اللہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے بخشش والا مہربان ہے وہ یا اللہ دور کر دیجئے مجھ سے فکر و غم۔

(۱۰) سید الاستغفار

اللھُمّ انت ربی لا الٰہ الّا انتَ خلقتنی وانا عبدُکَ وانا علیٰ عھدِکَ وَ وعدکَ ما استطعتُ اعوذبکَ من شر ما صنعتُ ابُوءُ لکَ بنعمتکَ علیَّ وابُوءُ بذنبی فاغفرلی انّہٗ لا یغفرُ الذنُوبُ الّا انتَ (عن بریدۃؓ۔ بزاز)	اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور بقدر استطاعت تیرے عہد و پیمان پر قائم ہوں جو کچھ میں نے کیا ہو اسکی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور جو تو نے مجھ پر انعام کیا ہے اسکا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہ کا معترف ہوں پس تو میری مغفرت فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔

(۱۱) مسجد میں جاتے وقت:

اللھمّ افتح لی ابواب رحمتکَ (عن ابی ہریرہؓ۔ حاکم۔ ابن حبان)	یا اللہ کھول دیجئے میرے لئے دروازے اپنی رحمت کے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۲) مسجد سے نکلتے وقت:

اللّٰھم انی اسالک من فضلک

یا اللہ میں مانگتا ہوں آپ سے آپ کا فضل۔

(عن ابن ابی حمیدؓ۔ مسلم۔ ابو داؤد)

(۱۳) کھانا شروع کرتے وقت:

بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ

اللہ کے نام سے اور اللہ کی (دی ہوئی) برکت پر۔

(عن وحشی بن حربؓ۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی)

(۱۴) کھانے کے بعد:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔

شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور کیا ہمیں مسلمانوں میں سے۔

(عن ابی سعید خدریؓ۔ سنن اربعہ)

(۱۵) لباس زیب تن کرتے وقت:

الحمد للہ الذی کسانی ما اُواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی

شکر ہے اللہ کا جس نے مجھ کو ایسا لباس پہنایا کہ ڈھانکتا ہوں میں اس سے اپنا ستر اور زینت کرتا ہوں اس سے اپنی زندگی میں۔

(عن عمرؓ۔ ترمذی۔ حاکم)

(۱۶) کپڑے اتارتے وقت:

بسم اللہ

اللہ کے نام سے۔

(عن انسؓ۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن سنی)

(۱۷) کسی کو رخصت کرتے وقت:

اَستَودِعُ اللّٰہَ دِینَکَ وامانتک وخواتیم عملک

اللہ کے سپرد کرتا ہوں میں تیرے دین کو اور تیری قابل حفاظت چیزوں کی اور تیرے اعمال کے انجاموں کو۔

(عن ابن عمرؓ۔ نسائی۔ ترمذی)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۱۸) سوار ہوتے وقت:

بسم اللہ۔	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

(۱۹) سوار ہو جانیکے بعد:

الحمد للہ سبحان الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔ (عن علیؓ۔ ترمذی۔ ابوداؤد)	شکر ہے اللہ کا پاکی ہے اس کو جس نے ہمارے قبضہ میں کر دیا اسکو اور نہ تھے ہم اس کو قابو کرنے والے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں۔

(۲۰) جب چلنا شروع کرے:

اللھم ھون علینا ھذا السفر واطو عنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکابۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والاھل والولد (عن ابن عمرؓ۔ ابوداؤد۔ نسائی)	اے اللہ آسان کر دیجئے ہم پر اس سفر کو اور طے کر دیجئے ہم پر درازی اس کی اے اللہ آپ ہی رفیق ہیں یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں آپ کی سفر کی مشقت سے اور بری حالت دیکھنے سے اور واپس آکر بری حالت پانے سے مال میں اور گھر میں۔ اور بچوں میں۔

(۲۱) واپسی سفر کے وقت:

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون (عن ابن عمرؓ۔ ابوداؤد۔ نسائی)	ہم سفر سے آنے والے ہیں۔ توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنیوالے ہیں اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

(۲۲) اگر کوئی مصیبت پہنچے تو:

انا للہ وانا الیه راجعون اللھم	بے شک ہم اللہ کے ہیں۔ ہم اسی کی طرف

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عندكَ احتسبُ مُصيبتي فاجرني فيها وابدلني منها خيراً۔ (عن ابن عباسؓ۔ ترمذی۔ نسائی)	لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ آپکے پاس ثواب مانگتا ہوں اپنی مصیبت کا پس اجر دیناً مجھے اس میں اور بدلہ میں دیجئے مجھے بہتر اس سے۔

(۲۳) مشکلات کو آسان کرنے کے لئے:

اللّٰھُمّ لا سَھلَ الا ما جَعَلتہُ سَھلا وَ انت تجعلُ الحُزنَ سَھلاً اذا شِئتَ۔	یا اللہ نہیں ہے سہل مگر وہ کہ آپ نے اس کو سہل کیا اور آپ کر دیتے ہیں۔ دشوار کو سہل جب آپ چاہیں۔

(۲۴) خوشخبری سُن کر کہے:

الحمدُ للّٰہِ و اللہ اکبر (عن ابی سعیدؓ۔ بخاری و مسلم)	اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

(۲۵) جب نیا چاند دیکھے:

اللّٰھُمّ اَھلّہُ علینا بالیُمن والایمان والسّلامۃِ والاسلامِ والتوفیق لما تحبُّ و ترضیٰ ربی و ربك اللہ (عن طلحہ بن عبیداللہ۔ ترمذی۔ دارمی)	یا اللہ نکالنا اس چاند کو ہم پر ساتھ برکت اور ایمان کے اور خیریت اور اسلام کے اور اعمال مرغوب اور پسندیدہ کی توفیق کے رب میرا اور تیرا اے چاند اللہ ہے۔

(۲۶) جب آئینہ دیکھے:

اللّٰھُمّ انتَ حَسّنتَ خلقي فحسّن خُلُقي (عن عائشہؓ۔ دارمی۔ ابن حبان)	یا اللہ آپ نے اچھی بنائی میری صورت پس اچھی کر دیجئے میری سیرت۔

(۲۷) وسوسہ دُور کرنے کے لئے:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم و من فتنتہٖ۔ (عن ابی ہریرۃؓ۔ نسائی)	میں شیطان مردود اور اس کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲۸) جب غصہ آئے:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم	پناہ چاہتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔
(عن سلیمان بن صردؓ۔ بخاری مسلم)	

(۲۹) جب بازار میں جائے:

اللھم انی اسألك خیر ھذہ السوق وخیر ما فیھا واعوذبك من شرھا وشر ما فیھا اللھم انی اعوذبك ان اصیب فیھا یمینا فاجرۃ او صفقۃ خاسرۃ۔	یا اللہ میں پناہ مانگتا ہوں آپ سے بھلائی اس بازار کی اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں میں برائی اس کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں آپ کی اس سے کہ پڑجاؤں اس بازار میں جھوٹی قسم میں یا معاملہ خسارہ والے میں۔
(عن بریدۃؓ۔ حاکم	

(۳۰) عیادت کے وقت: جب کسی مریض کی عیادت کرے تو کہے۔

لا بأس طھور ان شاء اللہ لا بأس طھور ان شاء اللہ۔	کچھ حرج نہیں ہے یہ (بیماری گناہوں سے) پاک کردینے والی ہے اگر اللہ نے چاہا۔ کوئی ڈر نہیں۔ انشاء اللہ یہ (بیماری گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔
(عن ابن عباسؓ۔ بخاری ونسائی۔)	

(۳۱) جب کوئی بات مرضی کیمطابق پیش آئے:

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔	شکر ہے اللہ کا جس کے انعام سے اچھی چیزیں کمال کو پہنچتی ہیں۔

(۳۲) جب کوئی بات خلاف مرضی پیش آئے:

الحمد للہ علی کل حال۔	شکر ہے اللہ کا ہر حال میں۔

(۳۳) سوتے وقت:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ وضعت جنبی اللھم اغفرلی ذنبی واخسأ شیطانی وفُکَّ رھانی وثقّل میزانی و اجعلنی فی الندِ الاعلیٰ۔ (عن ابی الازہر الانصاری۔ ابوداؤد۔ حاکم)	اللہ کے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا۔ اے اللہ تو میرے گناہ بخش دے اور میرے شیطان کو دُور کر دے۔ اور میرے اعمال کا پلہ بھاری کردے اور مجھے طبقۂ اعلیٰ میں کر دے۔

(۳۴) بیداری کے وقت :

الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور۔ (عن حذیفہؓ۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی)	شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں زندہ کیا بعد مار دینے کے اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(۳۵) بیت الخلا میں جاتے وقت :

بسم اللہ اللھم انی اعوذبک من الخبثِ والخبائثِ (عن انسؓ۔ صحاح ستہ)	اللہ کے نام کے ساتھ یا اللہ میں پناہ پکڑتا ہوں آپ کے گندے مردوں اور گندی عورتوں سے۔

(۳۶) بیت الخلاء سے نکلتے وقت :

غفرانک الحمد للّٰہ الذی اذھب عنّی الاذی وعافانی۔ (عن عائشہؓ۔ سنن اربعہ)	بخشش چاہتا ہوں میں آپ کی شکر ہے اللہ کا جس نے دُور کر دی مجھ سے گندگی اور صحت دی مجھ کو۔

(۳۷) آندھی کے وقت :

اللھم انا نسألک من خیر ھٰذہٖ الریح وخیرِ ما فیھا وخیرِ ما اُمرت بہ ونعوذ بک من شرِ ھٰذہٖ الریح وشرِ ما فیھا و	اے اللہ! میں تجھ سے اس آندھی کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے اور جس چیز کے لئے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور میں اس آندھی کی اور اس چیز کی جو اس میں ہے اور جس کے لئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شَرِّ مَا أُمِرْتُ بِهٖ
(عن عائشہؓ۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

یہ بھی کہی ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(۳۸) توبہ کے لئے:

اللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ (تین مرتبہ)
(عن جابر بن عبداللہؓ۔ حاکم)

یا اللہ مغفرت آپ کی زیادہ وسیع ہے میرے گناہوں سے اور رحمت آپ کی زیادہ امید کی چیز ہے۔ میرے نزدیک اپنے عمل سے۔
(تین مرتبہ)

(۳۹) جب شب قدر دیکھے:

اللّٰھم اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (عن عائشہؓ۔ ترمذی۔ ن ائی)

یا اللہ آپ معاف کرنے والے ہیں پسند کرتے ہیں عفو کو پس درگذر کیجیئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"